

نقل ٹائٹل بار اول

مقصہ اول

ازالہ اوہام

قیمہ بامس شندید و منافع لکنا س

الحمد والمنت کہ ماہ مبارک ذی الحجہ ۱۳۰۳ کتاب
جملہ معارف قرآنی و شراح اسرار کلام ربانی از
تالیفات مرسل یزدانی و مامور رحمانی
جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

مطبع ہندوستان ہستیا سخی شیخ محمد احمد
مطبع ہندوستان ہستیا سخی شیخ محمد احمد
مطبع ہندوستان ہستیا سخی شیخ محمد احمد

قیمت فی جلد غیر

تقداد جلد ۷۰۰

اے شک کرنے والو!

آسمانی فیصلہ کی طرف آ جاؤ!

اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے غیظ اور غضب میں اگر حد سے مت بڑھو میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تمام لو۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔
 امنت باللہ وملتکتم وکتبہ ورسلمہ والبعث بعد الموت واشھدان
 لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھدان محمدًا عبدہ ورسولہ
 فاتقوا اللہ ولا تقولوا لست مسلمًا واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون۔

اور اگر اب بھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد شک ہے تو آؤ آزمائے خدا کس کے ساتھ ہے میرے مخالف رائے مولوی اور موفیو اور سجادہ نشینو جو مکفر اور کذب ہو مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جل کر یا ایک ایک آپ میں سے ان آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں جو اولیاء الرحمن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ تمہیں شرمندہ کرے گا اور تمہارے پردوں کو بھاڑ دے گا اور اس وقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے کہ اس آزمائش کے لئے میدان میں آئے اور عام اعلان اجراء کے ذریعے سے دیگران تعلقات قبولیت میں جو مبارک میرے ساتھ دیکھتا ہے اپنے تعلقات کا موازنہ کرے۔ یاد رکھو کہ خدا صادق کا مددگار ہے وہ اسی کی مدد کرے گا جسکو وہ سچا جانتا ہے۔ چالاکیوں سے باز آ جاؤ کہ وہ نزدیک ہے۔ کیا تم اس لوگوں کے ہلکا کوئی متکبرانہ اچھلے ہو درحقیقت اونچا ہو سکتا ہے۔ کیا صرف زبان کی تیزوئی سے سچائی کو کاٹ دو گے اس ذات سے جو جس کا غضب و غضب سے بڑھ کر ہے۔ اِنَّ مِنْ یَّاتِ رَبِّکُمْ مِّنْ جَحِشٍ مَّا فَاِنَّ لَکُمْ جَهَنَّمَ لَا یَمُوتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔

خاکسار غلام احمد قادیانی از لودھیانہ محلہ اقبال گنج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله والسلام على قومٍ موجه سيماء على امام الاصفياء وسيد الانبياء
محمد المصطفى وآله واصحابه اجمعين. اللهم ارزقنا انوار اتباعه واعطنا
ضوءه بجميع انواعه برحمتك عليه واشياءه۔

اس سوال کا جواب کہ حضرت مسیح بن مریم نے مُردوں کو
زندہ کیا اور اندھوں کو آنکھیں بخشیں بہروں
کے کان کھولے ان تمام معجزات میں
سے شیل مسیح نے کیا دکھایا۔

اس جگہ اول تو یہ جواب کافی ہے کہ جس مسیح کے مسلمان لوگ منتظر ہیں اُس کی نسبت ہرگز احادیث
میں یہ نہیں لکھا کہ اس کے ہاتھ سے مردے زندہ ہوں گے بلکہ یہ لکھا ہے کہ اُس کے دم سے
زندے مریں گے۔ علاوہ اس کے خدائے تعالیٰ نے اسی غرض سے اس عاجز کو بھیجا ہے کہ
سارو معانی طور پر مردے زندہ کئے جائیں۔ بہروں کے کان کھولے جائیں اور مجذموں کو صاف
کیا جائے اور وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں اور نیز یہ بھی وجہ مخالفت ہے کہ جیسے مسیح
بن مریم نے انجیل میں توریت کا صحیح خلاصہ اور مغز اصلی پیش کیا تھا اسی کام کے لئے یہ
عاجز مامور ہے تا غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔ مسیح
صرف اسی کام کیلئے آیا تھا کہ توریت کے احکام شد و مد کے ساتھ ظاہر کرے۔ ایسا ہی یہ عاجز
بھی اسی کام کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تا قرآن شریف کے احکام بہ وضاحت بیان کر دیوے۔ فرق
صرف اتنا ہے کہ وہ مسیح موسیٰ کو دیا گیا تھا اور یہ مسیح شیل موسیٰ کو عطا کیا گیا۔ سو یہ تمام مشابہت

تو ثابت ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونی والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں۔ اور وہ حکمت جو میرے مُنہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مُردہ دلوں کے لئے آپ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عُذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ سو تم مقابلہ کے لئے جلدی نہ کرو اور دیدہ و دانستہ اس الزام کے نیچے اپنے تئیں داخل نہ کرو جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقِفْ مَالِيسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفَوَاحِلَ كُلَّ اُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ بد ظنی اور بد گمانی میں حد سے زیادہ مت پڑھو یا نہ ہو کہ تم اپنی باتوں سے پکڑے جاؤ اور پھر اس دُکھ کے مقام میں تمہیں یہ کہنا پڑے کہ مَالَنَا لَا نَرٰ نَرٰ رَجَالًا كُنَّا نَعْبُدُ هُم مِّنْ اِلٰهٍ شَرًّا رَتَّ

آں نہ دانائی بود کز ناشکیبائی نفس خویش تن را زود تیر بر ضد و انکار آورد
صبر باند طالب حق را کہ تخم اندر جہاں ہر جہ پنهان خاصیت دارد بھل بلر آورد
اندکے نور فراست باید ایں جامد را تا صداقت خویش تن را خود با ظہار آورد
صادق را صدق پنهانی نے ماند نہاں نور پنهان بر جبین مرد انوار آورد
ہرگز دست کسے خود دست کا سات وصال ہر زمان رویش سرور و اصل یار آورد

اے مسلمانو! اگر تم سچے دل سے حضرت خداوند تعالیٰ اور اُس کے مقدس رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو اور نصرت الہی کے منتظر ہو تو یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آگیا اور یہ کاروبار انسان کی طرف سے نہیں اور نہ کسی انسانی منصوبہ نے اس کی بنا ڈالی۔ بلکہ یہ وہی صیح صادق ظہور پذیر ہو گئی ہے جس کی پاک فوشتوں میں پہلے سے خبر دی گئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے بڑی ضرورت کے وقت تمہیں یاد کیا قریب تھا کہ تم کسی ملک گڑھے میں جا پڑتے مگر اُس کے

باشفقت ہاتھ نے جلدی سے تمہیں اٹھالیا سو شکر کرو اور خوشی سے اچھلو جو آج تمہاری زندگی کا دن آگیا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کے باغ کو جس کے راستبازوں کے غونوں سے آبشاری ہوئی تھی کبھی ضائع کرنا نہیں چاہتا وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ غیر قوموں کے مذاہب کی طرح اسلام بھی ایک پرانے قصوں کا ذخیرہ ہو جس میں موجودہ برکت کچھ بھی نہ ہو وہ ظلمت کے کامل غلبہ کے وقت اپنی طرف سے نور پہنچاتا ہے کیا اندھیری رات کے بعد نئے چاند کے چڑھنے کی انتظار نہیں ہوتی۔ کیا تم سلخ کی رات کو جو ظلمت کی آخری رات ہے دیکھ کر حکم نہیں کرتے کہ کل نیا چاند نکلنے والا ہے۔ افسوس کہ تم اس دنیا کے ظاہری قانون قدرت کو تو خوب سمجھتے ہو مگر اس روحانی قانون فطرت سے جو اُسی کا ہم شکل ہے بجلی بے خبر ہو۔

اسے نفسانی مولویو! اور خشک زاہدو! تم پر افسوس کہ تم آسمانی دروازوں کا کھلنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہو کہ ہمیشہ بند ہی رہیں اور تم پیر مغال بنے رہو اپنے دلوں میں نظر ڈالو اور اپنے اندر کو ٹٹو لو کیا تمہاری زندگی دنیا پرستی سے منزہ ہے کیا تمہارے دلوں پر وہ زنگار نہیں جس کی وجہ سے تم ایک تاریکی میں پڑے ہو کیا تم ان فقیہوں اور فریسیوں سے کچھ کم ہو جو حضرت مسیح کے وقت میں دن رات نفس پرستی میں لگے ہوئے تھے۔ پھر کیا یہ سچ نہیں کہ تم مثیل مسیح کے لئے مسیحی مشابہت کا ایک گونہ سامان اپنے ہاتھ سے ہی پیش کر رہے ہو تا خلائے تعالیٰ کی حجت ہر یک طور سے تم پر زار رہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک کافر کا مومن ہو جانا تمہارے ایمان لانے سے زیادہ تر آسان ہے۔ بہت سے لوگ مشرق اور مغرب سے آئیں گے اور اس خواہن نعمت سے حصہ لیں گے لیکن تم اسی زندگی کی حالت میں ہی مر رہے گے کا ش تم نے کچھ سوچا ہوتا۔

اور مشابہت کیلئے مسیح کی پہلی زندگی کے تجربات جو طلب کئے جاتے ہیں اس بارے میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ احواء جسمانی کچھ چیز نہیں احواء روحانی کے لئے یہ عاجز آیا ہے اہل اس کا ظہور ہوگا ماسوا اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان جوشی سے الگ کر کے دیکھا جائے جو محض افتراء کے طور پر یا غلط فہمی کی وجہ سے گھڑے گئے ہیں تو کوئی اعجوبہ نظر

نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات اور پیشگوئیوں پر جس قدر اعتراضات اور شکوک پیدا ہوتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا معجزات میں کبھی ایسے شبہات پیدا ہوئے ہوں کیا تالاب کا قصبہ مسیحی معجزات کی رونق دُور نہیں کرتا؟ اور پیشگوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر ابتر ہے کیا یہ بھی کچھ پیشگوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے مری پڑیگی لڑائیاں ہوں گی قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ تر قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اس قدر صوح نہیں نکل سکیں۔ انہوں نے یہود اور کراہوں کی پوشیدہ بارے تختوں میں سے ایک تخت دیا تھا جس سے آخر وہ مہر دم رہ گیا اور پطرس کو نہ صرف تخت بلکہ آسمان کی کنجیاں بھی دیدی تھیں اور بہشت کے دروازے کسی پر بند ہونے یا کھلنے اُسی کے اختیار میں رکھے تھے مگر پطرس جس آخری کلمہ کے ساتھ حضرت مسیح سے الوداع ہوا وہ یہ تھا کہ اُس نے مسیح کے رُوبرو صوح پر لعنت بھیجا اور قسم کھا کر کہا کہ میں اسی شخص کو نہیں جانتا۔ ایسی ہی اور بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو صحیح نہیں نکلیں مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں کیونکہ امور اخباریہ کشفیہ میں اجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی بعض پیشگوئیاں بھی اس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں اُمید باندھ لی تھی۔ غایتِ مافی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اُوروں سے زیادہ غلط نکلیں مگر یہ غلطی نفسِ العوام میں نہیں بلکہ سمجھ اور اجتہاد کی غلطی ہے۔ چونکہ انسان تھے اور انسان کی رائے خطا اور صواب دونوں کی طرف جاسکتی ہے اس لئے اجتہادی طور پر یہ لغزشیں پیش آگئیں۔

اس مقام میں زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح معجزہ غائی سے صاف انکار کر کے کہتے ہیں کہ میں ہرگز کوئی معجزہ دکھا نہیں سکتا مگر پھر بھی عوام الناس ایک انبارِ معجزات کا انکی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ وہ تو کھلے کھلے انکار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہیلو دیس کے سامنے حضرت مسیح جب پیش کئے گئے تو ہیلو دیس سچ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ اُسے اس کی کوئی کرامت دیکھنے کی اُمید تھی۔ پر ہیلو دیس نے ہر چند اس بارہ میں مسیح سے

بہت درخواست کی لیکن اُس نے کچھ جواب نہ دیا تب ہیرودیس اپنے تمام مصاحبوں کے سمیت اُس سے بے اعتقاد ہو گیا اور اُسے ناچیز ٹھہرایا۔ دیکھو تو قابائے

اب خیال کرنا چاہیے کہ اگر حضرت مسیح میں اقتداری طور پر جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے معجزہ نمائی کی قوت ہوتی تو ضرور حضرت مسیح ہیرودیس کو جو ایک خوش اعتقاد آدمی اور اُن کے وطن کا بادشاہ تھا کوئی معجزہ دکھاتے مگر وہ کچھ بھی دکھانہ سکے۔ بلکہ ایک مرتبہ فقیہوں اور فریسیوں نے جن کی قیصر کی گورنمنٹ میں بڑی عزت تھی حضرت مسیح سے معجزہ مانگا تو حضرت مسیح نے انہیں مخاطب کر کے پُر اشتعال اور پُر غضب الفاظ سے فرمایا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پتھر یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان انہیں دکھایا نہیں جائیگا۔ دیکھو متی باب ۱۲ آیت ۳۹۔ اور حضرت مسیح نے یونس نبی کے نشان کی طرف جو اشارہ فرمایا تو اس سے حضرت مسیح کا یہ مطلب تھا کہ یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ زندہ رہا اور زندہ نکل آیا ایسا ہی میں بھی صلیب پر نہیں مروں گا اور نہ قبر میں مردہ داخل ہوں گا۔

۱۔ اس جگہ حضرت مسیح کی تہذیب اور اخلاقی حالت پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ متی باب ۲۳ آیت ۳ میں وہ فرماتے ہیں کہ فقیہ اور فریسی یونسی کی گدائی پر بیٹھے ہوئے ہیں جیسے بڑے بزرگ ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ لوگ یودیوں کے مقتداء کھاتے تھے اور قیصر کے دربار میں بڑی عزت کے ساتھ خاص رئیسوں میں بٹھائے جاتے تھے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے انہیں فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے حضرت مسیح نے نہایت غیبہ جذب الفاظ استعمال کئے بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ان یودیوں کے معزز بزرگوں نے نہایت نرم اور مؤدبانہ الفاظ سے سراسر انکساری کے طور پر حضرت مسیح کی خدمت میں یوں عرض کی کہ اے اُستاد ہم تم سے ایک نشان دیکھا چاہتے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت مسیح نے

ہم اور ہمارے نکتہ چین

بعض صاحبوں نے نکتہ چین کے طور پر اس عاجز کی عیب شماری کی ہے۔ اور اگرچہ انسان عیب سے خالی نہیں اور حضرت مسیح کا یہ کہنا سچ ہے کہ میں نیک نہیں ہوں، نیک ایک ہی ہے یعنی خدا۔ لیکن چونکہ ایسی نکتہ چینیاں دینی کاروائیوں پر بد اثر ڈالتی ہیں اور حق کے طالبوں کو رجوع لانے سے روکتی ہیں اس لئے برعایت اختصار بعض نکتہ چینوں کا جواب دیا جاتا ہے۔

پہلی نکتہ چین اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشتعل ہو کر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم کی بے ادبی کی اور پُر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔ قرآن شریف میں صریح حکم وارد ہے کہ مخالفین معبودوں کو سب و دشتم سے یاد مت کرو تا وہ بھی بے سمجھی اور کینہ سے خدا کے تعالیٰ کی نسبت سب و دشتم کے ساتھ زبان نہ کھولیں لیکن اس جگہ پر خلاف طریقہ ماوریہ کے سب و دشتم سے کام لیا گیا۔ اماں جواب پس واضح ہو کہ اس نکتہ چین میں معترض صاحب نے

انہیں مخاطب کر کے یا الفاظ استعمال کئے کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشانِ دھوٹتے ہیں اور پھر اسی پر پس نہیں کی بلکہ وہ دن معزز بزرگوں کو ہمیشہ دشنام دہی کے طور پر یاد کرتے رہے۔ کبھی انہیں کہا آئے سانپوٹے سانپ کے بچہ۔ دیکھو متی باب ۲ آیت ۳۲ کبھی انہیں کہا اندھے دیکھو متی باب ۱۸ آیت ۱۸ کبھی انہیں کہا لے ریاکارو۔ دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۱۳ کبھی انہیں نصیحت فحش کلام سے کہا کہ گنجریاں تم سے پہلے خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل ہو گئی اور کبھی ان کا نام مسودہ رکھا رکھا۔ دیکھو متی باب ۲۸ آیت ۲۸۔ دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۱۳ کبھی انہیں کہا کہ تم جتنی بد دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۱۳۔ حالانکہ آپ ہی علم و عقل کی نصیحت دیتے ہیں مگر فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کے قسم کی لگا مسودہ رکھا رکھا۔ اس معترض کا جواب اُن مطالبی کے جواب میں دیا جائیگا جو تندیب کے بارے میں بعض خوش فہم آدمیوں نے اس عاجز کی نسبت کئے ہیں۔ منہ

وہ الفاظ بیان نہیں فرمائے جو اس عاجز نے بزمِ علم اُن کے اپنی تالیفات میں استعمال کئے ہیں اور درحقیقت سب شتم میں داخل ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دھوکے کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اُس کی کسی قدر مراد کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حاصل ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بد بھاشی کے کہ مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے بھرپور ہے۔ کیونکہ جو کچھ تنوں کی ذلت اور بُت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت و لعنت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے مٹنے سے بُت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے اُن کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدائے تعالیٰ کا کفار کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکھ دما تعبدون من دون الله حسب جہنم یہ معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے کیا خدائے تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو مشرب الہیہ قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کے رُوسے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں وَاغْلَظْ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا کیا مومنوں کی علامات میں اَشْدَّاءَ عَلَى الْكُفَّارِ نہیں رکھا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا ہودیوں کے معتمد و فقیہوں اور فریسیوں کو مٹور اور کُتے کے نام سے پکارنا اور گلیوں کے عالی مرتبہ فرمانروا میر و دیس کا لونبرٹری نام رکھنا اور معزز سردار کا ہنوں اور فقیہوں کو

کفری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گوندخت میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے ہن کر یہ اود نہایت دل آزار اور خلوت تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرام زادے ہو حرام کار ہو شریر ہو بد ذات ہو بے ایمان ہو احمق ہو ریاکار ہو شیطان ہو جہنمی ہو تم سانپ ہو سانپوں کے بچے ہو۔ کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ معترض کا اعتراض نہ صرف مجھ پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدائے تعالیٰ کی ساری کتابوں پر اور سارے رسولوں پر نہایت درجہ کے جلے سڑے دل کے ساتھ حملہ کیا ہے اور یہ حملہ انجیل پر سب سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت مسیح کی سخت زبانی تمام نبیوں سے بڑھی ہوئی ہے اور انجیل سے ثابت ہے کہ اُس سخت کلامی کی وجہ سے کئی مرتبہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے مارنے کے لئے پتھر اٹھائے اور سردار کاہن کی بے ادبی سے حضرت مسیح نے اپنے منہ پر ٹمانچے بھی کھائے اور جیسا کہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ میں صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں سو انہوں نے زبان کی تلوار ایسی چلائی کہ کسی نبی کے کلام میں ایسے سخت اور آزار دہ الفاظ نہیں جیسے انجیل میں ہیں اس زبان کی تلوار چلنے سے مسیح کو کیا کچھ آزار اٹھانے پڑے۔ ایسا ہی حضرت یحییٰ نے بھی یہودیوں کے فقیہوں اور بزرگوں کو سانپوں کے بچے کہہ کر اُن کی شمار تول اور کار سازیوں سے اپنا سر کٹوایا مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ مقدس لوگ پرلے درجہ کے غیر محذب تھے کیا زمانہ حال کی موجودہ تہذیب کی اُن کو بوجھ نہیں پہنچی تھی؟ اس سوال کا جواب ہمارے سید و مولے مادر و پدرم بر او خدا باد حضرت ختم المرسلین سید الاولین والآخرین پہلے سے دے چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب یہ آیتیں اُتریں کہ مشرکین رحس ہیں پلید ہیں شر البریہ ہیں سفہا ہیں اور ذریت شیطان ہیں اور اُن کے معبود و قود النار اور حسب جہنم ہیں تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری

۱۶

۱۷

دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے اُن کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور اُن کے بزرگوں کو شتر البریہ کہا اور اُن کے قابلِ تعظیم معبودوں کا نام ہی مذمِجہنم اور وقود النار رکھا اور عام طور پر اُن سب کو جس اور ذریت شیطان اور پلید ٹھہرایا میں تجھے خبیثہ خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ ہے اور نفس الامر کا عینِ محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا اور اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں میں احکامِ الہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رُکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکامِ حبان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرنے لوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اُس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کیجے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے انتہاء ابوطالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تو اور ہی رنگ میں اور اور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہا۔ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔ اب حاصلِ کلام یہ ہے

حاشیہ یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام میلالتِ الہامی ہے جو

کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے اعتراض کا خود اپنی زبان مبارک سے جواب دیا درحقیقت وہی جواب ہر ایک معترض کے ساکت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے کیونکہ دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے ہر ایک محقق اور حق گو کا یہ فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دیوے پھر اگر وہ سچ گو شکر افروختہ ہو تو ہو ا کرے ہمارے علماء جو اس جگہ لاتبوا آیت پیش کرتے ہیں میں حیران ہوں کہ اس آیت کو ہمارے مقصد اور مدعا سے کیا تعلق ہے۔ اس آیت کو یہ میں تو صرف دشنام دہی سے منع فرمایا گیا ہے نہ یہ کہ اظہار حق سے روکا گیا ہو اور اگر نادان مخالف حق کی مرارت اور تلخی دیکھ کر دشنام دہی کی صورت میں اس کو سمجھ لیوے اور پھر مشتعل ہو کر گالیاں دینی شروع کر دے تو کیا اس سے امر معروف کا دروازہ بند کر دینا چاہیے؟ کیا اس قسم کی گالیاں

۲۵

۲۶

۱۹: خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی صرت کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔ اس الہامی عبارت سے ابوطالب کی ہمدردی اور دلسوزی ظاہر ہے لیکن کمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی تیغ سے اوار نبوت و انوار استقامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو بچائش برس ہے بیسی اور پریشانی اور قیسی میں بسر کیا تھا کسی خویش یا قریب نے اس زمانہ تنہائی میں کوئی حق خویشی اور قربت کا ادا نہیں کیا تھا یہاں تک کہ وہ روحانی بادشاہ اپنی صغرنسی کی حالت میں لاوارث بچوں کی طرح بعض بیابان نشین اور خانہ بدوش عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور اسی بے کسی اور غریبی کی حالت میں اس سید الانام نے شیر خوارگی کے دن پورے کئے اور جب کچھ سن تیز پہنچا تو یتیم اور بے کس بچوں کی طرح جن کا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا اپنی بیابان نشین لوگوں نے ہکریاں چرانے کی خدمت اس مخدوم العالمین کے سپرد کی اور اُس تنہی کے دنوں میں

۱۹

۲۷

۲۲ پہلے کفار نے کبھی نہیں دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کی تائید کے لئے صرف الفاظ سخت ہی استعمال نہیں فرمائے بلکہ بت پرستوں کے ان بتوں کو جو ان کی نظر میں خدائی کا منصب رکھتے تھے اپنے ہاتھ سے توڑا بھی ہے۔ اسلام نے ملامت کو کب جائز رکھا اور ایسا حکم قرآن شریف کے کس مقام میں موجود ہے بلکہ اللہ جل شانہ ملامت کی حمایت میں صاف فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے باپوں یا اپنی ماؤں کے ساتھ بھی ان کی کفر کی حالت میں ملامت کا برتاؤ کریں وہ بھی ان جیسے ہی بے ایمان ہیں اور کفار مکہ کی طرف سے حکایت کر کے فخر مانتا ہے وَذُو الْوَلَدَيْنِ هُنَّ فَيْذٌ هُنَّ یعنی اس بات کو کفار کہ دوست رکھتے ہیں کہ اگر تو حق پوشی کی راہ سے نرمی اختیار کرے تو وہ بھی تیرے دین میں ہاں میں ہاں ملا دیا کریں مگر ایسا ہاں میں ہاں ملا نا خدا کے تعالے کو منظور نہیں۔ غرض آیت قرآنی جو معترض نے پیش کی ہے وہ اگر کسی بات پر دلالت کرتی ہے تو صرف اسی بات پر کہ معترض کو کلام الہی کے

۲۳ بھرا دی قسم کے اناہوں یا بکریوں کے دودھ کے اور کوئی غذا نہ تھی پس بلوغ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے لئے کسی چچا وغیرہ نے باوجود آنحضرت کے اول درجہ کے حسن و جمال کے کچھ نہ کرنا کی بلکہ بچپن میں عمر ہونے پر اتفاقی طور پر محض خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک مکہ کی رئیسہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے پسند کر کے آپ سے شادی کر لی۔ یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس جیسے موجود تھے۔ اور بالخصوص ابوطالب رئیس مکہ اور اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور دنیوی جاہ و شہرت و دولت و مقدرت بہت کچھ رکھتے تھے مگر باوجود ان لوگوں کی ایسی امیرانہ حالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ انعام الہی مصیبت اور فاقہ کشی اور بے سامانی سے گزرے یہاں تک کہ جنگی لوگوں کی بجائیاں چولہے تک لوت پہنچی اور اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی کے آنسو جاری نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سمجھنے کی مس تک نہیں۔ نہیں خیال کرتا کہ اگر یہ آیت ہر ایک طور کی سخت نہانی سے متعلق سمجھی جائے تو پھر امر معروف اور نہی منکر کا دروازہ بند ہو جانا چاہیئے اور نیز اس صورت میں خدا نے تعالیٰ کا کلام دو متناقض امور کا جامع ماننا پڑے گا یعنی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اول تو اس نے ہر ایک طور کی سخت کلامی سے منع فرمایا اور ہر ایک محل میں کفار کا دل خوش رکھنے کے لئے تاکید کی اور پھر آپ ﷺ ہی اپنے قول کے مخالف کارروائی شروع کر دی اور ہر ایک قسم کی گالیاں منکر و کوشناتیں بلکہ گالیاں دینے کے لئے تاکید کی۔ سو جانا چاہیئے کہ جن مولویوں نے ایسا خیال کیا ہے کہ گویا عام طور پر ہر ایک سخت کلامی سے خدا نے تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ یہ ان کی اپنی سمجھ کا ہی قصور ہے ورنہ وہ تلخ الفاظ جو اظہار حق کے لئے ضروری ہیں اور اپنے ساتھ اپنا ثبوت رکھتے ہیں وہ ہر ایک مخالف کو صاف صاف سنا دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب و وقت سے ہے تا مادہ ہنہ کی بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ خدا نے تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ایسی سخت تبلیغ کے وقت میں کسی لاجن کی لعنت اور کسی لائم کی طاعت سے ہرگز نہیں ڈرے کیا معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں

عرش بابت پہنچنے کے وقت کسی چچا کو خیال تک نہیں آیا کہ آخر ہم بھی تو باپ کی طرح ہیں شلوی وغیرہ امور ضروریہ کے لئے کچھ نہ کر کریں حالانکہ ان کے گھر میں اور ان کے دوسرے اقارب میں بھی لڑکیاں تھیں۔ سو اس جگہ باطلیح یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر سردہری ان لوگوں کی کیوں تصور میں آئی۔ اس کا واقعی جواب یہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک لڑکا قسیم ہے جس کا باپ نہ ماں نہ بے سامان ہے جس کے پاس کسی قسم کی جماعت نہیں ناوار ہر جس کے ہاتھ پائے کچھ بھی تھیں ایسے معصیت زدہ کی ہمدردی سے فائدہ ہی کیا ہے اور اس کو اپنا دلا دینا تو گویا اپنی لڑکی کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ مگر اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ ایک شہزادہ اور روحانی بادشاہ ہوں گا سرور ہے جس کو دنیا کے تمام خزانوں کی گنجیاں دی جائیں گی۔ منہ

جس قدر مشرکین کا کینہ ترقی کر گیا تھا اس کا اصل باعث وہ سخت الفاظ ہی تھے جو ان نادانوں نے دشنام کی صورت پر سمجھ لئے تھے جن کی وجہ سے آخر لسان سے سنان تک نوبت پہنچی ورنہ اول حال میں تو وہ لوگ ایسے نہیں تھے بلکہ کمال اعتقاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کرتے تھے کہ عشقِ محمد علی رَبِّہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں۔ جیسے آج کل کے ہندو لوگ بھی کسی گوشہ نشین فقیر کو ہرگز بُرا نہیں کہتے بلکہ نذریں نیازیں دیتے ہیں۔

اس جگہ مجھے نہایت افسوس اور غمگین دل کے ساتھ اس بات کے ظاہر کرنے کی بھی حاجت پڑی ہے کہ یہ اعتراض جو مجھ پر کیا ہے یہ صرف عوام الناس کی طرف ہی کا نہیں بلکہ میں نے سنا ہے کہ بانیِ مابانی اس اعتراض کے بعض علماء بھی ہیں۔ سو میں انکی شان میں یہ تو ظن نہیں کر سکتا کہ وہ قرآن شریف اور کتب سابقہ سے بے خبر ہیں اور نہ کسی طور سے جملئے ظن ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آج کل یورپ کی جھوٹی تہذیب نے

قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً زماذ حال کے مذہب کے نزدیک کسی پر لعنت بھیجنا ایک سخت گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف کفار کو سنا سنا کر ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ میساک فرماتا ہے اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خَالِدِیْنَ فِيْہَا۔ الحجۃ سورۃ بقرہ۔ اُولَٰئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الحجۃ نمبر ۱۵۷۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی انسان کو حیوان کہنا بھی ایک قسم کی گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف نہ صرف حیوان بلکہ کفار اور مشرکین کو دنیا کے تمام حیوانات سے بدتر قرار دیتا ہے میساک فرماتا ہے اِنْ شِئْتَ لَآ وَابِ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی خاص آدمی کا نام لے کر یا اشارہ کے طور پر اس کو نشانہ بنا کر گالی دینا زماذ حال کی

جو ایسا فی غیور سے بہت دُور پڑی ہوئی ہے ہمارے علماء کے دلوں کو بھی کسی قدر دبا لیا ہے۔ اس سخت آندھی کے چلنے کی وجہ سے اُن کی آنکھوں میں بھی کچھ غبار سا پڑ گیا ہے اُن کی فطرتی کمزوری اس نزلہ کو قبول کر گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایسے خیالات پر زور دیتے ہیں جن کا کوئی اصل صحیح حدیث و قرآن میں نہیں پایا جاتا ہاں یورپ کی اخلاقی کتبوں میں تو ضرور پایا جاتا ہے اور اُن اخلاق میں یورپ نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ ایک جوان عورت سے ایک نامحرم طالب کی بچی دل شکنی مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مگر کیا قرآن شریف یورپ کے ان اخلاق سے اتفاق رائے کرتا ہے؟ کیا وہ ایسے لوگوں کا نام و ثوت نہیں رکھتا؟ میں ایسے علماء کو محض شد متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ایسی نکتہ چینیان کرنے اور ایسے خیالات کو دل میں جگہ دینے سے حق اور حق دینی سے بہت دُور جا پڑے ہیں اگر وہ مجھ سے لڑنے کو تیار ہوں تو اپنی خشک منطقی سے جو چاہیں کہیں لیکن اگر وہ خدائے تعالیٰ سے خوف کر کے کسی قدر سوچیں تو یہ ایسی بات نہیں ہے جو اُن کی نظر سے پوشیدہ رہ سکے نیک سخت

تہذیب کے برخلاف ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض کا نام ابولہب اور بعض کا نام کلب اور خسیر رکھا اور ابو جہل تو خود مشہور ہے ایسا ہی ولید بن مغیرہ کی نسبت نہایت بکبر و کبریا کا الفاظ جو بصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے فلا تطع الکذبین و ذوالو تدھون فیدھنون و لا تطع عل حلاف مہین ہنما کذمشاء بنمیم مناع للخیر مضی اثم عتل بعد ذالک زلیم سنسہ علی الخړطوم و کھو سورۃ القلم الجزء نمبر ۲۹۔ یعنی تو ان مکذّبوں کے کہنے پر مت عمل

جو بدل اس بات کے آزد مند ہیں کہ ہمارے محبوبوں کو ہر امت کو اور ہمارے مذہب کی ہجو مت کرو۔ تو پھر ہم بھی تمہارے مذہب کی نسبت ان میں اُن طوے پہنچے انکی چوب زبانی کا خیال مت کر یہ شخص جو مدائمنہ کا خواستگار ہے جھوٹی قسمیں کھاتے والا اور ضعیف الائے اور دلیل کم ہے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور سخن چینی سے لوگوں میں فتنہ مٹانے والا اور نیکی کی

انسان کا فرض ہے کہ سچائی کے طور بقول کو ہاتھ سے نہ دے بلکہ اگر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی زبان پر کلمہ حق جاری ہو اور اپنے آپ سے غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی کا اقرار کر کے شکر گزاری کے ساتھ اس حقیقہ آدمی کی بات کو مان لے اور انا خیر بمنہ کا دعویٰ نہ کرے ورنہ کبر کی حالت میں کبھی رشد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے آدمی کا ایمان بھی معرض خطر میں ہی نظر آتا ہے۔

اور سخت الفاظ کے استعمال کرنے میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ غصہ دل اس سے بیدار ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو مدامت کو پسند کرتے ہیں ایک تحریک ہوجاتی ہے مثلاً ہندوؤں کی قوم ایک ایسی قوم ہے کہ اکثر ان میں سے اسی عادت رکھتے ہیں کہ اگر انکو اپنی طرف سے کچھ ٹرانہ جائے تو وہ مدامت کے طور پر تمام عمر دوست بنی کر دینی امور میں ہاں سے ہاں ملاتے رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تہنیت اور اس دین کے اولیاء کی مدح و ثنا کرنے لگتے ہیں لیکن دل ان کے نہایت دور کے سیاہ

راہوں سے روکنے والا۔ زنا کار اور بائیں ہنس نہایت درجہ کا بد خلق اور ان سب عیبوں کے بعد ولعائز نا بھی ہے عنقریب ہم اس کے اس ناک پر جو سور کی طرح بہت لمبا ہو گیا ہے داغ لگا دیں گے یعنی ناک سے مراد رسوم اور رنگ و ناموس کی بامندی ہے جو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے (اے خدا کے قادر مطلق ہماری قوم کے بعض لمبی ناک والوں کی ناک پر بھی آسترہ رکھ) اب کیوں حضرت مولوی صاحب کیا آپ کے نزدیک ان جامع لفظوں سے کوئی گالی باہر رہ گئی ہے۔ اور اس جگہ ایک نہایت عمدہ لطیفہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے نرمی اختیار کر کے چاہا کہ ہم سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس کے جواب میں اس کے تمام پردے کھولے گئے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین سے مدامت کی امید مت رکھو۔

اور سچائی سے دُور ہوتے ہیں۔ اُن کے رُوبرو سچائی کو اس کی پوری مرارت اور تلخی کے ساتھ ظاہر کرنا اس نتیجہ خیر کا منہج ہوتا ہے کہ اُسی وقت اُن کا ملامتہ دور ہو جاتا ہے اور بالآخر یعنی واشگاف اور علانیہ اپنے کفر اور کینہ کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں گویا اُنکی دق کی بیماری محرقہ کی طرف انتقال کر جاتی ہے۔ سو یہ تحریک جو طبیعتِ غافل میں سخت جوش پیدا کر دیتی ہے اگرچہ ایک نادان کی نظر میں سخت اعتراض کے لائق ہے مگر ایک فہیم آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہی تحریک رُوبنی کرنے کے لئے پہلا زینہ ہے۔ جب تک ایک مرض کے مواد مخفی ہیں تب تک اس مرض کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن مواد کے ظہور اور بروز کے وقت ہر ایک طور کی تدبیر ہو سکتی ہے۔ انبیاء نے جو سخت الفاظ استعمال کئے حقیقت میں اُن کا مطلب تحریک ہی تھا تا خلقِ اللہ میں ایک جوش پیدا ہو جائے اور خوابِ غفلت سے اس ٹھوکر کے ساتھ بیدار ہو جائیں اور دین کی طرف جوش اور فکر کی نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں اور اس راہ میں حرکت کریں گو وہ مخالفانہ حرکت ہی اسی اور اپنے دلوں کا اہل حق کے دلوں کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر لیں گو وہ عقائدِ تعلق ہی کیوں نہ ہو۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ اشارہ فرماتا ہے فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مراضاً یقیناً سمجھنا چاہیے کہ دین اسلام کو سچے دل سے ایک دن وہی لوگ قبول کیسے جو باعثِ سخت اور پر زور جگانے والی تحریکوں کے کتبِ دنیوی کی ورق گردانی میں لگ گئے ہیں اور جوش کے ساتھ اس راہ کی طرف قدم اُٹھا رہے ہیں گو وہ قدم مخالفانہ ہی نہیں ہر سند و دل کا وہ پہلا طریق نہیں بہت یا اوس کرنے والا تھا جو اپنے دلوں میں وہ لوگ اس طرز کو زیادہ پسند کے لائق سمجھتے تھے کہ مسلمانوں سے کوئی مذہبی باتِ جیت نہیں کرنی چاہیے اور ہاں میں ہاں ملا کر گزارہ کر لینا چاہیے لیکن اب وہ مقابلہ پر آکر اور میدان میں کھڑے ہو کر ہمارے تیز ہتھیارِ دل کے پیچھے آپڑے ہیں اور اس میدانِ قریب کی طرح ہو گئے ہیں جس کا ایک ہی ضرب سے کام تمام ہو سکتا ہے انکی آہوانہ سرکشی سے ڈرنا نہیں چاہیے

دشمن نہیں ہیں وہ تو ہمارے شکار ہیں عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم نظر اٹھا کر دیکھو گے کہ کوئی ہندو دکھائی دے مگر ان پڑھوں لکھوں میں سے ایک ہندو بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گا۔ سو تم اُن کے جوشوں سے گھبرا کر نویدِ موت ہو کیونکہ وہ اندر ہی اندر اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں اور اسلام کی ڈیڑھ سی کے قریب پہنچے ہیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ مخالفانہ جوش سے بھرے ہوئے آج تمہیں نظر آتے ہیں تھوڑے ہی زمانہ کے بعد تم انہیں نہیں دیکھو گے۔ حال میں جو آریوں نے ہم لوگوں کی تحریکات سے مناظرات کی طرف تدم اٹھایا ہے تو اس قدم اٹھانے میں گو کیسی ہی سختی کے ساتھ اُن کا برتاؤ ہے اور گو گالیوں اور گندی باتوں سے بھری ہوئی کتابیں وہ شائع کر رہے ہیں مگر وہ اپنے جوش سے درحقیقت اسلام کیلئے اپنی قوم کی طرف راہ کھول رہے ہیں اور ہماری تحریکات کا واقعی طور پر کوئی بد نتیجہ نہیں بلکہ یہ تحریکات کو تہ نظروں کی نگاہ میں بد مذہب ہیں مگر کسی دن دیکھنا کہ یہ تحریکات کیونکر بڑے بڑے سنگین دلوں کو اس طرف کھینچ لاتی ہیں۔ یہ رائے کوئی ظنی اور شکی رائے نہیں بلکہ ایک یقینی اور قطعی امر ہے۔ لیکن افسوس اُن لوگوں پر جو خیر اور شر میں فرق نہیں کر سکتے اور شتاب کاری کی راہ سے اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے ہمیں ماہر نہ سے تو صاف منع فرمایا ہے لیکن حق کے اظہار سے ہانڈ نہ اسکی مرارت اور تلخی کے باز آجانے کا کہیں حکم نہیں فرمایا۔ فتدبروا ایہا العلماء المستعجلون الا تقرؤن الفرقان ما لکم کیف تحکمون۔

میرے ایک مخلص دوست مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی جو نو تعلیم یافتہ جوان اور تربیتِ مجددہ کے رنگ سے رنگین اور نازک خیال آدمی ہیں جن کے دل پر میرے حب صادق انجیم مولوی حکیم نور الدین صاحب کی مربیانہ اور استادانہ صحبت کا نہایت عمدہ بلکہ خارقِ عادت اثر پڑا ہوا ہے وہ بھی جو اب قادیان میں میرے مٹنے کے لئے آئے وعدہ

فرما گئے ہیں کہ میں بھی تہذیب حقیقی کے بارہ میں ایک تالیف کر کے شائع کروں گا کیونکہ مولوی صاحب
 موصوف اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ دراصل تہذیب حقیقی کی راہ وہی راہ ہے جس پر
 انبیاء علیہم السلام نے قدم مارا ہے جس میں سخت الفاظ کا ماروٹے تلخ کی طرح
 نگاہ کا استعمال کرنا حرام کی طرح نہیں سمجھا گیا بلکہ ایسے دشت الفاظ کا اپنے محل پر
 بقدر ضرورت و مصلحت استعمال میں لانا ہر ایک مبلغ اور واعظ کا فرض وقت ہے جس کے
 ادا کرنے میں کسی واعظ کا سستی اور کاہلی اختیار کرنا اس بات کی نشانی ہے کہ غیر اللہ
 کا خوف جو شرک میں داخل ہے اس کے دل پر غالب اور ایمانی حالت اس کی رسی کمزور
 اور ضعیف ہے جیسے ایک کپڑے کی جان کمزور اور ضعیف ہوتی ہے۔ سو میں اس دوست
 کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس تالیف کے ارادہ میں روح القدس سے اسکی
 مدد فرماوے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ وہ اپنے اس رسالہ کا نام تہذیب ہی رکھیں
 اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے اس دوست کو یہ جوش ایک مولوی صاحب کے اعتراض
 سے پیدا ہوا ہے جو قادیان کی طرف آتے وقت اتفاقاً لاہور میں مل گئے تھے جنہوں نے
 اس عاجز کی نسبت اسی بارہ میں اعتراض کیا تھا۔ اے خداوند قادر مطلق اگر چہ تیرے
 سے تیسری ہی عادت اور یہی سنت ہے کہ تو بچوں اور امیوں کو سمجھ عطا کرتا ہے اور
 اس دنیا کے حکموں اور ناسفروں کی آنکھوں اور دلوں پر سخت پردے تیار کی کے ڈال
 دیتا ہے۔ مگر میں تیسری جناب میں عجز اور تعرض سے عرض کرتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے
 بھی ایک جماعت ہماری طرف کیجیجیجی لایسے تو نے بعض کو کھینچا بھی ہے اور انکو بھی آنکھیں
 بخشیں اور کان عطا کر اور دل عنایت فرماتا وہ دیکھیں اور سنیں اور سمجھیں اور تیری
 اس نعمت کا جو تو نے اپنے وقت پر نازل کی ہے قدر پہچان کر اس کے حاصل کرنے
 کے لئے متوجہ ہو جائیں۔ اگر تو چاہے تو تو اساکر سکتا ہے کیونکہ کوئی بات تیرے
 آگے آنی ہوئی نہیں۔ آمین ثم آمین۔

۲۵

۲۶

دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مایخیلیا یا جنون ہو جانے کی وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو میں کسی کے جنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا بلکہ خوش ہوں۔ کیونکہ ہمیشہ سے نا سمجھ لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں اور قدیم سے ربانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو براہین میں مسیح ہو چکی ہے کہ تجھے جنون بھی کہیں گے لیکن حیرت تو اس بات میں ہے کہ اس دعوے میں کون سے جنون کی علامت پائی جاتی ہے کون سی خلاف عقل بات ہے جس کی وجہ سے معتزین کو جنون ہو جانے کا شک پڑ گیا۔ اس بات کا فیصلہ ہم معتزین کی ہی کائنات اور عقل پر چھوڑتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے بیانات اور اپنے مخالفوں کی حکایات رکھ دیتے ہیں کہ ہم دونوں گروہ میں سے جنون کون ہے اور عقل سلیم کس کی طرز تفسیر کو مجاہدین کی باتوں کے مشابہ سمجھتی ہے اور کس کے بیانات کو قول موجب تفسیر لیتی ہے۔

میسرا بیان مسیح موعود کی نسبت جس کی آسمان سے آنے اور دوبارہ دنیا میں آنے کی انتظار کی جاتی ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے پرکھول دیا ہے یہ ہے کہ مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کا تفسیر ان شریف میں تو کہیں ذکر نہیں قرآن شریف تو ہمیشہ یکلے اُس کو دنیا سے رخصت کرتا ہے۔ البتہ بعض حدیثوں میں جو استعارات سے پُر ہیں مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کے لئے بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ ^{مشہور} ان حدیثوں کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ حقیقت مسیح ابن مریم کا ہی دوبارہ دنیا میں آجانا ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں مسیح ابن مریم کے زمانہ کا ہم رنگ ہو گا۔ ایک شخص

اصلاح خلایق کے لئے دنیا میں آئے گا بطبع اور قوت اور اپنے منصبی کام میں مسیح بن مریم کا ہمرنگ ہو گا اور جیسا کہ مسیح بن مریم نے حضرت موسیٰ کے دین کی تجدید کی اور وہ حقیقت اور مغزِ تودیت کا جس کو یہودی لوگ بھول گئے تھے اُن پر دوبارہ کھول دیا۔ ایسا ہی وہ مسیح ثانی مثیل موسیٰ کے دین کی جو جناب ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تجدید کریگا اور یہ مثیل موسیٰ کا مسیح اپنی سوانح میں اور دوسرے تمام سنتِ نوح میں جو قوم پران کی اطاعت یا انکی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہوں گے اس مسیح سے بالکل مشابہ ہو گا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا۔

اب جو امر کہ خدا تعالیٰ نے میرے پرکشش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔ مسلمانوں کا پُرانے خیالات کے موافق جو اُن کے دلوں میں جمے ہوئے چلے آتے ہیں یہ دعویٰ ہے کہ مسیح بن مریم مسیحِ مع دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے ہوئے آسمان سے اترے گا اور منارہ مشرقی دمشق کے پاس اُٹھرے گا اور بعض کہتے ہیں کہ منارہ پر اُترے گا اور وہاں سے مسلمان لوگ زمین کے ذریعے اس کو پہنچے آئیں گے اور فرشتے اُسی جگہ سر رخصت ہو جائیں گے اور عسدرِ پوشاک پہنے ہوئے اترے گا یہ نہیں کہ ننگا ہو۔ اور پھر مہدی کے ساتھ ملاقات اور مزاج پرسی ہوگی اور باوجود اس قدر ملت گزرنے کے وہی پہلی عمر بتیس یا تینتیس برس کی ہوگی اس قدر گردشِ ماہ و سال نے اُس کے جسم و عمر پر کچھ اثر نہ کیا ہو گا۔ اُس کے ناخن اور بال وغیرہ اس قدر بے نہ بڑھے ہونگے جو مسلمان پر اُٹھائے جانے کے وقت موجود تھے اور کسی قسم کا تغیر اس کے وجود میں نہ آیا ہو گا لیکن زمین پر اُتر کر پھر سلسلہ تغیرات کا شروع ہو گا۔ وہ کسی قسم کا جنگ و جدل نہیں کریگا بلکہ اس کے منہ کی ہوا میں ایسی تاثیر ہوگی کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی کافر مرتے جائیں گے یعنی اُس کے دم میں ہی یہ خاصیت ہوگی کہ زندوں کو مارے جیسی پہلے یہ خاصیت تھی کہ مروجوں کو زندہ کرے۔ پھر ہمارے علماء اپنے اس پہلے قول کو فراموش کر کے یہ دوسرا قول جو اس کا نقیض ہے پیش کرتے ہیں کہ وہ جنگ اور جدل بھی کرے گا اور جدال یک چشم

اس کے ہاتھ سے قتل ہو گا یہودی بھی اس کے حکم سے مارے جائیں گے۔ پھر ایک طرف تو یہ اقرار ہے کہ مسیح موعود وہی مسیح بن مریم نبی اشد ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جس پر حضرت جبریل اتر کر تا تھا جو خدائے تعالیٰ کے بزرگ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ زمین پر آ کر اپنی نبوت کا نام بھی نہیں لے گا بلکہ منصب نبوت سے معزول ہو کر آئے گا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو کر عام مسلمانوں کی طرح شریعت قرآنی کا پابند ہو گا۔ نماز اوروں کے پیچھے پڑھے گا جیسے عام مسلمان پڑھا کرتے ہیں۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حنفی ہو گا امام اعظم صاحب کو اپنا امام سمجھے گا۔ مگر اب تک اس بارہ میں تصریح سے بیان نہیں کیا گیا کہ چار سلسلوں میں سے کس سلسلہ میں داخل ہو گا۔ آیا وہ قادری ہو گا یا چشتی یا سہروردی یا حضرت مجدد دہلوی کی طرح نقشبندی۔ غرض ان لوگوں نے عنوان میں نبوت کا خطاب جما کر جس درجہ پر پھر اس کا تسنن کیا ہے کوئی قائم الحواس ایسا کام کبھی نہیں کر سکتا۔ پھر بعد اس کے اُسکے خاص کام استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ وہ صلیب کو توڑے گا خنزیروں کو قتل کرے گا۔ اب جائے تعجب ہے کہ صلیب کو توڑنے سے اس کا کونسا فائدہ ہے؟ اور اگر اس نے مثلاً دس بیس لاکھ صلیب توڑ بھی دی تو کیا عیسائی لوگ جو صلیب پرستی کی مٹھن لگی ہوئی ہے اور صلیبیں بنوائیں سکتے۔ اور دوسرا فقرہ جو کہا گیا ہے کہ خنزیروں کو قتل کرے گا یہ بھی اگر حقیقت پر محمول ہے تو عجیب فقرہ ہے۔ کیا حضرت مسیح کا زمین پر اترنے کے بعد عمدہ کام ہی ہو گا کہ وہ خنزیروں کا شکار کھیلے پھر بیٹے اور بہت سے کتے ساتھ ہوں گے اگر یہی سچ ہے تو پھر سکھوں اور چماروں اور سانسیوں اور گندیلوں وغیرہ کو جو خنزیر کے شکار کو دوست رکھتے ہیں خوشخبری کی جگہ ہے کہ انکی خوب بنائیگی۔ مگر شاید عیسائیوں کو انکی اس خشنودی سے کچھ چندال فائدہ نہ پہنچ سکے کیونکہ عیسائی قوم نے خنزیر کے شکار کو پہلے ہی کمال تک پہنچا رکھا ہے بالفصل خاص لندن میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے کیلئے ہزار دکان

موجود ہے اور بذریعہ معتبر خبرسروں کے ثابت ہوتا ہے کہ صرف یہی ہزار دوکان نہیں بلکہ پچیس ہزار اور خنزیر ہر روز لندن میں سے مفصلات کے لوگوں کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا نبی اللہ کی یہی شان ہونی چاہیئے؟ کہ وہ دنیا میں اصلاح خلق کے لئے تو آئے مگر پھر اپنی اوقات عزیز ایک مکر وہ جانور خنزیر کے شکار میں ضائع کرے حالانکہ توریت کے رو سے خنزیر کو چھونا بھی سخت معصیت میں داخل ہے پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اول تو شکار کھیلنا ہی کار بیکاراں ہے اور اگر حضرت مسیح کو شکار ہی کی طرف رغبت ہوگی اور دن رات یہی کام پسند آئے گا تو پھر کیا یہ پاک جانور جیسے ہرن اور گورخر اور خرگوش دنیا میں کیا کچھ کم ہیں تا ایک ناپاک جانور کے خون سے ہاتھ آلودہ کریں۔

اب میں نے وہ تمام خاکہ جو میری قوم نے مسیح کے ابن سوانح کا کھینچ رکھا ہے جو دوبارہ زمین پر اترنے کے بعد ان پر گزریں گے پیش کر دیا ہے عقلمند اس پر غور کریں کہ کہاں تک اس میں خلافت قانون قدرت باتیں ہیں۔ کہاں تک اس میں اجتماع نقیضین موجود ہے۔ کہاں تک یہ شان نبوت سے بعید ہے؟ لیکن اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام ذخیرہ رطب و یابس کا صحیحین میں نہیں ہے۔ امام محمد اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اس بار میں اشارہ تک بھی نہیں کیا کہ یہ مسیح آئینہ الا در حقیقت اور مسیح معج وہی پلسا مسیح ہوگا بلکہ انہوں نے دو حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی لکھی ہیں جنہوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور۔ کیونکہ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ابن مریم تم میں اترے گا اور پھر میان کے طور پر کھول دیا ہے کہ وہ ایک تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہی ہوگا۔ پس ان لفظوں پر خوب غور کر نی چاہیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لفظ ابن مریم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہی ہوگا اور تم میں سے ہی پیدا ہوگا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے جو ابن مریم کے لفظ سیدوں میں گزر سکتا تھا مابعد کے لفظوں میں بطور تشریح فرما دیا کہ اس کو مسیح معج ابن مریم ہی نہ سمجھ لو بل ہو

اما مکہ منکم اور دوسری حدیث جو اس بات کا فیصلہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح اہل
کاحلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طرح کا فرمایا ہے اور مسیح ثانی کا حلیہ او بطور کا ذکر
کیا ہے جو اس عاجز کے حلیہ سے بالکل مطابق ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ ان دونوں حلیوں میں
تناقض مسیح ہونا کیا اس بات پر پختہ دلیل نہیں ہے کہ درحقیقت مسیح اہل اور ہے اور مسیح ثانی اور۔

ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کی ضد تو اس بات پر ہے کہ ابن مریم کے
اُترنے کے بارہ میں جو حدیث ہے اسکو حقیقت پر حمل کرنا چاہیے لیکن ان کے بعض عقلمندوں
سے جب اس حدیث کے معنی پوچھے جاتے ہیں کہ ابن مریم اُترے گا اور صلیب کو توڑ لیگا اور
خنزیر کو قتل کرے گا تو ابن مریم کے لفظ کو تو حقیقت پر ہی حمل رکھتے ہیں اور صلیب اور خنزیر
کے بارہ میں کچھ دینی زبان سے ہماری طرح استعارہ اور مجاز سے کام لینا شروع کر دیتے
ہیں۔ پس وہ لوگ اپنی اس کارروائی سے خود ملزم ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اُن
پر یہ حجت وارد ہوتی ہے کہ ان تین لفظوں میں سے جو ابن مریم کا اُترنا اور صلیب کا توڑنا
اور خنزیروں کا قتل کرنا ہے دو لفظوں کی نسبت تو تم آپ ہی قائل ہو گئے کہ بطور
استعارہ اُن سے اور معنی مراد ہیں۔ تو پھر یہ تیسرا کلمہ جو ابن مریم کا اُترنا ہے کیوں
اس میں بھی بطور استعارہ کوئی اور شخص مراد نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان خیالات
مجموعہ تناقضات پر جسے رہنا طریق عقلمندی و فزائگی ہے یا وہ معارف قریب بفہم و
مطابق عقل ہیں جو اس عاجز پر کھولے گئے ہیں۔

ماسوا اس کے اور کئی طریق سے اُن پرانے خیالات پر سخت سخت اعتراض عقل کے
وارد ہوتے ہیں جن سے تخلصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ قرآن شریف کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ حضرت مسیح اسی خاکی
جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے بلکہ قرآن شریف کے کئی مقامات میں مسیح کے
فوت ہو جانے کا صریح ذکر ہے اور ایک جگہ خود مسیح کی طرف سے فوت ہو جانے کا اقرار جو دہے

اور وہ یہ ہے وکنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتہنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہید اب جبکہ فوت ہو جانا ثابت ہوا تو اس سے ظاہر ہے کہ اُن کا جسم اُن سب لوگوں کی طرح جو مر جاتے ہیں زمین میں دفن کیا گیا ہو گا کیونکہ قرآن شریف بضرحت ناطق ہے کہ حفظ اُن کی روح آسمان پر گئی نہ کہ جسم۔ تب ہی تو حضرت مسیح نے آیت موصوفہ بالایں اپنی موت کا صاف اقرار کر دیا۔ اگر وہ زندول کی شکل پر خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کرتے تو اپنے مرجلے کا ہرگز ذکر کرتے اور ایسا ہرگز نہ کہتے کہ میں وفات پا کر اس جہان سے رخصت کیا گیا ہوں۔ اب ظاہر ہو کہ جبکہ آسمان پر اُنکی روح ہی گئی تو پھر نازل ہونے کے وقت جسم کہاں سے ساتھ آجائیگا۔

ازجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہی کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زہریہ تک بھی پہنچ سکے۔ بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوتی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پس اس جسم کا کرہ مہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔

اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسان پر جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معراج اس جسم کشف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جو حور حقیقت بیداری کثافت چاہیے۔ ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کھڑے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اس لئے یہ اپنی معراج میں عرض معرورہ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرض عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے پہنچ گئے۔ سو حقیقت یہ کہ کشف تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہو بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اسکو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگترین مقام ہے جو حور حقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اعلیٰ اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ اس جگہ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ انشاء اللہ کسی آئندہ محفل میں مفصل طور پر بیان کیا جائے گا۔ منہ

از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ جو لوگ آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں وہ البتہ
 اُن کی حرکت کے بھی قائل ہیں اور حرکت بھی دو لابی خیال کرتے ہیں۔ اب اگر فرض کیا
 جائے کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ہر وقت اُپر کی
 سمت میں ہی نہیں رہ سکتے۔ بلکہ کبھی اُپر کی طرف ہوں گے اور کبھی زمین کے نیچے اُجائیگے
 اس صورت میں اس بات پر وثوق بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ضرور اُپر کی طرف سے ہی
 اُتریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ زمین کے سے ہی نکل آویں۔ کیونکہ حقیقت اُن کا ٹھکانہ تو
 کسی جگہ نہ ہوا۔ اگر صبح آسمان کے اُپر ہوئی تو شام کو زمین کے نیچے۔ پس ایسی مصیبت
 اُن کے لئے روانہ رکھنا کس درجہ کی بے ادبی میں داخل ہے ؟

از انجملہ ایک یہ اعتراض کہ اگر ہم فرض محال کے طور پر قبول کر لیں کہ حضرت مسیح اپنے
 جسم خاکی کے سمیت آسمان پر پہنچ گئے تو اس بات کے اقرار سے ہمیں چارہ نہیں کہ وہ جسم
 جیسا کہ تمام حیوانی و انسانی اجسام کے لئے ضروری ہے آسمان پر بھی تاثیر زمانہ سے
 ضرور متاثر ہوگا اور محرور زمانہ لابی اور لازمی طور پر ایک دن ضرور اس کیلئے موت واجب
 ہوگی۔ پس اس صورت میں اول تو حضرت مسیح کی نسبت یہ ماننا پڑتا ہے کہ اپنی عمر کا دورہ
 پورا کر کے آسمان پر ہی فوت ہو گئے ہوں اور کو اکب کی آبادی جو آج کل تسلیم کی جاتی ہے
 اُسی کے کسی قبرستان میں دفن کئے گئے ہوں اور اگر پھر فرض کے طور پر اب تک زندہ
 رہنا اُن کا تسلیم کر لیں تو کچھ شک نہیں کہ اتنی مدت گزرنے پر پیر فرقت ہو گئے ہوں گے
 اور اس کام کے ہرگز لائق نہیں ہوں گے کہ کوئی خدمت دینی ادا کر سکیں۔ پھر ایسی
 حالت میں اُن کا دنیا میں تشریف لانا بحرحر نا حق کی تکلیف کے اور کچھ فائدہ بخش معلوم
 نہیں ہوتا۔

وہ علامات مسیح نے استعارہ کے طو پر اپنے آنیکے بیان کئے ہیں اور نبیؑ سورۃ الزلزال کی تفسیر

مسیح نے اپنے دوبارہ آنے کا نشان یہ بتلایا ہے کہ اُن دنوں میں ثمرت مسیح اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہیں دیگا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں بل جائیں گی تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر بٹھاتے دیکھیں گے اور وہ زینت کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اسکے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کی اس حد سے اس حد تک جمع کریں گے۔ جب تم یہ سب کچھ دیکھو تو جاؤ کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پہنچے ہیں تمہیں مسیحؑ کتابوں کے جب تک یہ سب کچھ نہ ہو لے اس زمانہ کے لوگ گذر نہ جائیں گے آسمان زمین بل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتوں تک کوئی نہیں جانتا۔ جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا کیونکہ جس طرح اُن دنوں میں طوفان کے پہلے کھاتے پیتے بیاہ کرتے بیاہے جاتے تھے اس دن تک کہ نوح کشتی پر چڑھا اور نہ جانتے تھے جب تک کہ طوفان آیا اور اُن سب کو لے گیا اسی طرح ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ یعنی جس طرح کہ نوح کی کشتی بنانے سے پہلے لوگ امن اور آرام ہی بستے تھے کوئی ارضی یا سماوی حادثہ اُن پر وارد نہ ہوا تھا اسی طرح ابن آدم یعنی مسیحؑ بھی لوگوں کے آرام اور خوشحالی کے وقت میں آئے گا اُس کے آنے سے پہلے کسی قسم کا حادثہ لوگوں پر نازل نہیں ہوگا۔ بلکہ معمولی طور پر امن اور راحت ہو دیا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگی (دیکھو بتی باب ۱۱) حضرت مسیحؑ کے اس بیان میں بظاہر صورت جس قدر تناقض ہے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنے اُترنے سے پہلے اس امر کو ضروری ٹھہرایا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائے اور

۳۳

چاند روشنی نہ دیوے اور ستارے آسمان کے زمین پر گر جائیں۔ سوان علامات کو اگر ظاہر پہ
 حمل کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں کیونکہ جس وقت سورج اندھیرا ہو گیا اور چاند کی
 روشنی جاتی رہی تو پھر دنیا کیونکر نوح کے زمانے کی طرح امن سے آباد رہ سکتی ہے۔ بجلا یہ بھی
 جانے دو شاید دنیا سخت مصیبت کے ساتھ گزارہ کر سکے۔ لیکن زمین پر ستاروں کے
 گرنے سے کیا زمین کے باشندوں میں سے کوئی باقی رہ سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر آسمان
 کا ایک بھی ستارہ زمین پر گرے تو تمام دنیا کے ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ کوئی
 ستارہ عرض و طول میں زمین کے معمولہ سے کم نہیں ہے ایک ستارہ گر کر زمین کی تمام
 آبادی کو دبا سکتا ہے پھر جائیکہ تمام ستارے زمین پر گریں اور ان کے گرنے سے ایک
 آدمی کو بھی آسیب نہ پہنچے بلکہ حضرت نوح کے زمانہ کی طرح مسیح کے اترنے سے پہلے امن اور
 جمعیت سے آباد ہوں اور مسیح کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر کھینچیں۔
 سوائے حق کے طالبو! یقیناً سمجھو کہ یہ سب استعارات ہیں حقیقت پر ہرگز محمول نہیں۔
 حضرت مسیح کا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ دین کے لئے ایک تاریکی کا زمانہ ہوگا۔ اور لسی
 ضلالت کی تاریکی ہوگی کہ اُس وقت نہ آفتاب کی روشنی سے جو رسول مقبول اور اسکی شریعت
 اور اس کی کتاب ہے لوگ آنکھیں کھولیں گے کیونکہ ان کے نفسانی مجاہلوں کی وجہ سے آفتاب
 شریعت ان کے لئے اندھیرا ہو جائیگا اور ماہتاب بھی انہیں روشنی نہیں دے گا یعنی اولیاء
 کے وجود سے بھی انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بے دینی کے بڑھ جانے سے مردانِ خدا
 کی محبت بھی ان کے دلوں میں نہیں رہے گی اور آسمان کے ستارے گر بیٹھے یعنی حقانی علماء فوت
 ہو جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی یعنی آسمان اوپر کی طرف کسی کو کھینچ نہیں سکیگا۔
 دن بدن لوگ زمین کی طرف کھینچے چلے جائیں گے یعنی لوگوں پر نفس اتارہ کے
 جذبات غالب ہوں گے۔ اُس وقت نہ لڑائیاں ہوں گی اور نہ عامہ حقائق
 کے امن اور عافیت میں خسل ہوگا بلکہ نوح کے زمانہ کی طرح ایک امن بخش گورنمنٹ

۵۵ کے تحت میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے ہوئے جن میں مسیح موعود نازل ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت نوح کا زمانہ باعث ہمار اپنی معاشرت کے اصولوں کے نہایت امن کا زمانہ تھا۔ لوگ اپنی لمبی لمبی عمروں کو نہایت آسائش اور امن اور خیر و عافیت سے بسر کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ سخت درجہ کے غافل ہو گئے تھے معلوم نہیں کہ اُس وقت کوئی شخصی سلطنت تھی یا جمہوری اتفاق سے اس درجہ پر عام حلاوت کے لئے ہر طرح کی آسودگی پیدا ہو گئی تھی بہر حال اس زمانہ کے لوگ آرام پانے میں اور امن و عافیت میں زندگی بسر کرنے میں اس زمانہ کے اُن لوگوں سے بہت مشابہ ہیں جو گورنمنٹ برطانیہ کے سایہ عاطفت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے جس قدر اسباب آرام اور امن اور خوشحالی کے رعیت کیلئے مہیا کئے گئے ہیں اُن کا شمار کرنا مشکل ہے گویا اُن کی اس زندگی کو ایک نمونہ بہشت کا بنا دیا گیا ہے لیکن غایت درجہ آرام پانے سے اور نہایت درجہ امن کی وجہ سے آفت دلوں میں پیدا ہو گئی ہے کہ دنیا کی زندگی نہایت خیر میں مقصور ہو کر دن بدن اس کی محبت دلوں میں بڑھتی جاتی ہے جس طرف نظر ڈال کر دیکھو یہی خواہش جوش مار رہی ہے کہ دنیا کی یہ مراد حاصل ہو جائے وہ مراد حاصل ہو جائے اور بباغت امن پھیل جانے کے نیا کی ہر ایک چیز کا قدر بڑھتا جاتا ہے۔ وہ مزرعہ زمین جس کو سکھوں کے عہد میں کوئی مفت بھی نہیں لے سکتا تھا لاکھوں روپیوں پر فروخت ہو رہی ہو اور یہاں تک مفاد کی راہیں کھل گئی ہیں کہ لوگ

خو میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں ہے جس میں پراسا امن قائم کیا ہو جس کا فائدہ ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعت حق کر سکتے ہیں یہ خدمت ہم کہ معظمہ یاد دینے کے لئے پیش کر رہے ہیں کہ اگر امن و آزادی اور بے قصبی و تحقیر صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کے وقت عرب میں ہوتی تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کئے جاتے اگر یہ امن اور آزادی اور بے قصبی اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی تو وہ بادشاہتیں اب تک قائم رہتیں۔ منہ

نجاست اور ہڈیوں کی فروخت سے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں کہ اس سے پہلے زمانوں میں اعلیٰ درجہ کے غلوں کی فروخت میں وہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور نہ صرف یہی آرام کی صورتیں ہیں بلکہ نظر اٹھا کر دیکھو تو تمام اسباب معاشرت و حاجات سفر و حضر کے متعلق وہ آرام کی سہیلیں نکل آئی ہیں جو اس سے پہلے قتلوں میں شاید کسی نے خواب میں بھی نہ کھی ہوگی پس اس مبارک گورنمنٹ کے زمانہ کو اگر اس امن کے زمانہ سے مشابہت ہیں جو حضرت نوح کے وقت میں تھا تو یہ زمانہ بلاشبہ اس کا ٹیل غالب ہوگا۔

اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ مسیح نے اس زمانہ میں آنے کا ہرگز وعدہ نہیں کیا جو جنگ و جدل اور جو رہ جفا کا زمانہ ہو جس میں کوئی شخص امن سے زندگی بسر نہ کر سکے اور نیک لوگ پکڑے جائیں اور عدالتوں میں سپرد کئے جائیں اور قتل کئے جائیں بلکہ مسیح نے صاف غلطوں میں فرمادیا کہ ان پر فتنہ زمانوں میں جھوٹے مسیح عیسائیوں اور یہودیوں میں پیدا ہوں گے جیسا کہ ان پہلے زمانوں میں کئی لوگ ایسے پیدا بھی ہو چکے ہیں جنہوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا اسی وجہ سے مسیح نے تاکید سے کہا کہ میرا آنا ان اوائل زمانوں میں ہرگز نہیں ہوگا اور شور و فساد اور جو رہ جفا اور لڑائیوں کے دنوں میں ہرگز نہیں آؤں گا بلکہ امن کے دنوں میں آؤں گا ہاں اس وقت باعث غلبت درجہ کے امن و آرام کے بے دینی پھیلی ہوئی ہوگی اور محبت الہی دلوں سے اٹھی ہوئی ہوگی جیسا کہ نوح کے وقت میں تھا۔ سو یہ ایک تہلیت عمدہ نشان ہے۔ جو مسیح نے اپنے آنے کے لئے پیش کیا ہے اگر چاہو تو اس کو قبول کر سکتے ہو۔

اس جگہ اس سوال کا حل کرنا بھی ضروری ہے کہ مسیح کس عمدہ اور اہم کام کیلئے آیا ہوا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ دجال کے قتل کرنے کے لئے آئے گا تو یہ خیال نہایت ضعیف اور بودا ہے۔ کیونکہ صرف ایک کافر کا قتل کرنا کوئی ایسا بڑا کام نہیں جس کے لئے ایک نبی کی ضرورت ہو خاص کر اس صورت میں کہ کہا گیا ہے کہ اگر مسیح قتل بھی نہ کرتا تب بھی دجال خود بخود گھٹل کر نابود ہو جاتا۔ بلکہ مسیح تو یہ ہے کہ مسیح کا آنا اس لئے خدا نے تعالیٰ کی طرف سے

مقرر کیا گیا ہے کہ تمام قوموں پر دین اسلام کی پہچانی کی حجت پوری کرے تا دنیا کی ساری قوموں پر خدا تعالیٰ کا الزام وارد ہو جائے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کما گیا ہے کسبِ کسب کے دم سے کافر مینے یعنی دلائلِ بقیۃ اور برہانِ قاطعہ کی رو سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ دوسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ اسلام کو غلطیوں اور الحاقات بے جا سے منزہ کر کے وہ تعلیم جو روح اور راستی سے بھری ہوئی ہے حلقِ اللہ کے سامنے رکھے۔

تیسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ ایمانی نور کو دنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشنے اور منافقوں کو مخلصوں سے الگ کر دیوے۔ سو یہ تینوں کام خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے سپرد کئے ہیں اور حقیقت میں ابتداء سے ہی مقرر ہے کہ مسیح اپنے وقت کا مجدد ہو گا اور اعلیٰ درجہ کی تجدید کی خدمت خدائے تعالیٰ اُس سے لے گا۔ اور یہ تینوں امور وہ ہیں جو خدائے تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے جو اس عاجز کے ذریعہ سے ظہور میں آویں سو وہ اپنے ارادہ کو پورا کرے گا اور اپنے بندہ کا مددگار ہو گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ احادیث صاف اور صریح لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ مسیح ابن مریم آسمان سے اترے گا اور دمشق کے منارہ شرفی کے پاس اُس کا اُترنا ہو گا اور دو فرشتوں کے کندھوں پر اُس کے ہاتھ ہونگے تو اس مصرح اور واضح بیان سے کیونکر انکار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے اُترنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کچھ عجیب خاکی وجود آسمان سے اُترے بلکہ صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں ہے۔ اور یوں تو نزول کا لفظ عام ہے جو شخص ایک جگہ سے چل کر دوسری جگہ ٹھہرتا ہے اس کو بھی یہی کہتے ہیں کہ اُس جگہ اُترا ہی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلان جگہ لشکر اُترا ہے یا ڈیرا اُترا ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ لشکر یا وہ ڈیرا آسمان سے اُترا ہے ماسوائے اس کے خدائے تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں صاف فرما دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان سے ہی اُترے ہیں بلکہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ لو ابھی تم نے آسمان سے اُتارا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ یہ آسمان سے اُترا اس

صورت اور رنگ کا نہیں ہے جس صورت پر لوگ خیال کر رہے ہیں اور باوجود عام طور پر استعارات کے پائے جانے کے جن سے حدیثیں پڑ ہیں۔ اور مکاشفات اور روئے صالحوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بھری پڑی ہیں۔ پھر دمشق کے لفظ سے دمشق ہی مراد رکھنا دعوتِ بلا دلیل والستزام مالا یزیم ہے اور یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں بعض امور کا اخفا اور بعض کا اظہار ہوتا ہے اور ایسا ہونا شاذ و نادر ہے کہ من کل الوجوہ اظہار ہی ہو۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں حضرت باری تعالیٰ کے ارادہ میں ایک قسم کی خلق اللہ کی آزمائش بھی منظور ہوتی ہے اور اکثر پیشگوئیاں اس آیت کا مصداق ہوتی ہیں کہ یضل بہ کثیراً ویہدی بئہ کثیراً اللہ وجہ سے ہمیشہ ظاہر پرست لوگ امتحان میں پڑ کر پیشگوئی کے ظہور کے وقت دھوکا کھا جاتے ہیں اور زیادہ تر انکار کر موائے اور حقیقت مقصودہ سے بے نصیب رہنے والے ہی لوگ ہوتے ہیں کہ جو چاہتے ہیں کہ حزنِ حریفِ پیشگوئی کا ظاہر ہی طور پر جیسا کہ سمجھا

استعارات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفات اور خوابوں میں پائے جاتے ہیں وہ حدیثوں پر حصّہ لیں پر تحقیق اور پوشیدہ نہیں ہیں۔ کبھی کشفی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں میں دھونے کے کرے پہنے ہوئے دکھائی دے اور اُن سے دو کذاب مراد لئے گئے جنہوں نے جھوٹے طور پر پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رو یا اور کشف میں گامیاں دیکھتی ہوئی نظر آئیں اور ان سے مراد صحابہ تھے جو جنگِ احد میں شہید ہوئے اور ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ ایک ہشتی خوشگوار کا ابو جہل کے لئے آپ کو دیا گیا ہے تو آخر اس سے مراد عکرمہ نکلا۔ اور ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور پر نظر آیا کہ گویا اپنے ایک ایسا زمینی کی طرف ہجرت کی ہے کہ وہ آپ کو دنیا میں نہیں تھا مگر حقیقت اس زمین سے مراد مدینہ منورہ تھا۔ ایسا ہی سنتِ نبوی ظہور میں دوسرے انبیاء کے مکاشفات میں پایا جاتا ہے۔ کہ انبیا ہر صورت اُن پر کچھ ظہور کیا گیا اور دراصل اس سے مراد کچھ اور تھا۔ سو انبیاء کے کلمات میں استعارہ اور مجاز کا دخل ہونا کوئی شاذ و نادر نہیں ہے۔

گیا ہو پورا ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا مثلاً مسیح کی نسبت بعض بائبل کی پیشگوئیوں میں یہ درج تھا کہ وہ بادشاہ ہو گا لیکن چونکہ مسیح غریبوں اور مسکینوں کی صورت پر ظاہر ہوا اس لئے یہودیوں نے اس کو قبول نہ کیا اور اس رد اور انکار کی وجہ صرف الفاظ پرستی تھی کہ انہوں نے بادشاہت کے لفظ کو فقط ظاہر پر محمول کر لیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی تورات میں ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ پیشگوئی درج تھی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے پیدا ہو گا اس لئے یہودی لوگ اس پیشگوئی کا منشاء یہی سمجھتے رہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو گا۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں بنی لوی بھی مراد ہیں۔ خدا نے تعالیٰ قادر تھا کہ بجائے بنی اسرائیل کے بھائیوں کے بنی لوی ہی لکھ دیتا

اور نہ کوئی ایسی بات ہے کہ جو تصدیق اور بناوٹ سے گھڑنی پڑتی ہے بلکہ یہ عادت انبیاء کی مشاعرت ہے کہ وہ روح القدس سے پُر ہو کر مثالوں اور استعاروں میں بولا کرتے ہیں اور وحی انہی کو یہی طرز پسند آتی ہوئی ہے کہ اس جسمانی عالم میں جو کچھ آسمان سے اتارا جاتا ہے اکثر اس میں استعارات و مجازات پُر ہوتے ہیں عام طور پر جو ہر ایک فرد بشر کو کوئی نہ کوئی سچی خواب آ جاتی ہے جو نبوت کا چھایا نور حصہ بیان کی گئی ہے اس کے اجزاء پر بھی اگر نظر ڈال کر دیکھو تو شاذ و نادر کوئی ایسی خواب ہوگی جو استعارات اور مجازات سے سچی خالی ہو۔

اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ دمشق کا لفظ جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے یعنی مسیح مسلم میں یہ بولکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید شرقی کے پاس اتریں گے یہ لفظ ابتداء سے محقق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے کیونکہ بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح کو دمشق سے کیا مناسبت ہے اور دمشق کو مسیح سے کیا خصوصیت۔ ان اگر یہ لکھا ہوتا کہ مسیح مکہ معظمہ میں اترے گا یا مدینہ منورہ میں نازل ہو گا تو ان دونوں کا ظاہر پر حمل کرنا موردون بھی ہوتا کیونکہ مکہ معظمہ خانہ خدا کی جگہ اور مدینہ منورہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت ہے مگر دمشق میں تو کوئی ایسی خوبی کی بات نہیں جس کی وجہ سے تمام امکان متبرک کہ چھوڑ کر نزول کے لئے صرف دمشق کو مخصوص کیا جائے۔ اس جگہ بلاشبہ استعارہ کے طور پر کوئی مزید سنی جتنی ہیں جو ظاہر نہیں کئے گئے اور یہ عاجزہ ایسا اس بات کی تفسیر کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ معنی کیا جس کو اسی اشاروں میں میرے ایک دوست

تاکر وڑھا آدمی ہلاکت سے بچ جاتے مگر اُس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس کو ایک عقدہ درمیان میں رکھ کر صاوقول اور کا ذبول کا امتحان منظور تھا اسی بنا پر اور اسی مدعا کی غرض پر تمثیل کے پیرایہ میں یا استعارہ کے طور پر بہت باتیں ہوتی ہیں جن پر نظر ڈالنے والے دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ گروہ جو فقط ظاہر پرست اور ظاہر بین ہوتا ہے اور استعارات سے بچتی متکبر ہو کر اُن پیشگوئیوں کے ظہور کو ظاہری صورت میں دیکھنا چاہتا ہے یہ وہ گروہ کہ جو وقت پر حقیقتِ حق کے ماننے سے اکثر بے نصیب اور محسوس رہ جاتا ہے بلکہ سخت درجہ کی عداوت اور

اور محب و اثنی مولوی حکیم نور الدین صاحب اس جگہ تلویاں میں تشریف لائے اور انہوں نے اس بات کے لئے درخواست کی کہ جو سلم کی حدیث میں لفظ دمشق و نیز اور ایسے چند جمل الفاظ ہیں اُن کے اُلحاث کے لئے جناب اُٹھی میں تو جس کی جاسئے لیکن چونکہ ان دلوں میں میری طبیعت حلیل اور دماغ ناقابلِ جد و جہد تھا اس لئے میں ان تمام مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے محسوس رہا صرف تھوڑی سی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پر کھولی گئی اور نیز ایک صاف اور صریح کشف میں مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ ایک شخص حادث نام یعنی حراثت اُنے ملا جو ابوداؤد کی کتاب میں لکھا ہے یہ خبر صحیح ہے اور یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی درحقیقت یہ دونوں اپنے مصداق کی رُد سے ایک ہی ہیں۔ یعنی ان دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے جو یہ عاجز ہے۔

سوا اول میں دمشق کے لفظ کی تعبیر جو الہام کے ذریعے مجھے پر کھولی گئی بیان کرتا ہوں پھر بعد اس کے ابوداؤد والی پیشگوئی جس طور سے مجھے سمجھائی گئی ہے بیان کر دوں گا۔ پس واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو زیدی الطبع اور زید پلیدی کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی کچھ محبت نہیں اور احکامِ الہی کی کچھ عظمت نہیں جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اپنے نفسِ اتارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدمات اور پا کون کا خون بھی اُن کی نظر میں سسل اور آسان امر ہے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا اُنے تعالٰیٰ کا موصوفہ ہونا اُن کی نگاہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو انہیں سمجھ نہیں آتا اور چونکہ طیب کو

بغض اور کینہ تک کو بت پہنچتی ہے جس قدر دنیا میں ایسے نبی یا ایسے رسول آئے جو نبی نسبت پہلی کتابوں میں پیشگوئیاں موجود تھیں ان کے سخت منکر اور اشد دشمن وہی لوگ ہوئے ہیں کہ جو پیشگوئیوں کے الفاظ کو ان کی ظاہری صورت پر دیکھنا چاہتے تھے مثلاً ایلیا نبی کا آسمان سے اترنا اور خلیق اللہ کی ہدایت کے لئے دنیا میں آنا بائبل میں اس طرح پر لکھا ہے کہ ایلیا نبی جو آسمان پر اٹھا یا گیا پھر دوبارہ وہی نبی دنیا میں آئے گا۔ ان ظاہری الفاظ پر یہودیوں نے سخت پنجم مارا ہوا ہے اور باوجودیکہ حضرت مسیح جیسے ایک بزرگوار نبی نے صاف صاف گواہی

دیہاروں ہی کی طرف آنا چاہئے اس لئے فرود تھا کہ مسیح ایسے لوگوں میں ہی نازل ہو۔ غرض مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دمشق کے لفظ سے دراصل وہ مقام مراد ہے جس میں یہ دمشق والی مشورہ طاعت پائی جاتی ہے اور خدا نے تعالےٰ نے مسیح کے اترنے کا جگہ جو دمشق کو بیان کیا تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح سے مراد وہ اصلی مسیح نہیں ہے جس پر بائبل نازل ہوئی تھی بلکہ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو اپنی روحانی حالت کی رو سے مسیح سے اور نیز امام حسین سے بھی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ دمشق پایہ تخت پر رہ چکا ہے اور یہودیوں کا مقصود گاہ جس سے ہزاروں طرح کے کلمات احکام نافذ ہوئے وہ دمشق ہی ہے اور یہودیوں کو ان یہودیوں سے بہت مشابہت ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھی ایسا ہی حضرت امام حسینؑ کو بھی اپنی مظلومانہ زندگی کی رو سے حضرت مسیح سے غایت درجہ کی مماثلت ہے پس مسیح کا دمشق میں اترنا صاف دلائل کرتا ہے کہ کوئی مثیل مسیح جو حسین سے بھی بوجہ مشابہت اللہ تعالیٰ بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہے۔ یہ یہودیوں کی تنبیہ اور ملزم کرنے کے لئے جو مثیل یہودیوں اترے گا اور ظاہر ہے کہ یہ یہودی لطیف لوگ یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ دراصل یہودی ہیں اس لئے دمشق کا لفظ صاف طور پر بیان کر رہا ہے کہ مسیح جو اترنے والا ہے وہ بھی دراصل مسیح نہیں ہے بلکہ عیساکریمؑ کی ایک مثیل یہودی ہیں ایسا ہی مسیح جو اترنے والا ہے وہ بھی مثیل مسیح ہے اور عیسیٰ الفطرت ہے یہ نکتہ ایک نہایت لطیف نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ امام حسینؑ کا مظلومانہ واقعہ خدا نے تعالےٰ کی نظر سے بہت عظمت اور وقت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا مرنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں

دی کہ وہ ایلیا جس کا آسمان سے اترنا انتظار کیا جاتا ہے یہی سچی زکریا کا بیٹا ہو کہ جو آپ
 کا مرشد ہے لیکن یہودیوں نے قبول نہ کیا بلکہ انہی یا قول ہو حضرت مسیح پر سخت ناراض ہو گئے اور
 حضرت مسیح کی نسبت یہ خیال کرنے لگے کہ وہ توریت کی عبارتوں کو اور اور مننے کر کے بگاڑنا
 چاہتا ہے کیونکہ انہیں اپنے جسمانی خیال کی وجہ سے سخت طور پر امید لگی ہوئی تھی چنانچہ
 ابھی تک وہی خیال خام دل میں ہے کہ مسیح حج ایلیا یہودیوں کی جماعت کے سامنے آسمان
 سے اترے گا اور فرشتے اُس کے دائیں بائیں اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر بیت المقدس کی

کلام نہیں ہوگی اس لئے خدا نے تعالے نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت سے کوئی مشابہت
 سے متنبہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ لیا گیا تا پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ
 زمانہ آجائے جس میں نوح بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کی طرح کمال و درجہ کے ظلم اور جو رہتا
 کی راہ سے دمشق اشقیاء کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدا نے تعالے نے اس دمشق کو جس سے ایسے
 پر ظلم احکام نکلتے تھے اور جس میں ایسے سنگدل اور سیاہ درون لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے
 نشانہ بنا کر دکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہو گا کیونکہ اکثر نبی خالوں
 کی بستی میں ہی آتے رہے ہیں اور خدا نے تعالے نے لعنت کی جگہوں کو برکت کے مکانات بنا آ رہے
 اس استعارہ کو خدا نے تعالے نے اس لئے اختیار کیا کہ تا پڑھنے والے دو قارئین اس سے حاصل کریں
 ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشگوئی
 اخلاص کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے اس کی عظمت اور وقت دلوں پر کھل جائے۔ دوسرے
 یہ کہ تاریخی طور پر معلوم کہ جاہلی کہ جیسے دمشق میں رہنے والے در اہل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں
 کے کام انہوں نے کئے۔ ایسا ہی مجسج اترنے والا ہے در اصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کی روحانی حالت کا
 شبیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے جس کے دل میں واقعہ حسین کی عظمت نہ ہو جو ہونی چاہیے ہر ایک
 شخص اس دمشق خصوصیت کو پہنچنے بیان کی ہے بحال انشراح ضرور قبول کرے گا اور صرف قبول
 بلکہ اس مضمون پر نظر امعان کرنے سے گو یا حق الیقین تک پہنچ جائے گا اور حضرت مسیح کو جو امام حسین
 رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی استعارہ در استعارہ ہے جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے

کسی اونچی عمارت پر آکر اتاریں گے پھر کسی زمین کے ذریعے سے حضرت ایلیاؑ نیچے اترائیں گے اور یہودیوں کے تمام مخالفوں کو روئے زمین سے نابود کر ڈالیں گے اور چونکہ اُن کی کتابوں میں جو کتب الہامیہ ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے اسی وقت کی وجہ سے یعنی اس سبب سے کہ ایلیا اُن کے گمان میں اب تک آسمان سے نہیں اُترا مسیح ابن مریمؑ پر وہ ایمان نہیں لائے اور صاف کہدیا کہ ہم نہیں جانتے کہ تو کون ہے کیونکہ وہ مسیح جس کی ہمیں انتظار ہے ضرور ہے کہ اُس سے پہلے ایلیا آسمان سے اتر کر اُس کی راہوں کو

۴۵

اب پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ یہ قصبہ قادیان جو سہ اس کے کہ اکثر یہودی طبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مسابست اور شاہت و کتاب اور یہ ظاہر ہے کہ تفسیرات میں پوری پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ایک اونٹنے نما مثلت کی وجہ سے بلکہ صرف ایک جزد میں مشارکت کے باعث سے ایک چیز کا نام دوسری چیز پر اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ایک ہمارا انسان کو کہدیتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور شیر نام رکھنے میں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ شیر کی طرح اس کے پنجے ہوں اور کسی ہی بدن پر شتم ہو اور ایک دم بھی ہو بلکہ صرف صفت شجاعت کے لحاظ سے ایسا اطلاق ہو جاتا ہے اور عام طور پر جمیع انواع استعارات میں یہی قاعدہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اسی عام قاعدہ کے موافق اس قصبہ قادیان کو دمشق سے مشابہت دی اور اس بارہ میں قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ اخسوج منه الیٰ یزید یون یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اب اگرچہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں اور نہ ایسی کامل تصریح سے خدا تعالیٰ نے میرے پر کھول دیا ہے کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہو گا بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں بھی کوئی مثیل مسیح پیدا ہو جائے مگر خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ اس بات کا شاہد حال ہے کہ اس نے قادیان کو دمشق سے مشابہت دی ہے اور ان لوگوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ یہ یزیدی طبع ہیں یعنی اکثر وہ لوگ جو اس جگہ رہتے ہیں وہ اپنی فطرت میں یزیدی لوگوں کی فطرت سے مشابہ ہیں اور یہ بھی مدت کے الہام ہو چکا ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَدْ رِیْبًا مِّنَ النَّقْدِیَانِ وَبَاخْتِی اَنْزَلْنَاهُ وَبَاخْتِی نَزَلَ وَحِیًّا وَعَدَ اللّٰهُ مَفْعُوْلًا یعنی ہم نے اُس کو

۴۶

۴۷

درست کرے۔ اس کے جواب میں ہر چند حضرت مسیح نے بہت زور دے کر انہیں کہا کہ وہ ایلیا جو آنے والا تھا یہی یحییٰ زکریا کا بیٹا ہے جس کو تم نے شناخت نہیں کیا۔ لیکن یہودیوں نے مسیح کے اس قول کو ہرگز قبول نہیں کیا بلکہ خیال کیا کہ یہ شخص توریت کی پیش گوئیوں میں الحاد اور تحریف کر رہا ہے اور اپنے مرشد کو ایک عظمت دینے کے لئے ظاہری معنی کو کھینچ مان کر کچھ کا کچھ بنا رہا ہے۔ سو ظاہر پستی کی شامت نے یہودیوں کو حقیقت فہمی سے محروم رکھا اور مجتہد الفاظ پر زور مارنے اور استعارہ کو حقیقت سمجھنے کی وجہ سے ابدی لعنتوں کا ذخیرہ انہیں ملا۔

قادیان کے قرب آثار ہے اور سچائی کے ساتھ آثار اور سچائی کے ساتھ آثار۔ اور ایک دفعہ اللہ کا پورا ہونا تھا۔ اس الامام پر نظر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسا عاجز کا ظاہر ہونا الہامی فوشتوں میں بطور پیش گوئی کے پہلے سر لکھا گیا تھا۔ اب چونکہ قادیان کو اپنی خاصیت کی رو سے دمشق سے مشابہت دی گئی تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کا نام پہلے فوشتوں میں استعارہ کے طور پر دمشق رکھ کر پیش گوئی بیان کی گئی ہوگی۔ کیونکہ کسی کتاب حدیث یا قرآن شریف میں قادیان کا نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا اور یہ الامام جو براہین احمدیہ میں بھی چھپ چکا ہے بصراحت و باواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں بد پیش گوئی ضرور موجود ہے اور چونکہ موجود نہیں تو سمجھو اس کے اور کس طرف خیال جاننا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قادیان کا نام قرآن شریف یا احادیث نبویہ میں کسی اور پیرایہ میں ضرور لکھا ہوگا اور اب جو ایک نئے الامام سر یہ بات سپاہ نبوت پہنچ گئی کہ قادیان کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے۔ تو اس پہلے الامام کے معنی بھی اس سے کھٹک گئے گویا یہ فقرہ جو اللہ جل شانہ نے الامام کے طور پر اس عاجز کے ذریعہ لکھا ہے کہ انا انزلنہ قریباً من القادیاں اس کی تفسیر یہ ہے کہ انا انزلنہ قریباً من دمشق بطرف شرقی عند المنارة البیضاء۔ کیونکہ اس عاجز کی سکوئی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے منارہ کے پاس۔ پس یہ فقرہ الامام الہی کا کہ کان وعد اللہ مفعولاً۔ اس تاویل سے پوری پوری تطبیق کھا کر پیش گوئی واقعی طور پر پوری ہو جاتی ہے اس عبارت تک یہ عاجز پہنچا تھا کہ یہ الامام مولا قل لو کان الامر من عند غیر اللہ لوجدتم

حالا کہ وہ بجائے خود اپنے تئیں محذور سمجھتے تھے کیونکہ اُن کی بائبل کے ظاہری الفاظ پر نظر تھی۔ افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی اسی گرداب میں پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مسیح کی نسبت یہودیوں کی طرح اُن کے دلوں میں بھی یہی خیال جما ہوا ہے کہ ہم انہیں سچا آسمان پر اُترتے دیکھیں گے اور یہ عجوبہ ہم بحشم خود دیکھیں گے کہ حضرت مسیح زرد رنگ کی پوشاک پہنے ہوئے آسمان سے اُترتے چلے آئے ہیں اور دائیں بائیں فرشتے اُن کے ساتھ ہیں اور تمام بازاری لوگ اور دیہات کے آدمی ایک بڑے میلے کی طرح اکٹھے ہو کر دوڑے اُن کو دیکھ رہے ہیں اور

فیہ اختلافاً کثیراً۔ قل لواتبع الله اھواءکم لفسدت السموات والارض ومن فیھن ولیطلت حکمتہ وکان اللہ عزیزاً حکیمًا۔ قل لو کان البھم ملأداً لھکما ت ربی لنفد البھم قبل ان تنفذ کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ وکان اللہ غفوراً رحیمًا پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ میری عبادت گاہ

میں ان کے چولھے ہیں میری پرستش کی جگہ میں اُن کے پیالے اور ٹھہٹھیاں رکھی ہوئی ہیں اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی عیدنیوں کو کتر رہے ہیں (ٹھوٹھیاں وہ چوٹی بیاباں ہیں جن کو بہندوستان میں سکوریاں کہتے ہیں۔ عبادت گاہ سے مراد اس الہام میں زمانہ حال کے اکثر مولویوں کے دل ہیں جو دنیا سے بھرے ہوئے ہیں) اس جگہ مجھے یاد آیا کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ انا انزلنہ قریباً من التقادیاں تو میں نے شکر بہت تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحوں میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہر وں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مگر اور طریقہ اور قادیان کی کشف تھا

چھوٹے بڑے چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ وہ آئے وہ آئے یہاں تک کہ دمشق کے شرقی منارہ پر آکر آگے ڈور بذریعہ زینہ کے نیچے اتارے گئے اور ایک دوسرے کو سلام علیک اور مزاج پرکھی ہوئی تعجب کہ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ دنیا میں کسی ایک دارالابتلا جگہ ہے ایسے معجزات ظہور پذیر نہیں ہوتے ورنہ دعوت اسلام ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہو جائے۔ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ کفار مکر نے اسی قسم کا معجزہ ہمارے سید و نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل سے بھی مانگا تھا جن کو صاف یہ جواب دیا گیا کہ ایسا ہونا سنت اللہ کی ماہر ہو۔

جو کئی سال ہوئے کہ مجھے دکھایا گیا تھا اور اس کشف میں جو میں نے اپنے بھائی صاحب مرحوم کو جو کئی سال سے وفات پا چکے ہیں قرآن شریف پڑھتے دیکھا اور اس الہامی فقرہ کو بھی زبانِ نقرآن شریف میں پڑھتے سنا تو اس میں یہ بعید محض ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے میرے پرکھول دیا کہ ان کے نام سے اس کشف کی تعبیر کو بہت کچھ تعلق ہے یعنی ان کے نام میں جو قادر کا لفظ آتا ہے اس لفظ کو کشفی طور پر پیش کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ قادر مطلق کا کام ہے اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے اس کے عجائبات قدرت اسی طرح ہر ہمیشہ ظہور فرماتا ہوتے ہیں کہ وہ غریبوں اور حقیروں کو عزت بخشتا ہے اور بڑے بڑے معززوں اور بلند مرتبہ لوگوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلا اس کے آستانہ فیض سے بکلی بے نصیب اور محروم رہ جاتے ہیں اور ایک ذلیل حقیر آدمی جاہل بالخلق مقرب ہو کر مقبولین کی جماعت میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے اس کی کچھ ایسی ہی عادت ہے اور قدیم سے وہ ایسا ہی کرتا چلا آ رہا ہے۔ وذا الذ فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

اب میں وہ حدیث جو ابو داؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ناظرین کے سامنے پیش کر کے اسکے مصداق کی طرف انکو توجہ دلاتا ہوں۔ سو واضح ہو کہ یہ پیش گوئی جو ابو داؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص عارض نام یعنی حراث ماوردانہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھے پطراہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا۔ دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحدہ اضمحون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے مسیح کے نام پر پیش گوئی ہر اکی علامات خاصہ و حقیقت مذہبی ہیں

افسوس کہ ہماری قوم کے لوگ استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے سخت پیچول میں پھنس گئے ہیں اور ایسی مشکلات کا سامنا نہیں پیش آگیا ہے کہ اب اُن سے آسانی نکلا ان لوگوں کیلئے سخت دشوار ہے اور جو نکلنے کی راہیں ہیں وہ انہیں قبول نہیں کرتے مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اترینگے تو اُن کا لباس زرد رنگ کا ہوگا اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا کیسا لغو خیال ہے زرد رنگ پہننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس لفظ کو ایک کشنی استعارہ قرار دے کر مجتہدین کے مذاق اور تجارب کے موافق اس کی تعبیر کرنا چاہیں

ایک یہ کہ جب وہ مسیح آئے گا تو مسلمانوں کی اندرونی حالت کو جو اُس وقت بغایت مدہم بخڑی ہوئی ہوگی دینی صحیح تعلیم سے درست کر دے گا اور اُن کے روحانی افلاس اور باطنی ناداری کو جلی دور فرما کر جو اہرات علوم و حقائق و معارف اُن کے سامنے رکھ دے گا یہاں تک کہ وہ لوگ اس دولت کو لیتے لیتے حُک جائینگے اور اُن میں سے کوئی طالب حق روحانی طور پر مغفل اور نادار نہیں رہے گا بلکہ جس قدر سچائی کے بھوکے اور پیاسے ہیں ان کو بھرت طیب غذا و ملاقات کی اور شربت خیر میں معرفت کا پلا یا جانے گا اور علوم حق کے توتوں سے اُن کی جھولیاں پُر کر دی جائیں گی اور جو مغز اور لب لباب قرآن شریف کا ہے اس عطر کے بھرے ہوئے شیشے اُن کو دے جائیں گے۔

دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب وہ مسیح موعود آئے گا تو صلیب کو توڑے گا اور خسرو رول کو قتل کریگا اور دجال ایک چشم کو قتل کر ڈالے گا اور جس کا فرنگ اس کے دم کی ہوا پہنچے گی وہ فی الفور مرجع الیہا سواں علامت کی اصل حقیقت جو روحانی طور پر مراد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں اگر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا اور اُن لوگوں کو جن میں خسرو رول کی بے حیائی اور نوکوں کی بے شرمی اور نجاست خوری ہے اُن پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کریگا اور وہ لوگ جو صرف دنیا کی آنکھ رکھتے ہیں مگر دین کی آنکھ نکلی ندارد۔ بلکہ ایک بدنما ٹینٹ اس میں نکلا ہوا ہے انکو بین محنتوں کی سیف قاطعہ سے لازم کر کے اُن کی منکرانہ ہستی کا خاتمہ کر دے گا اور نہ صرف ایسے ایک چشم لوگ بلکہ ہر ایک کافر جو دین محمدی کو منظر استحقار دیکھتا ہے سچی دلائل کے جلالی دم سے روحانی طور پر مارا جائے گا۔ غرض یہ سب عباراتیں استعارہ کے طور پر واقع ہیں جو اس عاجز پر

تو یہ معقول تعبیر ہوگی کہ حضرت مسیح اپنے ظہور کے وقت یعنی اس وقت میں کہ جب مسیح ہونے کا دعویٰ کریں گے کسی قدر بیمار ہوں گے اور حالت صحت اچھی نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ کتب تعبیر کی رو سے زرد رنگ پوشاک پہننے کی یہی تاویل ^{۱۴۳} ہے اور ظاہر ہے کہ یہی تاویل عالم کشف اور روئے کے نہایت مناسب حال اور سراسر معقول اور قریب قیاس ہے کیونکہ تعبیر کی کتاب میں صاف لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی عالم رو یا عالم کشف میں زرد رنگ کی پوشاک دیکھی جائے تو اس کی یہ تعبیر کرنی چاہیئے کہ وہ شخص بیمار ہے یا بیمار ہونے والا ہے کاش اگر اس محققانہ مذاق

بخوبی کھولی گئی ہیں اب چاہے کوئی اس کو سمجھے یا نہ سمجھے لیکن آخر کچھ مدت اور انتظار کر کے اور اپنی بجے بنسیاد امیدوں سے یاس گئی کی حالت میں ہو کر ایک دن سب لوگ اس طرف رجوع کریں گے۔ اُس وقت ان مسیحی علامات کو نکتے نکتے مجھے ایک رؤیا صائمہ اپنی یاد آگئی ہے اور با مذاق لوگوں کے مسرور الوقت کرنے کے لئے اُس کو میں اس جگہ لکھتا ہوں۔۔۔

ایک بزرگ غایت درجہ کے صلح جو مردان خدا میں سے تھے اور مکالمہ الہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور برترتہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے اور اُن صادقوں اور رستہ بازوں میں سے تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پیرے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے جن کا نام نامی عبداللہ غزنوی تھا

کے موافق ہمارے منہ فتر اور محدث اس فقرہ کی بھی تاویل کرتے یعنی یہ کہتے کہ جب سچ ظہور فرما کر اپنا سچ موجود ہونا خلق اللہ پر ظاہر کرے گا تو اُس وقت اس کی صحت کی حالت اچھی نہیں ہوگی بلکہ ضرور کسی قسم کی علامت جسمانی اور ضعف بدنی کے شائل حال ہوگا جو اُس کے ظہور کے لئے ایک خاص وردی کی طرح ایک علامت اور نشانی ہوگی تو ایسی تاویل کیا عمدہ اور لطیف اور سرسراستی پر مبنی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ ہمارے علماء نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ تو اپنی نہایت سادگی اور خام شبیلی کی وجہ سے بعینہ یہودیوں کی طسج انتظار کر رہے ہیں کہ سچ مچ سچ

ایک دفعہ میں نے اُس بزرگ باصفا کو خواب میں اُن کی وفات کے بعد دیکھا کہ سپاہیوں کی صورت پر بڑی عظمت اور شان کے ساتھ بڑے پہلو آٹوں کی مانند مسلح ہونے کی حالت میں کھڑے ہیں تب میں نے کچھ اپنے الہامات کا ذکر کر کے اُن سے پوچھا کہ مجھے ایک خواب آئی ہے اس کی تعبیر فرمائیے۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ ایک تلوار میسر ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میسر پنجر میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس قسے قتل ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزار ہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں تب حضرت عبداللہ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میری

جب آسمان سے اترے گا تو ایک زرد رنگ کی پوشاک زعفران کے رنگ سے رنگین کی ہوئی اس کے زیب تن ہوگی۔ کاش اگر ایسے علماء کو کبھی ایسی خواب بھی آئی ہوئی کہ انہوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور پھر اس کے بعد بیمار بھی ہو جاتے تو آج ان کی نگاہ میں ہماری یہ باتیں قابل قدر ٹھہرتیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ روحانی کو چہرہ میں ان کو دخل ہی نہیں یہودوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک دوسرا گروہ بھی ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے یہ بصیرت اور فراست عطا کی ہے کہ وہ آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں

خواب کو سنکر بہت خوش ہوئے اور بشارت اور انبساط اور الشیخ صدر کے علامات و امارات ان کے چہرہ میں نمودار ہو گئے اور فرماتے لگے کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا اور یہ جو دیکھا کہ دائیں طرف تلوار چلا کر مخالفوں کو قتل کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ اتمام حجت کا کام ہے کہ جو روحانی طور پر تلوار و برکات کے ذریعے انجام پذیر ہوگا اور یہ جو دیکھا کہ بائیں طرف تلوار چلا کر ہزار ہا دشمنوں کو مارا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعے عقلی طور پر خدائے تعالیٰ الزام و اسکا ت ختم کرے گا اور دنیا پر دونوں طور سے اپنی حجت پوری کر دے گا۔ پھر بعد اس کے انہوں نے

مگر افسوس کہ وہ لوگ بہت تھوڑے ہیں اور اکثر یہی جنس ہماری قوم میں بکثرت پھیلی ہوئی ہے کہ جو جسمانی خیالات پر گرے جلاتے ہیں نہیں سمجھتے کہ خدائے تعالیٰ کا عالم قانون قدرت جو اسکی وحی اور اس کے مکاشفات کے متعلق ہے ^{میں} ہر عرصہ صریح اُن کے زعم کے مخالف شہادت دے رہا ہے صد ہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیسز نظر آتی ہے اور دراصل اُس سے مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے۔ ایک شخص کو انسان خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ اگیا اور پھر صبح اس کا کوئی ہم رنگ آ جاتا ہے۔ انبیاء کی کلام میں تمثیل کے ساتھ یا استعارہ کے طور پر بہت باتیں ہوتی ہیں دیکھو ہمارے سید و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تالیف مطہرات اُمتات المؤمنین کو منسوخ فرمایا تھا کہ تم میں سے پہلے اس کی وفات ہوگی جس کے ماتھے پر ہونگے

فرمایا کہ جب میں دنیا میں تھا تو میں اُمیدوار تھا کہ خدائے تعالیٰ ضرور کوئی ایسا آدمی پیدا کرے گا پھر حضرت عبداللہ صاحب مرحوم مجھ کو ایک وسیع مکان کی طرف لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی لیکن سب کے سب تلخ اور سپاہیانہ صورتیں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی جنگی خدمت بجالانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں جو بہت جلد آنے والا ہے پھر اس کے بعد آٹھ کھل گئی۔

یہ روایے صالحہ جو درحقیقت ایک کشف کی قسم ہے استعارہ کے طور پر انہیں علامات پر دلالت کر رہے ہیں جو سیح کی نسبت ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یعنی سیح کا خنزیر دل کو قتل کرنا اور ظالموں کو تمام کفار کو مارنا انہیں معنوں کی رو سے ہے کہ وہ حجت الہی اُن پر پوری کرے گا اور بتینہ کی تلوار سران کو

اور ان تمام اہلیت کو اس حدیث کے سننے سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ درحقیقت بے ماتھل سے
اُن کا لمبا ہونا ہی مراد ہے یہاں تک کہ آنجناب کی ان پاک وامن بیویوں نے باہم ہاتھ پائے شروع
کئے لیکن جب سب کے پہلے زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تب انہیں سمجھ آیا کہ بے ماتھل
سے اشار اور سخاوت کی صفت مراد ہے جو زینب رضی اللہ عنہا پر سب کی نسبت زیادہ غالب تھی۔

اور یہ خیال کہ تنازع کے طور پر حضرت سچ ابن مریم دنیا میں آئیں گے سب کے زیادہ ردی
اور شرم کے لائق ہے تنازع کے ماننے والے تو ایسے شخص کا دنیا میں دوبارہ آنا تجویز کرتے ہیں
جس کے تزکیہ نفس میں کچھ کسر ہو گئی ہو لیکن بولوگ بکلی مراحل کمالات طے کر کے اس دنیا سے
سفر کرتے ہیں وہ یزیم اُن کے ایک مدت دراز کے لئے گنتی خانہ میں داخل کئے جاتے ہیں۔

قتل کرے گا واللہ اعلم بالصواب۔ اور حارث کے نام پر جو پیش گوئی ہے اُن کے علامات
خاصہ پہنچ بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ ذیعت کے ساتھ دستخان کے ساتھ بلکہ اپنی قوت ایمان کے
ساتھ اور اپنے نور عرفان اور برکات، یہاں کے ساتھ حق کے طالبین اور سچائی کے بھوکوں پیاسوں کو
تقویت دے گا اور اپنی مخصوصہ شجاعت اور موندناہ شہادتوں کی وجہ سے اُن کے قدم کو استوار کرے گا
اسی کے موافق جو مومنین قریش نے مکہ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو قبول کر کے اور
اپنے سارے زور اور سارے اخلاص اور کمال ایمان کے اظہار دکھلانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے بازوئے دعوت کو قوت ویدید ی قوی اور اسلام کے پیروں کو مکہ معظمہ میں جمادیا تھا۔

دوسری علامت یہ کہ وہ حارث اور اہل انہر میں ہو گا جس سے مطلب یہ ہو کہ ہر قندی یا بخاری الاصل ہو گا۔
تیسری علامت یہ ہے کہ وہ زمینداری کے ممتاز خاندان میں سے اور کھیتی کرنے والا ہو گا۔ چوتھی علامت یہ ہے
کہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو گا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی انبیاء علیہم السلام جو سادات قوم وشرائے ملت
ہیں کسی حامی دین اور مبارز میدان کے محتاج ہونگے۔ آل محمد کے لفظ میں ایک فضل اور طبیب جود کو ذکر
کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اس جزد سے مناسبت رکھتے ہیں اسی کے اندر داخل کئے
گئے ہیں جیسا کہ یہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جزد کو ذکر کر کے کل اُس سے مراد لیا جاتا
ہے۔ پانچویں علامت اس حارث کی یہ ہے کہ وہ مصر میں اور بادشاہوں اور باجمیعت لوگوں کی صورت پر

ماسوائے اس کے ہمارے عقیدہ کے موافق خدا نے تعالیٰ کا ہستیوں کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ کبھی اس سے نکلے نہیں جائیں گے پھر تعجب کہ ہمارے علماء کیوں حضرت مسیح کو اس فردوس بریں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ آپ ہی یہ قصے سناتے ہیں کہ حضرت ادیس جب فرشتہ ملک الموت سے اجازت لے کر بہشت میں داخل ہوئے تو ملک الموت نے چاہا کہ پھر باہر آویں لیکن حضرت ادیس نے باہر آنے سے انکار کیا اور یہ آیت مستادی وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت مسیح اس آیت سے فائدہ حاصل کرنے کے مستحق نہیں ہیں کیا یہ آیت اُن کے حق میں منسوخ کا حکم رکھتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس لئے اس تنزیل کی حالت میں بھیجے جائیں گے کہ بعض لوگوں نے انہیں ناحق خدا بنایا تھا تو یہ اُن کا

۹۶

ظاہر نہیں ہو گا بلکہ اس اعلیٰ درجہ کے کام کی انجام دہی کے لئے اپنی قوم کی امداد کا محتاج ہو گا۔

اب اول ام ابیاد کی حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بیان کر کے پھر جس قدر مناسب اور کافی ہو اپنی نسبت اس کا ثبوت پیش کریں گے سو واضح ہو کہ حدیث یہ ہے عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ الحارث حزار علی مقدّمہ رجل یقال لہ منصور یوطن او یتمکن لایل محمد کما مکننا قریش لرسول اللہ صلحہ وجب علی کذلک من نصرہ او قال اجابہ تکمینی روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص بھیجے نہر کے سر تک گایا یعنی بخارا یا مرقند اس کا اصل وطن ہو گا اور وہ حارث کے نام سے پکارا جاوے گا یعنی باعتبار اپنے آباؤ اجداد کے پیشہ کے افواہ عام میں یا اس گورنٹ کی نظر میں حارث یعنی ایک زمیندار کہلائے گا پھر اگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیوں حارث کہلائے گا اس وجہ سے کہ وہ حارث ہو گا یعنی میسر زینداروں میں سے ہو گا اور کھیتی کرنے والوں میں سے ایک معرود خانہ کا آدمی شمار کیا جاوے گا۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سرکار و سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہو گا جس کو اسمان پر موصوف کے نام سے پکارا جاوے گا کیونکہ خدا نے تعالیٰ اس کے خادماں راہوں کا جو اس کے دل میں ہونگے آپ ناصر ہو گا۔ اس جگہ اگر یہ اس منہور کو سپلائے کے طور پر بیان کیا ہے مگر

۹۷

۹۸

تصور نہیں ہے لَا تَزِدْ وَلَا تَقُصِّرْ وَذَرِ الْأَخْرَافَ ماسوائے اس کے یہ بات بھی نہایت غور کے قابل ہے کہ یہ خیال کہ مسیحؑ بن مریم ہی ہشت سے نکل کر دنیا میں آجائیں گے تصدیق قرآنہ سے بالکل مخالف ہے۔ قرآن شریف تین جگہ حضرت مسیحؑ کا فوت ہو جانا کھلے کھلے طور پر بیان کرتا ہے اور حضرت مسیحؑ کی طرف سے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ عیسائیوں نے جو انہیں اپنے زعم میں خدا بنا دیا تو اس کے مسیحؑ پر کوئی الزام نہیں کیونکہ وہ اس ضلالت کے زمانہ سے پہلے فوت ہو چکا تھا۔ غرض تعلیم قرآن تو یہ ہے کہ مسیحؑ مدت سے فوت ہو چکا ہے اب اگر ہمارے علماء کو قرآن شریف کی نسبت حدیثوں کے ساتھ زیادہ پیار ہے تو ان پر فرض ہے کہ احادیث کے ایسے معنی کریں جن سے قرآن شریف کے مضمون کی تکذیب لازم نہ آوے میرے خیال میں

اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل ملو نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اُس حادثہ کو دی جائیگی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر وہ شخص ایک مکمل میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا تب میں نے اُس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اُسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سن کر ہلا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر چہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پاسکتے ہیں اس وقت میں نے یہ کثرتِ بطرحی کثرتِ مَن فِشَّةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِشَّةً كَثِيرَةً کہا اذین اللہ پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے جو خدا بیتخالی کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اُس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے۔ اب بقیہ ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ حادثہ جب ظاہر ہوگا تو وہ آلِ محمد کو (آلِ محمد کے نفرو کی تفسیر بیان ہو چکی ہے) قوت اور استواری بخشے گا اولیٰ ان کی رہا ہو جائے گا یعنی ایسے وقت میں کہ جب مومنین غربت کی حالت میں ہونگے

جہاں تک میں سوچتا ہوں یقینی طور پر یہ بات متناقض ہے کہ اب تک ہمارے مولویوں نے حدیثوں کو قرآن کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے ایک ذرہ توجہ مبذول نہیں فرمائی جس طرف کسی اتفاق سے خیال کا رجوع ہو گیا اُسی پر زور دیتے چلے گئے ہیں میں یقیناً جاننا ہوں کہ ہمارے علماء کے لئے یہ امر کچھ سہل یا آسان بات نہیں کہ وہ قرآن شریف اور اپنے خیالات میں جو ظواہر الفاظ حدیثوں سے انہوں نے پیدا کئے ہیں تطبیق و توفیق کر کے دکھلا سکیں بلکہ جس وقت وہ اس طرف متوجہ ہوں گے تو اُن کا نور قلب یا یوں کہو کہ کائنات خود انہیں ملزم کرے گا کہ وہ اُن خیالات کو جو جسمانی طور پر اُن کے دلائل میں منقش ہیں ہرگز ہرگز نصوصِ بینہ قرآنیر سے مطابق نہیں کر سکتے اور نہ قرآن شریف کی اُن آیات میں کوئی راہ تاویل کی کھول سکتے ہیں اور

اور مہنِ اسلام یکس کی طرح پڑا ہو گا اور چاروں طرف سے مخالفوں کے حملے شروع ہوں گے۔ یہ شخص اسلام کی عزت قائم کرنے کیلئے بقوتِ تمام اٹھ کھڑا اور مومنین کو جہل کی زبان سے بچانے کیلئے جوشِ ایمان کھڑا ہو گا اور نورِ عرفان کی روشنی سے طاقت پا کر انکو مخالفوں کے حملوں سے بچائے گا اور اُن سب کو اپنی حمایت میں لے لے گا اور ایسا انہیں ٹھکانا دے گا جیسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا یعنی دشمن کے ہر ایک الزام اور ہر ایک باز پرس اور ہر ایک طلبِ ثبوت کے وقت میں سب مومنوں کے لئے سپر کی طرح ہو جائیگا اور اپنے اُس قوی ایمان سے جو نبی کی اتباع سے اُس نے حاصل کیا ہے صدیق اور فاروق اور حیدر کی طرح اسلامی برکتوں اور استقامتوں کو دکھلا کر مومنوں کے امن میں آجانے کا موجب ہو گا۔ ہر ایک مومن پر واجب ہے جو اس کی مدد کرے یا یہ کہ اس کو قبول کرے۔ یہاں سب کی طرف اشارہ ہے کہ ایک ایسا عظیم الشان سلسلہ اس حادثہ کے پیر کیا جائے گا جس میں قوم کی اعداء کی ضرورت ہوگی جیسا کہ ہم رسالہ فتحِ اسلام میں اس سلسلہ کی پانچوں شاخوں کا مفصل ذکر کرتے ہیں اور نیز اس جگہ یہ بھی اشارہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ حادثہ بادشاہوں یا امیروں میں سے نہیں ہو گا تاہم ایسے مصروفِ کائنات کے متصل ہو سکے اور اس تاکیدِ شدید کے کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اُس حادثہ کے ظہور کے وقت جو ٹیبلِ مسج ہونے کا دعویٰ کرے گا لوگ اتھن میں بیٹ جائیں گے اور بہتیرے اُن میں سے مخالفت پر کھڑے ہوں گے اور مدد دینے سے روکیں گے بلکہ کوشش کریں گے کہ

یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب کوئی حدیث اپنے کسی مفہوم کی رو سے قرآن شریف کے مینا کے مخالف واقع ہو تو قرآن شریف پر ایمان لانا مقدم ہے کیونکہ حدیث کا مرتبہ قرآن شریف کے مرتبہ سے ہرگز مساوی نہیں اور جو کچھ حدیثوں کے بارہ میں ایسے احتمال پیدا ہو سکتے ہیں جو حدیثوں کے وثوق کے درجہ کو کمزور کریں ان احتمال میں سے ایک بھی قرآن شریف کی نسبت عائد نہیں ہو سکتا پس کیوں نہ ہم ہر حال میں قرآن شریف کو ہی مقدم رکھیں جس کی صحت پر تمام قوم کو اتفاق اور جس کے محفوظ چلے آنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے دلائل ہمارے پاس ہیں اور ہمارے علماء پر یہ بات لازم و واجب ہے کہ قبل اس کے کہ اس بارہ میں اس عاجز پر کوئی اعتراض کریں پہلے قرآن شریف اور احادیث کے مضامین میں پوری پوری تطبیق و توفیق کر کے

اس کی جماعت متفرق ہو جائے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنوں تم پر اس عارث کی مدد و احسان نہ ہو کہ تم کسی کے برکانے سے اس سعادت سے محروم رہ جاؤ۔ اس جگہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو مومنوں کو اُس کے ظہور سے قوت پہنچی اور اس کے میدان میں کھڑے ہو جانے سے اس تفرقہ زدہ جماعت میں ایک استحکام کی صورت پیدا ہو جائے گی اور وہ سپر کی طرح ٹوٹنے لگے ہو جائیگا اور اُن کے قدم جم جانے کا موجب ہو گا جیسا کہ تم میں اسلام کے قدم چمکے کیلئے صحابہ کبار موجب ہو گئے تھے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سختی اور تبرے حمایت اسلام نہیں کرے گا اور نہ اس کام کے لئے بھیجا جائیگا کیونکہ کہ میں بیٹھ کر جو مومنین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی جس حمایت میں کوئی دوسری قوم کا آدمی ان کے ساتھ شریک نہیں تھا الا شاذ و ناہودہ صرف ایمانی قوت اور عرفانی طاقت کی حمایت تھی نہ کوئی تلوار میان سے نکالی گئی تھی اور نہ کوئی نیزہ ہاتھ میں پکڑا گیا تھا بلکہ انکو جسمانی مقابلہ کرنے سے سخت ممانعت تھی صرف قوت ایمانی اور نور عرفان کے محکمہ اور ہتھیار اور اُن ہتھیاروں کے جو ہر جو صبر اور استقامت اور محبت اور اخلاص اور فاء اور مصافحہ الہیہ و رفقاء علیہ نہیہ اُن کے پاس موجود تھے لوگوں کو دکھاتے تھے گایاں سنتے تھے جان کی جھمکیں دیکھتے جاتے تھے اور سب طرح کی دتیں دیکھتے تھے پر کچھ ایسے نشہ عشق میں مدغوش تھے کہ کسی خزانہ کی پردہ انہیں رکھتے تھے اور کسی بلا سے ہراساں نہیں ہوتے تھے۔ دنیوی زندگی کے رُوسے اس قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

دکھلا دیں اور محقول طور پر ہمیں سمجھا دیں کہ جس حالت میں قرآن شریف کھلے کھلے طور پر حضرت مسیح کے وفات پا جانے کا ثبوت ہے تو پھر باوجود ان کے وفات پا جانے اور بہشت میں داخل ہو جانے کے پھر کیونکر ان کا وہ جسم جو بموجب نص قرآنی کے زمین میں دفن ہو چکا آسمان سے اتر آئے گا اور اس جگہ صرف قرآن شریف ہی ان کے مدعا کے منافی نہیں بلکہ احادیث صحیحہ بھی سخت منافی و مبائن بڑی ہیں مثلاً بخاری کی یہ حدیث کہ جو امام مکہ منکر ہے اگر تاویل کے شکنجہ پر نہ چڑھائی جاوے اور جیسا کہ ظاہر الفاظ حدیث کے ہیں انہیں کے موافق معنی لئے جائیں تو صاف نظر سراسر رہے کہ اس حدیث کے ظاہر یہی معنی ہیں کہ وہ تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہی ہو گا یعنی ایک مسلمان ہو گا نہ یہ کہ سچ محض حضرت مسیح (ع) مریم (ع) جس پر انجیل نازل ہوئی ہے

پاس کیا رکھا تھا جس کی توقع سے وہ اپنی جانوں اور عزتوں کو معرض خطر میں ڈالتے اور اپنی قوم سے پرانے اور پر نفع تعلقات کو توڑ لیتے اُس وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگی اور غم اور کس نیرسداور کس نشاسدا کا زمانہ تھا اور آئندہ کی امیدیں باندھنے کیلئے کسی قسم کے قرآن و علامات موجود تھے سوانہوں نے اس غریب درویش کا وجود اصل ایک خلیفہ اشان بادشاہ تھا ایسے نازک و تنہا غمخواری کے ساتھ محبت اور شوق سے بھرے ہوئے دل سے جو دامن پکڑا جس زمانہ میں آئندہ کے اقبال کی تو کیا امید خود اس مرد مصاب کی چند روز میں جان جاتی نظر آتی تھی یہ خودداری کا تعلق محض قوت ایمانی کے جوش ہو تھا جس کی استیج سے وہ اپنی جانیں دینے کے لئے ایسے کھڑے ہو گئے جیسے سخت درجہ کلب یا سلاہ شمشیر یا پرہیز اختیار کھڑا ہو جاتا ہے سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو وہ حادثہ آئینکا قودہ مومنین کو تیر و تیر سے مدد نہیں دے گا بلکہ مومنین قریش کی اس مخصوص حالت اور اس مخصوص ماجرا کی طرح جو کہیں ان پر گذرتا تھا جب تکلف کے ساتھ دوسری قوموں میں سے کوئی نہ تھا اور نہ ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے بلکہ صرف قوت ایمانی اور عرفانی کی چمکائیں گفتار اور کردار سے دکھلا رہے تھے اور انہیں کے ذریعہ سے مخالفوں پر اثر ڈال رہے تھے یہی طریق اس حادثہ کا بھی مومنین کو اپنی پناہ میں لانے کے بارہ میں ہو گا کہ وہ اپنی قوت ایمانی اور نور عرفانی کے آثار و انوار دکھلا کر مخالفین کے منہ بند کرے گا اور مستعد دلوں پر اس کا اثر ڈالے گا اور اس کی قوت ایمانی اور نور عرفانی کا چشمہ جیسا شجاعت و انتقامت محمدی و صفاء و جود و فدا

جس کو ایک الگ اُمت دی گئی آسمان سے اُتر آئے گا۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ امام محمد بن حنفیہؒ جو اپنی صحیح بخاری میں آنے والے مسیح کی نسبت صرف اس قدر حدیث بیان کر کے چُپ کر گئے کہ اُمّ مکّم منکم اس سے صاف ثابت ہو تا ہے کہ دراصل حضرت اسماعیل بخاری صلیب کا یہی مذہب تھا کہ وہ ہرگز اس بات کے قائل نہ تھے کہ مسیح مسیح ابن مریم آسمان سے اُتر آئے گا بلکہ انہوں نے اس فقرہ میں جو اُمّ مکّم منکم ہے صاف اور صریح طور پر اپنا مذہب ظاہر کر دیا ہے ایسا ہی حضرت بخاری صاحب نے اپنی صحیح میں معراج کی حدیث میں جو ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا حال دوسرے انبیاء سے آسمانوں پر لکھا ہے تو اس جگہ حضرت عیسیٰ کا کوئی خاص طور محسوس ہونا ہرگز بیان نہیں کیا بلکہ جیسے حضرت ابراہیم

۹۷

رو سے ہوتا ہوگا ایسا ہی روحانی امور کے بیان کرنے اور روحانی اور عقلی جمہوتوں کو مخالفوں پر پورا کرنے کے لئے ^{۱۰۹}بڑے زور سے رواں ہوگا اور وہ چشمہ اُسی چشمہ کا ہمزنگ ہوگا جو قریش کے مقدس دریاں صیدون اور فاردن اور علی مرتضیٰؑ کو ملا تھا جس کے ایمان کو آسمان کے فرشتے بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جن کے صافی عرفان میں سے اس قدر علوم و افکار و برکات و شجاعت و استقامت کے چشمے نکلے تھے کہ جس کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں سو ہمارے سید و مولیٰ فرماتے ہیں کہ وہ عمارت بھی جب تیار ہوگا تو اسی ایمانی چشمہ عرفانی نچ کے ذریعے قوم کے پودوں کی آبپاشی کریگا اور اُن کے مرجھائے ہوئے دلوں کو پھر تازہ کر دیگا اور مخالفوں کے تمام بیجا الزامات کو اپنی صداقت کے پیمروں کے نیچے کچل ڈالے گا اب اسلام پھر اپنی بلندی اور عظمت دکھائیگا اور بے حیا خنہ زیر قتل کئے جاویں گے اور وہ منین کو وہ عزت کی گرسی مل جائیگی جس کے وہ مستحق تھے۔ الغرض حدیث نبویؐ کی تفسیر یہ ہے جو اس جگہ ہم نے بیان کر دی اور اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کرتا ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدؐ یاں بزمنار بلندتر حکم افتاد۔ اور اسی کی طرف وہ السلام بھی اشارہ کرتا ہے جو اس عاجز کی نسبت بحوالہ ایک حدیث نبویؐ کے جو پیش گوئی کے طور پر اس عاجز کے حق میں ہے خدائے تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو براہین میں درج ہے اور وہ یہ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لئلاہ رجل من فارس ان الذین

۱۰۹

۱۱۰

۱۱۱

اور حضرت موسیٰ کی روح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی بغیر ایک ذرہ فرق کے حضرت عیسیٰ کی روح سے ملاقات ہونا بیان کیا ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ کی روح کا کھلے کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنا مفصل طور پر لکھا ہے پس اس حدیث کو پڑھ کر کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ اگر حضرت مسیح جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء بھی اس جسم کے ساتھ اٹھائے گئے ہونگے کیونکہ معراج کی بات میں وہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رنگ میں آسمان پر نظر آئے ہیں یہ نہیں کہ کوئی خاص درجہ یا کوئی خاص علامت جسم اٹھائے جانے کی حضرت مسیح میں دیکھی ہو اور دوسرے نبیوں میں وہ علامت نہ پائی گئی ہو۔ تمام حدیثوں کے پڑھنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی

۹۸

۱۱۰

کفر و اوصد و اعن سبیل اللہ ساد علیہم رجل
من فارس شکر اللہ سعید خذ والتوحید
التوحید یا ابناء الفارس اس ابہام میں صریح
اور صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ فارسی الاصل جس کا دو سرا نام حادث بھی ہے یہی خصوصیت
یہ رکھتا ہے کہ اس کا ایمان نہایت درجہ کا قوی ہے اگر ایمان ثریا میں بھی ہوتا تو وہ مرد وہیں اس کو
پالیتا خدا اس کا شکر گزار ہے کہ اس نے دین اسلام کے منکروں کے سب الزامات و شبہات کو رد کیا اور
جنت کو دیا اور دنیا کو پکڑا تو حید کو پکڑا لے ابناء فارس یعنی توحید کی راہیں صاف کر دی اور توحید سکھایا اور
توحید جو دنیا سے گری جاتی اور گم ہوتی جاتی ہے اس کو پکڑ لیا کہ یہی سب مقدم ہے اور اسی کو لوگ
بھول گئے اور اس جگہ رہیں کی جگہ جو آیت کا لفظ اختیار کیا گیا حالانکہ مخاطب صرف ایک شخص ہی یعنی
یہ عاجز۔ یہ بطور اعتراف کے حضرت باری تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں بجائے اس حدیث
کے کہ لَوْ كَانُوا لَا يُؤْمِنُونَ مَعْلَقًا بِالشَّرِّ يَأْتِيَانَا لَهْ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ يُّرِيدُ رَجُلًا مِّنْ فَارِسٍ

۱۱۰

منہا

رات میں جن جن نبیوں سے ملاقات کی ان سب کا ایک ہی طرز اور ایک ہی طور پر حال بیان کیا ہے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت بیان نہیں فرمائی۔ کیا یہ مقام علماء کے توجہ کرنے کے لائق نہیں؟

ایک نہایت لطیف نکتہ جو سورۃ القدر کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے آکر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں پس ان آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخت غفلات اور غفلت کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوئی شروع ہو جائے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی

نکھا ہے وہ بھی درحقیقت اسی اعجاز کے ارادہ سے ہے ورنہ ہر جگہ درحقیقت رجل ہی ملوہ ہو اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ عمارت کی نسبت ہی عمدہ علامت احادیث میں ہے کہ ایمانی نمود لیکن دنیا میں آئے گا اور اپنی قوت ایمانی کی شاخیں اودان کے بھل ظاہر کر کے ضعیفوں کو تقویت بخشے گا اور کروڑوں کو نبھال لے گا اور اپنی صداقت کی شعا عوں سے پتھر سیرت مخالفوں کو خیرہ کر دے گا لیکن مومنوں کے لئے آنکھ کی روشنی بھیکھے کی ٹھنڈک کی طرح سکینت اور امید ننان و توہل کا موجب ہوگا اور ایمانی معارف کا معلم بن کر ایمانی روشنی کو قوم میں پھیلائے گا۔ اور ہم دلائل فتح اسلام میں ظاہر کرتے ہیں کہ درحقیقت مسیح بھی ایک ایمانی معارف کا سکھانے والا اور ایمانی معلم تھا اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح بھی ظاہری اڑائیوں کے لئے نہیں آئے گا بلکہ بخاری نے بیضج الحسب اس کی علامت لکھی ہے اور یہ کہ اس کا قتل کرنا اپنے دم کی ہوا سے ہو گا نہ تلوار سے یعنی موجب باتوں سے روحانی طور پر قتل کرے گا جو مسیح اور عارف کا ان دونوں علامتوں میں مشترک ہو گا اس بات پر سختہ دلیل ہے کہ عارف اور مسیح موعود دراصل ایک ہی ہیں اور یہ حادث موعود کی پہلی علامت ہے جو ہم نے لکھی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ نہ سیف کے ساتھ نہ ستان کے ساتھ بلکہ اپنی قوت ایمان کے ساتھ اور اپنے افوار عرفان کے ساتھ اپنی قوم کو تقویت دے گا جیسے قروش نے یعنی صدیقی و فاضل و حمید کریم و دیگر مومنین کہ نے انہیں صفات استقامت کے ساتھ

آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا نہیں کر سکتا۔
 نہیں اور وہ حرکت حسب استعداد و طبائع و قسم کی ہوتی ہے حرکت تامہ اور حرکت ناقصہ
 حرکت تامہ وہ حرکت ہے جو روح میں صفائی اور سلوکی بخش کر اور عقل اور فہم کو کافی طور پر تیز
 کر کے رو بہ حق کر دیتی ہے۔ اور حرکت ناقصہ وہ ہے جو روح القدس کی تحریک کے عقل اور
 فہم تو کسی قدر تیز ہو جاتا ہے مگر بنا عیث عدم سلامت استعداد کے وہ رو بہ حق نہیں ہو سکتا
 بلکہ مصداق اس آیت کا ہو جاتا ہے کہ **فِي قُلُوبِهِمْ مَقْرَضٌ** فَرَّادَهُمْ **اللَّهُ مَوْضِعًا**
 یعنی عقل اور فہم کے جنبش میں آنے سے پچھلی حالت اُس شخص کی پہلی حالت کے بدلہ ہو جاتی ہے
 جیسا کہ تمام نبیوں کے وقت میں ہی ہوتا رہا کہ جب اُن کے نزول کے ساتھ ملائکہ کا نزول ہوا تو ملائکہ
 کی اندرونی تحریک سے ہر ایک طبیعت عام طور پر جنبش میں آگئی تب جو لوگ راستی کے فرزند تھے وہ

دین احمدی کے کہ منظر میں قدم بجا دئے تھے۔

اس پہلی علامت کا ثبوت اس عاجز کی نسبت ہر ایک غور کرنے والے پر ظاہر ہو گا کہ یہ عاجز اسی قوت
 ایمانی کے جوش سے عام طور پر دعوت اسلام کے لئے کھڑا ہوا اور بارہ ہزار کے قریب اشتہارات
 دعوت اسلام رجسٹری کر کے تمام قوموں کے پیشواؤں اور امیروں اور عالیان ملک کے نام روانہ کئے یہاں تک
 کہ ایک خط اور ایک اشتہار بذریعہ رجسٹری گورنمنٹ برطانیہ کے شہزادہ ولی عہد کے نام بھی روانہ کیا
 اور وزیر عظم تخت انگلستان گلیڈسٹون کے نام بھی لکھا اور اشتہار اور خط روانہ کیا گیا۔ رسا ہی
 شہزادہ ہسار کے نام اور دوسرے نامی افراد کے نام مختلف ملکوں میں اشتہارات و خطوط روانہ کئے گئے
 جن کے ایک مندرجہ ذیل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام بجز قوت ایمانی کے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ یہ بات
 خود ستانی کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت ندائی کے طور پر ہے تا حق کے ملائکہوں پر کوئی بات مشتہر نہ رہے۔
 ماسوا اس کے قوت ایمانی کے انوار جو تائیدات غیبیہ کے پیرایہ میں بطور عارف طوالت ظاہر ہوئے ہیں
 جو خدائے تعالیٰ کے فضل و رحم اور قرب پر دلالت کرتے ہیں اُن کے بارہ میں بھی اشتہارات میں
 لکھا گیا ہے جو باعث قوت ایمانی و قدم بر صراطِ حقیم یہ نعمتیں اس عاجز کو خاص طور پر عطا کی
 گئی ہیں کسی مخالفت مذہب کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہیں اگر ہے تو وہ مقابلے کے لئے کھڑا ہوئے اور اپنی

۱۳۴ اُن راستبازوں کی طرف کھینچ چلے آئے اور جو شرارت اور شیطان کی ذریت تھی وہ اس تحریک سے خواب غفلت سے جاگ اُٹھے اور دینیات کی طرف متوجہ بھی ہو گئے لیکن باعث نقصان استعداد حق کی طرف رُخ نہ کر سکے۔ سو فعل ملائک کا جو ربانی مصلح کے ساتھ آتے ہیں ہر ایک انسان پر ہوتا ہے لیکن اس فعل کا ٹیکوں پر نیک اثر اور بدول پر بد اثر پڑتا ہے ۵ بارال کہ در لطافت طبعش غلاف نیست ۶ در باغ لاله رویہ و در شورہ بوم خس اور جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں یہ آیت کوہمہ فی قلوبہم مرض فزادہم ۱۳۵ اللہ مرضاً اسی مختلف طور کے اثر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک ایسا لہر ہوتا ہے جو جس میں نبی اور وہ کتاب جو اُس کو دی گئی ہے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور فرشتے آسمان سے اترتے ہیں

روحانی برکات کا جو اپنے مذہب کی اتباع سے اسکو حاصل ہوں اس عاجز سے موازنہ کرنے لیکن کچھ کم کوئی مقابل نہیں اٹھا اور نہ انسان ضعیف اور ایسے کی یہ طاقت کہ صرف اپنی مکاری اور شرارتوں کے منصوبہ سے یا متعصبانہ ہٹ سے اس سلسلہ کے سامنے کھڑا ہو سکے جس کو خدا نے تعالیٰ نے اپنے ائمہ سے قائم کیا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اس سلسلہ کے سامنے اپنی برکات غنائی کی رو سے کھڑا ہو تو نہایت درجہ کی ذلت سے گرا دیا جائیگا کیونکہ یہ کام اور یہ سلسلہ انسان کی طرف سے نہیں بلکہ اُس ذات زبردست اور قوی کی طرف سے ہے جس کے ہاتھوں نے آسمانوں کو ان کے تمام اجرام کے ساتھ بنایا اور زمین کو اس کے باشندوں کے لئے بچھا دیا۔ افسوس کہ ہماری قوم کے مولوی اور علماء نہیں تو تکفیر کے لئے بہت جلد کاغذ اور قلم دوات بیگرمیٹھ جاتے ہیں لیکن ذرہ مہیچہ نہیں کہ کیا یہ ہیبت اور عجب باطل میں ہوا کرتا ہے کہ تمام دنیا کو مقابلہ کے لئے کہا جائے اور کوئی سامنے نہ آئے کیا وہ شجاعت و استقامت جھوٹوں میں بھی کسی نے دیکھی ہے جو ایک عالم کے سامنے اس جگہ ظاہر کی گئی۔ اگر انہیں شک کے تو خالصین اسلام کے جس قدر پیشوا اور واعظ اور معلم ہیں ان کے دروازہ پر جاتیں اور اپنے ظنون فاسدہ کا سہارا دیکھ انہیں میرے مقابلہ پر روحانی امور کے موازنہ کے لئے کھڑا کریں پھر دیکھیں کہ خدا نے تعالیٰ میری حمایت کرتا ہے یا نہیں۔ اسے خشک مولوی اور پُر بدعت ^{۱۳۶} زائد و اتم پر افسوس کہ تمہاری آنکھیں عوام الناس سے زیادہ ٹوکیا

لیکن بڑے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے وہ حقیقت اس لیلۃ القدر کا دامن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ انسانوں میں دلی اور دماغی قوی کی جنبش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک ہو رہی ہے وہ لیلۃ القدر کی تاثیر میں ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ عیدیل کے عقلی قوی میں کامل اور مستقیم طور پر وہ جنبشیں ہوتی ہیں اور اشقیائے عقلی قوی ایکس کی طرح مستقیم طور سے جنبش میں آتی ہیں اور جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں ایک بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں بلکہ اسی زمانہ سے کہ وہ نائب رحم مادر میں آوے پوشیدہ طور پر انسانی قوی کچھ جنبش شروع کرتی ہیں اور حسب استعداد ان میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس نائب کو نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے

ان کے برابر بھی نہیں دیکھ سکتیں تب ہی یہ حدیثیں سناتے ہو کہ لایات بعد المائیں اور کہتے ہو کہ بارہوی برس کے نصیح موعود و فیروز نشانی کا ظاہر ہونا ضروری ہے بلکہ تم میں سے وہ مولوی نکالیں جنہوں نے شرعی کتابیں مکہ میں اور چھو ابھی دیں کہ پودھیں صدی کے افاصل میں آج اور صدی موعود کا ظاہر ہونا ضروری ہے لیکن جب غلامی حلالی نے اپنے پاک نشانوں کو ظاہر کیا تو اعلیٰ المنکرین تم لوگ ہی ٹھہرے۔ اور قوت ایمانی کے آثار میں سے جو اس عاجز کو دی گئی ہے استجاب دعا بھی ہے اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ جو بات اس عاجز کی دعا کے ذریعہ کر دی جائے وہ کسی اور ذریعہ سے قبول نہیں ہو سکتی اور جو دروازہ اس عاجز کے ذریعہ سے کھولا جائے وہ کسی اور ذریعہ سے بند نہیں ہو سکتا لیکن یہ قویست کی برکتیں صرف ان لوگوں پر ہوتا اثر دالتی ہیں کہ جو غایت مدبر کے دست یا غایت مدبر کے دشمن ہوں جو شخص پورے اعلاص سے رجوع کرتا ہے یعنی ایسے اعلاص سے جس میں کسی قسم کا کھوٹ پوشیدہ نہیں جس کا انجام بدظنی و بد اعتقادی نہیں جس میں کوئی چھپی ہوئی نفاق کی زہر نہیں وہ بے شک ان برکتوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان سے حصہ پاسکتا ہے اور وہ بلاشبہ اس چشمہ کو اپنی استعداد کے موافق شہادت کرنے کا مگر جو خلوص کے ساتھ نہیں ڈھونڈ لگا وہ اپنے ہی قصور کی وجہ سے محروم رہ جائیگا اور اپنی ہی اجنبیت کے باعث سے بیگانہ رہے گا۔

پس نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت اس لیلۃ القدر کی ایک شلخ ہے یا یوں کہو کہ اس کا ایک ٹل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے خدا تعالیٰ نے اس لیلۃ القدر کی نہایت وجہ کی شان بنی کی ہے یہ میسا کہ اس کے حق میں یہ آیت کریمہ ہے کہ فیہا یفرق کل امر حکیم یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانہ میں جو قیامت تک عمت ہے ہر ایک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی اور انواع و اقسام کے علوم غریبہ و فنون نادرہ و صناعات عجیبہ صنوخ عالم میں پھیلا دئے جائیں گے اور انسانی قوی میں موافق ان کی مختلف استعدادوں اور مختلف قسم کے مکان بسطت علم اور عقل کے جو کچھ لیاقتیں مخفی ہیں یا جہاں تک وہ ترقی کر سکتے ہیں سب کچھ بمنہ طور لایا جائیگا لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہیگا کہ جب کوئی نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ایک پھل قوت ایمانی کا اسرار حق و معارف دلیہ کا ذخیرہ ہے جو اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا ہے پس جو شخص اس عاجز کی تالیفات پر نظر ڈالے گیگا اس عاجز کی صحبت میں رہے گا اس پر یہ حقیقت آپ ہی کھل جائیگی کہ کس قدر خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو دقائق و خفایا و غیرہ عطا فرمائی ہیں دوسری اور تیسری علامت یعنی یہ کہ سخاری یا سمرقندی الاصل ہونا اور دیندار اور نہ ہندو کی کیفیت خاندان میں سے ہونا یہ دو اہل علامتیں صریح اور بین طور پر اس عاجز میں ثابت ہیں اور اس بلکہ مجھے قریب معلومت معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آبائ کی کائنات یعنی موانع زعمی کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھوں سوچئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ عمر قریب بیس برس کے ہوا ہو گا کہ ایک انگریز مسٹر کرنل نام نے بھی جو اس ضلع میں ڈپٹی کمشنر ہو چکا ہے اور ریاست بھوپال اور راجپوتانہ ریاستوں کا ریڈنٹ بھی رہا ہے اس کے رشتوں کا ایک سوخ تاریخ کے طور پر تالیف کر کے چھپوایا تھا اس میں انھوں نے میرے والد کو انعام ترغیبی صاحب کا ذکر کے کچھ مختصر طور پر ان کے زمینداری خاندان کا حال بطور سمرقندی الاصل ہونا لکھا ہے لیکن میں اس جگہ کسی قدر مفصل بیان کرنے کی غرض سے ان تمام امور کو وضاحت سے لکھنا چاہتا ہوں جو اس حدیث نبوی کی کامل تشریح کیلئے بطور مصداق کے ہیں تا اس عاجز کا رتبہ سے سمرقندی الاصل ہونا اور ابتداء سے یہ خاندان کا زمینداری خاندان ہونا جیسا کہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا

دنیا میں پیدا ہو گا وہ حقیقت اسی آیت کو سورۃ الزلزال میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہو کیونکہ سورۃ الزلزال سے پہلے سورۃ القدر نازل کر کے یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ سنتہ اشد اسی طرح پر جاری ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام لیلۃ القدر میں ہی نازل ہوتا ہے اور اس کا نبی لیلۃ القدر میں ہی دنیا میں نزول فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ہی وہ فرشتے اترتے ہیں جن کے ذریعہ سے دنیا میں نیکی کی طرف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ فضیلت کی مظہریت کے شروع کر کے طلوع صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر بعد اس سورۃ کے خدائے تعالیٰ نے سورۃ البینۃ میں بطور نظیر کے بیان کیا کہ لم یکن الذین خسروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتیٰ تأتیہم البینۃ یعنی جن سخت بلاؤں میں اہل کتاب اور مشرکین مبتلا تھے اُن سے نجات پانے کی کوئی

غشائے ہے۔ اچھی طرح لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

وامن ہو کر اُن کا غلام اور پرانی تحریرات سے کہ ہوا کا براس خاندان کے چھوڑ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ بابر بادشاہ کے وقت میں کہ چوہنختائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجل و اس نیاز مند الہی کے خاص ہر قدر سے ایک جماعت بخیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے مدینہ میں پہنچے اور وہاں یہ بات اُن کا غلام کے اچھی طرح دفع نیکی کی کہ کیا وہ بابر کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئے تھے یا بعد اس کے بلا توقف اس ملک میں پہنچ گئے لیکن یہ امر اکثر کاغذات کے دیکھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ گو وہ ساتھ پہنچے ہوں یا کچھ دن پیچھے سے آئے ہوں مگر انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا خاص تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کا نظریں معزز سواروں میں سے شمار کئے گئے تھے۔ چنانچہ بادشاہ وقت کے پنجاب میں بہت سے دیہات بطور جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلق دار ٹھہرائے گئے اور ان دیہات کی وسط میں ایک میدان میں انہوں نے قلعہ کے طور پر ایک قصبہ بنی سکونت کیلئے آباد کیا جس کا نام اسلام پور قاضی ماجھی رکھا ہوا اسلام پور ہے جو اب قادیان کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کے گرد اگر وہ ایک فصیل تھی جس کی بلندی بیس فٹ کے قریب ہوگی اور عرض اس قدر تھا کہ تین چھکڑے ایک دوسرے کے برابر اس پر چل سکتے تھے چار بڑے بڑے برج تھے۔

سبیل نہ تھی بجز اس سبیل کے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ پیدا کر دی کہ وہ زبردست لڑھکے
 بھیجا جس کے ساتھ زبردست تحریک دینے والے طائفہ نازل کئے تھے اور زبردست کلام
 بھیجا گیا تھا پھر بعد اس کے آنے والے زمانہ کے لئے خدائے تعالیٰ سورۃ الزلزال میں بشارت
 دیتا ہے اور اِذَا زُلْزِلَتْ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تم یہ نشانیاں
 دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ ایستہ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ٹپا ہر ہوئی ہے اور کوئی تباہی
 مصلح خدا تعالیٰ کی طرف سے مع ہدایت پھیلانے والے فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے جیسا کہ
 فرماتا ہے اِذَا زُلْزِلَتْ اَلْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاخْرَجَتْ اَلْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ
 الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ اَخْبَارَهَا بَانَ رَبُّكَ اَوْخِي لَهَا يَوْمَئِذٍ
 يَضْحَكُ النَّاسُ اَشْتَاتَالِیْرِ وَاَعْمَالُهُمْ فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا

جن میں قریب ایک ہزار کے سوار و پیادہ فوج رہتی تھی اور اس جگہ کا نام جہاں اسلام پورا قیامی باجی تھا تو اسکی
 یہ وجہ تھی کہ ابتدا میں شاہی دہلی کی طرف سے اس تمام علاقہ کی حکومت ہمارے بزرگوں کو دی گئی تھی اور
 منصب قضایہ یعنی رعایا کے مقدمات کا تصفیہ کرنا ان کے سپرد تھا اور یہ طرز حکومت اس وقت تک قائم و
 برقرار رہی کہ جس وقت تک پنجاب کا ملک دہلی کے تحت کاخراج گذارہا ایکس بعد اس کے رفتہ رفتہ چھتانی
 گورنٹ میں بیعت کاہلی و سستی و پیش پسندی و نالیات تھی تخت نشینوں کے بہت سافور آگیا اور کئی ملک
 ماتہ سے نکل گئے انہیں دونوں میں اکثر حصہ پنجاب کا گورنٹ چھتانی سے منقطع ہو کر ملک ایک ایسی ہی عورت
 کی طرح ہو گیا جس کے سر پر کوئی سرپرست نہ ہوا اور خدائے تعالیٰ کے عجوبہ قدرت نے انھیں کھوں کی قوم کو جو
 دہقان بے تمیز مٹی ترقی دینا چاہتا تھا ان کی ترقی اور مستقبل کے دونوں زمانے پر پاس برس کے اندر
 اندر غم ہو کر ان کا قصہ بھی خواب خیال کی طرح ہو گیا۔ فرض اس زمانہ میں کہ جب چھتانی سلطنت نے اپنی
 نالیات تھی اور یہی ہوا شغلی سے پنجاب کے اس حصہ سے کئی دستہ واری اختیار کی تو ان دونوں میں بڑے بڑے
 زمیندار اس فوج کے خود مختار بن کر اپنے اقتدار کامل کا نقشہ جلنے لگے یہاں پر ایام میں بفضل و حسن
 اتنی اس عاجز کے پر وادہ ادب مرزا گل محمد مرحوم اپنے تعلق زمینداری کے ایک مستقل رئیس اور
 طوائف الملک میں سے ہر ایک چھوٹے سے علاقہ کے جو حرف پور آئی یا بچاؤی گاؤں رکھتے تھے کامل اختیار

یروہ و من یحمل مثقال ذرۃ شرا یسرہ۔ یعنی اُن دنوں کا جو پ آخری زمانہ میں ہوا تھا
 کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئے گا اور فرشتے نازل ہونگے یہ نشان ہے کہ میں وہاں تک اس
 کا ہانا ممکن ہے بلائی جائے گی یعنی طبعیت تھل اور دلوں اور دماغوں کو فایہ سود پر یہ جنبش دی جائے گی
 اور خیالات عقلی اور فکر کی اور سعی اور سعی پورے پورے جو شس کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے
 اور زمین اپنے تمام پوجھوں کو باہر نکل وے گی یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات خفیه
 کو بمنصہ طور لائیں گے اور جو کچھ ان کے اندر علوم و فنون کا ذخیرہ ہے یا جو کچھ عمدہ عمدہ دلی
 دماغی طاقتیں اور لیاقتیں ان میں مخفی ہیں سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی اور انسانی توفیق کا
 آخری پتہ نکل آئے گا اور جو جو ملکات انسان کے اندر ہیں یا جو جو جذبات اس کی فطرت میں
 مودع ہیں وہ تمام کمین قوت سے حیرت فعل میں آجائیں گے اور انسانی جو اس کی ہر ایک نوع کی

کے ساتھ فرماں روا ہوئے اور اپنی مستقل ریاست کا پورا پورا انتظام کر لیا اور دشمنوں کے حملے روکنے کے
 لئے کافی فوج اپنے پاس رکھی اور تمام زندگی انکی ایسی حالت میں گزری کہ کسی دوسرے بادشاہ کے تحت
 نہیں تھے اور نہ کسی کے اخراج گزار بلکہ اپنی ریاست میں خود مختار حاکم تھے اور قریب ایک ہزار کے
 سوار و پیادہ انکی فوج تھی اور تین توپیں بھی تھیں اور تین چار سو آدمی عمدہ عمدہ عقلمند اور علماء میں
 سے ان کے مصاحب تھے اور پانستو کے قریب قرآن شریف کے حافظ و تلیفہ خواہ تھے جو اس جگہ قادیان
 میں رہا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں کو سخت تعید سے صوم و صلوة کی پابندی اور دین اسلام کا حکام پر چلنے
 کی تاکید تھی اور منکرات شرعی کو اپنی حدود میں رائج ہونے نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی مسلمان ہو کر خلاف
 شعار اسلام کوئی لباس یا وضع رکھتا تھا تو وہ سخت مورد عتاب ہوتا تھا اور عظیم الحال اور غریا اور سائیکس کی
 خبر گیری اور پرورش کے لے لیک خاص سرما یہ نقد اور جنس کا جین رہتا تھا جو وقتاً فوقتاً ان کو تقسیم
 ہوتا تھا۔ یہ متن تحریرات کا خلاصہ ہے جو اس وقت کی لکھی ہوئی رسم کوئی ہیں جن کی زبانی طور پر یہ شہادتیں
 بطریق مسلسل دست نگ پائی جاتی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ان دنوں میں ایک وزیر مملکت خلیفہ غیاث اللہ اولہ
 نام قادیان میں آیا اور میرزا گل محمد صاحب مرحوم کے استقلال و حسن تدبیر و تقویٰ و طہارت و شجاعت و سخاوت
 کو دیکھ کر حیرت پر آہ ہو گیا اور کہا کہ اگر مجھے پہلے سے خبر ہوتی کہ خاندان خلیفہ میں سے ایک ایسا سوچا ہوا

تیریاں اور بشری عقل کی ہر قسم کی باریک بینیوں نمودار ہو جائیں گی اور تمام دفاًن و فوآن علوم مخفیہ و فنیوں کے چھپے ہوئے چلنے پھرنے کے اُن سب پر انسان فتحیاب ہو جائے گا اور اپنی فکری اور عقلی تدبیروں کو ہر ایک باب میں استہدائیک پہنچا دے گا اور انسان کی تمام قوتیں ہوشیار و انسانی میں مختصر ہیں صد ہا طرح کی تحریکوں کی وجہ سے حرکت میں آجائیں گی اور فرشتے جو اس لیلۃ القدر میں مروجہ صلح کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے موافق غارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیال میں ترقی کریں گے اور جن کی نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ اُن فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقلوں اور معاشرت کی تدبیریں میں وہ یدِ بیضاد کھلائیے گئے کہ ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں؟ تب اُس روز ہر ایک استعداد انسانی بربان حال باتیں کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں

ایک گوشہ میں موجود ہے تو میں کوشش کرتا کہ تا وہی دہلی میں تخت نشین ہو جاتا اور خاندان مغلیہ تباہ ہونے سے بچ جاتا۔ غرض مرزا صاحب مرحوم ایک مرد اولیٰ العزم اور متقی اور غایت درجہ کے سید المرکز اور اول درجہ کے بہادر تھے اگر اُس وقت مشیت الہی مسلمانوں کے مخالف نہ ہوتی تو بہت امید تھی کہ ایسا بہادر اور اولیٰ العزم آدمی کھول کی بلند شویش سے پنجاب کا دامن پاک کر کے ایک وسیع سلطنت اسلام کی اس ملک میں قائم کر دیتا جس حالت میں رحمت اللہ نے باوجود اپنی قوموں کی بددیہلی کے جو صرف نو گاؤں تھے قوموں ہی عرصہ میں اس قدر پیر پھیل گئے تھے جو پشاور سے لدھیانہ تک خالص ہی خواصہ نظر آتا تھا اور ہر جگہ بڈیوں کی طرح سکھوں کی ہی قومیں دکھائی دیتی تھیں تو کیا ایسے شخص کیلئے یہ فتوحات قیاس سے بعید تھیں؟ جس کی گمشدہ ملکیت میں سے ابھی چوراشی یا چپاشی گاؤں باقی تھے اور ہزار کے قریب فوج کی جمیت بھی تھی اور اپنی ذاتی شجاعت میں ایسے مشہور تھے کہ اُس وقت کی شہادتوں سے یہ بدامت ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں اُن کا کوئی نظیر نہ تھا لیکن چونکہ خدا نے تعالیٰ نے یہی چاہا تھا کہ مسلمانوں پر ابھی بے شمار غفلتوں کی وجہ سے تنبیہ نازل ہو اس لئے مرزا صاحب مرحوم اس ملک کے مسلمانوں کی ہمدردی میں کامیاب نہ ہو سکے اور مرزا صاحب مرحوم کے حالات عجیب ہیں کہ ایک یہ ہے کہ مخالفین مذہب بھی انکی نسبت ولایت کا گمان رکھتے تھے اور انکی بعض غارق عادت اور عام طویر دلوں میں نقشیں ہو گئے تھے

میسری طرف سے نہیں بلکہ خلائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر بحسب اُس کی حالت کے احمد ہی ہے یعنی صاف نظر آنے کا کہ جو کچھ انسان کے دل و دماغ کام کر رہے ہیں یہ اُسی طرف سے نہیں بلکہ ایک غیبی تحریر کے کائنات سے یہ کام کر رہی ہے۔ سو اُس دن ہر ایک قسم کی قوتیں جوش میں دکھائی دینی دنیا پرستوں کی قوتیں فرشتوں کی تحریک سے جوش میں آکر اگرچہ بیجاٹ نقصان استعداد کے سچائی کی طرف رخ نہیں کریں گی لیکن ایک قسم کا اُبال مان میں پیدا ہو کر اور انجماد اور افسردگی دور ہو کر اپنی معاشرت کے طریقوں میں عجیب قسم کی تدریسیں اور صنعتیں اور کھلیں ایجاد کر لیں گے اور شکوں کی قوتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور کاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر رہتا نظر آئے گا اور یہ بات شاف و نور ہوگی کہ مومن کی خواب بھوٹی مکے جب انسانی قوتی کے ظہور و بروز کا دائرہ پورا ہو جائیگا اور جو کچھ

یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے کہ کوئی مذہبی مخالف اپنے دشمن کی کرامات کا قائل ہو لیکن اس راجحہ نے مرزا صاحب مرحوم کے بعض خارق عادت اُن سکھوں کے منہ سے سنے ہیں جو کے باپ دلو مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑتے تھے۔ اکثر آدمیوں کا بیان ہے کہ یہاں اوقات مرزا صاحب مرحوم اکیس ہزار ہزار آدمی کے مقابل پر میریوں جنگ میں نکل کر ان پرستہ پڑتے تھے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے نزدیک آسکے اور ہر چند جان توڑ کر دشمن کا لشکر کوشش کرتا تھا کہ توہوں یا بندہ توہوں کی گویوں سو انکو مار دیں مگر کوئی گولی یا گولہ ان پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ کرامت حق کی صد ہا موانعین اور مخالفین بلکہ سکھوں کے منہ سے سنی گئی ہے جنہوں نے اپنے لڑنے والے باپ دلوں سے سندا جان کی تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اکثر لگ زمانہ دلائیک جی فوجوں میں نوکر رہ کر مدت سا صاحب اپنی عمر کا لڑاؤ میں بسر کرتے ہیں اور قدرت حق سے کسی ایک خفیف ساز خم بھی تھا رہا بدوق کائنات کے بدن کو نہیں پہنچتا۔ سو یہ کرامت اگر معقول طور پر بیان کی جائے کہ خلائے تعالیٰ اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے حملوں سے انہیں بچاتا رہا تو کچھ حرج کی بات نہیں اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب مرحوم دن کے وقت ایک پچھتہ ہوا اور بات کے وقت ایک باکمال عابد تھے اور معمولات اور منشیات تھے۔ اُس زمانہ میں قادیان میں وہ فور اسلام چک رہا تھا کہ ارد گرد کے مسلمان اس خصبہ کو مکرہتے تھے۔ لیکن

انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا تھا وہ سب خارج میں جلوہ گر ہو جائے گا
تب خدا نے تعالے کے فرشتے ان تمام راستبازوں کو جو زمین کی چار اہل طرفوں میں پوشیدہ
طور پر زندگی بسر کرتے تھے ایک گروہ کی طرح اکٹھا کر دیں گے اور دنیا پرستوں کا بھی کھلا کھلا
ایک گروہ نظر آئے گا تاہر ایک گروہ اپنی کوششوں کے ثمرات کو دیکھ کر یوں تباہ و برباد ہو جائیگا
یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے سب سے
پہلے خدا تعالے نے اس عاجز کو بھیجا ہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ انت اشد
مناسبتہ بعیسیٰ ابن مریم و اشبه الناس بہ خلقاً و خلقاً و
زماناً مگر یہ تاثیرات اس لیلۃ القدر کی اب بعد اس کے کم نہیں ہوں گی بلکہ بلا اتصال کام کرتی
ریں گی جب تک وہ سب کچھ پورا نہ ہوئے جو خدا نے تعالیٰ آسمان پر مقرر کر چکا ہے۔

مرزا گنج محمد صاحب مرحوم کے عہد ریاست کے بعد مرزا عطاء محمد صاحب کے عہد ریاست
میں جو اس عاجز کے دادا صاحب تھے یکدم خدا کی سخت انقلاب آگیا اور ان سکھوں کی بے ایمانی
اور بد ذاتی اور عداوت کی وجہ سے جنہوں نے مخالفت کے بعد محض نفاق کے طور پر مصالحت اختیار
کر لیا تھا انواع و اقسام کی مصیبتیں ان پر نازل ہوئیں اور ہجر قلوبان اور چند دیہات کے تمام
دیہات ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ بالآخر سکھوں نے قادیان پر بھی قبضہ کر لیا اور دادا صاحب مرحوم
سج اپنے تمام لواحقین کے جلاوطن کئے گئے اس روز سکھوں نے پانسو کے قریب قرآن شریف
آگ سے جلا دیا اور ہمت سی کتا میں چاک کر دیں اور صاحب میں سے بعض مساجد شمار کیں بعض میں
اپنے گھر بنائے اور بعض کو دھرم سالا بنا کر قائم رکھا جو اب تک موجود ہیں اس فتنہ کے وقت میں جس قدر
فخر و علماء و شرفاء و خیر قادیان میں موجود تھے سب نکل گئے اور مختلف بلاد و اقصاء میں جا کر
آباد ہو گئے اور یہ جگہ میں شریعت اور بدعتی الطبع لوگوں سے پر ہو گئی جن کے خیالات میں بجز بدی
اور بدکاری کے اور کچھ نہیں تھا پھر انگریزی سلطنت کے عہد سے کچھ عرصہ پہلے یعنی ان دنوں میں جب کہ
رنجیت سنگھ کا غام تسط پنجاب پر ہو گیا تھا اس عاجز کے دادا صاحب یعنی میرزا غلام مرتضیٰ صاحب
مرحوم وہاں اس قبضہ میں آکر آباد ہوئے اور پھر بھی سکھوں کی جو روجھٹاکی نیش زنی ہوتی رہی ان دنوں میں

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اُترنے کے لئے جو زمانہ انجیل میں بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ وہ حضرت نوح کے زمانہ کی طرح امن اور آرام کا زمانہ ہو گا درحقیقت اسی مضمون پر سورۃ الزلزال جس کی تفسیر ابھی کی گئی ہے دلائل التزوی کے طور پر شہادت دے رہی ہو کیونکہ علوم و فنون کے پھیلنے اور انسانی عقل کی ترقیات کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی چاہیے جس میں غایت درجہ کا امن و آرام ہو کیونکہ لڑائیاں اور فساد اور طوفان جان اور خلافت امنی زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں کہ لوگ عقلی و عملی امور میں ترقیات کر سکیں یہ باتیں تو کامل طور پر جی سوجھتی ہیں کہ جب کامل طور پر امن حاصل ہو۔

ہمارے علمائے بزرگ نے جو طلبا بہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت

ہم لوگ ایسے ذلیل و خوار تھے کہ ایک گائے کا بچہ جو دو یا ڈیڑھ روپے کے کوڑا سے سکتا ہے صد بار بڑا اور ہماری نسبت نظر عزت دیکھا جاتا تھا اور اس جانور کو ایک ادنیٰ خزانہ پونچھنے کی وجہ سے انسان کا خون کرنا مباح سمجھا گیا تھا صد بار آدمی ناکردہ گناہ صرف اس شاکسے قتل کے جاتے تھے کہ انہیں نے اس جانور کے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی جاہل ریاست کو جو یہ اصول کے قتل کے عوض انسان کو قتل کر ڈالتا اپنا فرض سمجھتی تھی اس واقعہ نہیں تھی کہ خدائے تعالیٰ بہت عزم تک ہو مملکت دیتا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس تشبیہ کی صورت کو مسلمانوں کے سر پر بہت بھرا تھا لایا اور ابرہہ رحمت کی طرح ہمارے لئے انگریزی سلطنت کو دوسرے لایا اور وہ بھی اور مرارت جو سکوں کے عہد میں ہم نے اٹھائی تھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ اگر ہم بے بھول گئے۔

اور ہم پر اور ہماری ذریت پر یہ فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں۔

انگریزی سلطنت میں تین گاؤں تھے قداری اور ملکیت قادیان کا حصہ ہندی والد صاحب مرحوم کو ملے جو اب تک ہیں اور حراثت کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی ہیں۔ والد صاحب مرحوم اس ملک کے محبت نزدیکی سے شمار کئے گئے تھے گورنمنٹ برطانیہ ان کو کرسی فتح تھی اور

۱۲۹ زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اس سے زیر و زبر ہو جائے گی اور جو زمین کے اندر چسپیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن شریف کے سیاق و سباق سے مخالف ہے۔ اگر قرآنی شریف کے اس مقام پر نظر غور متدبر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ یسینہ اور سورۃ الزلزال سورۃ القدس کے متعلق ہیں اور آخری زمانہ تک اس کا کل حال بتلا رہی ہیں ماسوا اس کے کہ ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں

گورنٹ برطانیہ کے وہ سپہ شکر گذار اور خیر خواہ تھے ۸۵۷۷ کے غدر کے ایام میں پچاس گھوڑے انہوں نے اپنے پاس سے خرید کر لیا تھا اچھے جوان مہیا کر کے پچاس سوار بطور مدد کے سرکار کو دئے اس وجہ سے وہ اس گورنٹ میں بہت ہر دل عزیز تھے اور گورنٹ کے اعلیٰ حکام دلجوئی کے ساتھ ان کو ملتے تھے بلکہ بسا اوقات صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر مکان پر آکر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ اس تمام تفسیر سے ظاہر ہے کہ یہ خاندان ایک معزز خاندان زمیندار ہے۔ جو شاہن سلف کے زمانہ سے آج تک آثار عزت کی قدر و جوہر رکھتا ہے فالحمد للہ الذی اثبت هذه العلامة اثباتاً بیّنناً واضحاً من عندہ۔

۱۳۰ اور چوتھی اور پانچویں علامت کی تصریح کچھ ضروری نہیں خود ظاہر ہے اور قاریوں کو خود بخود متحاط نے و مشق کے ساتھ مشابہت دی اور یہ بھی اپنے الہام میں فرمایا کہ خروج منہ الیزید یون یہ تعبیر بوجہ ان محمدی اور شریعت کی ہے جو اس قصبہ میں رہتے ہیں کیونکہ اس قصبہ میں اگرچہ لوگ صحرے ہوئے ہیں مگر موت یا وہائیں۔ موتات دنیا کے فریبوں اور مکروں میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر انتظام گورنٹ انگریزی مانع ہو تو قیام لوگوں کے محل ہر ایک جرم کے کرنے کو طیار ہیں اور ماشاء اللہ ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ جو خدا نے تعالیٰ کے وجود سے بکلی منکر ہیں اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے

۱۳۳ زندہ رہیں گے؟ جو زمین سے اُس کے حالات استفسار کریں گے کیا ممکن ہے کہ زمین تو
 ۱۳۴ ساری زیر و زبر ہو جائے یہاں تک کہ اوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر آجائے اور پھر
 ۱۳۵ لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ
 قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے فسانوں کے دل اور انکی باطنی قوی مراد ہوتی ہیں
 جیسا کہ اللہ جل شانہ ایک جگہ فرماتا ہے اعلموا ان اللہ یحاکم امرض بعد موتہا
 اور جیسا کہ فرماتا ہے والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی یخث

۱۳۶ میں ان کے دلیں کو دیکھتا ہوں کہ زنا سے لے کر خون ناحق تک اگر موقع پاویں ان کے نزدیک دھون
 ۱۳۷ جائز بلکہ یہ سب کام تعریف کے لائق ہیں۔ میں ان کے نزدیک شاید تمام دنیا سے بدتر ہوں مگر
 ۱۳۸ مجھے افسوس نہیں میرے روحانی بھائی مسیح کا قتل مجھے یاد آتا ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے
 ۱۳۹ وطن میں۔ میں کچھ گستاخوں کہ اگر یہ لوگ امام حسینؑ کا وقت پاتے تو میرے خیال میں ہر
 ۱۴۰ کریم اور شہر سے پہلے ان کا قدم ہوتا اور اگر مسیحؑ کے زمانہ کو دیکھتے تو اپنی مکاروں میں
 ۱۴۱ یہود اسکر لڑی کو پیچھے ڈال دیتے۔ خدائے تعالیٰ نے جو ان کو یریزیل سے مناسبت دی
 ۱۴۲ تو ہے وہ نہ نہیں دی اُس نے ان کے دلوں کو دیکھا کہ سیدھے نہیں ان کے چلن پر نظر ڈال کر
 ۱۴۳ درست نہیں تب اس نے مجھے کہا کہ یہ لوگ یریزیل طبع ہیں اور یہ قصبہ دمشق سے مشابہ ہے۔
 ۱۴۴ سو خدائے تعالیٰ نے ایک بڑے کام کے لئے اس دمشق میں اس عاجز کو
 ۱۴۵ اتارا بطرف شرقی عند المنارة البیضا من المسجد
 ۱۴۶ الذی من دخلہ کان آمنا وفتبارک الذی انزلہ فی هذا
 ۱۴۷ المقام والسلام علی رسولہ افضل الرسل وخیر الامام۔ منہ

۱۳۶

لا یخرج الا نكذاً ایسا ہی قرآن شریف میں مسیحیوں نظیر میں موجود ہیں جو پٹھنوں
 پر پوشیدہ نہیں ماسوا اس کے روحانی و عقلی کاظم ہر ہونا اور ان کے ساتھ فرشتوں
 کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مردوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے
 اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آ جاتے ہیں اور نیک اور بد لوگ اپنی منزلوں پر پہنچتے
 ہیں۔ سو اگر سورۃ الزلزہ کو قیامت کے آثار میں قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں
 کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتی ہے خدائے تعالیٰ کے تائید یافتہ
 بندے قیامت کا ہی رُوب بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام کو مہیوم ہو سکتا
 ہے جن کے آنے سے روحانی موعے زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور نیز اس میں
 بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آجائے گا کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو
 ظاہر کر دکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اُس حد تک
 وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقیوں کو امتلا سے ظاہر کرنا مقدر ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں گی
 تب اس عالم کا دائرہ پورا ہو کر یک دفعہ اس کی صف لیٹ دی جائے گی۔

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک والجلال والاکرام

ہمارا مذہب

روحانی فرتان و پیغمبریم • ہمیں آدمیم و ہمیں بگندیم
 ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب الہاب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
 ہمارا اعتقاد یہ ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ
 اس عالم گزرائی سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ

خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمتبرہ تمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب الہی ہے اور ایک شے یا نقطہ اس کی مشرعات اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام مجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقائی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور محد اور کاغذ ہے اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ واقعی دورِ مبرا مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتدا اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت اور قرب کا بھروسہ اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے ہیں جو کچھ ملتا ہے قلیل و غلیل طور پر ملتا ہے اور ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راستباز اور کامل لوگ شرف و محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر تکمیل منازل سلوک کر چکے ہیں ان کے کمالات کی نسبت بھی ہمارے کمالات اگر ہمیں حاصل ہوں بطور ملل کے واقع ہیں اور ان میں بعض ایسے جتنی فضائل ہیں جواب ہمیں کسی طرح سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ غرض ہمارا ان تمام باتوں پر ایمان ہے جو قرآن شریف میں نازل ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی طرف سے لائے اور تمام محدثات اور بدعات کو ہم ایک فاش ضلالت اور جہنم تک پہنچانے والی راہ یقینی رکھتے ہیں مگر افسوس کہ ہماری قوم میں ایسے لوگ بہت ہیں جو بعض حقائق اور معارف قرآنیہ اور حقائق آثار نبویہ کو جو اپنے وقت پر بذریعہ کشف و الہام زیادہ تر صفائی سے کھلتے ہیں محدثات اور بدعات میں ہی غافل کر لیتے ہیں حالانکہ معارف مخفیہ قرآن و حدیث ہمیشہ الٰہی کشف پر کھتے رہے ہیں

اور علماء وقت اُن کو تبیل کرتے رہے ہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر علماء کی یہ عجیب علت ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کا اہام ولایت جس کا کبھی سلسلہ منقطع نہیں اپنے وقت پر بعض مجلس مکاشفات نبویہ اور استعلاات سرستہ قرآنہ کی کوئی تفسیر کرے تو نظر انکا ہواستہزام اس کو دیکھتے ہیں حالانکہ مصلحت میں ہمیشہ یہ حدیث پڑھتے ہیں کہ قرآن شریف کھٹے ظہر و بطن دونوں میں اور اس کے عجائبات قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے اور ہمیشہ اپنے منہ سے اقرار کرتے ہیں کہ اکثر اکابر محدثین کشوف و الہامات اولیاء کو حدیث صحیح کے قائم مقام سمجھتے رہے ہیں۔ ہم نے جو رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں اس اپنے کشفی و الہامی امر کو شائع کیا ہے کہ مسیح موعود سے مراد وہی عاجز ہے جس نے ^{۱۷۱}سنا ہے کہ بعض ہمارے علماء اس پر بہت افرغختہ ہوئے ہیں اور انہوں نے اس بیان کو ایسی بدعات میں سے سمجھ لیا ہے کہ جو خارج اجماع اور برزائے عقیدہ متفق علیہا کے ہوتی ہیں حالانکہ ایسا کرنے میں ان کی بڑی غلطی ہے۔

اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ مذہب شیوہوں میں سے یہ ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں جس زمانہ تک یہ پیشگوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جبہ بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ اور پیشگوئیوں کے بارہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ ضرور اپنی ظاہری صورت میں ہی پوری ہوں بلکہ اکثر پیشگوئیوں میں ایسے ایسے اشارے مشید ہوتے ہیں کہ قبل از ظہور پیشگوئی خود انبیاء کو ہی جن پر وہ وحی نازل ہو سمجھ میں نہیں آ سکتے چہ جائیکہ دوسرے لوگ ان کو یقینی طور پر سمجھ لیں۔ دیکھو جس حالت میں ہمارے سید و مولیٰ آپ اس بات کا اصرار کرتے ہیں کہ بعض پیشگوئیوں کو جس نے کسی اور صورت پر سمجھا اور طور و لائن کا کسی اور صورت پر ہوا۔ تو پھر دوسرے لوگ گو فرض کے طور پر ساری امت ہی کیوں نہ ہو کب ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں غلطی نہیں۔ سلف مصلح ہمیشہ اس طریق کو پسند کرے کہ جس میں

کہ بطور اجمالی پیشگوئی پر ایمان لے آویں اور اس کی تفصیل یا اس بات کو کہ وہ کس طور سے ظہور پذیر ہوگی حوالہ بخدا کریں اور میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اقرب بامین جس سے ایمان سلامت رہ سکتا ہے یہی مذہب ہے کہ محض الفاظ پیشگوئی پر نہ در نہ ڈالا جائے اور حکم کی راہ سے یہی دعوئے نہ کیا جائے کہ ضرور اس کا ظہور اہری صورت پر ہی ہوگا۔ کیونکہ اگر خدا نخواستہ انجام کار ایسا نہ ہوا تو پھر پیشگوئی کی صداقت میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو کر ایمان ہاتھ سے گیا۔ ایسی کوئی وصیت بہ غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی کہ تم نے پیشگوئیوں کو ظاہر ہو کر حل کرتے رہنا کسی استعارہ یا تلویل وغیرہ کو ہرگز قبول نہ کرنا جب سمجھنا چاہیے کہ جب کہ پیشگوئیوں کے سمجھنے کے بارہ میں خود انبیاء سے امکان غلطی ہے تو پھر اُمت کا کوئی اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے۔

۱۷۳

ماسوا اس کے ہم کئی دفعہ بیان کر آئے ہیں کہ اس پیشگوئی پر اجماع اُمت بھی نہیں۔ قرآن شریف قطعی طور پر اپنی آیات، بینات میں سچ کے قوت ہو جانے کا قائل اور ہمیشہ کیلئے اُس کو رخصت کرتا ہے۔ بخاری صاحب اپنی صحیح میں صرف امام مکہ منکم کہہ کر چپ ہو گئے ہیں یعنی سچ بخاری میں صرف یہی سچ کی تعریف لکھی ہے کہ وہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور تمہارا امام ہوگا۔ ہاں و مشق میں عند المنار ہاتھ کرنے کی حدیث مسلم میں موجود ہے مگر اس پر اجماع اُمت ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بھی ثابت ہونا مشکل ہے کہ مسلم کا وہ حقیقت ہی مذہب تھا کہ و مشق کے لفظ سے سچ صحیح ہی و مشق مراد ہے اور اگر ایسا فرض بھی کر لیں تو فقط ایک شخص کی رائے ثابت ہوئی۔ مگر یہ پیشگوئیوں کے بارہ میں جبکہ خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں کی رائے اجتہادی غلطی پر معصوم نہیں ہو سکتی تو پھر مسلم صاحب کی رائے کیونکر معصوم ٹھہرے گی۔

میں پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ اس بارہ میں عام خیال مسلمانوں کا گوئی میں بولیا ہی داخل ہوں اجماع کے نام سے موصوم نہیں ہو سکتا مسلمانوں نے صورت پیشگوئیوں کو ملان لیا ہے ان کی طرف سے یہ ہرگز دعویٰ نہیں اور نہ ہونا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر ت اور نہیں

۱۷۴

کہ شاید اس پیشگوئی کے ایسے تفصیل مخفی ہوں جو اب تک کہے نہیں درحقیقت تمام انبیاء کا یہی مذہب ہے کہ وہ پیشگوئی کی اصل حقیقت کو خدا تعالیٰ کے وسیع علم پر چھوڑتے ہیں اسی وجہ سے وہ مقدس لوگ باوجود بشارتوں کے پانے کے پھر بھی دعا سے دستبردار نہیں ہوتے تھے جیسا کہ ہمارے کی لڑائی میں فتح کا وعدہ دیا گیا تھا مگر ہمارے سید و مولیٰ رو رو کر دعائیں کرتے رہے اس خیال سے کہ شاید پیشگوئی میں کوئی ایسا امور مخفی ہوں یا دو کچھ ایسے شروط کے ساتھ وابستہ ہوں جن کا علم ہم کو نہیں آیا اور یہ دعویٰ کہ تمام محاسب اور اہل بیت اسی طرح ملتے چلتے تھے ہیں جیسا کہ ہم یہ باطل لغو اور بلا دلیل ہے۔ فرد خود کی رائے کا خدا ہی کو علم ہو گا کسی نے ان سب اظہار تکھلک کر قبند کئے ہیں یا کب کسی نے اپنے منہ سے ان کے بیانات شکر شائع کئے ہیں باوجودیکہ صحابی دین ہزار سے بھی کچھ زیادہ تھے مگر اس پیشگوئی کے ردایت کرنے والے شاید دوسرا یہی تاک نکلیں تو تمکین اور ان کی روایت بھی عام طور پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بخاری جو حدیث کے فن میں ایک باقدیر ہے ان تمام روایات کو معتبر نہیں سمجھتا یہ خیال ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بخاری جیسے جند و جہد کرنے والے کو وہ تمام روایات و طلب و یا بس پہنچی ہی نہیں بلکہ صحیح اور قرین قیاس بھی ہے کہ بخاری نے ان کو معتبر نہیں سمجھا اُس نے دیکھا کہ دوسری حدیثیں اپنی ظاہری صورت میں اہل حکم و منکھ کی حدیث سے معارض ہیں اور یہ حدیث غایت درجہ کی صحت پر پہنچ گئی ہے اس لئے اُس نے ان مخالف المفہوم حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ کر یہی صحیح کو ان سے بڑ نہیں کیا۔

اب ناظر ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ہرگز خیر القرن کا اس امر پر اجماع ثابت نہیں ہو سکتا کہ ضرور حضرت مصطفیٰ و مشق میں ہی نازل ہوئے کیونکہ بخاری امام فن نے اس حدیث کو نہیں لیا اور نہ ہی اس حدیث کا مخالف ہے اور بجائے و مشق کے میت المقدس لکھتا ہے اسی طرح کسی کے منہ سے کچھ نکل رہا ہے اور کسی کے منہ سے کچھ پس اجماع کامل ہے ؟ اگر فرض کے طور پر اجماع بھی ہوتا تو پھر بھی کیا حرج تھا کیونکہ ان بزرگوں نے کب

دعویٰ کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور معنی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو مسنون لفظ قاضی
کو حوالہ بخدا کرتے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی ہم بخوبی ظاہر کر چکے ہیں کہ اس پیش گوئی کو صرف ایک ہی الفاظ تک محدود
رکنے میں بڑی بڑی مشکلات ہیں قبل اس کے جو کہ آسمان سے اُتے مدد اعتراض پہلے
اسی سے اُتر رہے ہیں ان مشکلات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور ہمیں اس بات کی
کیا حاجت؟ کہ ابن مریم کو آسمان سے اُتارا جائے اور ان کا بونٹے الگ ہونا تجویز کیا جائے
اور ان کی اس تسبیح پر تحقیر کی جلتے کہ دوسرا شخص امامت کہے اور وہ پیچھے مقتدی بنیں اور
اور دوسرا شخص اُن کے رد و رد لوگوں سے بیعت امامت و خلافت لے اور وہ ہدایتِ حسرت
دیکھتے رہیں اور احمد المسلمین بن کر اپنی نبوت کا دم نہ مار سکیں اور ہم اس قریب الشک بلکہ
سراسر شرک سے بھرے ہوئے کلمے کو کیوں منہ سے بولیں کہ و تبارک یا یک چشم خدائے تعالیٰ
کی طرح اپنے اقتدار سے مردوں کو زندہ کرے گا اور صریح صریح خدائی کی علامتیں دکھلاوے گا
اور کوئی اُسے یہ نہیں کہیگا کہ اے یک چشم خدا پہلے تو اپنی آنکھ درست کر کیا وہ تو عیسیٰ جو
اسلام نے ہمیں سکھاتی ہے ایسی قدرتیں کسی مخلوق میں روا رکھتی ہے کیا اسلام نے ان آیات
باتوں کو اپنے پیروں کے نیچے کچل نہیں دیا؟ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک
خدا و تبارک بھی گویا ایک حصہ خدائی کا رکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ اُس خد کا پیرا کر نبی والا و تبارک ہی
ہے۔ پھر جب کہ وہ تبارک محیی و ممیت اور خالق بھی ہے تو اس کے خدا ہونے میں کسر کیا گئی؟
اور اس گدھے کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ مشرق و مغرب میں ایک روز میں سیر کر سکے گا مگر
ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ وہ تبارک سے مراد باقیہاں تو ہیں ہوں اور گدھا حق کا یہی ریل ہو
جو مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ہزار ہا کوسوں تک چلتے دیکھتے ہو۔ پھر صریح کے بارہ میں
یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں منہیں گے کہ جبکہ تیس یا چالیس
فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ

آسمان تک کیونکر پہنچ گئے اور کیا یہ مخالفوں کے لئے ہنسنے کی جگہ نہیں ہوگی کہ علیہ اول اور اخیر کے اختلاف کی وجہ یہ بیان کی جائے کہ تغیر عمر کے سبب علیہ میں فرق آگیا ہوگا۔

ایک اور بات ہمارے علمائے کرام کے لئے غور کے لائق ہے کہ احادیث میں صرف ایک دجال کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے دجال لکھے ہیں اور لکھل دجال عیسیٰ کی مثال پر تدبیر کا نقطہ ڈال کر یہ بات باسانی سمجھ آسکتی ہے کہ عیسیٰ کے لفظ سے مثیل عیسیٰ مراد ہونا چاہیئے اس ہماری بات کو وہ حدیث اور بھی تائید دیتی ہے جو مثیل مصطفیٰ کی نسبت ایک پیش گوئی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں **مہدی** کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ایسے لفظ ہیں جو بے بصراحت یہ پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی میں اپنے ایک مثیل کی خبر دے رہے ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ محمدی خلق اور خلق میں میری مانند ہو گا یواضحیٰ اسمہ اسمہی واسمہ ابیہ اسمہ ابی یعنی میرے نام عیسا اس کا نام ہو گا اور میرے باپ کے نام کی طرح اُس کے باپ کا نام۔ اب دیکھو کہ خلاصہ اس حدیث کا یہی ہے کہ وہ میرا مثیل ہو گا۔ اس صورت میں ایک دانا کو نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ جیسے حدیث میں ایک مثیل مصطفیٰ کا ذکر ہے ویسا ہی مثیل سح کا ذکر بھی ہو۔ دیکھ کر ایک جگہ مثیل مصطفیٰ اور دوسری جگہ وہ حضرت مسیح ہی آجائیں گے۔ فتدبر۔

اب ظاہر ہے کہ جس قدر ہم نے اپنے الہامی عقیدہ کی تائید میں دلائل عقلی و نقلی و شرعی لکھے ہیں وہ ہمارے اثبات مدعا کے لئے کافی ہیں اور اگر اس جگہ ہم بطور فرض محال تسلیم بھی کر لیں کہ ہم بظنی شبہات پیش آمدہ کا تصفیہ نہیں کر سکتے تو اس میں بھی ہمارا کچھ حرج نہیں کیونکہ الہام آہی و کشف مسیح ہمارا مؤید ہے اس لئے اسی قدر ہمارے لئے کافی ہے۔ ایک مستدرک عالم کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ الہام اور کشف کا نام سحر چپ ہو جائے اور نبی چون و چلا سے باز آجائے اگر مخالف الرائے لوگوں کے ہاتھ میں بعض احادیث کی رو سے کچھ دلائل ہیں تو ہمارے پاس ایسے نقلی و شرعی دلائل ان سے کچھ توڑنے میں مفرق فریفت

ہمارے ساتھ ہے اُن کے ساتھ نہیں صحیح بخاری کی حدیثیں ہماری مؤید ہیں انکی مؤید نہیں۔
 علاوہ اس کے معقولی و دلائل جو تجارب فلسفہ و طبعیہ سے لئے گئے ہیں وہ سب ہمارے پاس
 ہیں اُن کے پاس ایک بھی نہیں۔ اور ان تمام امور کے بعد امام ربانی و کشف آسمانی ہمارے
 بیان کا شاہد ہے اور اُن کے پاس اس اصرار پر کوئی ایسا شاہد نہیں۔

اس جگہ ہم اس بات کا لکھنا بے محل نہیں سمجھتے کہ امام اور کشف کی تحت دو دلیل یعنی
 کے قائل اگرچہ بعض خشک متکلمین اور اصولی نہ ہوں لیکن ایسے تمام محدث اور صوفی جو معرفت
 کامل اور تفقہ تام کے رنگ سے رنگین ہوئے ہیں بدوق تمام قائل ہیں اس بارہ میں
 ہمارے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ
 اشاعت السنہ نمبر ۱۱ جلد ۱ میں بہ بسط تمام بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ از بخلاف امام عبد الوہاب
 شعرائی کی کتاب میزان کبریٰ اور فتوحات شیعہ عفی الدین کا ابو مولوی صاحب
 موصوف نے بتائید اپنی رائے کے ذکر کیا ہے اُن میں جو کم کسی قدر ناظرین کیلئے لکھتے ہیں۔
 امام صاحب اپنی کتاب میں ان کے صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں کہ صاحب کشف مقام یقین
 میں مجتہدین کے مساوی ہوتا ہے اور کبھی بعض مجتہدین سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ وہ اُسی چشمہ
 سے چلگو بھرتا ہے جس سے شریعت نکلتی ہے۔

اور پھر امام صاحب اس جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صاحب کشف اُن علوم کا محتاج
 نہیں جو مجتہد اہل کے حق میں اُن کی صحت اجتہاد کے لئے شرط ٹھہرائے گئے ہیں اور صاحب
 کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کے مانند ہے۔

پھر صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں کہ بعض حدیثیں محدثین کے نزدیک محل کلام ہوتی ہیں
 مگر اہل کشف کو ان کی صحت پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ اصحابی کا لُجُوم کی حدیث محدثین کے
 نزدیک جرح سے خالی نہیں مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

پھر صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو کلام اہل کشف کو

رہ کرے نہ عقلی نہ نقلی و شرعی کیونکہ کشف کی خود شریعت مؤید ہے۔

پھر صفحہ ۸۸ میں فرماتے ہیں کہ بہتر سے اولیاء اللہ سے مشتہر ہو چکا ہے کہ وہ آنحضرت صلیعہ سے عالم ارواح میں یا بطور کشف ہم مجلس ہونے اور ان کے بمعصروں نے ان کے دعوے کو تسلیم کیا۔

پھر امام حیرانی صاحب نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی بھی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی کا دستخطی ان کے صحبتی شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام خط تھا جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت صلیعہ کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں چنانچہ اس وقت تک پچھتر دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب اس حضور کی سے رک جاؤں گا تو قطع میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے جو فتوحات میں اس بارہ میں لکھا ہے اس میں سے بطور خلاصہ یہ مضمون ہے کہ اہل ولایت بذریعہ کشف آنحضرت صلیعہ سے احکام پوچھتے ہیں اور ان میں سے جب کسی کو کسی واقعہ میں حدیث کی حاجت پڑتی ہے تو وہ آنحضرت صلیعہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشرف ہو جاتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت جبرئیل سے وہ مسئلہ جس کی ولی کو حاجت ہوتی ہے پوچھ کر اس ولی کو بتلاتے ہیں یعنی ظنی طور پر وہ مسئلہ پر نزل جبرئیل منکشف ہو جاتا ہے۔ پھر شیخ ابن عربی نے فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت صلیعہ سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں بہتری حدیثیں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ

ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں موضوع ہیں اور
آنحضرت کے قول سے بذریعہ کشف کے صحیح ہو جاتی ہیں تم کلام

اور فتوحات کبیر میں ابن عربی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل ذکر و خلوت پر وہ
علوم لدنیہ کھلتے ہیں جو اہل نظر و استدلال کو حاصل نہیں ہوتے اور یہ علوم لدنیہ اور
اسرار و مساویات انبیاء و اولیاء سے مخصوص ہیں اور جنید بغدادی و نقل کیا ہے
کہ انہوں نے تیس سال اس درجہ میں رہ کر بہتیرہ حاصل کیا ہے اور ابو یزید بسطامی
نے نقل کیا ہے کہ علماء ظاہر نے علم مردوں سے لیا ہے اور ہم نے زندہ سے جو
خدا تعالیٰ ہے۔ تم کلام

ایسا ہی مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب نے رئیس محدثین حضرت شاہ ولی اللہ
قدس سرہ کے کلمات قدسید اس بارہ میں بہت کچھ لکھے ہیں اور دوسرے علماء و فقہاء کی
بھی شہادتیں دی ہیں مگر ہم ان سب کو اس رسالہ میں نہیں لکھ سکتے اور نہ لکھنے کی
کچھ ضرورت ہے الہام اور کشف کی عزت اور پایہ عالیہ قرآن شریف کے ثابت ہے وہ
شخص جس نے کشتی کو توڑا اور ایک معصوم بچہ کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے
وہ صوف ایک ظلم ہی تھا نبی نہیں تھا۔ الہام اور کشف کا مسئلہ اسلام میں ایسا ضعیف
نہیں سمجھا گیا کہ جس کا نورانی شعاع صوف عوام الناس کے منہ کی پھونکوں سے منطفی ہو سکے
یہی ایک صداقت تو اسلام کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کا نشان ہے جو قیامت تک بے نظیر
شان و شوکت اسلام کی قلب ہر کر رہا ہے یہی تو وہ خاص برکت میں ہیں جو غیر مذہب و لہجوں
میں پائی نہیں جاتیں۔ ہمارے علماء اس الہام کے مخالف ہیں کراحدیث نبویہ کے مکتذب
ٹھہرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی ہر ایک مجدد
کا آنا ضروری ہے اب ہمارے علماء کہہ رہے ہیں ہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف کے

بتلاویں کرکس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشاء ہے کہ وہ مجدد خلائے تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علوم لدنیہ و آیات سماویہ کے ساتھ۔ اب بتلاویں کہ لگے بیجا جز حق پر نہیں ہے تو پھر کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا کوئی الہامی دعاوی کے ساتھ تمام مخالفین کے مقابل پر ایسا کھڑا ہوا جیسا کہ یہ عاجز کھڑا ہوا۔ تفکروا و تتلذذوا و اتقوا اللہ ولا تغفلوا اور اگر یہ عاجز سچ موعود ہونے کے دعویٰ میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کچھ کوشش کریں کہ سچ موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہیں دنوں میں آسمان سے اتر آوے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے۔

۵۵ تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام سے اترنے دکھائی دیں اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائے گی کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابلہ میں قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقیناً سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں سچ تو آپ کا لیکن آپ نے اس کو شناخت نہیں کیا اب یہ امید ہو ہم آپ کی ہرگز پوری نہیں ہوگی یہ زمانہ گزر جائے گا اور کوئی ان میں سے سچ کو اترتے نہیں دیکھے گا۔

حالانکہ تیرھویں صدی کے اکثر علماء چودھویں صدی میں اس کا ظور معین کر گئے ہیں اور بعض تو چودھویں صدی والوں کو بطور وصیت یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اگر ان کا زمانہ پاؤ تو ہمارا السلام علیکم انہیں کہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب ریس المحدثین ہی نہیں ہی ہیں۔ بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی

سج کا شیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں
 بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہو کہ میری
 ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کو کئی باتوں میں سج سے مشابہت ہوگی وہ آسمان
 سے اترے گا اور زمین والہ کی راہ سیدھی کرے گا وہ امیروں کو رستہ گاری بخشیگا
 اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دیگا۔ فرزند و لبند گرامی
 و ارجمند مظهر الحق والعلواء کان اللہ نزل من السماء لیکن یہ عاجز
 ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خدائے تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی
 ہے سج موعود کے نام پر آیا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔

۱۵۷

گویم سخن اگر چہ ندامت بادورم
 کل برگزیدہ راز و صدق منظرم
 حیف است گر بیدہ نہ بیند منظرم
 ز انساں کہ آمد است در اخبار مرسوم
 سید جدا کند ز سچلئے احمرم
 بچوں خود ز مشرق است تختی تیرم
 عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پام بنبرم

جائیکہ از سج و نزو ش سخن رود
 کا نذر دلم دید خداوند کردگار
 موعودم و بحلیہ ما ثور آدم
 رنگم چو گندم است و بوفرق بین است
 امیں مقدم نہ جا رشکوشت التباس
 از کلمہ منارہ شرقی عجب مدار
 لینک منم کہ حسب بشارات آمدم

۱۵۸

۱۵۹

۱۵۹ آنرا کہ حق بختِ خلش مقام داد
 بول کافر از ستم پیرستد سج را
 بر و یک نظر بجانبِ فرقان ز غور کن
 یارب کجاست محرم رازِ مکاشفات
 آن قبلہ رونمود گیتی بچار دہم
 ہوشید آن چنان کرم منبع فیوض
 ۱۶۰ اے معترض بخوفِ الہی صبور باش
 آخر نخواندہ کہ گمان نکو کنسید
 بر من چرا کشی تو چنین خجسته زباں
 ۱۶۱ مامورم و مرا چہ دیریں کار اختیار
 اے آنکہ سئوئے من بدویدی بعد تیر
 حکم است ز اسمان بزین میرسانش

۱۵۹ بول بر خلاف وعدہ برفول آرد از ارم
 غیور بی خدا بسرش کردہ ہم سرم
 تا بر تو منکشف شود این راز مضمر
 ۱۶۰ تا نور باطنش خبر آرد ز خجستم
 بعد از ہزار و تسکنت افگند در صرم
 کا مدندائے یار زہر کوئے و معبرم
 ۱۶۱ تا خود خدا عیان کن دال نور اخترم
 بول میری برون خود و دلش برادرم
 از خود نیم ز قادر ذوالجہد اکبرم
 ۱۶۲ روایں سخن بگو بہ خداوند آمرم
 از باغباں بتیں کہ من شایخ مشمرم
 گر بشنوم نگوئیش آن را کجا برم

۱۶۳
اے قوم من بگفتہ من تنگدل مباش

من خود نگویم ایں کہ بہ لوح خدا ہیں ست

در تنگنای حیت و حکم ز قوم خویش

۱۶۴
نہ چشم مانده است نہ گوش نہ نور دل

بد گفتم ز نوع عبادت شمرده اند

اے دل تو نیز خاطر اینان نگاہ دار

۱۶۵
اے منکر پیام سر و شش و ندائے حق

جانم که اخت از غم ایمانیے عزیز

خواهی که روشنت شود احوال صدق ما

۱۶۶
گوش دلم بجانب تکفیر کس کجاست

از طعن دشمنان خجسته چوں شود مرا

من میزیم و محی خدائے کہ بلمن است

ز اول چنین مجوش بسیں تا بہ آخرم

گر طاقت محو کن آن نقش دارم

یا رب عنایتی که ازین فکر مضطرم

جز یک زبان شان کہ نیز روی کدم

در چشم شال پید ترا زهر مرزورم

کا خر کنند دعوائے حُب پیمبرم

از من خطا میں کہ خطا در تو بس گرم

و این طعن تر کہ من بگمان تو کافرم

روشن دلی بخواه ازال ذات ذوالکرم

من مست جامہائے عنایات بلبرم

کاند خیال دوست خواب خوش اندم

پیغام اوست بھوں نفس روح پرورم

۱۹۷
من رخت بردہ ام بحالت یار خویش

مشقش بتار و پود دل من جان شد است

راز محبت من او فاش گر شدے

۱۹۸
ابتائے روزگار ندانند راز من

بعد از رہم ہر آنچہ پسندید هیچ نیست

ہر خطہ میخویم ز جام وصال دوست

۱۹۹
باد بہشت بردل پر سوز من و زد

بد بوئے حاسداں نہ ساند زیلا بے من

کارم ز قرب یار بجائے رسید است

۲۰۰
پائیم ز لطف یار بخت خضریدہ است

بوشی اجابتش کہ بوقت دعا بود

ہر سوئے و ہر طرف بُخ آں یار بگرم

۱۹۶
دیگر خبر میرس از من تیر و کشورم

ہر ش شد است در رو دین مہر انورم

بسیار تن کہ جلا بفشانندی بریں درم

۱۹۷
من نور خود و منفعت ز چشمان شہرم

بد قسمت آنکہ در نظرش هیچ محترم

ہر دم امیس یار علی رغمت من کرم

۱۹۸
صد نگہمت لطیف و ہر دو د مجرم

من ہر زماں ز نافہ یادش معترم

کاخجاف ہم و دانش باغبان برترم

۱۹۹
و از فضل آں حبیب بدست باغرم

زال گو نہ زاریم نشنید است مادر م

آن دیگرے کجاست کہ آید بخاطر م

اے حسرتیں گروہ غمناک مرانید
 گر خون شد است دل ز غم و دلدل چشد
 ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
 یارب باب چشم من لیں کس فلان شو
 در یاب چونکہ آب ز بہر تہ بخیم
 تاریکی غموم با خبر نمی رسد
 دل خون شد است از غم لیں قوم ناشناس
 گر علم خشک و کوری باطن نہ زوے
 برنگ میکند لڑا لیں منطقہ مگر
 علم آں بود کہ نور فرست یافت است
 امروز قوم من نشناسد مقام من
 اے قوم من بعد نظر سوئے غیب دار

وقتے بریندم کہ ازین خاک بگذرم
 ہست آرزو کہ نہ بروم ہم دیں سترم
 یارب نجات بخش ازین روز پر شرم
 کامروز تر شد است ازین درد بستم
 در یاب چونکہ جز تو نماند است دیگرم
 ایں شب مگر تمام شود روز محشرم
 و از عالمان کج کہ گرفتند چنبرم
 ہر عالم و فقیہ شدے بچو چاکرم
 بے بہرہ ایں کسل ز کلام مؤثرم
 ایں علم تیرہ را بہ پیشینے نمی خرم
 بعدے بگریہ یاد کند وقت خوشترم
 تا دست خود بجز ز بہر تو گستم

گر تپو خاک پیش تو قدرم بود چہ باک ^{۱۴۵}
 لطفست و فضل او کہ نواز دگر نہ من
 زانگونہ دست او دلم از غیر خود کشید
 بعد از خدا بعشق محمد ^{۱۴۶} مستم
 ہر تار و پود من بسراید بعشق او
 من در حسیم قدس چراغ صد اتم
 ہر دم فلک شہادت صدقم ہمیدہ
 و اللہ کہ ہمچو کشتی جوہر کردگار
 این آتش کہ دامن آفریناں بسوخت
 من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
 یارب بزرایم فقط مگر کن بطرف فضل
 جانم فدای شود برو دین مصطفیٰ

چوں خاک کے کا از خس و خاشاک کترم ^{۱۴۷}
 کہ ہم نہ آدمی صدف استم نہ گوہرم
 کوئی گے نہ بود دگر در تصورم
 گر کفر لیں بود بخدا سخت کافرم ^{۱۴۸}
 از خود تھی و از غم آں دستاں پریم
 دستش محافظ است زہر باد صرم
 نہ نیم کد ام غم کہ زین گشت میں کرم ^{۱۴۹}
 بیدلت آنکہ دوبرماند زلسلہ گرم
 انوار ہر چارہ اش بخدا نہر کو سرم
 ہاں ملہم استم و ز خداوند منذر م ^{۱۵۰}
 بخیر و بد رحمت تو دگر گیت یاورم
 این است کام دل اگر آید میترم

قریب تے با من و نزدیک تے بسعادت کن لوگ ہیں
کیا وہ لوگ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا
مان لیا یا وہ لوگ گمنان جو کہ ہو گئے



واضح ہو کہ یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس ملاح کا مسیح موعود
ہونا مان لیا ہے وہ لوگ ہر ایک خطرہ کی حالت سے محفوظ اور محصوم ہیں اور کئی طرح کے ثواب
اور اجر اور قوت ایسانی کے وہ مستحق ٹھہر گئے ہیں۔

اول یہ کہ انہوں نے اپنے بھائی پر حسن ظن کیا ہے اور اس کو مفتری یا کذاب نہیں
ٹھہرایا اور اس کی نسبت کسی طرح کے شکوک فاشدہ کو دل میں جگہ نہیں دی اس وجہ سے اس
ثواب کا انہیں استحقاق حاصل ہوا کہ جو بھائی پر نیک ظن رکھنے کی حالت میں ملتا ہے۔

دوسری یہ کہ وہ حق کے قبل کرنے کے وقت کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہیں
ڈرے اور نہ نفسانی جذبات ان پر غالب ہو سکے اس وجہ سے وہ ثواب کے مستحق ٹھہر گئے
کہ انہوں نے دعوت حق کو پا کر اور ایک ربانی مناد کی آواز سن کر یہ خام کو قبول کر لیا اور کسی
طرح کی روک سے رک نہیں سکے۔

تیسری یہ کہ پیشگوئی کے مصداق پر ایمان لانے کی وجہ سے وہ ان تمام دلوں
سے غلطی پا گئے کہ جو انتظار کرتے کرتے ایک دلی پیدا ہو جاتے ہیں اور آخر ایمان کی حالت
میں ایمان دور ہو جانے کا موجب ٹھہرتے ہیں اور ان سعید لوگوں نے زمین فطرت منکوبہ بالا
سے غلطی پائی بلکہ عدائے تعالیٰ کا ایک نشان اور اس کے نبی کی پیشگوئی اپنی زندگی میں پوری

ہوتی دیکھ کر ایمانی قوت میں بہت ترقی کر گئے اور ان کے سماعی ایمان پر ایک معرفت کا رنگ آگیا۔ اب وہ اُن تمام چیزوں سے چھوٹ گئے جو اُن پریش گوئیوں کے بارہ میں دلوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں جو پوری دنیا میں نہیں آتیں۔

چوتھی یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندہ پر ایمان لاکر اس سخط اور غضب الہی سے بچ گئے جو اُن نافرمانوں پر ہوتا ہے کہ جن کے حصہ میں بجز تکذیب و انکار کے اور کچھ نہیں۔

پانچویں یہ کہ وہ اُن فیوض اور برکات کے مستحق ٹھہر گئے جو اُن مخلص لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو حسن ظن سے اُس شخص کو قبول کر لیتے ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

یہ تو وہ فوائد ہیں کہ جو انصارِ اشد الکرم اُن سعید لوگوں کو بفضلہ تعالیٰ ملیں گے جنہوں نے اس عاجز کو قبول کر لیا ہے لیکن جو لوگ قبول نہیں کرتے وہ ان تمام سعادتوں سے محروم ہیں اور ان کا یہ وہم بھی لغو ہے کہ قبول کرنے کی حالت میں نقصان دین کا اندیشہ ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ نقصان دین کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ نقصان تو اس صورت میں ہوتا کہ اگر یہ عاجز بر خلاف تعلیم اسلام کے کسی اور نئی تعلیم پر چلنے کے لئے انہیں مجبور کرتا مثلاً کسی حلال چیز کو حرام یا حرام کو حلال بتلاتا یا اُن ایمانی عقائد میں جو نجات کے لئے ضروری ہیں کچھ فسق و انصاف یا یہ کہ علوم و مسلوٰۃ و عبادت و غیرہ اعمال شرعیہ میں کچھ بڑھاتا یا گھٹا دیتا مثلاً پانچ وقت کی نماز کی جگہ دس وقت کی نماز کر دیتا یا دو وقت ہی رہنے دیتا یا ایک حمینہ کی جگہ دو حمینے کے روزے فرض کر دیتا یا اس سے کم کی طرف توجہ دلاتا تو بے شک سراسر نقصان بلکہ کفر و خسران تھا لیکن جس حالت میں یہ عاجز بار بار یہی کہتا ہے کہ اے بھائیو! میں کوئی نیا دین یا نئی تعلیم لے کر نہیں آیا بلکہ میں بھی تم میں سے ہوں اور تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں اور ہم مسلمانوں کے لئے بجز قرآن شریف کے اور کوئی دھڑکی کتاب نہیں جس پر عمل کریں یا عمل کرنے کے لئے دوسروں کو ہدایت دیں اور بجز

جناب ختم المرسلین احمد عربی صلعم کے اور کوئی ہمارے لئے ہادی اور مقتدا نہیں جس کی پیروی ہم کریں یا دھڑوں سے کرنا چاہیں تو پھر ایک مدت میں مسلمان کیلئے میرے اس دعوے پر ایمان لانا جس کی الہام آئی پر بنا ہے کوئی اندیشہ کی جگہ ہے بفرض محال اگر میرا یہ کشف اور الہام غلط ہے اور جو کچھ مجھے حکم ہو رہا ہے اس کے سمجھنے میں نے دھوکہ کھایا ہے تو ماننے والے کا اس میں حرج ہی کیا ہے کیا اس نے کوئی ایسی بات مان لی ہے جس کی وجہ سے اس کے دین میں کوئی رخنہ پیدا ہو سکتا ہے اگر ہماری زندگی میں سچے حضرت مسیح ابن مریم ہی آسمان سے اتر آئے تو دل ماشاؤ چشم مارو شہ ہم اور ہمارا گروہ سب کے پہلے ان کو قبول کرنے کا اور اس پہلی بات کے قبول کرنے کا بھی ثواب پائے گا جس کی طرف حضرت نیک قیمتی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے اس نے قدم اٹھایا تھا بہر حال اس غلطی کی صورت میں بھی (اگر فرض کیا جائے) ہمارے ثواب کا قدم آگے ہی رہا اور ہمیں دو ثواب ملے اور ہمارے مخالف کو صرف ایک۔ لیکن اگر ہم سچے ہیں اور ہمارے مخالف آئندہ کی امیدیں باندھنے میں غلطی پر ہیں تو ہمارے مخالفوں کا ایمان سخت خطرہ کی حالت میں ہے۔ کیونکہ اگر سچے انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت مسیح ابن مریم کو بڑے اقبال و جلال کے ساتھ آسمان سے اترتے دیکھ لیا اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ فرشتوں کے ساتھ اترتے چلے آتے ہیں تب تو ان کا ایمان سلامت رہا ورنہ دوسری صورت میں ایمان سلامت رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اگر اخیر زندگی تک کوئی آدمی آسمان سے اترتا نہیں دکھائی نہ دیا بلکہ اپنی ہی طیاری آسمان کی طرف جانے کے لئے ٹھہر گئی تو ظاہر ہے کہ کیا کیا شکوک و شبہات ساتھ لے جاتیں گے نہ ہی صادق کی پیشگوئی کے بارہ میں کیا کیا وساوس دل میں پڑیں گے اور قریب ہے کہ کوئی ایسا سخت و سوسہ پڑ جائے کہ جس کے ساتھ ایمان ہی برپا نہ ہو۔ کیونکہ یہ وقت انجیل اور احادیث کے اشارات کے مطابق وہی وقت ہے جس میں مسیح اترنا چاہیے ہی وجہ سے سلف صلعم میں سے بہت سے صاحب کشف و کشف کے

آنے کا وقت پہنچو وہیں صدی کا شروع سال بتلا گئے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کی بھی یہی رائے ہے اور مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے بھی اپنے ایک رسالہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور اکثر محدثین اس حدیث کے معنی میں کہ جو کائنات بعد الماتین ہے اسی طرف گئے ہیں۔ اگر یہ کہو کہ مسیح موعود کا آسمان سر دمشق کے منارہ کے پاس اترتا تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے تو اس کا جواب میں اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ اس بات پر ہرگز اجماع نہیں قرآن شریف میں اس کا کہاں بیان ہو ہاں تو صرف موت کا ذکر ہے بخاری میں حضرت یحییٰ کی روح کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی روح کو دوسرے آسمان پر بیان کیا ہے اور دمشق میں اترنے سے اعراض کیا ہے اور ابن ماجہ صاحب بیروت المقدس میں ان کو نازل کر رہے ہیں اور ان سب میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ تمام الفاظ و اسماء ہر وہی محمول ہیں بلکہ صرف صورت پیش گوئی پر ایمان لے آئے ہیں پھر اجماع کس بات پر ہے۔ ہاں تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ سو اگر یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ مسیح موعود کو آسمان سر اتار کر دکھلا دیں۔ صالحین کی اولاد ہو مسجد میں بیٹھ کر تضرع اور زاری کرو تاکہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تشریف لائیں اور تم سچے ہو جاؤ ورنہ کیوں ناحق پڑ پڑی کرتے ہو اور زیر الزام آیت کہ **يَوْمَ لَا تَقُفُّ مَا لَيْتِسَ لَكَ يَوْمَ عَلَّمَ** آتے ہو خدا نے تعالے سے ڈرو۔

لطیفہ چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو آیات بعد الماتین ہے ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرہویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہو گا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں بھی یہ عاجز داخل ہے تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف دلائی گئی کہ کچھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرہویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہوا والا تھا پہلے ہی تاریخ

ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی اس نام کے مدد سے
تین سو سالہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں ہجرت اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ
میرے محل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت ہجرت اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی
نام نہیں اور اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ علوت اللہ جاری ہے کہ وہ سجاد بعض اسرار اعداد و حروف
تہجی میں میرے پر نظر اہر کر دیتا ہے ایک دفعہ میں نے آدم کے سن پیدائش کی طرف توجہ کی تو
مجھے اشارہ کیا گیا کہ ان اعداد پر نظر ڈال جو سورۃ العصر کے حروف میں ہیں کہ انہیں میں کو وہ تاریخ نکلتی ہے۔
ایک مرتبہ میں نے اس سجد کی تاریخ جس کے ساتھ میرا مکان ملحق ہے الہامی طور پر معلوم کرنی
چاہی تو مجھے الہام ہوا مبارک و مبارک و کل امر مبارک یجعل فیہ یہ وہی سجد ہے جس
کی نسبت میں اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ میرا مکان اس قصبہ کے شرقی طرف آبادی کے آخری
کنارہ پر واقع ہے اسی سجد کے قریب اور اس کے شرقی منارہ کے چھ میساکہ ہمارے
سید و مولیٰ کی پیش گوئی کا مضمون ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔

اور ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی
میں مجھے ضروری جس کا حاصل یہ ہو کہ کلاب یحوت علی کلاب یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مریگا
جو پانچ سال پر حالات کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر پانچ سال سے تجاوز نہیں کریگی جب باؤن سال
کے اندر قدم دھرے گا تب اسی سال کے اندر اللہ رواہی ملک بقا ہو گا۔

اب پھر میں تقریباً کی طرف رجوع کیے کہ کتا ہوں کہ ہمارا اگر وہ ایک سید گروہ ہے جس نے
بہتے وقت پر اس زندہ مامور کو قبل کر لیا ہے جو اسلور زین کے خدانے بھیجا اور اس کے دلوں نے
قبل کہ نہیں کچھ تنگی نہیں کی کیونکہ وہ سید تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے لئے انہیں چن لیا تھا غنائم تھی
نے انہیں قوت دی اور دھڑلے کو انہیں دی اور انکا سینہ کھل دیا اور دھڑلے کا نہیں کھولا سو جنہوں نے
لے لیا انہیں اور بھی دیا جائیگا اور ابھی بڑھتی ہوگی مگر جنہوں نے نہیں لیا ان کو وہ بھی لیا جائیگا جو ان کے
پس پہلے تھا بہت سے استباروں نے آئے ہوں کہ اس زمانہ کو دیکھیں مگر دیکھ نہ سکے مگر انہیں کلان لکھنے

دیکھا مگر قبول نہ کیا انکی حالت کو میں کس توہم کا حکمت تشبیہ دے گا انکی نسبت تو خلیل ٹیکہ اتنی ہو کہ ایک بادشاہ نے پہنچے وہدو کے موافق ایک شہر میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر کے بھیجا تا وہ دیکھے کہ حقیقت ^{۱۸۸} مطیع کوئی ہے اور نافرمان کوئی اور تا ان تمام جھگڑوں کا تصفیہ بھی ہو جائے جو ان میں واقع ہو رہے ہیں چنانچہ وہ حاکم عین اسوقت میں جبکہ اس کے کہنے کی ضرورت تھی آیا اور اس نے اپنے آقائے نامدار کا پیغام پہنچا دیا اور سب لوگوں کو راہ راست کی طرف بلایا اور اپنا حکم ہونا ان پر ظاہر کر دیا لیکن وہ اس کے ملازم سرکاری ہونے کی نسبت شک میں پڑ گئے تب اس نے ایسے نشان دکھائے جو ملازموں سے ہی خاص ہوتے ہیں مگر انہوں نے نہ مانا اور اسے قبول نہ کیا اور اس کو کراہت کی نظر سے دیکھا اور اپنے تئیں بڑا سمجھا اور اس کا حکم ہونا اپنے لئے قبول نہ کیا بلکہ اس کو پکڑ کر بے عزت کیا اور اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مارنے کے لئے دوڑے اور بہت سی حقیر روئیں اس کی اور بہت سی سخت زبانی کے ساتھ اس کو جھٹلاتے رہے وہ ان کے ہاتھ سے وہ تمام آزار اٹھا کر جو اس کے حق میں مقدمہ تھے اپنے بادشاہ کی طرف واپس چلا گیا اور وہ لوگ جنہوں نے اس کا راسخا بڑا حال کیا کسی اور حاکم کے آئیے منتظر بیٹھے رہے اور ہمالیہ کی راہ سے اسی خلیل باطل پر ^{۱۸۹} جسے رہ کرے تو حاکم نہیں تھا بلکہ وہ اور شخص ہے جو آئیگا جسکی انتظاری ہیں کرنی چاہیئے سو وہ سارا دن اس شخص کی انتظار کئے گئے اور اٹھا اٹھ کر دیکھتے رہے کہ کب آتا ہو اور اس وعدہ کا باہم ذکر کرتے رہے جو بادشاہ کی طرف سے تھا یہاں تک کہ انتظار کرتے کرتے سو بج غروب ہونے لگا اور کوئی نہ آیا آخر شام کے قریب بہت سے پولیس کے سپاہی آئے جن کے ساتھ بہت سی ہتکڑیاں بھی تھیں سو انہوں نے اتنے ہی ان شرعوں کے شہر کو بھونک دیا اور پھر سب کو پکڑ کر ایک ایک کو ہتکڑی لگا دی اور عدالت شاہی کی طرف جرم عدول بھیجی اور مقابلہ ملازم سرکاری چلان کر دیا جہاں سے انہیں وہ سزائیں مل گئیں جن کے وہ سزاوار تھے۔

سو میں سمجھتا ہوں کہ یہی حال اس زمانہ کے جہاں انگریزوں کا ہوگا ہر ایک شخص اپنی زبان اور قلم اور ہاتھ کی شامت سے پکڑا جائیگا جس کے کان سننے کے ہوں سننے۔

علمائے ہند کی خدمت میں نیا نامہ

اے برادرانِ دین و علمائے شیعہ متین! آپ صاحبانِ میری ان محرومات کو متوجہ ہو کر سنیں کہ اس عاجز نے بوشیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم ختم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو بلکہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو میں نے خدائے تعالیٰ سے پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر تصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہو گا میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ کے خلائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہیں رسالوں میں کر چکا ہوں میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اس قدر مشابہت ہے اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں تصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر بڑھائی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے ملتی ہے۔ تعجب کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی اپنے رسالہ اشاعت المسندہ نمبر ۶ جلد سات میں جس میں براہین احمدیہ کا ریو یو لکھا ہے ان تمام الہامات کی اگرچہ ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر تصدیق کر چکے اور بدل و جان ملان چکے ہیں مگر پھر بھی سنا جاتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کو بھی اور لوگوں کا شور اور غوغا دیکھ کر

۱۹۲

سنلقی فی قلوبہم الرعب قل جاءکم نور من اللہ۔ اپنے نشانوں اور عجائبات کے قادیان کے قریب آتا رہا
 فلا تمکفروا ان کنتم مؤمنین ہے اور سچائی کے ساتھ آتا رہا اور سچائی کے ساتھ آتا رہا
 والذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلمہ اولئک لہم الا من وہم مہتدون اور ہونا ہی تھا اور کہیں گے کہ یہ سراسر جھوٹ ہی جو آپ بنا لیا
 ویخوفونک من دونہ ائمة الکفر ثبت یدہا اور ہم نے اپنے سلف صالح سے اسکو نہیں سنا۔ انکو کہہ کہ خدا تعالیٰ
 ابی لہب وتب ما کان لہ ان یدخل فیہا الا کچھ کی نہیں اور اسکے کاموں کی اس سے کوئی باز پرس نہیں
 خائفوا وما اصابکم کرسکتا کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہیں کیا اور وہ اپنے
 فمن اللہ الفتنۃ بندوں کے افعال و افعال کی باز پرس کرتا ہو اور مقرر یہ ہم لائے
 ھمنا فاصبر کما اولول پر رعب ڈال دیئے انکو کہدے کہ یہ نور اللہ تعالیٰ کی
 صبر اولوا العزم ۱۹۵ طرف سے آیا ہو اگر تم مومن ہو تو اس سے انکار مت کرو اور وہ
 انھا فتنۃ من اللہ لو کہہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ظلم کو نہیں ٹھایا اور پس
 لیحب حبا جما حباً کی حالت میں ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور انکو کھول کے پیشوا
 من اللہ العزیز اکرم تجھے ڈرائیئے ہلاک ہوئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے اور آپ بھی
 وفی اللہ اجرک ویرضی ہلاک ہوا اُسے نہیں چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں بلیری ہو اپنے تئیں
 عنک ربک ویتم اسمک داخل کرنا بلکہ ڈرتا اور کچھ تجھے لوگوں کی باتوں سے آزار پہنچے گا
 وان لم یعصمک من الناس وہ حقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اس جگہ کو ابی لہب کے
 فی عصمک اللہ من عندہ مراد ایسے لوگ ہیں کہ جو حقائقانہ تحریر میں کے لئے بغیر بغیر کا مل

۱۹۵

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَتَرَكَكَ
 حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ
 مِنَ الطَّيِّبِ وَعَسَى أَنْ
 تَكْرَهُوا شَيْئًا
 وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ
 وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ رَبِّ اغْفِرْ
 وَارْحَمْ مِنَ السَّمَاءِ
 رَبِّ اِنِّ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ
 اٰیٰی اٰیٰی لَمَّا سَبَقْتَنِی
 رَبِّ اِنِّیْ کَیْفَ تَحِی
 الْمَوْتٰی رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ
 فَرْدًا وَاَنْتَ خَیْرُ
 الْوَارِثِیْنَ رَبِّ نَا فَتَحِ
 بَیْنَنا وَبَیْنَ قَوْمِنَا
 بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ
 اٰثِقَاتِ حَیْنِ بَشَرٰی
 لَکَ یَا اَحْمَدٰی اَنْتَ
 مَرَادِیْ وَمَعٰی غَرَسْتُ
 کَرَامَتَکَ بَیْدِیْ اَنْتَ
 وَجِیْہَ فِی حَضَرَتِیْ

کے کھڑے ہو جائینگے اور لاتقوت مالمیس لک یہ علم کی نہی سے
 نہیں ڈریں گے اور احسن ظن کی پعا نہیں رکھیں گے اور متشابہات امر
 متنازعہ فیہ کو حوالہ بخدا نہیں کریں گے پھر فرمایا کہ جب لوگ مخالفت
 پر آمادہ ہو جائیں گے تو یہ ایک آزمائش کی جگہ ہوگی پس اسوقت تو صبر کر
 جیسا کہ اولوالعزم رسول صبر کرتے رہے ہیں یاد رکھ کہ میں جاننا اللہ
 آزمائش ہے تا وہ کامل طور پر تجھ سے محبت کرے یہ وہ محبت ہے جو
 خداوند غالب اور بہت بزرگ کی طرف سے تیرا اجر خدا دیکھا اور تیرا
 رب تجھ سے راضی ہوگا اور تیرا نام پورا کریگا اور خدا تجھے بجا بیگا اگرچہ
 لوگ تیرے بچانے سے دریغ ہی کریں اور خدا ایسا نہیں ہو کہ قبل اس کے
 جو خبیث اور طیب میں فرق کر کے دکھلائے تجھے چھوڑ دیوے اور ایسا
 ہو سکتا ہو کہ تم ایک امر کو جو تم پر وارد ہو کر وہ سمجھو اور تمہارے دل کو
 اچھانے لگے مگر دراصل وہ تمہارے لئے اچھا ہو اور خدا تعالیٰ حقیقت
 اسرار جانتا ہو اور تم نہیں جانتے اے میرے رب میرے گناہ بخش
 اور آسمان سے مجھ پر رحم نازل کر اور میرے لئے کھڑا ہو کہ میں مغلوب ہوں
 اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا یہ اشارہ اس
 مشابہت کی طرف ہے کہ جو اس عاجز کو حضرت مسیح سے ہو کیونکہ الٰہی الٰہی
 وعاد حقیقت مسیح نے اپنی تنگی کے وقت کی تھی اور پھر اس عاجز کی طرف سے
 خدا تعالیٰ نے الہامی طور پر یہ دعا ظاہر کی کہ مجھے دکھلا کہ تو کیونکر مردوں کی
 زندہ کرتا ہو (یہ بھی سچی مشابہت کی طرف اشارہ ہے) اور پھر اس عاجز کی طرف سے
 الہامی طور پر یہ دعا ظاہر کی کہ مجھے ایسا ملے چھوڑا اور تو خیر الوارثین میں مجھ میں اور
 میری قوم میں سچا فیصلہ کر تو خیر الفاتحین ہے اے میرے احمد تجھے بشارت ہو

اخترتك لنفسى شانك

مجيب و اجرتك قريب الارض

والسمااء معك كما هو معي

جری اللہ فی

حلل الانبياء

لا تحف انك انت الاعلى

ينصرك الله في مواطن ان

يوحي لفصل عظيم كتب الله

لا غلبن انا ورسلي الا ان

حزب الله هو الغلبون

تو میری مراد اور میرے ساتھ ہے میں نے تیری کرامت

کا درخت ثابت اور مستحکم کر دیا تو میری درگاہ میں وحی

میں نے تجھے اپنے لئے چنا تیری شان عجیب اور تیرا اجر

قريب ہے۔ تیرے ساتھ زمین و آسمان ایسا ہے جیسا کہ وہ

میرے ساتھ ہے۔ تو خدا کا پہلوان ہے نبیوں کے مخلوق میں

مت خوف کر کہ غلبہ تجھ کو ہے۔ خدا کی میدانوں میں تیری

مدد کرے گا۔ میرا دن بڑے فیصلہ کا دن ہے۔ میں نے

لکھ چھوڑا ہے کہ ہمیشہ میں اور میرے رسول ہی غالب

رہیں گے۔ یاد رکھ کہ خدا کا ہی گروہ غالب رہا کرتا ہے۔

یہ وہ الہامات ہیں جو براہین میں صفحات مذکورہ بالا میں ہم لکھ چکے ہیں۔ جو
صراحتاً و کتاتاً اس عاجز کے قیل موعود ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

ہاں براہین میں اس بات کا الہامی طور پر کچھ فیصلہ نہیں کیا گیا کہ حضرت مسیح ابن مریم
کے نزول کے جو لوگ منتظر ہیں کہ وہی مسیح عجیبشت سے نکل کر فرشتوں کے کنہوں پر ہاتھ
رکھے ہوئے آسمان سے زمین پر اتر آئیں گے اس کی اصل حقیقت کیا ہے بلکہ میں نے براہین
میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ
کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔

سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں۔
اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور جسمانی
دو نفل طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی
کی وجہ سے ہے جو علم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے

۱۹۷

۱۹۸

لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں پوتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے اسی وجہ سے ہمارے ہی صلے اللہ علیہ وسلم جب تک خدائے تعالیٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی تب تک اہل کتاب کی سنن و سنہ پر قدم مارنا باہتر جانتے تھے اور بروقت نزول وحی اور دریافت اہل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اسی لحاظ سے حضرت مسیح بن مریم کی نسبت اپنی طرف سے بلائیں میں کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ اب جو خدا تعالیٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا تو عام طور پر اس کا اعلان از بس ضروری تھا لیکن مجھے اگر کچھ افسوس ہے تو اس زمانہ کے اُن مولوی صاحبان پر ہے کہ جنہوں نے قبل اس کے جو میری تحریر پر غور اور غور کی نگاہ کریں رد لکھنے شروع کر دئے ہیں مصنفین اور محققین خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر حال کے بعض مولوی صاحبوں نے مجھے اپنی دیرینہ رائے کا مخالف ٹھہرایا ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت اتنی بڑی مخالفت نہیں ہے جس پر اتنا شور مچایا گیا۔ میں نے صرف شیل سیج ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف شیل ہو نامیرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی شیل سیج آجائیں ہاں اس زمانہ کے لئے میں شیل سیج ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سود ہے اور یہ بھی ظاہر رہے کہ یہ کچھ میرا ہی خیال نہیں کہ شیل سیج بہت ہو سکتے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کا بھی یہی منشاء پایا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا کے اخیر تک قریب تیس کے وصال پیدا ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تیس وصال کا آنا ضروری ہے تو حکم **لِکُلِّ دَجَالٍ عِيسَىٰ** تیس مسیح بھی آنے چاہئیں پس اس بیان کے رُو سے ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس کا حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت

کے ساتھ نہیں آیا درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جبکہ یہ حلال ہے تو پھر علماء کے لئے اشکال ہی کیا ہے ممکن ہے کہ کسی وقت اُن کی یہ مراد بھی پوری ہو جائے بل اُن کی یہ خاص مراد کشف و الہام و عقلا و فرقاناً مجھے پوری ہوئی نظر نہیں آتی کہ وہ لوگ سچ جی کسی دن حضرت مسیح ابن مریم کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں گے۔ سو انہیں اس بات پر ضد کرنا کہ ہم تب ہی ایمان لائیں گے کہ جب مسیح کو اپنی آنکھوں سے آسمان سے اُترتا ہوا مشاہدہ کریں گے ایک خطرناک ضد ہے اور یہ قیل اُن لوگوں کے قیل سے ملتا جلتا ہے جن کا خود ذکر اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ وہ حَتَّى نَرَى اللہَ جَهَنَّمَ کَتَمَہُ اور ایمان لانے سے بے نصیب رہے۔

اب میں نصیحتاً اللہ اپنے عزیز علماء کی خدمت میں صحیحین کی وہ حدیثیں عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی نسبت اُن کا یہ خیال ہے کہ اُن سے ہمارا دعویٰ مسیح ابن مریم کے آسمان سے اُترنے کا بخوبی ثابت ہوتا ہے اور جن پر زور مار کر وہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ انکو اپنے دعاوی کی اُن احادیث کی رو سے ڈگری ملتی ہے سو وہ حدیثیں مع ترجمہ کے ذیل میں لکھتا ہوں۔

ترجمہ

صحیح بخاری صفحہ ۴۹۰

والذی نفسی بیدہ
لیوشکن ان یسزل
فیکہ ابن مریم حکماً
عدلاً فیکسر الصلیب
ویقتل الخنزیر ویضع
الحرب کیف انتم اذ انزل
ابن مریم فیکم واما مکم منکم
یعنی تم ہو اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہو کہ تم میں ابن مریم
نازل ہوگا اور تمہارے ہر ایک کو مختلف فیہ کا عدالت کے ساتھ فیصلہ کریگا
اور باطل پرستوں کو الگ اور حق پرستوں کو الگ کر دیگا پس وہ اسی حکم
ہوئے گی جس کے صلیب کو توڑیگا اور خنزیر قتل کو ماریگا اور روز کے
جھگڑوں کا خاتمہ کر دیگا۔ تمہارا اُس دن کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم
تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہاری ایک
امام ہوگا اور تم میں سے ہی لائے آتی لوگو! پیدا ہوگا۔

یہاں تک بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ امام بخاری صاحب ا مامکم منکم کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے ہیں الحاصل تکفیل الاشارہ اب مسلم کی حدیث کا ترجمہ متوجہ ہو کر سنیں اور وہ یہ ہے ۔

ترجمہ

صحیح مسلم

وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الدَّجَالَ فَقَالَ إِنَّ يَخْرُجُ وَ إِيَّاكُمْ فَإِنَّا نَجِيحُ بِهِ دُونَكُمْ وَإِنَّ يَخْرُجُ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَكُلُّ أَمْرٍ وَحَاجِي حِجْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مَسْلَمٍ إِنَّهُ شَابٌ قَطَطٌ عَيْنُهُ طَافِيهِ كَأَنِّي أَشَبُّهُ بِعَبْدِ الْعِزَّى ابْنِ قُطَيْبٍ فَمَنْ أَدْرَاكُمْ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ

اور نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر میری زندگی میں دجال نکل آوے تو میں تمہارے سامنے اس سے جھگڑوں گا (یہ فقرہ آئندہ کی پیشگوئی کو جو ضرور سچ انجام دے گا نازل ہونے کے وقت دجال نکلے گا ضعیف کر تلے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل دجال کے نکلنے کو کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ تب ہی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسیاد پر بھی دجال ہونے کا گمان کیا تھا۔ اُس وقت سچ کہاں تھا؟ اور پھر فرمایا اگر دجال نکلا اور میں تم میں نہ ہوتا تو ہر ایک شخص اپنی ذات کو اُس سے لڑے گا یعنی دلائل عقلیہ و شرعیہ کے ساتھ۔ اور فرمایا کہ میرے بعد خدا نے تعالیٰ ہر ایک مسلمان پر میرا خلیفہ ہے اور پھر فرمایا کہ اس کے بال بہت مڑے ہوئے ہیں اور آنکھیں پھولی ہوئی گویا میں (عالم کشف میں) عبد العزیز ابن قطیب کے ساتھ اس کو تشبیہ دیتا ہوں۔

تشریح

اور نواس بن سمحان سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے وصال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر میری زندگی میں وصال نکل آوے تو میں تمہارے سامنے اس سے جھگڑوں گا یہ فقہ و آئندہ کی پیشگوئی کو جو ضرور سچ انجام کے نازل ہونے کے وقت وصال نکلے گا ضعیف کرتے ہیں بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وصال کے نکلنے کو کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ تب ہی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود پر بھی وصال ہونے کا گمان کیا تھا۔ اس وقت سچ کہاں تھا؟ اور پھر فرمایا اگر وصال نکلا اور میں تم میں نہ ہوتا تو ہر ایک شخص اپنی ذات کو اس سے لٹے گا یعنی دلائل عقلیہ و شرعیہ کے ساتھ۔ اور فرمایا کہ میرے بعد خدائے تعالیٰ ہر ایک مسلمان پر میرا خلیفہ ہے اور پھر فرمایا کہ اس کے بال بست مڑے ہوئے ہیں اور آنکھیں پھولی ہوئی گویا میں (عالم کشف میں) عبدالعزیز بن ابی قحط بن کے ساتھ اس کو تشبیہ دیتا ہوں۔

فشریح

مقامی قاری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کو خواب یا کشف کی حالت میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک مثالی عالم ہے اسلئے

روحانی شہیدہ بانی مانی اس تمام روایت کا صرف نو اس میں سنا ہے اور کوئی نہیں ہے یہ بات نہایت عجیب ہے کہ اس روایت کی نسبت اجماع صحابہ کا خیال کیا جاتا ہے اور متقریب علوم ہو گا کہ یہ اور روایتوں کے برخلاف ہے۔

انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فحات یمینا وعات شمالاً یاعباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ مالبتہ فی الارض قال اربعون یوماً

یوم کسنة ویوم کشر ویوم کجمعة و سائر ایامہ کا یا مکہ قلنا یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیہ صلوة یوم قال لا اقدر دالہ قدرہ قلنا یا رسول اللہ وما اشراعه فی الارض قل کالغیث استدبرته الريح فیاقی علی القوم فیدعوهم فیومنون بہ فیاہل السماء فتمطر والارض فتغبت فتروح علیہم سارحتہم الطول ما کانت

آنحضرت صلعم نے اس کا علیہ بیان کرنے کے وقت لفظ کافی یعنی گویا کا لفظ بتا دیا تا اس بات پر دلالت کر سکے کہ روایت حقیقی روایت نہیں بلکہ ایک امر تعبیر طلب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی پر صحاح سترہ کی بہت سی حدیثیں یقینی اور قطعی دلالت کر رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت عیسیٰ اور وہابی کی نسبت امور معلوم ہوئے تھے وہ حقیقت میں سب مکاشفات نبویہ تھے جو اپنے اپنے محل پر مناسب تاویل و تعبیر رکھتے ہیں انہیں میں سے یہ دمشق حدیث بھی ہے جو سلم نے بیان کی ہے جس کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس بیان پر کہ یہ تمام پیش گوئیوں مکاشفات نبویہ ہیں اور رؤیا صالحہ کی طرح بالانترام قرآن محتاج تعبیر ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات مقدسہ شاہد ناطق ہیں جیسا کہ یہ حدیث مندرجہ ذیل جو صحیحین میں درج ہے اور وہ یہ ہے۔

وعن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیتنی فی اللیلۃ عند الکعبۃ فرایت رجلاً آدم کاحسن ما انت رأی من آدم الرجال لہ لمۃ کاحسن ما انت رأی من اللہم قد رجّلہا فہی تقطر ماءً متکئاً علی عواتق رجلین یطوف بالبيت فسألت من ہذا فقالوا ہذا المسیح ابن مریم قال ثم اذا انا برجل جعد قططاً عوراً لعین الیمنی کان عینہ غبۃ طافیۃ کاشبہ من رأیت

۳۴

۳۵

ذریٰ واسبغہ ضرعاً و امده ثم
یا اقوم فیدعوهم فیردون
علیہ تولد فیمنہ منہم فیصیون
مخجنین لیس یا یدہم شیء
من اموالہم ویمر بالمخرتہ فیقول
لہا اخری کنوزک فتتبہ
کنوزہا کیہا سی^{۲۰۱} الغل ثم یاعور جلا
ممتلاً شیاً با فیضیہ بالسیف
فیقطع جزلتین رمیتا لخرن ثم
یدعوہ فیقبل ویتهلل وجہہ
یضحک فبینما ہو کذلک اذ یث
الکذا المسیح ابن مریم فینزل
عند المنارة البیضاء شرقی دمشق
بین مہزودتین واضعاً کفہ
علی اجنحتہ ملکین اذا طاطا
لا استقطم و اذا رفعہ تحدرد
منہ مثل جمان حکا للؤلؤ
فلایحل لکافر بعد من ریح^{۲۰۲}
نفسا کالمات و نفسینتہی
حیث یشقی طرفہ فیطلبہ حتی
یلد کہ بباب لد فیقتلہ

من الناس بابن قطن واضعاً یدہ علی منکب
رجلین یطوف بالبيت فسألت من هذا فقالوا
هذا المسیح الدجال متفق علیہ و فیروایۃ
قال فی الدجال رجل احمر جسیم جعد الراس
اعور العین الیمنی اقرب الناس بہ
شبهاً ابن قطن۔

یعنی عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج کی رات خواب میں یا ازراہ
مکاشفہ اپنے تئیں کعبہ کے پاس دیکھا اور وہاں مجھے ایک شخص
گندم گون نظر آیا جس کا رنگ گندم گون مردوں میں سے
اول درجہ کا معلوم ہوتا تھا اور اس کے بال ایسے صاف حلوم
ہوتے تھے کہ جیسے کنگھی کی ہوتی ہے اور اُن میں سے پانی پلکتا ہے
اور میں نے دیکھا کہ وہ ^{۲۰۱} شخص دو آدمیوں کے مونڈھوں پر بٹھکے
کر کے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ پس میں نے پوچھا
کہ یہ کون ہے تو مجھے کہا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہے پھر اُنسی
خواب میں ایک شخص پر میں گدلا جس کے بال مڑے ہوئے
تھے اور داہنی آنکھ اُس کی کافی تھی گویا آنکھ اُس کی انگور
ہے پھر حوالہ ہوا بے نور اُن لوگوں کی ہمت شاہ تھا جو میں
نے ابن قطن کے ساتھ دیکھے ہیں اور اس نے دونوں ہاتھ
دو شخصوں کے مونڈھوں پر رکھے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کر رہا
تھا اور میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہو لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

اب اس تمام حدیث پر نظر غور ڈال کر معلوم ہو گا کہ جو کچھ مطلق حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اشتعال اس حدیث میں درج ہیں اور غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ یہ میرا ایک کاشفہ یا ایک خواب ہے پس اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق و حلب حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں۔ درحقیقت وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خواب ہی ہے۔ جیسا کہ اس میں یہ اشارہ بھی کافی کا لفظ بیان کر کے کیا گیا ہے اور یہ حدیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاف اور صریح طور پر فرماتے ہیں کہ میرا یہ ایک کشف یا خواب ہے اس کو بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی صحیحین میں لکھا ہے اور علماء نے اس جگہ ایک اشکال پیش کر کے یہ لطیف طور پر اس کا جواب دیا ہے جو ہمارے دعویٰ کا ایسا مؤید ہے کہ گویا ہم میں اور ہمارے مخالفین میں فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو متفق علیہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے مسیح ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور پھر بعد اس کے فرماتے ہیں کہ ایسا ہی میں نے مسیح و جال کو بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اس بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم اور مسیح و جال کا مدعا و مقصد ایک ہی ہو اور وہ دونوں مراکب ستیم پر چلنے والے اور اسلام کے سچے تابع و مواعظ و حلالانہ دوسری حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلال خدائی کا دعویٰ کرے گا پھر اس کو خانہ کعبہ کے طواف کیا کام ہے۔ اس کا علم لانے یہ جواب دیا ہے کہ ایسے الفاظ و کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے یہ تو درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے پیرائے ہیں۔ یہاں تاں میں بھی کی تعبیر و تاویل کرنی چاہیے جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے سو اس کی تعبیر یہ ہے کہ طواف لغت میں گرد پھرنے کو کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزل کے وقت میں اشاعت دین کے کام کے گرد پھرنے لگے اور اس کا انجام پذیر ہو جانا چاہیں گے۔ ایسا ہی مسیح و جال بھی

اپنے ظہور کے وقت اپنے فتنہ اندازی کے کام کے گرد پھرتا اور اُس کا انجام پذیر ہو جاوے گا۔ اب کہاں ہیں وہ حضرات مولوی صاحبان جو ان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے معانی کو ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر و الحاد سمجھتے ہیں ذرہ ^{۲۰۹} اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ سلف صالح نے اس حدیث کے معنی کرنے کے وقت مسح و جال کے طواف کرنے کو ایک خواب کا معاملہ سمجھ کر کیسی اس کی تعبیر کر دی ہے جو ظاہر الفاظ سے بہت بعید ہے۔ پھر جس حالت میں لاپچار ہو کر اُن مکاشفات کی ایک جزو کی تعبیر کی گئی تو پھر کیا وجہ کہ باوجود موجود ہونے و تر اُن قویہ کے دوسری جزو ^{۲۱۰} کی تعبیر نہ کی جائے۔

دانش ہو کہ جس طرح ہمارے علماء نے مسح و جال کے طواف کو ایک کشفی امر سمجھ کر اُس کی ایک روحانی تعبیر کر دی ہے ایسا ہی خود جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات میں ظاہر فرمادیا کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے جب تک منجانب اللہ قطعی اور یقینی معنی اس کے معلوم نہ ہوں میں ظاہر پر حمل نہیں کر سکتا۔ مثلاً اس حدیث کو دیکھو جو صحیح بخاری کے صفحہ ۵۵ میں درج ہے اور وہ یہ ہے حدثنا معنی قال حدثنا

وہیب عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہا اریتک فی المنام مرتین اری انک فی سرقۃ من حریر ویقول ہذا امرأتک فاکشف عنہا فاذا ہی انت فاقول ان یناک ہذا من عند اللہ یمضہ یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ تو خواب میں مجھے دو دفعہ دکھائی گئی اور میں نے تجھے ایک ریشم کے ٹکڑے پر دیکھا اور کہا گیا کہ تیری عورت ہے اور میں نے اس کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تو ہی ہے اور میں نے کہا کہ اگر خدا ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے تجھے کسی طرف سے ہی تعبیر ہے جو میں نے سمجھی ہے تو ہو رہے گی یعنی خوابوں اور مکاشفات کی تعبیر ضرور نہیں کہ ظاہر پر ہی واقعہ ہو۔ کسی تو ظاہر پر ہی واقعہ ہو جاتی ہے اور کبھی غیبی ظاہر پر واقعہ میں آتی ہے سو اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی سچائی میں شک نہیں کیا کیونکہ نبی کی خواب تو ایک قسم کی وحی ہوتی ہے بلکہ اس کے طرز و وقوع میں تردید بیان کیا ہے کہ خدا جانے اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے وقوع میں آوے یا اُس کی اور کوئی تعبیر پیدا ہو اور اس جگہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے یہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو وحی کشف یا خواب کے ذریعے کسی نبی کو ہووے اس کی تعبیر کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ اسی صفحہ ۵۵ میں ایک دوسری حدیث میں ایسی غلطی کے بارہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے اور وہ یہ ہے قال ابو موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رايت فی المنام انی اہاجر من مکۃ الی ارض بہان خل فذهب وھلی الی انتھا الی مامۃ او ہجر فاذا ہی المدینۃ یترب یعنی ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جس میں کھجوریں ہیں پس میرا وہم اس طرف گیا کہ وہ کھجور یا ہجر ہو گا مگر آخر وہ مدینہ نکلا جس کو شرب بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

۵۵

۵۵

صاف طور پر فرسہ مار دیا کہ کشفی امور کی تعبیر میں انبیاء سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ان احادیث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید ابن مریم اور مسیح و جلال کی نسبت پیشگوئیاں فرمائی ہیں حقیقت میں وہ سب مکاشفات نبویہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مذکورہ بالا میں صریح اور صاف طور پر اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ان مکاشفات کو صرف ظاہر پر حمل نہ کر بیٹھنا ان کی روحانی تعبیر میں ہیں اور یہ سب امور اکثر روحانی ہیں جو ظاہری اشکال میں متحمل کر کے دکھلانے گئے ہیں مگر افسوس کہ ہمارے آج کل کے علماء ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا نہیں چاہتے اور خواہ مخواہ کشفی استعارات کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ عالم کشف میں بڑے بڑے عجائبات ہوتے ہیں اور رنگارنگ کی تخیلات دکھائی دیتی ہیں بعض اوقات عالم کشف میں ایسی چیزیں مجسم ہو کر نظر آ جاتی ہیں کہ دراصل وہ روحانی ہوتی ہیں اور بعض وقت انسان کی شکل پر کوئی چیز دکھائی دیتی ہے اور اصل وہ انسان نہیں ہوتا مثلاً زرارہ صحابی کا نعمان بن المنذر کو جو ایک عرب کا بادشاہ تھا تمام تر آرائش کے ساتھ خواب میں دیکھنا اور اس کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد ملک عرب ہے جو پھر اپنی زینت اور آرائش کی طرف عود کر آیا ہے یہ صریح اس بات کی دلیل ہے کہ کشفی امور میں کہیں کی کہیں تعبیر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اس عاجز کو بھی اس بات کا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض اوقات خواب یا کشف میں روحانی امور جسمانی شکل پر متعطل ہو کر مثل انسان نظر آ جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد صاحب غفرلہ جہا یک معزز رئیس اور اپنی نواح میں عزت کے ساتھ مشہور تھے انتقال کر گئے تو ان کے فوت ہونے کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ایک عورت نہایت خوبصورت خواب میں نے دیکھی جس کا علیہ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس نے بیان کیا کہ میرا نام رانی ہے اور مجھے اشارت سے کہا کہ میں اس گھر کی عزت اور وجاہت ہوں

اور کہا کہ میں چلنے کو تھی مگر تیرے لئے رہ گئی۔ انہیں دونوں میں میں نے ایک نہایت خوبصورت مروجہ کھاجا اور میں نے اُسے کہا کہ تم ایک عجیب خوبصورت کھاجی ہو تب اس نے اشارہ میسر سے پر ظاہر کیا کہ میں تیرا بخت، بیدار ہوں اور میرے اس سوال کے جواب کہ تو عجیب خوبصورت آدمی ہے اس نے بہر جواب دیا کہ میں دشمنی آدمی ہوں اور ابھی تھوڑے دن گزرے کہ ایک مدقوق اور قریب الموت انسان مجھے دکھائی دیا اور اس نے ظاہر کیا کہ میرا نام دین محمد ہے اور میرے محل میں ڈالا گیا کہ یہ دین محمدی ہے جو مجسم ہو کر فقط آیا ہے اور میں نے اس کو تسلی دی کہ میرے ہاتھ سے شفا پا جائے گا علی ہذا اھیاس کبھی اعمال نیک یا بد بھی اشکال جسمانیہ میں نظر آجایا کرتے ہیں اور قبر میں اعمال کا متشکل ہو کر نظر آنا عام عقیدہ مسلمانوں کا ہے اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر میں اشخاص مرئیہ کے ناموں سے اشتقاق خیر یا شر کا کر لیا کرتے تھے۔

اب پھر ہم دمشق حدیث کے بقیہ ترجمہ کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے اس کو یعنی وصال کو پاوے تو چاہیے کہ اس کے سامنے سورہ کف کی پہلی آیتیں پڑھے کہ اس میں اس کے فتنہ سے امان ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اصحاب کف کی طرح استقامت اختیار کرے کیونکہ ان آیتوں میں اُن لوگوں کی استقامت کا ہی ذکر ہے جو ایک مشرک بادشاہ کے ظلم سے ڈر کر ایک غار میں چھپ گئے تھے (اے میرے دوستو! اب تم بھی ان آیات کو پڑھا کر وہ کہتے ہیں کہ وصال تمہارے سامنے ہیں) پھر فرمایا رسول نبی اُمّی نے فداء لکھ آؤنی کو اُمّی کہ وصال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور دائیں بائیں فساد ڈال دے گا (یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ مکاشفات میں عام استعارات و کنایات ہوا کرتے ہیں) پھر بعد اس کے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم نے اُس وقت ثابت قدم رہنا جیسے اصحاب الکھف ثابت قدم رہے تھے۔ راوی کہتا ہے

کہ یا رسول اللہ کس مدت تک و قیل دنیا میں ٹھہرے گا تو آپ نے فرمایا کہ چالیس دن لیکن
تشریح السنہ میں اسناد بنت یزید سے روایت ہے کہ چالیس برس ٹھہریگا مگر درحقیقت
ان روایات میں کسی قسم کا اختلاف یا تناقض نہیں سمجھنا چاہیئے اور اس بات کا علم حوالہ بخدا
کرنے چاہیئے کہ ان چالیس دن یا چالیس برس سے کیا مراد ہے

اور مسلم کی حدیث کا بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ و قیل کا ایک دن برس کے برابر ہوگا اور ایک
دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر باقی دن معمولی دنوں کے موافق رہے
سب استعارات و کنایات ہیں پھر راوی کہتا ہے کہ ہم نے عرض کی کہ کیا اُن لمبے دنوں
میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ نماز کے وقتوں کے مقدار
پر اندازہ کر لیا کرنا واضح ہو کہ یہ بیان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا علی سبیل احتمال ہے یعنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لحاظ وسعت قدس الہی کشفی امر کو مطابق سول مسائل کے
ظاہر و محمول کر کے جواب دے دیا ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث عائشہ
رضی اللہ عنہا میں جو بخاری کے صفحہ ۱۵۵ میں درج ہے صاف طور پر تصریح فرما چکے ہیں کہ
مکاشفات کی تعبیر کبھی تو ظاہر و کبھی غیب ظاہر و وقوع میں آجایا کرتی ہو اور درحقیقت
یہی مذہب تمام انبیاء و اولیاء کا آج تک چلا آیا ہے سو یہ جواب جو نمازوں کا اندازہ کر لیا
کرنا آپ نے فرمایا یہ سائل کے فہم اور استعداد اور رجوع خصال کے موافق بر طبع

بے خوف سے مراد تکلیف اور مصیبت کے دن بھی ہوتے ہیں بعض مصیبتیں ایسی دردناک ہوتی ہیں کہ ایک دن
ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتیں ایسی کہ ایک دن ایک مہینہ کی مانند معلوم ہوتا ہو
اور بعض مصیبتوں میں ایک دن ایک ہفتہ جیسا لگتا سمجھا جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو جاتا ہے
وہی بے دن معمولی دن دکھائی دینے لگتے ہیں اور صبر کرنے والوں کے لئے آخر وہ گھٹائے جاتے ہیں
عرض یہ ایک استعارہ ہے اس پر غور کرو کہ درحقیقت یہ لمبے دن ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے فرمایا
تھا کہ میری بوجہوں میں سے پہلے وہ قوت ہوگی جس کے اتنے لمبے ہیں۔ منہ

تکلموا الناس علی قدر عقولہم کے دیا گیا ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کشتی بھر کو جب تک خدائے تعالیٰ خاص طور پر ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری مخلوق تک محدود نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ احادیث میں یہ طریق اور علت نبویہ مقدسہ ثابت ہو رہی ہے۔

پھر راوی کہتا ہے کہ ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ و قال کس عذر جلد زین پر چلیگا اور اس کے جلد چلنے کی کیفیت کیا ہے تو اپنے فرمایا کہ اُس مینہ کی طرح تیز چلے گا جس کے پیچھے ہوا ہو یعنی ایک دم میں ہزاروں کو س پھر جائے گا اور ایک قوم پر گذر کر ان کو اپنے دین کی طرف دعوت کرے گا اور وہ اُس پر ایمان لے آویں گے تب وہ باطل کو حکم کریگا تا ان کے لئے مینہ برساوے اور زمین کو حکم کرے گا تا ان کے لئے کھیتیاں اگادے۔ (یہ سارے استعارات ہیں جو شیار ہو دھوکہ نہ کھانا) پھر فرمایا کہ ایسا ہوگا کہ وقت پر بارشیں ہونے کی وجہ سے جو مویشی صبح چرنے کے لئے جاویں گے وہ شام کو ایسے تازہ و توانا ہو کر آئیں گے کہ بوجہ فرہی کو بان ان کی درواز ہو جائیں گی اور پستان دودھے بھر جائیں گے اور باعث بہت شیر شرم ہونے کے کو گیس کچی ہوئی ہوں گی۔

پھر و قال ایک اور قوم کی طرف جائے گا اور اپنی الو بہت کی طرف ان کو دعوت کو دے گا پھر وہ لوگ اُس کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے اور اُس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ سو و قال ان سے بارش کو روک لے گا اور زمین کو کھیتی نکالنے سے بند کر دے گا اور وہ قحط کی بلا میں مبتلا ہو جائیں گے اور کھانے پینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ پھر و قال ایک ویرانہ پر گذرے گا اور اس کو کہیگا کہ اپنے خرافوں کو نکال۔ تب فی الغروب خزانے اُس ویرانہ سے نکل کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے اور ایسے اُس کے پیچھے چلیں گے جیسے شہر کی مکھیاں اُس بڑی مکھی کے پیچھے چلتی ہیں جو ان کی سردار ہوتی ہے۔ پھر و قال ایک شخص کو بلانے کا بولہ بنی جوانی میں بھرا ہوا ہوگا اور اُس کو تلوار سے قتل کر دے گا اور اُس کے دو ٹکڑے کر کے شیر کی مار پر ملیں دے پھینک دے گا پھر اس کی لاش کو ٹٹانے کا

تب وہ شخص زندہ ہو کر ایک روشن اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کی الوہیت سے انکار کرے گا سو وہ جالِ اسی قسم کی گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوگا کہ ناگہاں سچ ابن مریمؑ ظاہر ہو جائے گا اور وہ ایک منارہ سفید کے پاس دمشق کے شرقی طرف اترے گا مگر ابن ماجہ کا قیل ہے کہ بیت المقدس میں اترے گا اور بعض کہتے ہیں کہ نہ بیت المقدس اور نہ دمشق بلکہ ^{مشرق} مسلمانوں کے لشکر میں اترے گا جہاں حضرت ہدیٰ ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ جس وقت وہ اترے گا اُس وقت اس کی زرد پوشاک ہوگی یعنی زرد رنگ کے دوپٹے اُس نے پہنے ہوئے ہوں گے (یہ اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اُس کی صحت کی حالت اچھی نہیں ہوگی) اور دونوں تفصیلی اُس کی دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہوں گی۔ مگر بخاری کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مریمؑ کو بجائے دو فرشتوں کے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کرتے دیکھا۔ پس اس حدیث کے نہایت صفائی سے یہ بات کھلتی ہے کہ دمشق حدیث میں جو دو فرشتے لکھے ہیں وہ دراصل وہی دو آدمی ہیں کہ دوسری حدیث میں بیان کئے گئے ہیں اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسیح کے مددگار اور انصار ہو جائیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ جس وقت مسیح اپنا سو جھکائے گا تو اُس کے پسینہ کے قطرات ترشح ہوں گے اور جب اوپر کو اٹھائے گا تو بالوں سے قطرے پسینہ کے چاندی کے دانوں کی طرح گریں گے جیسے موتی، جوتے ہیں اور کسی کافر کے لئے ممکن نہیں ہوگا کہ اُن کے دم کی ہوا پا کر جیتا رہے بلکہ فی الفور مر جائے گا اور دم اُن کا اُن کی حدِ نظر تک پہنچے گا۔ پھر حضرت ابن مریمؑ جلال کی تلاش میں لگیں گے اور لڑکے دروازہ پر جو بیت المقدس کے دیوہات میں ہوا ایک گاؤں ہے اس کو جا پکڑیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ مقت توجمۃ الحدیث۔ یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر میں محمد شمیم

امام محمد اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے اس جگہ حیدرانی کا یہ مقام ہے کہ جو کچھ وجہل کمال کے صفات اس حدیث میں لکھے گئے ہیں اور جس طرح اس کے آنے کی خبر تلی گئی ہے یہ بیان دوسری حدیثوں کے بیان سے بالکل منافی اور مبہوت اور مخالف پایا جاتا ہے کیونکہ صحیحین میں یہ حدیث بھی ہے وعن محمد بن المنکدر قال رايت جابر بن عبد الله يخلف بالله ان ابن صياد الدجال قلت تخلف بالله قال اني سمعت عمر يخلف على ذالك عند النبي صلى الله عليه وسلم فلم ينكره النبي صلى الله عليه وسلم متفق عليه اور ایک دوسری حدیث یہ بھی ہے عن نافع قال كان ابن عمر يقول والله ما أشك ان المسيح الدجال ابن صياد رواه ابو داود والبيهقي في كتاب البعث والنشور

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد بن منکدر تابعی سے روایت ہے کہ کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو دیکھا کہ خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال مہو ہے اور محمد بن منکدر کہتا ہے کہ میں نے جابر کو کہا کہ کیا تو خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے یعنی یہ اس تو ظنی ہے نہ یقینی پھر قسم کیوں کھاتا ہے۔ جابر نے کہا کہ میں نے عمر کو بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بارہ میں قسم کھاتے سنا یعنی عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم کھا کر کہا کرتا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال مہو ہے۔ پھر دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر کہتے تھے کہ مجھے قسم ہے اللہ کی کہ میں ابن صیاد کے مسیح دجال ہونے میں شک نہیں کرتا۔ پھر ایک اور حدیث میں جو شرح السنن میں لکھی ہے یہ فقرہ درج ہے لم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم مشفقاً انه هو دجال یعنی ہمیشہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف میں تھے کہ ابن صیاد دجال ہو گا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ گمان غالب ہی رہا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ اب جبکہ خاص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بیان سے ثابت ہو گیا ابن صیاد ہی دجال مہو ہے بلکہ صحابہ نے

قسمیں کھا کر کہا کہ یہی دجال معبود ہے تو کیا اس کے دجال معبود ہونے میں کچھ شک رہ گیا ہے۔ اب ابن صیاد کا حال سنئے کہ اس کا انجام کیا ہوا سو یہ مسلم کی حدیث سے واضح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے و عن ابی سعید الخدری قال صحبت ابن صیاد الی مکة فقال لی ما لقیتم من الناس یرزعمون انی الدجال الست سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ لا یولد لہ وقد ولد لی الیس قد قال وہو کافر وانا مسلم اولیس قد قال لا یدخل المدینة ولا مکة وقد اقبلت من المدینة وانا ارید مکة اور ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے بھراہی ابن صیاد کے معزز مکہ سفر کیا تب اُس سفر میں ابن صیاد نے مجھ کو کہا کہ لوگوں کی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان باتوں سے مجھے بہت ایذا پہنچتی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ دجال مسعود میں ہی ہوں اور تم جانتے ہو کہ اصل حقیقت اس کے برخلاف ہے تو نے سنا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجال لا ولد یریک اور میں صاحب اولاد ہوں اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دجال کافر ہو گا اور میں مسلمان ہوں اور فرمایا تھا کہ دجال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو سیکے گا اور میں مدینہ سے تو آیا ہوں اور مکہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔

اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ بعض صحابہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے اور صحیحین میں بروایت جابر لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قسم کھانے پر کہ دجال معبود ہی شخص ہے خاموشی اختیار کر کے اپنی رائے ظاہر کر دی کہ درحقیقت دجال معبود ابن صیاد ہی تھا اور صحیح مسلم میں ابن صیاد کا مشرف باسلام ہونا

ابن صیاد کا یہ بیان کہ لوگ مجھے دجال معبود سمجھتے ہیں صاف دلیل اس بات پر ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو دجال معبود سمجھتے تھے نہ کوئی اور دجال اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معبود ہے۔ منہ لا

اور صاحب اولاد ہونا اور مکہ اور مدینہ میں جانا بوضاحت تمام لکھا ہے اور نہ صرف یہی بلکہ انہی حدیثوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا اور اس پر نماز پڑھی گئی اب ہر ایک منصف بنظر انصاف دیکھ سکتا ہے کہ جن کتابوں میں دجال کے آخری زمانہ میں ظاہر ہونے اور حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے مارے جانے کی خبر لکھی ہے انہیں کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا موجود ہے کہ دجال معہوداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی ظاہر ہو گیا تھا اور مشرف باسلام ہو کر فوت ہو گیا تھا اور اس کا مشرف باسلام ہونا بھی از روئے اس پیشگوئی کے ضروری تھا جو بخاری اور مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہلے یہ ایک خواب کے بیان ہو چکی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو عالم رویا میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا تھا۔ بہر حال جبکہ انہیں حدیثوں میں دجال معہود کا اس طرح پر فیصلہ کیا گیا ہے تو پھر دوسری حدیثوں پر جو ان کی ضد واقع ہیں کیونکر اعتبار کیا جائے۔ ہاں اگر علماء اہل حدیثوں کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری صحیح و موضوع ٹھہرا کر خارج کر دیں تو البتہ ان کے دعویٰ کے لئے ایک بنیاد پیدا ہو سکتی ہے ورنہ اذا تھا عرضا تستاقط اعمر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط از اعتبار کرنا چاہیئے اور اس مقام میں زیادہ تر تعجب کی یہ جگہ ہے کہ امام مسلم صاحب تو یہ لکھتے ہیں کہ دجال معہود کی پیشانی پر ک ف رکھا ہوا ہو گا مگر یہ دجال تو انہیں کی حدیث کی رو سے مشرف باسلام ہو گیا پھر مسلم صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال معہود باطل کی طرح جس کے پیچھے ہوا ہوتی ہے مشرق مغرب میں پھر جائے گا مگر یہ دجال تو جب مکہ سر مدینہ کی طرف گیا تو ابی سعید سے کچھ زیادہ نہیں چل سکا جیسا کہ مسلم کی حدیث سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی کسی نے اس کی پیشانی پر ک ف رکھا ہوا نہیں دیکھا۔ اگر ابن صیاد کی پیشانی پر ک ف رکھا ہوا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے سے کیوں منع کرتے اور کیوں فرماتے کہ ہمیں اس کے حال میں ابھی

اشتبہا ہے اگر یہی دجال معبود ہے تو اس کا صاحب عیسیٰ بن مریم ہے جو اسے قتل کرے گا
ہم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ تعجب تو یہ ہے کہ اگر ابن صیاد کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوا
نہیں تھا تو اس پر شک کرنے کی کیا وجہ تھی اور اگر لکھا ہوا تھا تو پھر اس کو دجال معبود یقین
نہ کرنے کا کیا سبب تھا لیکن دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر اس پر یقین کیا
گیا کہ یہی دجال معبود ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اب اس میں
شک نہیں کہ یہی دجال معبود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخر یقین کر لیا
مگر یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ دجال کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوا
ہوگا تو پھر اوائل دنوں میں ابن صیاد کی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں شک اور
تردد میں رہے اور کیوں یہ فسرہ پایا کہ شاید یہی دجال معبود ہو اور یا شاید کوئی اور ہو۔ گمان
کیا جاتا ہے کہ شاید اس وقت تک ک۔ف۔ر اس کی پیشانی پر نہیں ہوگا۔ میں سخت متعجب اور حیران
ہوں کہ اگر صحیح دجال معبود آخری زمانہ میں پیدا ہونا تھا یعنی اس زمانہ میں کہ مسیح بن مریم
ہی آسمان سے اتریں تو پھر قبل از وقت یہ شکوک اور شبہات پیدا ہی کیوں ہوئے اور زیادہ تر
عجیب یہ کہ ابن صیاد نے کوئی ایسا کام بھی نہیں دکھایا کہ جو دجال معبود کی نشانیں میں سے سمجھا جاتا
یعنی یہ کہ ہشت اور دوزخ کا ساتھ ہونا اور خسراول کا پیچھے پیچھے چلنا اور مردوں کا زندہ کرنا
اور اپنے حکم سے مینہ کو برساتنا اور کھیتوں کو اگانا اور شراب کے گدھے پر سوار ہونا۔

اب بڑی مشکلات یہ درپیش آتی ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح
سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں اور
اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے اگر متعارض و متناقض
حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحین میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں میں
کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے مگر اب
مشکل تو یہ پڑی ہے کہ انہیں دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسموں کی حدیثیں موجود ہیں۔

اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو صحیح سمجھیں تب عقل خدا داد ہم کو یہ طریق فیصلہ کابستلائی ہو کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں کو صحیح سمجھنا چاہیے سوا اس طریق فیصلہ کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کے حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اُس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنہ میں پڑتے تھے لیکن بعد اس کے خدا داد ہدایت سے وہ مشرف باسلام ہو گیا اور شیطانی طریق سے نجات پا گیا اور مسیحاؑ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اُسے دیکھا تھا ایسا ہی اُس نے طواف بھی کر لیا اور اُس کے معاملہ میں کوئی ایسا امر نہیں جو تائید قدرت اور عقل سے باہر ہو اور نہ اُس کی تعریف میں ایسا غلو کیا گیا ہے جو شرک میں داخل ہو لیکن جب ہم اُن دوسری حدیثوں کو دیکھتے ہیں جو دجال مہمود کے ظاہر ہونے کا وقت اس دنیا کا آخری زمانہ بتلاتی ہیں تو وہ سراسر ایسے مضامین سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں کہ جو نہ عند العقل درست و صحیح ٹھہر سکتی ہیں اور نہ عند الشرع اسلامی توحید کے موافق ہیں چنانچہ ہم نے قسم ثانی کے ظہور و جلال کی نسبت ایک لمبی حدیث مسلم کی لکھ کر مع اُس کے ترجمہ کے ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے ناظرین خود پڑھ کر سوچ سکتے ہیں کہ کہاں تک یہ اوصاف جو دجال مہمود کی نسبت لکھے ہیں عقل اور شرع کے مخالف پڑے ہوئے ہیں یہ بات بہت صاف اور روشن ہے کہ اگر ہم اس مشقی حدیث کو اُس کے ظاہری معنوں پر حمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خداوند رسول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہو گا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور زمین و آسمان اُس کا کہا مانیں گے اور خدائے تعالیٰ کی طرح فقط اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا جائے گا یا رشتہ کو کیہ گا ہو تو ہو جائے گی بادلوں کو حکم دے گا کہ

فلان ملک کی طرف چلے جاؤ تو فی الفور چلے جائیں گے زمین کے بخارات اس کے حکم سے
 آسمان کی طرف اٹھیں گے اور زمین گو کیسی ہی کڑو شور ہو فقط اس کے اشارہ سے عمدہ
 اور اقل درجہ کی زراعت پیدا کرے گی۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ
 اِسْمَاۓِیْلُوہُ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فِیْکُوْنُ۔ اسی طرح وہ بھی
 کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائے گا۔ مارنا زندہ کرنا اُس کے اختیار میں ہوگا بہشت
 اور دوزخ اُس کے ساتھ ہوں گے۔ غرض زمین اور آسمان دونوں اُس کی منہی میں آجائیں گے
 اور ایک عرصہ تک جو چالیس برس یا چالیس دن ہیں، بخوبی خدائی کا کام چلائے گا اور
 الوہیت کے تمام اختیار و اقتدار اُس سے ظاہر ہوں گے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ مضمون جو اس حدیث کے ظاہر لفظوں سے نکلتا ہے اس
 موحدانہ تعلیم کے موافق و مطابق ہے جو قرآن شریف میں دیتا ہے کیا صدا آیات قرآنی
 ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ ناطق نہیں سناتیں کہ کسی زمانہ میں بھی خدائی کے اختیارات
 انسان یا لکۃ الذرات باطلۃ الحقیقت کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ مضمون ظاہر پر حمل کیا
 جائے تو قرآنی توحید پر ایک سیاہ دھبہ نہیں لگاتا؟ تعجب کہ ایک طرف ہمارے
 بھائی موحدین اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم نے شرکے بکلی کنارہ کیا ہے اور دوسرے
 لوگ مشرک اور بدعتی اور ہم موحد اور متبع سنت ہیں اور ہر ایک کے آگے بحال فخر
 اپنے اس موحدانہ طریق کی ستائش اور تعریف بھی کرتے ہیں پھر ایسے پر شرک اعتقالات
 اُن کے دلوں میں جمے ہوئے ہیں کہ ایک کافر حقیر کو الوہیت کا تمام تخت و تاج سپرد
 کر رکھا ہے اور ایک انسان ضعیف البنیان کو اپنی عظمتوں اور قدر قیوں میں خدائے تعالیٰ
 کے برابر سمجھ لیا ہے۔ اولیاء کی کرامات سے منکر ہو بیٹھے مگر وہ جال کی کرامات کا کلمہ پڑھ
 رہے ہیں اگر ایک شخص انہیں کہے کہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے
 بارہ برس کے بعد کشتی غرق ہوئی ہوئی زندہ آدمیوں سے بھری نکالی تھی اور ایک دفعہ

ملک الموت کی ٹانگ توڑ دی تھی اس غصہ سے کہ وہ بلا اجازت آپ کے کسی مرید کی بیعت نکال کر لے گیا تھا تو ان کلماتوں کو ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ ایسی مناجاتوں کے پڑھنے والوں کو مشرک بنائیں گے لیکن وہ بال طعون کی نسبت کھلے کھلے طور پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملک الموت کیا تمام ملائک اور سارے فرشتے زمین و آسمان کے جوافتاب اور ماہتاب اور بادلوں اور ہواؤں اور دریاؤں وغیرہ پر موقوف ہیں سب اس کے حکم کے تابع ہو جائیں گے اور بکمال اطاعت اس کے آگے سجدہ میں کریں گے۔ سوچنا چاہیے کہ یہ کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے؟ افسوس کہ ان لوگوں کے دلوں پر کیسے پڑے پڑے گئے کہ انہوں نے استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے ایک طوفان شرک کا ہرپا کر دیا ہے اور باوجود قرآنِ قویہ کے ان استعارات کو قبول کرنا نہ چاہا جنہی حمایت میں قرآنِ کریم شمشیر برہنہ توحید کی لے کر کھڑا ہے۔

افسوس کہ اکثر لوگ خشک تلاؤں کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایسے مضامین کو ظاہر و حمل کرنے سے کیا کیا خرابیاں پھیلیں گی وہ رسولِ کریم (مادر و پدرم فدائے اوباد) جس نے ہمیں لا الہ الا اللہ سکھا کر تمام غیر اللہ کی طاقتیں ہمارے پیروں کے نیچے رکھ دیں اور باک زیر دست معبود کا دامن پکڑا کہ ہماری نظر میں ماسوا کا قدر ایک مرے ہوئے کپڑے سے بھی کمتر کر دیا کیا وہ مقدس نبی ہمارے ڈرنے کو آخری زمانہ کے لئے یہ ہوتا چھوڑ گیا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ وہ موحّدوں کا بادشاہ جس نے ہماری رگ وریشہ میں ہمیشہ کے لئے یہ دھنسا دیا کہ اتنی طاقتیں کسی مخلوق میں آہی نہیں سکتیں کیا وہ اپنی متواتر تعلیموں کے برخلاف ہمیں ایسا سبق دینے لگا؟ سولہ صحاہ یولقینا سمجھو کہ اس حدیث اور ایسا ہی اس کی کشاکش کے ظاہر ہی سے ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اور قرآنِ قویہ ایک شمشیر برہنہ کی طرح اس کو چھ کی طرف جلنے سے روک رہے ہیں بلکہ یہ تمام حدیث ان مکاشفات کی قسم میں سے ہے جن کا لفظ لفظ تعبیر کے لائق ہوتا ہے جیسا کہ

میں ایک دوسری مسلم کی حدیث لکھ کر ابھی ثابت کر آیا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اقرار اس بات کا فرماتے ہیں کہ یہ سب بیانات میرے مکاشفات میں سے ہیں اور اس دمشق حدیث میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافی کا لفظ موجود ہو وہ بھی باواز بلند پکارا ہے کہ یہ سب باتیں عالم رویا اور کشف میں سے ہیں جن کی مناسب طور پر تاویل ہونی چاہیئے چنانچہ علامہ علی قاری نے بھی یہی لکھا ہے اور خدا تعالیٰ کا قانون قدرت جو موافق آیت کریمہ خلق الانسان ضعیفاً انسان کی کمزوری پر شاہد مطلق ہے کسی آدم زاد کے لئے ایسی قوت و طاقت تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ہوا کی طرح ایک دم میں مشارق و مغایب کا سیر کر سکے اور آسمان کے سب اجرام اور زمین کے سب ذرات اس کے تابع ہوں۔ تعجب کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مضمون اس حدیث کا از قبیل کشف و رویائے صالحہ ہے یعنی قابل تعبیر ہے تو پھر کیوں خواہ سخاوت اس کے غلط ہر معنوں پر رد و ڈالا جاتا ہے اور کیوں خوابوں کی طرح اس کی تعبیر نہیں کی جاتی؟ یا کشف و متشابہ کی طرح اس کی حقیقت حوالہ بخدا نہیں کی جاتی؟ زکریا کی کتاب کو دیکھو جو ملائی سے پہلے ہے کہ کس قدر اس میں اسی قسم کے مکاشفات لکھے ہیں مگر کوئی دانشمند انکو شاہر پر حمل نہیں کرتا۔ ایسا ہی حضرت یعقوب کا خدا تعالیٰ کے کشتی کرنا جو قریت میں لکھا ہے کوئی عقلمند اس کشف کو حقیقی معنی پر حمل نہیں کر سکتا۔

سوائے بھائیو! میں محض نصیحتاً شہر پوری ہمدردی کے جوش سے جو مجھے آپ کے اور اپنے پیارے دین اسلام سے ہے آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں اور سخت غلطی کر رہے ہیں کہ محض تحکم کی وجہ سے مکاشفات نبویہ کو وصف ظاہری الفاظ پر محدود خیال کر بیٹھے ہیں یقیناً سمجھو کہ ان باتوں کو حقیقت پر حمل کرنا گویا اپنی ایمانی عمارت کی اینٹیں اکھیرٹا ہے۔ میں متعجب ہوں کہ اگر آپ استعارات کو قبول نہیں کر سکتے تو کیوں ان امور پر ترازیم کی تفسیر کو حوالہ بخدا نہیں کرتے اس میں آپ کا

یا آپ کے دینی بوش کا کیا حرج ہے؟ کس نے آپ پر زور ڈالا ہے یا کب اور کس وقت آپ کو رسول کریم کی طرف سے ایسی تاکید کی گئی ہے کہ ضروری سے الفاظ کو حقیقت پر ہی حمل کرو؟

آپ صاحبوں کا یہ عذر کہ اس پر اجماع سلف صالح ہے یہ ایک عجیب عذر ہے جس کے پیش کرنے کے وقت آپ صاحبوں نے نہیں سوچا کہ اگر فرض کے طور پر اجماع بھی ہو جو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا پھر بھی ظاہری الفاظ پر اجماع ہو گا نہ یہ کہ فرد فرد نے حلف اٹھا کر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سے جو ظاہری معنی نکلتے ہیں وہ حقیقت وہی مراد ہیں۔ اُن بزرگوں نے تو ان احادیث کو امانت کے طور پر پہنچا دیا اور ان کی اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے رہے۔ اجماع کی تممت اُن بزرگوں پر کس قدر بے اصل تممت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع تو ایک طرف اس قسم کی حدیثیں بھی عام طور پر صحابہ میں نہیں پھیلیں تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہوتا کہ دجال معبود آخری زمانہ میں نکلے گا اور حضرت مسیح اس کو قتل کریں گے تو پھر حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کیوں قسم کھا کر کہتے کہ دجال معبود ہونے والا تھا وہ یہی ابن مسیاد ہے جو آخر مشرف باسلام ہو کر مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا؟ بھائیو! یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں لکھی ہے اور ابو داؤد اور بیہقی میں بھی ناخ کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ مجھے اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ مسیح دجال ہی ابن مسیاد ہے۔ بھلا اس موخر الذکر حدیث کو جانے دو کیونکہ یہ ایک صحابی ہیں ممکن ہو کہ انہوں نے غلطی کی ہو۔ لیکن اُس حدیث کی نسبت کیا عذر پیش کرو گے جس کو ابھی میں ذکر کر چکا ہوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود جناب رسالت ابی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

حضور میں قسم کھا کر کہا تھا کہ دجال محمود ہی ابن صیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چُپ رہنے اور انکار نہ کرنے کی وجہ سے اُس قسم پر مہر لگا دی اور حضرت عمرؓ کے خیال سے اپنا اتفاق رائے کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ جلتے ہو کہ صحابہ میں کس قدر بڑا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہو جایا کرتا تھا اور ان کے حق میں یہ حدیث ہے کہ شیطان عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا ہے دوسری یہ حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ تیسری یہ حدیث ہے کہ پہلی امتوں میں محدث مہوتے ہی ہیں اگر اس اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ اب سوچو اور خیال کرو کہ نواس بن معان کو پایہ عالیہ عمرؓ سے کیا مناسبت ہے؟ جو فہم قرآن اور حدیث کا حضرت عمرؓ کو دیا گیا تھا اُس سے نواس کو کیا نسبت ہے؟ ماسوا اس کے یہ حدیث متفق علیہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے لکھی ہے اور نواس کی دمشق حدیث جس میں دجال کی تعریفیں خلافت عقل و خلافت توحید درج ہیں صرف مسلم میں لکھی گئی ہے ماسوائے اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ انکار نہ کرنا اس بات کا فیصلہ دیتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اور نیز صحابہ کرام کی نگاہ میں دجال محمود ابن صیاد ہی تھا اور حدیث شرح السنہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ اور مدت العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پٹی اُمت پر اسی بات سے ہر اسان تھے کہ ابن صیاد دجال محمود ہے اب جبکہ ابن صیاد کا دجال محمود ہونا ایسے قطعی اور یقینی طور سے ثابت ہو گیا کہ اس میں کسی طور کے شک و شبہ کو راہ نہیں تو اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ دجال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو کر اور مشرف باسلام ہو کر اور آخر مدینہ میں فوت بھی ہو گیا تو حضرت حج کے ہاتھ سے جن کے آنے کی علت غائی دجال کا مارتا ظہر کیا جاتا ہے کون قتل کیا جائے گا کیونکہ دجال تو موجود ہی نہیں جس کو

وہ قتل کریں اور یہی ایک خدمت تھی جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔ اس سوال کا جواب ہم بجز اس صورت کے اور کسی طور سے دے نہیں سکتے کہ آخری زمانہ میں دجال معبود کا آنا سر فہلط ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشق حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ تو اس راوی نے اُس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا۔ کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رخ کرتے مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے اور نو اس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استخارات و کنایات خیال کرتے تھے اور اُس کی حقیقت حوالہ بخدا کرتے تھے۔

۲۳۵

غرض اے بھائیو! ان حدیثوں پر نظر ڈال کر ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کبھی صدر اول کے لوگوں نے دجال معبود کے بارہ میں ہرگز اس بات پر اتفاق نہیں کیا کہ وہ آخری زمانہ میں آئے گا اور مسیح ابن مریم ظہور فرما کر اُس کو قتل کرے گا بلکہ وہ تو ابن صیاد کو ہی دجال معبود سمجھتے رہے اور یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ابن صیاد کو دجال معبود یقین کیا اور پھر یہ بھی اپنی زندگی میں دیکھ لیا کہ وہ مشرف باسلام ہو گیا اور پھر یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مدینہ منورہ میں فوت بھی ہو گیا اور مسلمانوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی پھر ایسی صورت میں اُن بزرگوں کا اس بات پر کیونکر ایمان یا اعتقاد ہو سکتا تھا کہ مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں دجال معبود کے قتل کرنے کے لئے آسمان سے اتریں گے کیونکہ وہ بزرگوار لوگ تو پہلے ہی دجال معبود کا فوت ہو جانا تسلیم کر چکے تھے پھر اس اعتقاد کے ساتھ یہ دوسرا اعتقاد کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُن کو مسیح ابن مریم کے آسمان سے اترنے اور دجال معبود کے قتل کرنے کی انتظار لگنی ہوئی تھی یہ تو صریح اجتماع بتدین ہے اور کوئی دانشمند اور قائم الحواس آدمی ایسے دو متضاد اعتقاد ہرگز نہیں رکھ سکتا۔

۲۳۶

اب سوچنا چاہیے کہ یہ بیان کہ صحابہ کرام کا دجال مسعود اور سیح ابن مریم کے آخری زمانہ میں
ظہور فرمانے کا ایک اجماعی اعتقاد تھا کس قدر مان بزرگوں پر تہمت ہے؟

پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تھا کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کو دجال کے نکلنے سے ڈراتا آیا ہے اور میں بھی تم سب کو ڈراتا
ہوں کہ دجال آخری زمانہ میں نکلے گا تو چاہیے تھا کہ اس نصیحت اور تبلیغ کو تمام
صحابہ اپنے نفس پر ایک واجب استبلیغ سمجھ کر تابعین تک پہنچاتے اور آج ہزار
صحابہ کی روایتوں سے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہوتی حالانکہ بخاری و مسلم بن سنان
اور ایک دو آدمیوں کے کسی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی بلکہ نواس بن حنظل اپنی
تمام روایت میں منفر وہ ہے۔ اب سوچو کہ ایک طرف تو یہ بت لایا جاتا ہے کہ اس حدیث کے
بارہ میں عام طور پر تمام صحابہ کو تاکید ہوئی تھی کہ تم نے اس مضمون کو تابعین تک پہنچا دینا۔
اور دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں تو بخاری ایک دو آدمیوں کے کوئی پہنچانے والا نظر نہیں
آتا۔ اس صورت میں جس قدر ضعف اس حدیث میں پایا جاتا ہے وہ محققین کی نظر سے
پوشیدہ نہیں رہ سکتا پھر تو اتر کا دعویٰ کرنا اگر پرلے درجہ کا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

اب اسے لوگو! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور صحابہ اور تابعین پر تہمت مت لگاؤ کہ ان
سب کو اس مسئلہ پر اجماع تھا کہ سیح ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور دجال یک چشم
خدائی کے کرشمہ دکھانے والے کو قتل کریں گے۔ ان بزرگوں کو تو اس اعتقاد کی خبر
بھی نہیں تھی اگر انہیں خبر ہوتی اور جیسا کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے انہیں وصیت فرمائی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس واجب استبلیغ
امر کو تابعین تک نہ پہنچاتے اور پھر تابعین صحیح تابعین کو اس کی خبر نہ کرتے؟ صاف ظاہر
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کرنا سخت معصیت میں داخل ہے پھر
کیونکر ممکن تھا کہ ایسا معصیت کا کام آگاہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوتا پس صاف ظاہر ہے

کہ اس تبلیغ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی تاکید نہیں ہوئی اور نہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اس کو تابعین تک پہنچانے کے لئے اپنے مجموعی ہوش سے متوجہ ہوئے اور یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے مشرقی کنارہ میں منارہ کے پاس اُترے گا اور جتنے خدا تعالیٰ سے کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ سب دجال دکھاوے گا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ اس حدیث کے مضمون پر اجماع کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اسی پر اتفاق اکابر اسلام رہا ہے کس قدر افتراء ہے بلکہ یہ حدیث تو ان متواتر حدیثوں ہی سے کالعدم ہو جاتی ہے جن میں بروایت ثقات صحابہ دجال کی نسبت یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ درحقیقت ابن صیاد ہی تھا جو یزید پلید کے عہد سلطنت میں مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا اور اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن شریف تو باؤاز بلند مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا بیان کر رہا ہے اور احادیث صحیحہ مسلم و بخاری باتفاق ظاہر کر رہی ہیں کہ دراصل ابن صیاد ہی دجال معہود تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی رو برو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کی قسم کھا رہے ہیں کہ درحقیقت دجال معہود ابن صیاد ہی ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسکی تصدیق کر رہے ہیں کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال معہود ہے جو انجام کار

مسلمان ہو گیا اور اسلام کی حالت میں ہی مدینہ میں مرا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا مگر پھر بھی ہمارے مسلمان بھائی اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ بھائیو!! اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں (۱) ایک تو مسیح بن مریم کا آخری زمانہ میں جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اترنا۔ سو اس ٹانگ کو تو قرآن شریف اور نیز بعض احادیث نے بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کی خبر دے کر توڑ دیا۔

(۲) دوسری ٹانگ دجال معبود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا تھا سو اس ٹانگ کو صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہ کبار کی روایت سے ہیں دو ٹکڑے کر دیا اور ابن صبیاد کو دجال معبود ٹھہرا کر آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا۔ اب جبکہ اس بحث کی دو ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو پھر اب تیرہ سو برس کے بعد یہ مُردہ جس کے دونوں پیر نہیں کیوں اور کس کے سہارے سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

اتَّقُوا اللَّهَ ! اتَّقُوا اللَّهَ !! اتَّقُوا اللَّهَ !!!

اور سچ ابن مریم کے فوت ہو جانے کے بارہ میں ہمارے پاس اس قدر یقینی اور قطعی ثبوت ہیں کہ ان کے مفصل لکھنے کے لئے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں پہلے قرآن شریف پر نظر فرمادو اور ذرا اٹکھ کھول کر دیکھو کہ کیونکر وہ صاف اور یقین طور پر عیسیٰ بن مریم کے مرجانے کی خبر دے رہا ہے جس کی ہم کوئی بھی تاویل نہیں کر سکتے۔ مثلاً یہ جو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کی طرف سے فرماتا ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَتَى الرَّقِيبَتِ عَلَيْنِمْ کیا ہم جس جگہ تَوَفَّي سے مراد لے سکتے ہیں؟ کیا یہ معنی اس جگہ موزون ہوں گے کہ جب تو نے مجھے سلا دیا اور میرے پر عید غالب کر دی تو میرے سونے کے بعد تو ان کا نگہبان تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ توفی کے سید سے اور صاف معنی جو موت ہے وہی اس جگہ چسپاں ہیں۔ لیکن موت سے مراد وہ موت نہیں جو آسمان سے اترنے کے بعد پھر وارد ہو۔ کیونکہ جو سوال ان سے کیا گیا ہے یعنی اُن کی اُمت کا بگڑ جانا اُس وقت کی موت سے اس سوال کا کچھ علاقہ نہیں۔ کیا نصاریٰ اب صراطِ مستقیم پر ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ جس امر کے بارے میں خدا تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم سے سوال کیا ہے وہ امر تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی کمال کو پہنچ چکا ہے۔

ماسوا اس کے حدیث کی رو سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فوت ہو جانا ثابت ہے
 چنانچہ تفسیر معالم کے صفحہ ۶۲ میں زیر تفسیر آیت یہ عیسیٰ اتی متوفیک ورافعک الی
 لکھا ہے کہ علی بن طلحہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اتی
 ممیتک یعنی میں تجھ کو مارنے والا اچل اس پر دوسرے اقوال اللہ تعالیٰ کے کلمات کرتے
 ہیں قل یتوفکم ملک الموت الذین تتوفہم الملائکۃ طیبین۔ الذین
 تتوفہم الملائکۃ ظالمی النفس۔ عفر بن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہی تھا
 کہ مائتہ توفیہم الملائکۃ اس کے معنی یہ توفی کا لفظ یا تو ملقات میں توفی کے معنی مرنا ہی لگے گئے ہیں۔ منہ

کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور ناظرین پر واضح ہو گا کہ حضرت ابن عباس قرآن کریم کے سمجھنے میں اول نمبر والوں میں سے ہیں اور اس بارہ میں اُن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی ہے۔

۲۲۸ پھر اسی معاملہ میں لکھا ہے کہ وہب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ کے لئے مر گئے تھے اور محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ نصاریٰ کا یہ گمان ہو کہ سات گھنٹہ تک مرے رہے مگر مولف رسالہ ہذا کو تعجب ہے کہ محمد بن اسحاق نے سات گھنٹہ تک مرنے کی نصاریٰ کی کن کتابوں سے روایت لی ہے کیونکہ تمام فرقہ نصاریٰ کے اسی قول پر متفق نظر آتے ہیں کہ تین دن تک حضرت عیسیٰ مرے رہے اور پھر قبر میں سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور چاروں انجیلوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عیسیٰ انجیلوں میں اپنی تین دن کی موت کا اقرار بھی کرتے ہیں بہر حال موت اُن کی ثابت ہے اور ماسوا ان دلائل مستذکرہ کے یہود و نصاریٰ کا بالاتفاق اُن کی موت پر اجماع ہے اور تائیدی ثبوت بتواتر اُن کے مرنے پر شاہد ہے اور پہلی کتابوں میں بھی بطور پیشگوئی اُن کے مرنے کی خبر دی گئی تھی۔

۲۲۹ اب یہ گمان کہ مرنے کے بعد پھر اُن کی روح اُسی جسم خاکی میں داخل ہو گئی اور وہ جسم زندہ ہو کر آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ یہ سراسر غلط گمان ہے یہ بات باتفاق جمیع کتب الہیہ ثابت ہے کہ انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں یعنی ایک قسم کی زندگی انہیں عطا کی جاتی ہے جو دوسرے کو نہیں عطا کی جاتی۔ اسی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے قبر میں میت ہے منے نہیں دے گا اور زندہ کر کے اپنی طرف اٹھائے گا اور زبور نمبر ۱۶ میں بھی حضرت

۲۳۰ چوتھا یہ اصل ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ میری عزت خدا تعالیٰ کی جناب میں اس سے زیادہ ہے کہ مجھے چالیس دن تک قبر میں رکھے یعنی میں اس مدت کے اندر اندر زندہ ہو کر آسمان کی طرف اٹھایا جاؤں گا۔ اب دیکھنا چاہیئے

داؤد علیہ السلام بوجہ الہی یہ فرماتے ہیں کہ تو میری جان کو قبر میں رہنے نہیں دے گا اور اپنے قدوس کو سڑنے نہیں دے گا یعنی بلکہ تو مجھے زندہ کرے گا اور اپنی طرف اٹھایا گیا اسی سبب شہداء کے حق میں بھی قرآن کریم فرماتا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ کے راہ میں قتل کئے گئے تم انکو مروتے نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کی طرف سے رزق مل رہا ہے۔

کہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں زندہ ہو جانے اور پھر آسمان کی طرف اٹھانے جانیکی نسبت کچھ اٹھانے جانے میں کوئی زیادتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم کی حیات حضرت موسیٰ کی حیات سے بھی درج میں کمتر ہے اور اتفاقاً صحیح (جس پر اتفاق سلف صلح کا ہے اور نیز معراج کی حدیث بھی اس کی شاہد مطلق ہے) یہی ہے کہ انبیاء و بیات جی مشابہ بیات جی زیادتی زندہ ہیں اور شہداء کی نسبت ان کی زندگی اکمل و اقویٰ ہے اور بے زیلہ اکمل و اقویٰ و اشرف زندگی ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفسی والی و اجمعی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت سچ و صرف دوسرے آسمان میں اپنے خال زاد بھائی اور نیز اپنے مرشد حضرت یحییٰ کے ساتھ مقیم ہیں لیکن ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ مرتبہ پر آسمان میں جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں تشریف فرما ہیں عند سدرة المنتهى بالرفیق الاعلیٰ اور اُن کے حکم و مطوت برابر انھیں عزت کے حضور میں پہنچائے جاتے ہیں اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد اکثر مما صلیت علیٰ احد من انبیاءک و بارک و مسلم اور یہ خیال کہ انبیاء زندہ ہو کر قبر میں رہتے ہیں صحیح نہیں ہے ہر جس کے ایک قسم کا اُن کا تعلق باقی رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کشفی طور پر اپنی اپنی قبروں میں نظر آتے ہیں مگر یہ نہیں کہ وہ قبور میں ہوتے ہیں بلکہ وہ تو طائف کی طرح آسمانوں میں جو بہشت کی زمین ہے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق مقام رکھتے ہیں اور بیداری میں پاک دل لوگوں کے کسی کسی زمین پر آ کر طاعت بھی کر لیتے ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں طاعت کرنا کتابوں میں بھل چکا ہے اور مولف رسالہ ہذا بھی کوئی دفعہ اس شرف سے مشرف ہو چکا ہے واللھم صل علی خاتم الانبیا و علی خاتم المرسلین۔

ایک اور حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر ولایت کرتی ہے اور وہ یہ کہ
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ آج کی
 تاریخ سے سنو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی اور یہ اس بات کی طرف اشارہ
 تھا کہ سو برس کے عرصہ سے کوئی شخص زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی بنا پر اکثر علماء و فقہاء
 اسی طرف گئے ہیں کہ حضرت بھی فوت ہو گیا کیونکہ محض صراحت کے کلام میں کذب جائز نہیں مگر
 افسوس کہ ہمارے علماء نے اس قیامت سے بھی مسیح کو باہر رکھ لیا تعجب کہ اور بنی اسرائیل
 کے انبیاء کی نسبت مسیح کو کیوں زیادہ عظمت دی جاتی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 چونکہ ہمارے بھائی مسلمان کسی ایسے زمانہ سے کہ جب سے بہت سے عیسائی دین اسلام میں
 داخل ہوئے ہوں گے اور کچھ کچھ حضرت مسیح کی نسبت اپنے مشرکانہ خیالات ساتھ لائے ہوئے
 اس بے جا عظمت دینے کے عادی ہو گئے ہیں جس کو قرآن شریف تسلیم نہیں کرتا اس لئے
 خاص طور پر مسیح کی تعریف کے بارہ میں ان میں حد موزوں سے زیادہ غلو پایا جاتا ہے انصاف
 کی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ کتاب براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صغی اللہ کا
 مثیل قرار دیا اور کسی کو علماء میں سے اس بات پر ذرہ رنج دل میں نہیں گذرا اور پھر مثیل نوح
 قسار دیا اور کوئی رنجیدہ نہیں ہوا اور پھر مثیل یوسف علیہ السلام قرار دیا اور کسی مولوی صاحب
 کو اس سے غصہ نہیں آیا اور پھر مثیل حضرت داؤد علیہ السلام قرار دیا اور کوئی علماء میں سے رنجیہ خاطر
 نہیں ہوا۔ اور پھر مثیل موسیٰ کے بھی اس عاجز کو پکارا تو کوئی فقیہوں اور محدثوں میں مشتعل
 نہیں ہوا یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو مثیل ابراہیم بھی کہا تو کسی شخص نے ایک

حدیث نبویؐ کا یہ فقرہ کہ میں چالیس ہزار سال تک قبر میں نہیں رہ سکتا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ کل چند روز
 گو کیسا ہی مقدس آدمی ہو قبر سے اور اس عالم خالی سے ایک جیسا ہوا تعلق رکھتا ہے۔ کوئی دینی خدمات
 کی زیادہ عیاس کی وجہ سے اور کوئی آواز و جہ سے اور پھر وہ تعلق اسلام کو جانتا ہے کہ گویا وہ صاحب قبر قبر میں
 محل جانا اور نہ روح تو مرنے کے بعد اسی وقت بلا توقف اس میں اپنے نفسی نقطہ پر جا ٹھہرتی ہے۔

ذرہ بھی غیظ و غضب ظاہر نہیں کیا اور پھر آخر مثیل ٹھیکر نے کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بار بار
 یا احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر مثیل سید الانبیاء و امام الاصفیاء حضرت
 مقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا تو کوئی ہمارے مفسر طویل اور محدثین میں سے جوش و خروش
 میں نہیں آیا اور جب خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ کر کے پکارا تو سب کے
 شدت طیش اور غضب کی وجہ سے چہرے سُرخ ہو گئے اور سخت درجہ کا اشتعال پیدا ہو کر
 کسی نے اس عاجز کو کافر ٹھیکر دیا اور کسی نے اس عاجز کا نام ملحد رکھا جیسا کہ مولوی
 عبدالرحمن صاحب غلف مولوی محمد لکھو کے والد نے اس عاجز کا نام ملحد رکھا اور
 جا بجا یہ بھی ذکر کیا کہ یہ شخص بہت خراب آدمی ہے چنانچہ ایک شخص عبدالقادر نام شہر قپور
 ضلع لاہور کے رہنے والے کے پاس بھی یہی ذکر کیا کہ یہ شخص ملحد اور بد مذہب اور خراب اور
 ملاقات کے لائق نہیں۔ علاوہ اس کے ان لوگوں نے اشتعال کی حالت میں اسی پر پس نہیں
 کی بلکہ یہ بھی چاہا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں کوئی شہادت ملے تو بہت
 خوب ہو۔ چنانچہ انہوں نے غصہ بھرے دل کے ساتھ استخارے کئے اور جو محکمہ قدیم سے
 قانون قدرت خدا تعالیٰ کا یہی ہے کہ جو شخص نفسانی تمنا سے کسی امر غیب کا منکشف ہونا
 چاہتا ہے تو شیطان اُس کی تمنا میں ضرور دخل دیتا ہے بجز انبیاء اور محدثین کے کہ
 ان کی وحی شیطان کے دخل سے منترہ کی جاتی ہے پس اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمن صاحب
 اور اُن کے رفیق بیت میاں عبدالحق غزنوی کے استخارہ پر وہ جس القرین ثروت حاضر ہو گیا
 اور اُن کی زبان پر جاری کر دیا کہ وہ شخص یعنی یہ عاجز جنہی ہے اور ملحد ہے اور ایسا کافر ہے
 کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا علماء کے لئے عند الشرع یہ جائز ہے کہ
 کسی ایسے مسئلہ میں جو خیر القرون کے لوگ ہی اُس پر اتفاق نہ رکھتے ہوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم
 کا اس پر اجماع ثابت نہ ہو ایک ایسے ملہم کی نسبت جو بعض احادیث اور قرآن کریم لکافی طور
 پر اُس کے صدق پر شاہد ہوں تکفیر کا فتویٰ لگاویں یہ بات سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ

ثبیل موعود ہونے کے بارہ میں اس عاجز کا الہام حدیث اور قرآن کے ہرگز مخالف نہیں اور کتب حدیث کو مہمل اور بے کار نہیں کرتا بلکہ اُن کا مصدق اور اُن کی سچائی کو ظاہر کرنے والا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ نضران کویم مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا بیان کر رہا ہے اور وہاں معبود کا مرجعنا خود صحیح مسلم کی بعض حدیثیں ثابت کر رہی ہیں پھر قرآن اور بعض حدیث میں تطبیق کرنے کے لئے بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ابن مریم کے اُترنے سے اس کے کسی مثیل یا کسی مثیلوں کا اُترنا مراد لیا جاوے۔ پھر جبکہ الہام بھی اسی راہ کی طرف رہنمائی کرے تو کیا وہ حدیث اور قرآن کے موافق ہو یا مخالف؟

اب رہا یہ امر کہ کسی نبی کا اپنے تئیں مثیل ٹھہرانا عند الشریع جائز ہے یا نہیں۔ پس واضح ہو کہ درحقیقت اگر غور کر کے دیکھو تو جس قدر انبیاء دنیا میں بھیجے گئے ہیں وہ اسی غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ تا لوگ اُن کے مثیل بننے کے لئے کوشش کریں اگر ہم ان کی پیروی کرنے سے اُن کے مثیل نہیں بن سکتے بلکہ ایسے خیال سے انسان کا فروط محمد ہو جاتا ہے تو اس صورت میں انبیاء کا آنا عبث اور ہمارا اُن پر ایمان لانا بھی عبث ہے۔ قرآن شریف صاف یہی ہدایت فرماتا ہے اور ہمیں سورۃ فاتحہ ام الكتاب میں مثیل بن جانے کی امید دیتا ہے اور ہمیں تاکید فرماتا ہے کہ پنج وقت تم میری تصویر میں کھڑے ہو کر اپنی نماز میں مجھ سے یہ دعا مانگو کہ اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے میرے خداوند جہن ورجیم ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ ہم آدم صغی اللہ کے مثیل ہو جائیں شیعہ نبی اللہ کے مثیل بن جائیں حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں۔ ابراہیم خلیل اللہ کے مثیل ہو جائیں موسیٰ کلیم اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ عیسیٰ روح اللہ کے مثیل ہو جائیں اور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ حبیب اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ اور دنیا کے ہر ایک صدیق و شہید کے مثیل ہو جائیں اب ہمارے علماء جو مثیل ہونے کے دعویٰ کو کفر و الحاد خیال کرتے ہیں اور جس شخص کو الہام الہی کے ذریعہ سے اس ممکن الحصول مرتبہ کی بشارت دی جائے اس کو ملحد اور کافر اور جہنمی ٹھہراتے ہیں۔

ذرا سوچ کر بتلاویں کہ اگر اس آیت کریمہ کے یہ معنی نہیں ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں تو اور کیا معنی ہیں اور اگر یہ معنی صحیح نہیں ہیں تو پھر اللہ جلّ شانہ کیوں فرماتا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو او میری پیروی کرو تا خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھے اور تمہیں اپنا محبوب بنا لیوے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ جس وقت انسان ایک محبوب کی پیروی سے خود بھی محبوب بن گیا تو کیا اس محبوب کا مثیل ہی ہو گیا یا ابھی غیش پیل رہا۔ افسوس ہمارے پر کینہ مخالفت ذرا نہیں سوچتے کہ طالب مولیٰ کے لئے یہی تو عمدہ اور اعلیٰ خواہش ہے جو اس کو محامدات کی طرف رغبت دیتی ہے اور یہی تو ایک نور اور انجمن ہے جو تقویٰ اور طہارت اور اخلاص اور صدق اور صفا اور استقامت کے مراتب عالیہ کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے اور یہی تو وہ پیاس لگانیوالی آگ ہے جس کے ظاہر و باطنی سالک کا بھر پور اٹھتا ہے اگر اس مقصد کے حصول سے یاس کلی ہو تو پھر اس محبوب حقیقی کے سچے طالب جیتے ہی مر جائیں۔ آج تک جس قدر اکابر متصوفین گذرے ہیں ان میں سے ایک کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اس میں متبعین میں شیل الانبیاء بننے کی راہ کھلی ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم روسانی اور ربانی علماء کے لئے یہ خوشخبری فرما گئے ہیں کہ علماء اُمتی کا نبیاء بنی اسرائیل اور حضرت بائید بسطامی قدس سرہ کے کلمات طیبہ مندرجہ ذیل جو تذکرۃ الاولیاء میں حضرت نسیب الدین عطار صاحب نے بھی لکھے ہیں اور دوسری معتبر کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں اسی بناء پر ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ میں ہی آدم ہوں میں ہی شیدت ہوں میں ہی نوح ہوں میں ہی ابراہیم ہوں میں ہی موسیٰ ہوں میں ہی عیسیٰ ہوں میں ہی محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ اخوانہ اجمعین اور اگرچہ انہیں کلمات کی وجہ سے حضرت بائید بسطامی جستر مرتبہ کا فرغیہ اگر بسطام سے جو ان کے رہنے کی جگہ تھی شہر بدر کئے گئے اور میاں عبدالرحمن خلف مولوی محمد کی طرح ان لوگوں نے بھی بائید بسطامی کے کافر اور طمہ بنانے میں سخت غلو کیا

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

لیکن اُس زمانہ کے گزرنے کے بعد پھر ایسے معتقد ہو گئے کہ جس کا حد انتہاء نہیں اور اُن کے شرطیات کی بھی تاویلیں کرنے لگے۔

ایسا ہی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ انسان بحالت ترک نفس و اطلاق و فناء فی اللہ تمام انبیاء کا قلیل بلکہ انہیں کی صورت کا ہو جاتا ہے اور اس عاجز کے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی اپنے رسالہ اشاعت السنہ لمبرہ جلد ۱ میں جواز و امکان مثیلیت کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور اگرچہ اس عاجز کے اس دعویٰ کی نسبت جو مثیل موعود ہونے کے بارہ میں براہین میں درج ہے اور بتصریح ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبویہ میں اس عاجز کی نسبت بطور پیش گوئی خبر دی گئی ہے مولوی صاحب موصوف نے کھلے کھلے طور پر کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن امکانی طور پر تسلیم کر گئے ہیں کیونکہ اُن کا اس معرض بیان میں جو بمنصب ریویو لکھنے کے اُن کیلئے ضروری تھا سکوت اختیار کرنا اور انکار اللہ منع سے زبان نہ کھولنا دلیل قویٰ اس بات کی ہے کہ وہ اس بات کے بھی ہرگز مخالف نہیں کہ یہ عاجز مجازی اور روحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی قرآن اور حدیث میں خبر دی گئی ہے کیونکہ براہین میں صاف طور پر اس بات کا تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ یہ عاجز روحانی طور پر وہی موعود مسیح ہے جس کی اللہ و رسول نے پہلے سے خبر دے رکھی ہے۔ ہاں اس بات سے اُس وقت انکار نہیں ہوا اور نہ اب انکار ہے کہ شاید پیش گوئیوں کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی اور مسیح موعود بھی آئندہ کسی وقت پیدا ہو مگر فرق اُس وقت کے بیان اور براہین احمدیہ کے بیان میں اس قدر ہے کہ اُس وقت باعث اجمال الہام کے اور نہ معلوم ہونے ہر ایک پہلو کے اجمالی طور پر لکھا گیا تھا اور اب مفصل طور پر لکھا گیا۔ ہر حال مولوی صاحب موصوف نے اس عاجز کے مثیل مسیح ہونے کے بارے میں امکانی ثبوت پیدا کرنے کے لئے بہت زور دیا ہے چنانچہ ایک جگہ وہ محی الدین ابن عربی صاحب کے

کلام کو بغرض تائید مطلب ہذا فتوحات مکیہ باب ۲۲۳ سے نقل کرتے ہیں اور وہ عبارت مع ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

غایۃ الوصلۃ ان یکون الشیء عین ما ظہر ولا یعرف کما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد عانق ابن حزم المحدث فغاب احدہما فی الآخر فلم نرا الا واحد او هو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذہ غایۃ الوصلۃ و هو المعبر عنہ بالاتحاد (فتوحات مکیہ یعنی نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے کہ ایک چیز بعینہ وہ چیز ہو جائے جس میں وہ ظاہر ہو اور خود نظر نہ آوے جیسا کہ میں نے خواب میں آنحضرت کو دیکھا کہ آپ نے ابو محمد بن حزم محدث سے معانقہ کیا۔ پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا۔ بجز ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظر نہ آیا۔ پھر بعد اس کے مولوی صاحب موصوف اپنے بیان کی تائید میں نواب صدیق حسن مرحوم کی کتاب اتحاف النبلا میں سے ایک عربی رباعی مع ترجمہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

توہم را شینا بلبل مزارہ فہم یسعی بیننا بالتباعد
فعانقت حتی اتحدنا تحانقاً فلما اتانا ما رأی غیر واحد
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہمارے بدگو (رقیب) نے شب کو ہمارے پاس ہمارے معشوق کے آنے کا گمان کیا تو ہم میں جدائی ڈالنے میں کوشش کرنے لگا۔ پس میں نے اپنے معشوق کو گلے سے لگایا۔ پھر وہ (رقیب) آیا تو اُس نے بجز تجھ ایک کے کسی کو نہ دیکھا۔ پھر یہ شعر فارسی نقل کیا ہے۔

بجز بد معشوق بجز نیست میان من و تو کہ رقیب آمد و نیستا نہت نشان من و تو
اس کے بعد یہ جملہ دعائیہ لکھا ہے رزقنا اللہ من ہذا الاتحاد فی الدنیا والاخرۃ
یعنی خدا تعالیٰ ہم کو بھی ایسا ہی اتحاد دینا اور آخرت میں نصیب کرے۔

پھر میں سید ابن مریم کے فوت ہو جانے کی نسبت تتمہ کلام بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ گو احادیث اور فرقان اور انجیل کی رو سے

مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی فرقان حمید میں رافضی کا لفظ بھی تو موجود ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر پھر آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

اس وہم کا جواب یہ ہے کہ آسمان کا تو کہیں اس جگہ ذکر بھی نہیں اس کے معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ میں اپنی طرف تجھے اٹھا لوں گا اور ظاہر ہے کہ جو نیک آدمی مرتا ہے اُسی کی طرف روحانی طور پر اٹھایا جاتا ہے کیا خدا تعالیٰ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہوا ہے جہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی روح ہے اور نیز جس حالت میں قرآن شریف اور حدیث کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ فوت ہو گئے تھے تو پھر اس ثبوت کے بعد رفع سے مراد جسم کے ساتھ اٹھایا جانا کمال درجہ کی غلطی ہے بلکہ صریح اور بدیہی طور پر سیاق و سباق قرآن شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے فوت ہونے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ وجہ یہ کہ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے تو اس کی روح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارجعي إلى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي یعنی اے وہ نفس جو خدا تعالیٰ سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کی طرف چلا آ۔ تو اس سے راضی و راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں اندر آ۔ اس جگہ مصاحب تفسیر معالم اس آیت کی تفسیر کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۹۹ میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ مومن وفات پانے پہ ہوتا ہے تو اس کی طرف اللہ جل شانہ دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ کچھ بہشت کا تحفہ بھی بھیجتا ہے اور وہ فرشتے اگر اس کی روح کو لے لیتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ تو روح اور ریحان اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے نکل آ۔ تب وہ روح مشک کی اس خوشبو کی طرح جو بہت لطیف اور خوش کرنے والی ہو

جوناک میں پہنچ کر دماغ کو معطر کر دیتی ہو باہر نکل آتی ہے اور فرشتے آسمان کے کناروں پر کہتے ہیں کہ ایک روح چلی آتی ہے جو بہت پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔ تب آسمان کا کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے لئے کھولا نہ جائے اور کوئی فرشتہ آسمان کا نہیں ہوتا کہ اس کے لئے دعائے کرے یہاں تک کہ وہ روح پایہ عرش الہی تک پہنچ جاتی ہو تب خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ جہاں اور روحیں ہیں وہیں اس کو بھی لے جا۔

اب قرآن شریف کی اس آیت اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ روح مومن کی اُس کے فوت ہونے کے بعد بلا توقف آسمان پر پہنچانی جاتی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے تو پھر قرآن شریف کی اس آیت کو کہ **يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلِّ عَلَيَّ وَارْقُطْ عَلَيَّ** یا اے عیسیٰ یا اس آیت کو کہ **بَلِّغْهُمُ الْاٰیٰتِ الْاٰلٰہِیَّہِ** اس طرف کھینچنا کہ گویا حضرت عیسیٰ جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے صریح تحکم اور زبردستی ہوگی کہ جبکہ بر طبق روایت ابن جریر و سیاق و سباق کلام الہی متوفیک کے معنی یہی ہیں کہ میں تجھے ماروں گا تو پھر صاف ظاہر ہے جیسا کہ ابھی ہم بحوالہ کلام الہی لکھ چکے ہیں کہ موت کے بعد نیک بختوں کی روح بلا توقف آسمان کی طرف جاتی ہے یہ تو نہیں کہ فرشتہ ملک الموت روح کو نکال کر کئی گھنٹہ تک وہیں کھڑا رہتا ہے۔ اب اگر ہم فرض کے طور پر وہب کی روایت کو قبول کر لیں کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ تک رہے یا سات گھنٹہ تک مردہ پڑے رہے تو کیا ہم یہ بھی قبول کر سکتے ہیں کہ تین گھنٹہ تک یا سات گھنٹہ تک فرشتہ ملک الموت انہی روح اپنی مٹھی میں لے کر اُسی جگہ بیٹھا رہا۔ یا جہاں جہاں لاش کو لوگ لے جاتے رہے ساتھ پھرتا رہا اور آسمان کی طرف اس روح کو اُٹھا کر نہیں لے گیا۔ ایسا وہم و سراسر خلاف نص و حدیث اور مخالف تمام کتب الہامیہ ہے اور جبکہ ضروری طور پر یہی ماننا پڑا کہ ہر ایک مومن کی روح مرنے کے بعد آسمان کی طرف اُٹھانی جاتی ہے تو اس سے صاف طور پر کھل گیا کہ **رَاقُطْ عَلَیَّ** کے یہی معنی ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے تو اُن کی روح

۲۶۷

آسمان کی طرف اٹھائی گئی بلاشبہ ہر ایک شخص کا نور قلب اور کاشفس بلا تردد اس بات کو سمجھ لیتا اور قبول کر لیتا ہے کہ ایک شخص مومن کی موت کے بعد شرعی اور طبعی طور پر یہی ضروری امر ہے کہ اس کی روح آسمان کی طرف اٹھائی جائے اور اس طریق کا انکار کرنا گویا اہمات مسائل دین کا انکار ہے اور نص اور حدیث سے کوئی ثبوت اس بات کا نہیں مل سکتا اگر حضرت عیسیٰ حقیقت میں موت کے بعد پھر جسم کے ساتھ اٹھائے گئے تھے تو قرآن شریف میں عبارت یوں چلائی تھی یا عیسیٰ ذی متوفیک ثم محییٰک ثم رافعک مع جسدک الی السماء یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا پھر زندہ کروں گا پھر تجھے تیرے جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھا لوں گا۔ لیکن اب تو مجز مجر د رافعک کے جو متوفیک کے بعد ہے کوئی دوسرا لفظ رافعک کا تمام قرآن شریف میں نظر نہیں آتا جو ثم محییٰک کے بعد ہو اگر کسی جگہ ہے تو وہ دکھلانا چاہیئے۔ میں بدعویٰ کہتا ہوں کہ اس ثبوت کے بعد کہ حضرت عیسیٰ فی الحقیقت فوت ہو گئے تھے یقینی طور پر یہی ماننا پڑے گا کہ جہاں جہاں رافعک یا بل رفعہ اللہ الیہ ہے اس سے مراد اُن کی روح کا اٹھایا جانا ہے جو ہر ایک مومن کے لئے ضروری ہے۔ ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمام نبی خدا تعالیٰ کی طرف ہی اٹھائے جاتے ہیں۔

۲۶۸

اب ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر چلا گیا تھا قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا صرف یہودہ اور بے اصل اور متناقض روایات پر اس کی بنیاد معلوم ہوتی ہے مگر اس فلسفی لطیف زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی اُمید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے اگر افریقہ کے ریگستان یا عرب کے صحرائیں اُمیدوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور وحشی لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سرو پا باتیں پھیل جائیں تو شاید آسانی سے پھیل سکیں۔ لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی اور فلسفہ سے

بکلی مخالف اور نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتیں بلکہ اُن کے مخالف حدیثیں ثابت ہو رہی ہیں تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز پھیلنا نہیں سکتے اور نہ یورپ امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کے لغویات سے دست بردار ہو رہے ہیں بطور ہدیہ و تحفہ بھیج سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل و دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوتوں میں ترقی دے دی ہے وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کر لیں گے جن میں سراسر خدائے تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا اُس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے لہذا یہ بحث بھی کہ مسیح اُسی جسم کے ساتھ آسمان سے اُترے گا جو دنیا میں اُسے حاصل تھا، اس دوسری بحث کی فرع ہوگی جو مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا گیا تھا۔ جبکہ یہ بات قرار پائی تو اول ہمیں اُس عقیدہ پر نظر ڈالنی چاہیے جو اصل قرار دیا گیا ہے کہ کہاں تک وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر اصل کا کما حقہ تصفیہ ہو جائے گا تو پھر اُس کی فرع ماننے میں کچھ تامل نہیں ہوگا اور کم سے کم امکانی طور پر ہم قبول کر سکیں گے کہ جب کہ ایک شخص کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو گیا ہے تو پھر اُسی جسم کے ساتھ واپس آنا اُس کا کیا مشکل ہے لیکن اگر اصل بحث قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو سکے بلکہ حقیقت امر اس کے مخالف ثابت ہو تو ہم فرع کو کسی طرح سے تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگر فرع کی تائید میں بعض حدیثیں بھی ہوں گی تو ہم پر فرض ہوگا کہ اُن کو اصل سے تطبیق دینے کے لئے کوشش کریں اور اگر برعایت اصل وہ حدیثیں حقیقت پر حمل نہ ہو سکیں تو پھر ہم پر واجب ہوگا کہ انہیں استعارات و مجازات میں داخل کر لیں اور بجائے مسیح کے اُترنے کے کسی مثیل مسیح کا اُترنا مان لیں جیسا کہ خود حضرت مسیح نے ایلیاء نبی کی نسبت مان لیا۔ حالانکہ تمام یہودیوں کا اسی پر اجماع تھا اور اب تک ہے کہ ایلیاء آسمان سے اُتر آئیں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ایلیا کا آسمان پر جانا اور پھر آسمان سے کسی زمانہ میں اترنا بطور پیشگوئی ایک وعدہ تھا اور یہودیوں کا اجماعی عقیدہ مسلمانوں کی طرح اب تک یہی ہے کہ حضرت ایلیا جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور پھر آخری زمانہ میں اُسی جسم کے ساتھ پھر آسمان سے اُتریں گے چنانچہ ایلیا کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا سلاطین ۲ باب آیت ۱۱ میں مندرج ہے اور پھر اس کے اُترنے کا وعدہ صحیفہ ملائکہ کے باب ۴ آیت ۵ میں بطور پیشگوئی کے دیا گیا ہے جس کے اب تک یہودی لوگ منتظر ہیں اور حضرت مسیح نے جو حضرت یحییٰ کی نسبت کہا کہ ایلیا جو انبیا تھا یہی ہے یہ کلمہ جمہور یہود کے اجماع کے برخلاف تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے نہ مسیح کو قبول کیا نہ یحییٰ کو۔ کیونکہ وہ تو آسمان کی راہ دیکھ رہے تھے کہ کب ایلیا فرشتوں کے کندھوں پر اُترتا ہے اور بڑی مشکلات اُن کو یہ پیش آگئی تھیں کہ اسی طور کے اُترنے پر اُن کا اجماع ہو چکا تھا اور ظواہر نصوص صحیفہ سلاطین و صحیفہ ملائکہ اسی پر دلالت کرتے تھے۔ سو انہوں نے اس آزمائش میں پڑ کر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قبول نہ کیا بلکہ مسیح کی نبوت بھی انکاری رہے کیونکہ اُن کی کتابوں میں لکھا تھا کہ ضرور ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اُتر آوے۔ سو چونکہ ایلیا کا آسمان سے اُترنا جس طرح انہوں نے اپنے دلوں میں مقرر کر رکھا تھا اُسی طرح ظہور میں نہ آیا۔ اس لیے ظاہر پرستی کی شامت سے یہودیوں کو دوسرے نبیوں کی نبوت سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور یحییٰ سے۔ اگر وہ لوگ اس ظاہر پرستی سے باز آکر سلاطین اور ملائکہ کی عبارات و محاورات و مجازات پر حمل کر لیتے تو آج دنیا میں ایک بھی یہودی نظر نہ آتا سب کے سب عیسائی ہو جاتے کیونکہ صحیفہ سلاطین و صحیفہ ملائکہ میں ایلیا نبی کے دوبارہ آنے سے درحقیقت مراد یہی تھی کہ ظلی اور مثالی وجود کے ساتھ پھر ایلیا دنیا میں آئے گا جس مراد حضرت یحییٰ کا آنا تھا جو باعتبار اپنے روحانی خواص کے فیلیا تھے لیکن یہودیوں نے اپنی بدقسمتی اور بے سعادت کی وجہ سے اُن روحانی مخلوق کی طرف رخ نہ کیا۔ اور ظاہر پرستی میں بھنسے رہے۔ اور درحقیقت ذرہ غور سے دیکھیں تو یہودیوں کو حضرت یحییٰ کے

قبول کرنے کے بارہ میں جو مشکلات پیش آ گئے تھے اتنے بڑے مشکلات ہمارے بھائی مسلمانوں کو ہرگز پیش نہیں آئے کیونکہ سلاطین ۲ باب ۲ میں صاف طور پر لکھا ہوا اب تک موجود ہے کہ ایلیا نبی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور چادر اُس کی زمین پر گر پڑی اور پھر ملائی باب ۴ آیت ۵ میں ایسی ہی صفائی کے ساتھ وعدہ دیا گیا ہے کہ پھر وہ دنیا میں آئے گا اور مسیح کے لئے راہ درست کرے گا لیکن ہمارے بھائی مسلمان ان تمام مشکلات سے بالکل آزاد ہیں کیونکہ قرآن شریف میں جسم کے ساتھ اٹھائے جانے کا اشارہ تک بھی نہیں بلکہ مسیح کے فوت ہونے کا بتصریح ذکر ہے اگرچہ حدیثوں کی بے سرو پا روایتوں میں سند منقطع کے ساتھ ایسا ذکر بہت سے تناقض سے بھرا ہوا کہیں کہیں پایا جاتا ہے لیکن ساتھ اس کے انہیں حدیثوں میں مسیح کا فوت ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ باوجود اس تعارض اور تناقض کے ضرورت ہی کیا ہے جو غیر معقول شق کی طرف توجہ کی جائے؟ جس حالت میں قرآن اور حدیث کے رو سے وہ راہ بھی کھلی ہوئی نظر آتی ہے جس پر کوئی اعتراض شرع اور عقل کا نہیں یعنی مسیح کا فوت ہو جانا اور روح کا اٹھایا جانا تو کیوں ہم اُسی راہ کو قبول نہ کریں جس پر قرآن شریف کی بینات زور دے رہی ہیں؟

ہم نے ایلیا کے صعود و نزول کا قصہ اس غرض سے اس جگہ لکھا ہے کہ تا ہمارے بھائی مسلمان ذرہ غور کر کے سوچیں کہ جس مسیح ابن مریم کے لئے وہ لڑتے مرتے ہیں اُسی نے یہ فیصلہ دیا ہے اور اسی فیصلہ کی قرآن شریف نے بھی تصدیق کی ہے۔ اگر آسمان سے اُترنا اسی طور سے جائز نہیں جیسے طور سے ایلیا کا اُترنا حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے تو پھر مسیح مخائب اللہ نبی نہیں ہے بلکہ نعوذ باللہ قرآن شریف پر بھی اعتراض آتا ہے جو مسیح کی نبوت کا مصداق ہے اب اگر مسیح کو سچا نبی ماننا ہے تو اس کے فیصلہ کو بھی مان لینا چاہیئے زبردستی سے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ یہ ساری کتابیں محرف و مبتدل ہیں بلاشبہ ان مقامات سے تحریف کا کچھ علاوہ نہیں اور دونوں فریق یہود و نصاریٰ ان عبارتوں کی صحت کے قائل ہیں اور پھر ہمارے امام المحدثین

حضرت انجیل صاحب اپنی صحیح بخاری میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی لفظی تحریف نہیں۔
یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے اور پہلے بھی ہم کئی مرتبہ ذکر کرتے ہیں کہ جس قدر پیش گوئیاں
خدا تعالیٰ کی کتابوں میں موجود ہیں ان سب میں ایک قسم کی آزمائش ارادہ کی گئی ہے اس میں
کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی پیشگوئی صاف اور صریح طور پر کسی نبی کے بارہ میں بیان کی جاتی
تو سب سے پہلے مستحق ایسی پیشگوئیوں کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیونکہ
اگر مسیح کے اُترنے سے انکار کیا جائے تو یہ امر کچھ مستوجب کفر نہیں لیکن اگر ہمارے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا جاوے تو بلاشبہ وہ انکار جاودانی جہنم تک پہنچا کرے گا
مگر ناظرین کو معلوم ہو گا کہ تمام توریت و انجیل میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور
ایسا ہی حضرت مسیح کی نسبت بھی کوئی ایسی کھلی کھلی اہل صاف پیشگوئی نہیں پائی جاتی
جس کے ذریعے ہم یہودیوں کو جاکر گردن سے پکڑ لیں۔ حضرت مسیح بھی بار بار یہودیوں کو کہتے
رہے کہ میری بابت موسیٰ نے توریت میں لکھا ہے مگر یہودیوں نے ہمیشہ انہیں یہی جواب دیا
کہ اگرچہ یہ مسیح ہے کہ ہماری کتابوں میں ایک مسیح کے آنے کی خبر بھی دی گئی ہے مگر تم خود دیکھ لو
کہ مسیح کے آنے کا ہمیں یہ نشان دیا گیا ہے کہ ضرور ہے اس سے پہلے ایلیا آسمان سے اُترے
جس کا آسمان پر جانا سلاطین کی کتاب میں بیان کیا گیا ہے اس کے جواب میں ہر چہ
حضرت مسیح ہی کہتے رہے کہ وہ ایلیا یوحنا یعنی یحییٰ زکریا کا بیٹا ہے مگر اس دور دراز تاویل کو
کون سنتا تھا اور ظاہر تقریر کے رُوسے یہودی لوگ اس عذر میں سچے معذور ہوتے تھے سو
اگر یہ عدلے تعالیٰ قادر تھا کہ ایلیا نبی کو آسمان سے اُتارتا اور یہودیوں کے تمام وساوس
بلکہ رفع کر دیتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا تا صاف اور کاذب دونوں آزمائے جائیں
کیونکہ شریر آدمی صرف ظاہری حجت کی رُوسے بے شبہ ایسے مقام میں سخت انکار
کر سکتا ہے۔ لیکن ایک راست باز آدمی کے سمجھنے کے لئے یہ راہ کھلی تھی کہ آسمان سے اُترنا
کسی اور طور سے تعبیر کیا جائے اور ایک نبی جو دوسری علامات صدق اپنے ساتھ رکھتا ہو

اُن علامات کے لحاظ سے اُس پر ایمان لایا جاوے ہاں یہ مسیح اور بالکل مسیح ہے کہ اگر سلاطین اور ملاکی کے بیانات کو مسلمان لوگ بھی یہودیوں کی طرح معمول پر ظاہر کریں تو وہ بھی کسی طرح یحییٰ بن زکریا کو مصداق اُسکی پیش گوئی کا نہیں ٹھہرا سکتے اور اس پیچ میں اگر مسیح ابن مریم کی نبوت بھی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف نے مسیح کی تاویل کو جو ایلیا نبی کے آسمان سے اُترنے کے بارہ میں انہوں نے کی تھی قبول کر لیا اور مسیح کو اور یحییٰ کو سچائی ٹھہرایا اور نہ اگر قرآن شریف ایلیا کا آسمان سے اُترنا اسی طرح معتبر سمجھتا یعنی ظاہری طور پر جیسا کہ ہمارے بھائی مسلمان مسیح کے اُترنے کے بارہ میں سمجھتے ہیں تو ہرگز مسیح کو نبی قرار نہ دیتا کیونکہ سلاطین اور ملاکی آسمانی کتاب میں ہیں اگر ان مقامات میں اُن کے ظاہری معنی معتبر ہیں تو ان معانی کے چھوڑنے سے وہ سب کتابیں نکلی اور بیکار ٹھہر جائیں گی۔ **مہربان دوست** مولوی محمد حسین صاحب اس مقام میں بھی غور کریں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سلاطین اور ملاکی کے وہ مقامات محرف و مبدل ہوں تو جیسا کہ ابھی میں لکھ چکا ہوں تو یہ سراسر وہم و گمان باطل ہے کیونکہ اگر وہ مقام محرف و مبدل ہوتے تو مسیح بن مریم کا یہودیوں کے مقابل پر یہ وعدہ جواب تھا کہ جو کچھ تمہاری کتابوں میں ایلیا کا آسمان پر جانا اور پھر اُترنے کا وعدہ لکھا ہے یہ بات ہی غلط ہے اور یہ مقامات تحریف شدہ ہیں۔

بلکہ مسیح نے تو ایسا عذر پیش نہ کرنے سے اُن مقامات کی صحت کی تصدیق کر دی۔ ماسوا اس کے وہ کتابیں جیسے یہودیوں کے پاس تھیں ویسے ہی حضرت مسیح اور اُن کے حواری اُن کتابوں کو پڑھتے تھے اور اُن کے نگہبان ہو گئے تھے اور یہودیوں کے لئے ہم کوئی ایسا موجب عند المنقل قرار نہیں دے سکتے جو ان مقامات کے محرف کرنے کے لئے انہیں بے قرار کرتا۔ اب حاصل کلام یہ کہ مسیح کی پیش گوئی کے بارہ میں ایلیاہ کے قصہ نے یہودیوں کی راہ میں ایسے پتھر ڈال دئے کہ اب تک وہ اپنے اس راہ کو صاف نہیں کر سکے اور بیشمار رو جس اُن کی کفر کی حالت میں اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔

اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بار میں توریت کی پیشگوئیوں پر نظر ڈالیں کہ اگرچہ توریت کے دو مقام میں ایسی پیشگوئیاں ملتی ہیں کہ جو غور کرنے والوں پر بشرطیکہ منصف بھی ہوں ظاہر کرتے ہیں کہ درحقیقت وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں لکھی گئی ہیں لیکن کچ بجتی کے لئے ان میں گنجائش بھی بہت ہے۔ مثلاً توریت میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی قائم کرے گا۔ اس پیشگوئی میں مشکلات یہ ہیں کہ اُسی توریت کے بعض مقامات میں بنی اسرائیل کو ہی بنی اسرائیل کے بھائی لکھا ہے اور بعض جگہ بنی اسمعیل کو بھی بنی اسرائیل کے بھائی لکھا ہے ایسا ہی دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر ہے۔ اب اس بات کا قطعی اور بدیہی طور پر کیونکر فیصلہ ہو کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مراد فقط بنی اسمعیل ہی ہیں۔ بلکہ یہ لفظ کہ ”تیرے ہی درمیان سے“ لکھا ہے زیادہ عبارت کو مشتبہ کرتا ہے اور گو ہم لوگ بہت سے دلائل اور قرائن کو ایک جگہ جمع کر کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ میں جو مماثلت ہے بپایہ ثبوت پہنچا کر ایک حق کے طالب کے لئے نظری طور پر یہ بات ثابت کر دکھاتے ہیں کہ درحقیقت اس جگہ پیشگوئی کا مصداق بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں لیکن یہ پیشگوئی ایسی صاف اور بدیہی تو نہیں کہ ہر ایک اہل اور احمق کو اس کے ذریعہ سے ہم قائل کر سکیں۔ بلکہ اس کا سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج ہے اور سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج۔ اگر خدائے تعالیٰ کو ابتداء خلق اللہ کا منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیشگوئی کا بیان نہ ارادۃ الہی ہوتا تو پھر اس طرح پر بیان کرنا چاہیے تھا کہ اے موسیٰ میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسمعیل میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا اور اُن کے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔ اور وہ مکہ شہر میں پیدا ہوں گے

اور اُن کا تجلیہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ایسی کوئی پیشگوئی توریت میں لکھی جاتی تو کسی چوڑ پر اگر لکھی حاجت نہ رہتی اور تمام شریعوں کے ہاتھ پیر باندھے جاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہ تھا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بلاشبہ قادر تھا بلکہ اگر چاہتا تو اس سے بڑھ کر ایسے صاف صاف اور کھلے کھلے نشان لکھ دیتا کہ سب گردنیں اُن کی طرف جھک جاتیں اور دنیا میں کوئی منکر نہ رہتا۔ مگر اُس نے اس تصریح اور توضیح سے لکھنا اس لئے پسند نہیں کیا کہ ہمیشہ پیشگوئیوں میں ایک قسم کا ابتداء بھی اُسے منظور ہوتا ہے تاکہ نئے والے اور حق کے سچے طالب اسکو سمجھ لیں۔ اور جن کے نفسوں میں نخوت اور تکبر اور جلد بازی اور ظاہر بینی ہے وہ اسکو قبول کرنے سے محروم رہ جائیں۔

اب یقیناً سمجھو کہ یہی حال اس پیشگوئی کا ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ ابن مریم دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے شرقی طرف منارہ کے پاس اُترے گا کیونکہ اگر اسی طور اور اسی ظاہری صورت پر پیشگوئی نے پورا ہونا ہے تو پھر ایسے طور سے اُترنے کے وقت میں دنیا کے باشندوں میں سے کون منکر رہ سکتا ہے؟ تمام قوموں کو جو اب دنیا پر بستی ہیں کیا یہودی اور کیا عیسائی اور کیا ہندو اور بدھ مذہب والے اور مجوسی غرض سب فرقوں کو پوچھ کر دیکھ لو کہ اگر اس طور سے اُترتا کوئی نبی تمہیں دکھا دے تو کیا پھر بھی تم اس کی نبوت اور اس کے دین میں کچھ شک اور شبہ رکھتے رہو گے؟ بلاشبہ تمام لوگ یہی جواب دیں گے کہ اگر ہم ایسا بزرگ فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اُترتا ہوا دیکھ لیں تو بلاشبہ ایمان لے آویں گے حالانکہ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے یا حسرة علی العباد ملیناً تیہم من رسول الا کانوا به يستهزءون یعنی اے حسرت بندوں پر کہ ایسا کوئی نبی نہیں آتا جس سے وہ ٹھٹھا نہ کریں۔ ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں

جا بجا لکھا ہوا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو لوگوں نے بالاتفاق مان لیا ہو۔ اب اگر حضرت یحییٰ ابن مریم نے درحقیقت ایسے طور سے ہی اترنا ہے جس طور سے ہمارے علماء یقین کئے بیٹھے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اگر میں فرشتوں کو بھی زمین پر نبی مقرر کر کے بھیجتا تو انہیں بھی التباس اور اشتباہ سے غالی نہ کھتا۔

یعنی ان میں بھی شبہ اور شک کرنے کی جگہ باقی رہتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہی معجزہ آسمان سے اترنے کا پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مانگا گیا تھا اور اس وقت اس معجزہ کے دکھلانے کی بھی ضرورت بہت تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار رسالت کرنے سے جہنم ابدی کی سزا تھی مگر پھر بھی خدا تعالیٰ نے یہ معجزہ نہ دکھلایا اور سائلوں کی صاف جواب ملا کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے معجزات خدا تعالیٰ ہرگز نہیں دکھاتا۔ تا ایمان بالغیب کی صورت میں فرق نہ آوے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بندہ اترتا ہوا دیکھ لیا اور فرشتے بھی آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو پھر تو بات ہی بجلی فیصلہ ہو گئی۔ تو پھر کون بد بخت ہے جو اس سے منکر رہے گا؟ قرآن شریف اس قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے جن میں لکھا ہے کہ ایسے معجزات دکھانا خدا تعالیٰ کی عادت نہیں ہے اور کفار مکہ ہمیشہ ایسے ہی معجزات مانگا کرتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ برابر انہیں یہ کہتا تھا کہ اگر تم چاہیں تو کوئی نشان آسمان سے ایسا نازل کریں جس کی طرف تمام مسکروں اور کافروں کی گردنیں جھک جائیں۔ لیکن اس دارالابتلاء میں ایسا نشان ظاہر کرنا ہماری عادت نہیں۔ کیونکہ اس سے ایمان بالغیب جس پر تمام نواب مترتب ہوتا ہے ضائع اور دور ہو جاتا ہے۔ سو اسے بھائیو! میں محض نصیحتاً اللہ آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ اس خیال محال سے باز آجاؤ۔ ان دو قرینوں پر متوجہ ہو کر نظر ڈالو کہ کس قدر قوی اور

کھلے کھلے ہیں۔ اول ایلیانہی کا آسمان سے اترنا کہ آخر وہ اترے تو کس طرح اترے۔ دوسرے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال ہونا اور قل سبحان ربی اس کا جواب ملنا۔ اپنے
 دلوں میں سوچو کیا یہ اس بات کے سمجھنے کے لئے قرآنِ قویہ اور دلائل کا فیہ نہیں؟ کہ آسمان
 سے اترنے سے مراد حقیقی اور واقعی طور پر اترنا نہیں بلکہ مثالی اور ظنی طور پر اترنا مراد ہے۔
 ابتدائے عالم آفرینش سے آج تک اسی طور سے مقدس لوگ آسمان سے اترتے رہے ہیں۔
 اور مثالی طور پر ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ یہ آدم ثانی آیا ہے اور یہ یوسف ثانی اور یہ ابراہیم ثانی
 لیکن آدم زاد کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اترنا اب تک کسی نے مشاہدہ نہیں کیا پس
 وہ امر جو اصول نظام عالم کے برخلاف اور قانون قدرت کے مبائن و مخالف اور تجارب موجودہ
 و مشہودہ کا ضد پڑا ہے اس کے ماننے کے لئے صرف ضعیف اور متناقض اور رکب
 روایتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ سو یہ امید مت رکھو کہ سچ مح اور تحقیقت تمام دنیا کو
 حضرت سچ ابن مریم آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اگر
 اسی شرط سے اس پیش گوئی پر ایمان لانا ہے تو پھر تحقیقت معلوم، وہ اتر چکے تو تم ایمان لا چکے
 ایسا نہ ہو کہ کسی غبار (بیلون) پر چڑھنے والے اور پھر کھالے سامنے اترنے
 والے کے دھوکہ میں آ جاؤ۔ سو ہو شیار رہنا آئندہ اس اپنے جے ہوئے خیال کی
 وجہ سے کسی ایسے اترنے والے کو ابن مریم نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص سچ کو
 قبول نہیں کرتا پھر دوسرے وقت میں اس کو جھوٹ قبول کرنا پڑتا ہے۔ جن بے سعادت
 اور بد بخت لوگوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کیا تھا انہوں نے مسلمان
 کذاب کو قبول کر لیا حتیٰ کہ چھ سات ہفتہ کے اندر ہی ایک لاکھ سے زیادہ اس پر ایمان
 لے آئے۔ سو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور الگ الگ گوشوں میں بیٹھ کر فک کرو کہ اب تک
 سنت اور عادت الہی کس طرح پہنچی آئی ہے۔ اور یہ بھی سوچو کہ صحیح حدیثوں میں آسمان
 سے اترنے کا بھی کہیں ذکر نہیں اور صرف نزل یا نزل کا لفظ آسمان سے اترنے پر

۲۸۲

۲۸۳

ہرگز دلالت نہیں کرتا اور اگر فرض کے طور پر آسمان کا لفظ بھی ہوتا تب بھی ہمارے مطلب کو مضروخل نہیں تھا۔ کیونکہ ذریت و انجیل میں ایسی آیتیں بہت سی پائی جاتی ہیں جن میں نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ آسمان سے ہی اترتے ہیں مثلاً یوحنا کی انجیل میں حضرت یحییٰ کی طرف سے یہ قول لکھا ہے کہ وہ جو زمین سے آتا ہے وہ زمینی ہے اور زمین سے کہتا ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے سب کے اوپر ہے (یعنی نبیوں کا قول دوسرے عقلمندوں کے قول پر مقدم ہے۔ کیونکہ نبی آسمان سے اترتا ہے) دیکھو یوحنا باب آیت ۳۱۔ پھر دوسرا قول یہ ہے۔ میں آسمان پر اس لئے نہیں اُترا کہ اپنی مرضی پر چلوں۔ یوحنا باب آیت ۱۱۔ پھر تیسرا قول یہ ہے کہ کوئی آسمان پر نہیں گیا سوائے اُس شخص کے کہ جو آسمان پر سے اُترا۔ یوحنا باب آیت ۱۴۔ اور فقط یہ کہتا ہے ہم نے اُتارا یا اُترا اس بات پر ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ آسمان سے اُتارا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تم نے لوہا اُتارا اور چار پائے (دویشی) اُتارے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ تمام مولیشی تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں کسی شخص نے گھوڑا یا بیل یا گدھا وغیرہ آسمان سے اُترتا کبھی نہیں دیکھا ہوگا حالانکہ اس جگہ صریح لفظ نزول کا موجود ہے اور کوئی شخص اس آیت کو ظاہر پر حمل نہیں کرتا۔ پھر جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی کلام میں ایسے ایسے استعارات و مجازات و کنایات بھی موجود ہیں جن کے ظاہر لفظوں میں صریح اور صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ لوہا اور تمام مولیشی

﴿قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (۱) وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ﴾ سورة الحديد الجزء ۲ نمبر ۲ (۲) ﴿قَدْ أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْنَا لَبًا سَازِ﴾ و
 ﴿أَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ سُوْرَةَ الزَّوْمِ﴾ الجزء ۲ نمبر ۲ (۱) یعنی ہم نے لوہا اُتارا (۲) اور ہم نے تم پر اس اُتارا۔
 (۳) اور تمہارے لئے چار پائے اُتارے۔ ایسا ہی تورات میں یہ فقرات ہیں۔ ہمارا اُترنا بیابان میں گنتی باب آیت ۳۱
 جے یرون کے بار اُترنا نہ ہوگا۔ استثناء باب آیت ۲۲۔ ہمارے اُترنے کی جگہ ہے۔ پیدا شد ۲۴۔ ۲۳۔ اب
 ان تمام آیات کا ظاہر ہے کہ اُترنے کا لفظ آسمان اُترنے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا لہذا اُترنے کے ساتھ آسمان کا لفظ زیادہ
 کر لینا ایسا ہے جیسا کسی جھوٹے سے پوچھا جائے کہ وہاں دو کتے ہوتے ہیں تو وہ جواب دے کہ چار دو ٹیٹاں۔ عند

ہم نے اُتارے ہیں اور مراد اس سے کوئی اور کھی گئی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ اُترنا کسی چیز کا بیان فرماتا ہے اور اصل مقصود اس اُترنے سے کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ انصاف کرنا چاہیے کہ کیا حضرت مسیح کا آسمان سے اُترنا ان آیات کی نسبت زیادہ صفائی سے بیان کیا گیا ہے؟ بلکہ مسیح کا اُترنا صرف بعض حدیثوں کی روش سے خیال کیا جاتا ہے اور حدیثیں بھی ایسی ہیں جن میں آسمان کا ذکر ہی نہیں صرف اُترنا لکھا ہے لیکن گدھوں اور بیلوں کا آسمان سے اُترنا قرآن کریم آپ فرما رہا ہے۔ پس سوچ کر دیکھو کہ کس طرف کو ترجیح ہے۔ اگر حضرت مسیح کا آسمان اُترنا صرف اس لحاظ سے ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس سے زیادہ صاف گدھوں اور بیلوں کا اُترنا ہے۔ اگر ظاہر پر ہی ایمان لانا ہے تو پہلے گدھوں اور بیلوں پر ایمان لاؤ کہ وہ حقیقت میں آسمان سے اُترتے ہیں یا اپنا بچھا چھڑانے کے لئے یوں کرو کہ انزلنا کے لفظ کو مضارع استقبال کے معنوں پر حمل کر کے آیت کی اس طرح پر تفسیر کر لو کہ آخری زمانہ میں جب حضرت مسیح آسمان سے اُتریں گے تو ساتھ ہی بہت سے گدھے خاص کر سواری کا گدھا ایسا ہی بہت سے بیل اور گھوڑے اور خچریں اور لوہا بھی آسمان سے اُترے گا آیات اور حدیث کی معانی میں پوری تطبیق ہو جائے ورنہ ہر ایک شخص اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے کہ قرآن شریف میں کیوں معنی آیات کے ظاہر سے باطن کی طرف پھیرے جلتے ہیں اور حدیثوں میں جو حضرت عیسیٰ کے اُترنے کے بارے میں وہی الفاظ ہیں کیوں اُن کے ظاہر ہی معنی اپنی حد سے بڑھ کر قبول کیے جاتے ہیں؟ سمجھنا کہ قرآنِ فوریہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر ہرگز نہیں گیا اور نہ آسمان کا لفظ اس آیت میں موجود ہے بلکہ لفظ تو صرف یہ ہے یا عیسیٰ الی متوفیک و رافعک الی پھر دوسری جگہ ہے بل رفعہ اللہ الیہ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مسیح کو موت دے کر پھر اپنی طرف اٹھالیا جیسا کہ یہ عام محاورہ ہے کہ نیک بندوں کی نسبت جب وہ مرجاتے ہیں یہی کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو خدا تعالیٰ نے

۲۸۸

اپنی طرف اٹھا لیا ہے جیسا کہ آیت ارجعی اِلٰی رَبِّکَ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو ہر جگہ موجود اور حاضر ناظر ہے اور جسم اور جسمانی نہیں اور کوئی جہت نہیں رکھتا۔ پھر کیونکر کہا جائے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ضرور اس کا جسم آسمان میں پہنچ گیا ہوگا۔ یہ بات کس قدر صداقت سے بعید ہے؟ راستہ باز لوگ روح اور روحانیت کی رو سے خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں نہ یہ کہ ان کا گوشت اور پوست اور اُن کی ہڈیاں خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ خود ایک آیت میں فرماتا ہے لٰکن ینال اللہ لحوما ولاد ماء عھا ولکن ینالہ التَّقْوٰی منکم یعنی خدا تعالیٰ تک گوشت اور خون قربانیوں کا ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اعمال صالحہ کی رُوح جو تقویٰ اور طہارت سے وہ تمہاری طرف سے پہنچتی ہے۔

اس تمام تقریر سے ایک سچائی کے طالب کے لئے ایک پوری پوری اطمینان اور تسلی ملتی ہے کہ جہاں جہاں قرآن شریف اور حدیث میں کسی مجسم چیز کا آسمان سے اتارا جانا لکھا ہو خواہ حضرت مسیح ہیں یا اور چیزیں وہ سب الفاظ ظاہر پر ہرگز محمول نہیں ہیں۔ چنانچہ جہاں علماء بھی ایک سچ کو باہر نکال کر باقی تمام مقامات میں ظاہر معانی کو باطن کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ فقط مسیح کی نسبت کچھ ایسی ضد اور چڑان کی طبیعتوں میں بیٹھ گئی ہے کہ بجز اس کے راضی نہیں ہوتے کہ اُن کے جسم کو آسمان پر پہنچادیں اور پھر کسی نامعلوم زمانہ میں اُسی جسم کا آسمان سے اُتارنا یقین کرتے ہیں۔

۲۸۹

ہمارے علماء خدا نے تعالیٰ ان کے حال پر رحم کیسے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور شان کو نہیں دیکھتے کہ سب زیادہ خدا نے تعالیٰ کا انہیں فیض تھا مگر باوجودیکہ آنحضرت کے رُوح جسمی کے بارہ میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم کے سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا جیسا کہ مسیح کے اٹھائے جانے کی نسبت اس زمانہ کے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں یعنی جسم کے ساتھ اٹھائے جانا اور پھر جسم کے ساتھ اترنا۔

لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ وہ ایک رویائے صالحہ تھی اور کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ کا نام نعوذ باللہ لحدود یا ضالہ نہیں رکھا اور نہ اجماع کے برخلاف بات کرنے سے انہیں ٹوٹ کر پڑ گئے۔ اب اے منصوفو! اسے حق کے طالبو! اے خدائے تعالیٰ سے ڈرنے والے بندو! اس مقام میں ذرہ ٹھہرجاؤ!!! اور آہستگی اور تدبیر سے خوب غور کرو کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر جسم کے ساتھ چڑھ جانا اور پھر جسم کے ساتھ اترنا ایسا عقیدہ نہیں ہے جس پر صدر اول کا اجماع تھا اور بعض صحابی جو اس اجماع کے مخالف قائل ہوئے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی، نہ ان کا نام لحدود و ضال اور ناقول مخطیٰ رکھا۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی معراج کا مسئلہ بالکل مسیح کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھنے اور آسمان سے اترنے کا مشکل ہے اور ایک مشکل مقدمہ کے بارے میں بعض صحابہ جلیلہ کا ہماری رائے کے مطابق رائے ظاہر کرنا درحقیقت ایک دوسرے پر لایہ میں ہماری رائے کی تائید ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کی نسبت انکار کرنا درحقیقت اور دہرے دھس کے جسمانی رف و معراج سے بھی انکار ہے۔ سو ہر ایک ایسے مومن کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور عزت مسیح کی عظمت اور عزت سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے طریق ادب یہی ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو مرتبہ قرب اور کمال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں وہ مسیح کے لئے بھی بوجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں مسلمانوں کا عام طور پر یہ مذہب ہے کہ مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں ایک اُمتی بنکر آئے گا اور مقتدی ہوگا نہ مقتدای یعنی نماز میں۔ پس اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ اس شخص کا درجہ کہ جو آخر اُمتی بن کر آئے گا اُس دوسرے شخص کے درجہ سے نہایت ہی کمتر اور فروتر ہونا چاہیے جس کو اُمتی کا نبی اور رسول اور پیشوا اٹھرایا گیا ہے یعنی ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بڑے تعجب کا مقام ہوگا کہ ایک اُمتی کی وہ تعریفیں کی جائیں

۲۹۰

۲۹۱

ہو اس کے رسول کی نہیں کی گئیں۔ اور وہ عظمت اس امتی کو دی جائے جو اسکے رسول کو نہیں دی گئی۔
 اور اگر یہ کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی کر کے کہاں بکارا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ
 صحیح بخاری کی وہ حدیث دیکھو جس میں امام مکہ منکھ موجود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ
 منکھ کے خطاب کے مخاطب امتی لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دنیا
 کے اخیر تک ہوتے رہیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جب مخاطب صرف امتی لوگ ہیں اور یہ امتیوں
 کو خوشخبری دی گئی کہ ابن مریم جو آئیوا لا ہے وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تم میں سے ہی پیدا ہوگا
 تو دوسرے لفظوں میں انہی فقرے کے یہی معنی ہوتے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے کوئی نبی
 نہیں ہوگا بلکہ فقط امتی لوگوں میں سے ایک شخص ہوگا۔

۲۹۲

اب سوچنا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر اس بات کے لئے اور کیا قرینہ ہوگا کہ ابن مریم سے
 اس جگہ وہ نبی مراد نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی کیونکہ نبوت ایک عطاء غیر مجذوب ہے اور
 نبی کا اس عطاء سے محروم و بے نصیب کیا جانا ناہر و جائز نہیں۔ اور اگر فرض کر لیں کہ وہ نبی ہونے
 کی حالت میں ہی آئینگے اور بحیثیت نبوت نزول فرماوینگے تو ختم نبوت اس کا مانع ہے۔ سو
 یہ قرینہ ایک بڑا بھاری قرینہ ہے بشرطیکہ کسی کے دل و دماغ میں خدا داد تقویٰ و فہم موجود ہو۔
 میرے دوست مولوی ابوسعید محمد حسنین صاحب اپنے ایک خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ
 اگر آپ کا مثیل موعود ہونا مان لیا جائے تو پھر بخاری و دیگر صحاح نہی و بیکار ہو جائیں گی۔
 اور ایک سخت تفرقہ اُحمات مسائل دین میں پڑے گا۔ سو اول میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ
 میرے دوست وہی مولوی صاحب ہیں کہ جو اپنے اشاعت السنۃ نمبر جلد ۷ میں امکانی طور پر
 اس عاجز کا مثیل مسیح اور پھر موعود بھی ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ کیونکہ براہین احمدیہ میں
 جس کا مولوی صاحب نے ریلو لکھا ہے ان دونوں دعووں کا ذکر ہے یعنی اس عاجز نے
 براہین میں صاف اور صریح طور پر لکھا ہے کہ یہ عاجز مثیل مسیح ہے اور نیز موعود بھی ہے۔
 جس کے آنے کا وعدہ قرآن شریف اور حدیث میں روحانی طور پر دیا گیا ہے۔

۲۹۳

اب مجھے مولوی صاحب کے اس بیان پر کہ اس عاجز کے مثیل مسیح ماننے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم بے کار ہو جائیں گی دینی عقائد میں ابتری پڑ جائے گی سخت تعجب ہے کیونکہ ہم نے اب ان رسالوں میں کوئی نئی بات تو نہیں لکھی۔ یہ تو وہی پرانی باتیں ہیں جو میں اس سے پہلے براہین احمدیہ میں لکھ چکا ہوں جن کی نسبت مولوی صاحب موصوف اپنے ریویو کے معرض بیان میں سکوت اختیار کر کے اس عاجز کی صداقت دعویٰ کی نسبت شہادت لے چکے ہیں۔ بلکہ امکانی طور پر مثیل مسیح ہونا اس عاجز کا اپنے صریح بیان میں تسلیم کیجئے ہیں۔ ہاں اس رسالہ میں میں نے خدا تعالیٰ سے علم قطعی و یقینی پاکر براہین احمدیہ کے مضمون سے اس قدر زیادہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم مثالی اور ظلی وجود کے ساتھ آئے گا نہ وہی اصلی مسیح۔ سو میں نے اجماعی عقیدہ کی (اگر اجماع فرض کیا جائے) ایک تفسیر کی ہے نہ اس کے بخلاف کچھ کہا ہے۔ اور مولوی صاحب کو معلوم ہو گا کہ برخلاف اجماع صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے دونوں ٹکڑوں کی نسبت یہی رائے ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسم کے ساتھ نہ بیت المقدس میں گئے نہ آسمان پر بلکہ وہ ایک رؤیا صاحتھی۔ اظہار ہے کہ عائشہ صدیقہ کا یہ قول بخاری اور مسلم کا کچھ خلل انداز نہیں ہوا اور نہ صحاح ستہ کو اس نے نکمٹا اور بے کار کر دیا۔ تو پھر اس عاجز کے اس دعویٰ اور اس الہام سے صحیح ستہ کیونکر نکلتی اور بے کار ہو جائیں گی؟ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا کہاں ایسا ثابت ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ سو اسے میرے عزیز بھائی اس مقام میں تامل کر اور جلدی نہ کرے۔

۲۹۴

تامل کننا در خط و صواب بہ از ترا خیال حاضر جواب
اور اگر مولوی صاحب یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے اگرچہ اپنے ریویو میں امکانی طور پر مثیل مسیح ہونا آپ کا مان لیا ہے اور ایسا ہی ظلی اور روحانی طور پر مسیح موعود ہونا بھی مان لیا۔ لیکن ہم نے یہ کب مانا ہے کہ آپ ہمہ وجہ ان پیشگوئیوں کے مصداق کامل ہیں جو مسیح ابن مریم کے بارہ میں صحاح میں موجود ہیں؟

اس عذر کا جواب یہ ہے کہ اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا بلکہ میں تو ماننا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کھیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال اور اقبال کے ساتھ بھی آئے اور ممکن ہے کہ اول وہ دمشق میں ہی نازل ہو مگر اے میرے دوست مجھے اس بات کے ماننے اور قبول کرنے سے معذور تصور فرمائیے کہ وہی مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے اپنے خالی جسم کے ساتھ پھر آسمان سے اترے گا۔ اسلام اگرچہ خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا اور رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو معطل اور بے کار ٹھہرانا نہیں چاہتا اور اگر صاف اور صریح طور پر کوئی امر خلاف عقل کسی الہامی کتاب میں واقع ہو اور ہم اس کے چاروں طرف نظر ڈال کر اس حقیقت تک پہنچ جائیں کہ دراصل یہ امر خلاف عقل ہے بتراز عقل نہیں تو ہمیں شریعت اور کتاب الہی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس امر غیبی معقول کو حقیقت پر حمل کر بیٹھیں بلکہ قرآن شریف میں ہمیں صاف تاکید فرمائی گئی ہے کہ آیات متشابہات یعنی جن کا سمجھنا عقل پر مشتبہ رہے ان کے ظاہری معانی پر ہرگز زور نہیں دینا چاہیے کہ درحقیقت یہی مطلب اور مراد خدا تعالیٰ کی ہے۔* بلکہ اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اصل حقیقت کو

* بعض لوگ محدثین کے فرقہ میں سے جو الہ آیات قرآنی پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم انواع و اقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں پھینک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر اس عاجز پر اہم اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر پھر اس کو زندہ کر کے دکھائیے۔ کیونکہ جس حالت میں حضرت مسیح کے کہ در بار پرندے بنائے ہوئے اب تک موجود ہیں جو ہر طرف پر دار کرتے نظر آتے ہیں تو پھر مثیل مسیح بھی کسی پرندہ کا خالق ہونا چاہیے۔

ان تمام وہام و باطلہ کا جواب یہ ہے کہ وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کو ناکہ گو یا خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اذن سے حضرت عیسیٰ کو صفات حقیقت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحد اور سخت بے ایمانی ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ ایسی صفات خاصہ الہویہ تمجید و مہرے کو دے سکتا ہے

حوالہ بخدا کر دینا چاہیے۔ اب دیکھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کامل تعلیم ہے کہ اسی کی برکت سے ہم ہزار ہا ایسے جھگڑوں سے نجات پاسکتے ہیں جو قصص ماضیہ یا پیش گوئیوں کی نسبت اس زمانہ میں پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ ہر ایک اعتراض خلاف عقل محض کو حقیقت پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جبکہ ہم نے اس ضد کو ہی چھوڑ دیا اور اپنے مولیٰ کی ہدایت کے موافق تمام متشابہات میں جن کا سمجھنا عقل پر مشتبہ رہتا ہے یہی اصول مقرر کر رکھا کہ ان پر اجمالی طور پر ایمان لاویں اور ان کی اصل حقیقت حوالہ بخدا کریں تو پھر اعتراض کے لئے کوئی بنیاد پیدا نہیں ہو سکتی مثلاً ایک صحیح حدیث میں یہ لکھا ہو کہ اگر دن اور رات کو جمع کریں تو وہ بیسٹ

۲۹۷

۲۹۸

تو اس کا اس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور موجد صاحب کب یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے بلکہ ہمارا حقیقہ یہ ہے کہ یہ طاقت خدا نے اپنی اذن اور ارادہ سے ان کو دے رکھی تھی اور اپنی مرضی سے ان کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنا دیا تھا اور یہ اسکو اختیار ہے کہ جس چاہے اپنا مشیل بنا دیوے قادر مطلق جو ہوا۔ یہ سراسر مشرکانہ باتیں ہیں اور کفر سے بدتر۔ اس موجد کو یہ بھی کہا گیا کہ کیا تم اب شناخت کر سکتے ہو کہ ان پر ندوں میں سے کون سے ایسے پرندے ہیں جو خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور کون سے ایسے پرندے ہیں جو ان پر ندوں کی نسل ہیں جن کے حضرت عیسیٰ خالق ہیں؟ تو اس نے اپنے ساکت رہنے سے یہی جواب دیا کہ میں شناخت نہیں کر سکتا۔

۲۹۹

اب واضح رہے کہ اس زمانہ کے بعض موجدین کا یہ اعتقاد کہ پرندوں کے نوع میں سے کچھ تو خدا تعالیٰ کی مخلوق اور کچھ حضرت عیسیٰ کی مخلوق ہے۔ سراسر فاسد اور مشرکانہ خیال ہے اور ایسا خیال رکھنے والا بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ عذر کہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا تو نہیں مانتے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بعض اپنی خدائی کی صفتیں انکو عطا کر دی تھیں نہایت مکروہ اور باطل عذر ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں پرندوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ وہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک پرندے کو دے کر پورا خدا بنا سکتا ہے۔ پس اس صورت میں مخلوق پرستوں کے کل مذاہب سے ٹھہر جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ کسی بشر کو اپنے اذن اور ارادہ سے خالقیت کی صفت عطا کر سکتا ہے پھر تو وہ اس طرح کسی کو اذن اور ارادہ سے اپنی طرح عالم الغیب بھی بنا سکتا ہے اور اس کو ایسی قوت بخش سکتا ہے جو خدا تعالیٰ

۳۰۰

نہیں بلکہ پندرہ ہوں گی تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو حقیقت پر حمل کر بیٹھیں اور ناحق بے جا قہر کرنے سے مخالفوں سے ہنسی کرائیں۔ ہمارے لئے قرآن کریم کی تعلیم سے یہ راہ کھلی ہے کہ ہم اس حدیث کو متشابہات میں داخل کریں اور سنہ سے اپنے تئیں بچا دیں۔ لیکن اگر ہم علم میں ایسے رنخ کئے جائیں جو اہامی طور پر ہمیں وہ معقولی راہ دکھلائی جائے جس سے لوگ مطمئن ہو سکتے ہیں تو پھر کچھ ضرورت نہیں کہ ہم ایسی آیت یا حدیث کو متشابہات میں داخل رکھیں بلکہ ان معقولی معنوں کو جو اہام کے ذریعہ سے ظاہر ہوئے ہیں شکر کے ساتھ ہم قبول کر لیں گے۔

کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر ہو اور ظاہر ہے کہ اگر خدائی کی صفیت ہی بندوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کا وحدہ لا شریک ہونا باطل ہے جس قدر دنیا میں مخلوق پرست ہیں وہ بھی یہ تو نہیں کہتے کہ ہمارے معبود خدا ہیں بلکہ ان کو محدود کی طرح ہی کا۔ مگر حقیقت یہی قول ہے کہ ہمارے معبودوں کو خدا تعالیٰ نے خدائی طاقتیں دے دی ہیں۔ رب اعلیٰ و عزّوہی ہے اور یہ صرف چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ تعجب کہ یہ لوگ بیا رسول اللہ کہنا شرک کا کلمہ سمجھ کر متنبہ کرتے ہیں لیکن مریم کے ایک عاجز بیٹے کو خدائی کا حصہ دار بنا رہے ہیں۔ بھلا تو آپ لوگوں کا در اصل یہی مذہب ہے کہ خدائی بھی مخلوق میں تقسیم ہو سکتی ہے اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی صفت خالقیت و رازقیت و عالیت و قدرت وغیرہ میں ہمیشہ کیلئے شریک کر دیتا ہے تو پھر آپ لوگوں نے اپنے بدعتی بھائیوں سے اس قدر جنگ جمل کیوں شروع کر رکھی ہے وہ بیچارے بھی تو اپنے اولیاد کو خدا کر کے نہیں ماننے صرف یہی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اذن اور ارادہ سے کچھ خدائی طاقتیں انہیں دے رکھی ہیں اور انہی طاقتوں کی وجہ سے جو باذن الہی ان کو حاصل ہیں وہ کسی کو بیٹا دیتے ہیں اور کسی کو بیٹی۔ اور ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ نندیں نیازیں لیتے ہیں اور مردوں دیتے ہیں سب اگر کوئی طالب حق یہ سوال کرے کہ اگر ایسے عقائد سراسر باطل اور مشرکانہ خیالات ہیں تو ان آیات فرقانیہ کے صحیح معنی کیا ہیں جو میں لکھا ہے کہ سیح ابن مریم مٹی کے پرندے بنا کر پھونک ان میں مارتا تھا تو وہ باذن الہی پرندے ہو جاتے تھے۔

سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض مسموٰی ہو رہتے ہیں۔

۳۰۱ اور اگر یہ کہا جاوے کہ قرآن شریف کے ایسے معنی کرنا کہ جو پہلوں سے منقول نہیں ہیں الحاد ہے جیسے مولوی عبدالرحمن صاحبزادہ مولوی محمد لکھنوالہ نے اس عاجز کی نسبت لکھا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسے اجنبی معنی نہیں کئے جو مخالف اُن معنوں کے ہوں جن پر صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع ہو۔ اکثر صحابہ مسیح کا فوت ہو جانا مانتے رہے، وجمال معبود کا فوت ہو جانا مانتے رہے پھر مخالفانہ اجماع کہاں سے ثابت ہوا۔ قرآن شریف میں مسیح کے قریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے پر دلالت دیتیں کہ وہی ہیں۔ غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا نہایت لغو

۳۰۲ جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شقی القمر جو ہمارے سیدہ مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا (۲) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس عاقل عادت عقل کے ذریعے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الہی سے ملتی ہے جیسے حضرت سلیمان کا وہ معجزہ جو صرّح محمد زکریا کو آدیر ہے جس کو دیکھ کر بقیس کو ایمان نصیب ہوا۔

۳۰۳ اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزے کی طرح صورت عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اُن دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے۔ وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور طیارہ کر کے ان کو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے۔ وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے اُن کے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے جیسا کہ قرآن کریم بھی اس بات کا شاہد ہے۔ سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی جو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کٹی کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرنا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک

اور بے اصل بات ہے صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں۔ بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین نسو
یا چار نسو صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارہ میں اپنی شہادت ادا کر گئے ہیں ورنہ ایک یا دو آدمی
کے بیان کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے۔ ماسوا اس کے یہ بھی ان حضرات کی سراسر
غلطی ہے کہ قرآن کریم کے معانی کو بزمانہ گذشتہ محدود و مقید سمجھتے ہیں مگر اس خیال
کو تسلیم کر لیا جاوے تو پھر قرآن شریف معجزہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو شاید ان
عزیزوں کے لئے جو بلاغت شناسی کا مذاق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا جو ہر ایک قوم اور ہر ایک اہل زبان پر روشن

عجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ برہمنی کا کام و حقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں
کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے اور جیسے انسان میں قوت
موجود ہوں انہیں کے موافق اعجاز کے طور پر بھی مدد ملتی ہے جیسے ہمارے سید مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے روحانی قوتی بود قاتی اور محارف تک پہنچنے میں نہایت تیز و قوی تھے سوائی کے موافق قرآن
شریف کا معجزہ دیا گیا۔ جو جامع جمیع دقائق و محارف الہیہ ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے
کہ حضرت یحییٰ نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے جن اعلیٰ کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہوا اور اس معجزہ
دکھلانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنعتی ایسی چڑیاں
بنالیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہنسی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں اور میں نے سنا ہے کہ بعض
چڑیاں گل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں۔ جمعی اور کلکتہ میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور
یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں بکثرت ہیں اور ہر سال نئے نئے نکلتے آتے ہیں۔ اور جو کہ قرآن شریف
اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اس لئے ان آیات کے روحانی طور پر معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی
کی چڑیوں سے مراد وہ اُمتی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا تو اپنی صحبت
میں لے کر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح اُن میں پھونک دی جس سے وہ
پرواز کرنے لگے۔

ماسوا اس کے یہ بھی قرآن قیاس ہے کہ ایسے ایسے محارف و عمل المتربصہ کی مکرر ترقی

ہو سکتا ہے جس کو پیش کر کے ہم ہر ایک ملک کے آدمی کو خواہ ہندی ہو یا پارسی یا یورپین یا امریکن یا کسی اور ملک کا ہو ملزم و ساکت و لا جواب کر سکتے ہیں۔ وہ غیر محدود معارف و حقائق و علوم حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد سپاہیوں کی طرح کھڑے ہیں اگر قرآن شریف اپنے حقائق و دقائق کے لحاظ سے ایک محدود چیز ہوتی تو ہرگز وہ معجزہ نامہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ فقط بلاغت و فصاحت ایسا امر نہیں ہے جس کی اعجازی کیفیت ہر ایک خواندہ ناخواندہ کو معلوم ہو جائے کھلا کھلا اعجاز اس کا تو یہی ہے کہ وہ غیر محدود معارف و دقائق

۳۰۶

۳۰۷

سے بطور لہو و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ عمل القرب میں جس کو زمانہ محال میں سرگزیم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جادو پر جو بالکل بے جان ہے ڈال سکتی ہے۔ تب جادو سے وہ بعض حرکات صادر ہوتی ہیں جو زندگی سے صادر ہوا کرتی ہیں۔ راقم رسالہ ہڈانے اس علم کے بعض مشق کرنے والوں کو دیکھا ہے جو اہل دل نے ایک لکڑی کی تنباکی پر ہاتھ رکھ کر ایسا اپنی حیوانی روح سے اُسے گرم کیا کہ اس نے چار پاؤں کی طرح حرکت کرنا شروع کر دیا اور کہتے آدمی گھوڑے کی طرح اس پر سوار ہوئے اور اسکی تیزی اور حرکت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ سو یقیناً طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص اس فن میں کامل مشق رکھنے والا مٹی کا ایک پرندہ بنا کر اس کو پرواز کرتا ہوا بھی دکھا دے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ نہیں کیا گیا کہ اس فن کے کمال کی کہاں تک انتہاء ہے۔ اور جبکہ ہم بحث خود دیکھتے ہیں کہ اس فن کے ذریعہ سے ایک جادو میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جاوے اور عمل القرب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جاوے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا بلکہ بدستور بے جان اور جادو ہوتا ہے صرف حامل کے روح کی گرمی بارود کی طرح اُس کو جنبش میں لاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے

۳۰۸

۳۰۹

اپنے اندر رکھتا ہے جو شخص قرآن شریف کے اس اعجاز کو نہیں مانتا وہ علم قرآن کو سخت بے نصیب ہے ومن لم یؤمن بذلک الاعجاز فواللہ ما قدر القرآن حق قدرہ وما عرف اللہ حق معرفتہ واما وقرالرسول حق توقیرہ۔

اے بندگانِ خدا! یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف میں غیر محدود و معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر ایک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے اور ہر ایک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری ملافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے کئی شخص

ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بے پایہ ثبوت نہیں پہنچتا اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ سلبِ امراض کرنا یا اپنی روح کی گرمی جلا میں ڈال دینا درحقیقت یہ سب عملِ الترب کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس روحانی عمل کے ذریعہ سلبِ امراض کرتے رہے ہیں اور مصلوح امیر و مصلح مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہے ہیں جن لوگوں کے معلومات و وسیع ہیں وہ میرے اس بیان پر شہادت دے سکتے ہیں کہ بعض فقراء نقشبندی و نہروندی وغیرہ نے بھی ای مشقوں کی طرف بہت توجہ کی تھی اور بعض ان میں یہاں تک مشاق گزے ہیں کہ صد ہا بیماروں کو اپنے میمن و یسار میں بٹھا کر صرف نظر سے اچھا کر دیتے تھے اور محی الدین ابن عربی صاحب کو بھی اس میں خاص درجہ کی مشق تھی۔ اولیاء اور اہل سلوک کی قوارخ نور و سواح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کالمین ایسے عملوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں مگر بعض لوگ اپنی ولایت کا ایک ثبوت بنانے کی غرض سے یا کسی اور نیت سے ان مشقوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت کبیر ابن مریم ماذن و حکم آبی الیسع نبی کی طرح اس عملِ الترب میں کمال رکھتے تھے گو الیسع کے درجہ کا طہ سے کم رہے ہوتے تھے۔ کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی مجروح و کھلا لاکا کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مردہ زندہ ہو گیا مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم کے ساتھ لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں۔ یعنی وہ دو چار مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ بہر حال مسیح کی یہ تری کار و ایمان زمانہ کے مناسب عمل بطور خاص مصلحت کے تعین مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں۔ جیسا کہ

برہم یا بدھ مذہب والا یا آریہ یا کسی اور رنگ کا فلسفی کوئی ایسی آئی صداقت نکال نہیں سکتا جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور جس طرح صحیفہ فطرت کے عجائب و غرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں یہی حال ان صحف مطہرہ کا ہے تا خدا نے تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو۔ اور میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن شریف کے عجائبات اکثر بذریعہ الہام میرے پر کھلتے رہتے ہیں اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ تفسیروں میں ان کا نام و نشان نہیں پایا جاتا مثلاً یہ جو اس عاجز پر کھلا ہے کہ ابتداء سے خلقت آدم سے جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۳۱۱

۳۱۲

عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکر وہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید تھی کہ ان عجوبہ نمایوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے اور حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکز تھے باذن و حکم الہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ واضح ہو کہ اس عمل جسمانی کا ایک نہایت بڑا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مضوں کے رفع دفع کرنے کے لئے اپنی ذہنی و دماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیرات میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور کمزور جاتا ہے اور امتزجیر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے لحاظ بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریاں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارے میں انکی کاروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان جسمانی امور کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور تمام زور اپنی روح کا دلوں میں ہدایت پیدا ہونے کیلئے ڈالا اسی وجہ سے تکمیل نفوس میں سب سے بڑھ کر رہے اور ہزار ہا بند گناہ کو مکمل کے درجہ تک پہنچا دیا اور اصلاح خلق اور اندرونی تبدیلیوں میں وہ یدِ بیضا و دکھلا یا کہ جس کی ابتداء دنیا سے آج تک نظیر نہیں پائی جاتی حضرت مسیح کے عمل الترب سے وہ مردے جو زندہ ہوتے تھے یعنی قریب الموت آدمی جو گویا نئے سرے زندہ ہو جاتے تھے وہ بلا توقف

۳۱۳

کے زمانہ بعثت تک مدت گزری تھی وہ تمام مدت سورۃ والعصر کے اعداد حروف میں بحساب قمری مندرج ہے یعنی چار ہزار سات سو چالیس۔ اب تلاؤ کہ یہ دقاقی قرآنہ جس میں قرآن کریم کا اعجاز نمایاں ہے کس تفسیر میں لکھے ہیں۔ ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے میرے پر یہ نکتہ معارف قرآنہ کا ظاہر کیا کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر کے صرف یہی معنی نہیں کہ ایک بابرکت رات ہو جس میں قرآن شریف اُترا بلکہ باوجود ان معنوں کے جو بجالائے خود صحیح میں اس آیت کے بطن میں دوسرے معنی بھی ہیں جو رسالہ فتح اسلام میں درج کئے گئے ہیں۔ اب فرمائیے کہ یہ تمام معارف حقہ کس تفسیر میں موجود ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآن شریف کے ایک معنی کے ساتھ

چند منٹ میں مر جاتے تھے کیونکہ بذریعہ عمل الترب روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی مگر جن کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور یہ جو میں نے سمریٰ ہی طریق کا عمل الترب نام رکھا جس میں حضرت مسیح بھی کسی درجہ تک مشق رکھتے تھے یہ الہامی نام ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ عمل الترب ہے اور اس عمل کے عجائبات کی نسبت یہ بھی الہام ہوا ہذا هو الترب الذی لا یعلمون یعنی یہ وہ عمل الترب ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔

۳۰۔ ورنہ خدا تعالیٰ اپنی ہر ایک صفت میں واحد لا شریک ہے اپنی صفات الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

فرقان کریم کی آیات بینات میں اس قدر اس مضمون کی تاکید پائی جاتی ہے جو کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ وہ عزائم فرماتا ہے الذی لا یملک السموات والارض ولم یغض ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شیء فقد رہ تقدیراً۔ واتخذوا من دونہ الہة لا یخلقون شیئاً وہم یخلقون۔ ولا یملکون لانفسہم ضرراً ولا نفعاً ولا یملکون موتاً ولا حیوۃ ولا نشوراً۔ سورۃ الفرقان الجوزہ ۱۔ یعنی خدا وہ خدا ہے جو تمام زمین و آسمان کا اکیلا مالک ہے کوئی اس کا حصہ دار نہیں اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس کے ملک میں کوئی اُس کا شریک اور اسی نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور پھر ایک حد تک اس کے جسم اور اس کی طاقتوں اور اس کی عمر کو محدود کر دیا اور شرکوں نے بجز اس خدا کے حقیقی کے اور اور ایسے ایسے خدا مقرر کر رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ پیدا شدہ اور مخلوق میں اپنے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ موت اور نہ زندگی اور نہ اُنھ کے مالک ہیں

اگر دوسرے معنی بھی ہوں تو ان دونوں معنوں میں کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہدایت قرآنی میں کوئی نقص عائد حال ہوتا ہے بلکہ ایک نور کے ساتھ دوسرا نور مل کر عظمت فوقانی کی روشنی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے اور چونکہ زمانہ غیر محدود انقلابات کی وجہ سے غیر محدود خیالات کا بالطبع محرک ہے لہذا اس کا نئے پیرایہ میں ہو کر جلوہ گر ہونا یا سنئے علوم کو بمنصہ ظہور لانائے نئے بدعات اور محدثات کو دکھلانا ایک ضروری امر اس کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اب اس حالت میں ایسی کتاب جو خاتم الکتب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اگر زمانہ کے ہر ایک رنگ کے ساتھ مناسب حال اس کا تدارک نہ کرے تو وہ ہرگز خاتم الکتب نہیں

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

اب دیکھو خدائے تعالیٰ صفات صاف طور پر فرما رہا ہے کہ بجز میرے کوئی اور خالق نہیں بلکہ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تمام جہان مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور صاف فرماتا ہے کہ کوئی شخص موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ ظاہر ہے کہ اگر کسی مخلوق کو موت اور حیات کا مالک بنا دینا اور اپنی صفات میں شریک کر دینا اس کی عادت میں داخل ہوتا تو وہ بطور استثناء ایسے لوگوں کو ضرور باہر رکھ لیتا اور ایسی اعلیٰ توحید کی ہمیں ہرگز تعلیم نہ دیتا۔ اگر یہ دسو اس دل میں گزرے کہ پھر اللہ جل شانہ نے مسیح ابن مریم کی نسبت اس قصہ میں جہاں پر زندہ بنانے کا ذکر ہے تخلیق کا لفظ کیوں استعمال کیا جس کے بظاہر یہ معنی ہیں کہ تو پیدا کرتا ہے اس کا جواب یہ ہو کہ اس جگہ حضرت عیسیٰ کو خالق قرار دینا بطور استعارہ ہے جیسا کہ اس دوسری آیت میں فرمایا ہے فتبارک الله احسن الخالقین بلاشبہ حقیقی اور سچا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اور جو لوگ مٹی یا لکڑی کے کھلونے بناتے ہیں وہ بھی خالق ہیں مگر جھوٹے خالق۔ جن کے فضل کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کیوں بطور معجزہ جانتے نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اذن اور ارادہ الہی سے حقیقت میں پرندے بنا لیتے ہیں اور وہ پرندے ان کی اعجازی پھونک سے پرواز کر جاتے ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے کسی شخص کو موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں بناتا۔ نبی لوگ دعا اور تضرع سے معجزہ مانگتے ہیں۔ معجزہ نمائی کی ایسی قدرت نہیں رکھتے جیسا کہ انسان کو مانعہ پیر ملانے کی قدرت ہوتی ہے۔ غرض معجزہ کی حقیقت اور مرتبہ سے بیابار بالا تر

ٹھہر سکتی اور اگر اس کتاب میں مخفی طور پر وہ سب سامان موجود ہے جو ہر ایک حالت زمانہ کے لئے درکار ہے تو اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ قرآن باریب غیر محدود و محارف پر مشتمل ہے اور ہر ایک زمانہ کی ضرورت لاحقہ کا کامل طور پر مشتمل ہے۔

اب یہ بھی یاد رہے کہ عادت اللہ ہر ایک کامل ملہم کے ساتھ ہی رہی ہے کہ عجائبات مخفیہ فرقان اس پر ظاہر ہوتے رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ایک ملہم کے دل پر قرآن شریف کی ریت الہام کے طور پر اتقاد ہوتی ہے اور اصل معنی سے پھیر کر کوئی اور مقصود اس سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ

اور ان صفات خاصہ خدا تعالیٰ میں سے ہے جو کسی حالت میں بشر کو مل نہیں سکتیں معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایک امر خارق عادت یا ایک امر خیال اور گمان سے باہر اور امید سے بڑھ کر ایک ہلنے رسول کی عزت اور صداقت ظاہر کرنے کے لئے اور اس کے مخالفین کی عجز اور مغلوبیت بتلانے کی غرض سے اپنے ارادہ خاص سے یا اس رسول کی دعا اور درخواست سے آپ ظاہر فرماتا ہے مگر ایسے طور سے جو اس کی صفات و معانی و تقدس و کمال کے منافی و مغائر نہ ہو اور کسی دوسرے کی وکالت یا کار سازی کا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔

اب ہر ایک دانشمند سوچ سکتا ہے کہ یہ صورت ہرگز معجزہ کی صورت نہیں کہ خدا تعالیٰ دائمی طور پر ایک شخص کو اجازت اور اذن دیدے کہ تو مٹی کے پرندے بنا کر بھونک مارا کر وہ حقیقت میں جا فور بن جایا کریں گے اور ان میں گوشت اور ہڈی اور خون اور تمام اعضا جانوروں کے بن جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ پر بندوں کے بنانے میں اپنی خالقیت کا کسی کو کھیل ٹھہرا سکتا ہے تو تمام امور خالقیت میں وکالت تامہ کا عہدہ بھی کسی کو دے سکتا ہے اس صورت میں خدائے تعالیٰ کی صفات میں شریک ہونا جائز ہوگا گو اس کے حکم اور اذن سے ہی اسی لوریز ایسے خالقوں کے سامنے اور فضا بہ الخلق علیہم کی مجبوری سے خالق حقیقی کی معرفت مشتبه ہو جائے گی۔ غرض یہ اعجاز کی صورت نہیں یہ تو خدائی کا حصہ دار بنانا ہے۔

بعض دانشمند شرک سے بچنے کے لئے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح جو پرندے بناتے تھے وہ بہت دیر تک جیتے نہیں تھے ان کی عمر بھوٹی ہوتی تھی تھوڑی مسافت تک پہنچا کر کہہ کر کہہ دیتے تھے

الہام ہوا قلنا یا نار کوئی برد او سلاما مگر میں اس کے معنی نہ سمجھا پھر الہام ہوا قلنا یا
صبر کوئی برد او سلاما تب میں سمجھ گیا کہ نار سے مراد اس جگہ صبر ہے اور پھر فرماتے
ہیں کہ ایک دفعہ مجھے الہام ہوا اب ادخلتی مدخل صدق واخرجنی خیر صدق
اور اس سے مراد اصلی معنی نہیں تھے بلکہ یہ مراد تھی کہ مولوی صاحب کو ہستان ریاست کابل
سے پنجاب کے ملک میں زیر سایہ سلطنت برطانیہ آجائیں گے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے الہام
میں کئی آیات فسرفانی لکھی ہیں اور ان کے اصلی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لئے ہیں۔

لیکن یہ غور یا اصل فضول ہے اور میں اس حالت میں لکھنے کے لائق ہے کہ جب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں
میں واقعی اور حقیقی حیات پیدا نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ غلط اور مجازی اور جھوٹی حیات جو عمل الترب کے ذریعے پیدا ہو سکتی
ہے ایک جھوٹ بھلاک کی طرح ان میں نمودار ہو جاتی تھی پس اگر اتنی ہی بات ہے تو ہم اس کو پہلے سے تسلیم کر چکے ہیں
ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ عمل الترب کے ذریعے بھونک کی ہامیں وہ قوت پیدا ہو جائے جو اس دماغ میں
پیدا ہوتی ہے جس کی تحریک کے غبارہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ مصالح فطرت نے اس مخلوقات میں بہت کچھ خواص
مخفی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک شریک صفات باری ہونا ممکن نہیں اور کوئی صنعت ہی جو غیر ممکن ہے؟

اور اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں میں واقعی اور حقیقی حیات پیدا ہو جاتی تھی اور سچے لگ ان میں
ہڈیاں گوشت پوست خون وغیرہ اعضا و بن کر جان پڑ جاتی تھی تو اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان میں
جاندار ہونے کے تمام لوازم پیدا ہو جاتے ہوں گے اور وہ کھانے کے بھی لائق ہوتے ہونگے اور ان کی
نسل بھی آج تک کروڑوں پرندے زمین پر موجود ہوں گے اور کسی بیماری سے یا شکاری کے ہاتھ سے مرتے
ہونگے تو ایسا اعتقاد بلاشبہ شرک ہے بہت لوگ اس دوسرے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی نبی کے
دعا کرنے سے کوئی مردہ زندہ ہو جائے یا کوئی جمد جاندار بن جائے تو اس میں کوئی شریک ہی ایسے لوگوں کو
جاننا چاہیے کہ اس جگہ دعا کا کچھ ذکر نہیں اور دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہوتا ہے اور
دعا پر جو فعل مرتب ہوتا ہے وہ فعل اتنی ہوتا ہے نبی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نبی خواہ دعا کرنے کے بعد
فوت ہو جائے نبی کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی اس میں کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ غرض نبی کی طرف سے صرف
دعا ہوتی ہے جو کبھی قبول اور کبھی رد بھی ہو جاتی ہے لیکن اس جگہ وہ صورت نہیں ماننا چاہئے کہ دعا کرنے کے

ان کے بعض مکتوبات اس عاجز کے پاس موجود ہیں انشاء اللہ بوقت ضرورت شائع کئے جائیں گے۔

اب مولوی عبدالرحمن صاحب برادر مہربانی فرما دیں کہ جبکہ سلف صالح کے برخلاف قرآن شریف کے معنی کرنے سے انسان ملحد ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے عاجز بھی ان کی نظر میں ملحد ہے کہ خدا تعالیٰ کے الہام سے بعض آیات کے معانی مخفی ظاہر کرتا ہے تو پھر مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کی نسبت جو ان کے مرشد ہیں کیا فتویٰ ہو؟

صاف ظاہر ہے کہ مسیح جو کام اپنی قوم کو دکھاتا تھا وہ دعا کے ذریعے ہرگز نہیں تھے اور قرآن شریف میں بھی کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مسیح بیماروں کے چنگا کرنے یا پرندوں کے بنانے کے وقت دعا کرتا تھا بلکہ وہ اپنی روح کے ذریعے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا چنانچہ جس نے کبھی اپنی عمر میں غور سے کھیل لے ہی ہوگی وہ ہمارے اس دیوان کی برقیں تمام تصدیق کرے گا اور قرآن شریف کی آیات بھی باور بند یہی پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ چنانچہ اس بات کا تجربہ اسی زمانہ میں ہوا ہے۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے رونق اور بے تعد تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظهر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام محذور مفلوج مبروص وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر پھے ہو جاتے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خواق دکھائے اسوقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر امدان میں پھونک مار کر انہیں سچا چمکے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت ترقی پذیر ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی۔ جیسے سامری کا گو سالہ۔ فتد برفانہ نکتہ جلیلۃ ما یلقہا الا ذو حظ عظیم۔

جن کو ایسے ایسے الہام بھی ہو گئے کہ جو آیتیں خاص بخمیر و ل کے حق میں تھیں وہ امتی لوگوں کے حق میں تشراردے دیں چنانچہ وہ دفعہ بعض وہ آیتیں جو صحابہ کبار کے حق میں قرآن کریم میں تھیں اس عاجز کی طرف اپنے خط میں لکھ کر بھیج دیں کہ آپ کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا ہے انہیں میں سے یہ آیات بھی ہیں (۱) قد افلح من زكاه (۲) انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفارین۔ اور یہ عاجز کہ جو مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے محبت اور حسن ظن رکھتا ہے تو درحقیقت اس کی یہی وجہ ہے کہ اُن کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ عاجز من جانب اللہ مامور ہونے والا ہے اور انہوں نے کئی خط لکھے اور اپنے الہامات متیرہ کٹھ ہر کئے اور بعض لوگوں کے پاس اس بارے میں بیان بھی کیا اور انکشاف میں بھی اپنی یہ مراد ظاہر کی۔

ان سوالوں کے جوابات جو متفرق طور پر لوگ پٹھتے ہیں

سوال۔ سید ابن مریم کا فوت ہونا قرآن شریف سے کہاں ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ دونوں فقرے آیات کے یعنی (۱) اَفْلَحَ اٰتٰی اور (۲) رَفَعَ اللّٰہُ دِلّٰتِہٖ کر رہے ہیں کہ سید جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ ایسا ہی یہ آیت کہ (۱) مَا قَتَلُوْہٖ وَمَا صَلَبُوْہٖ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ اِسی پر دلالت کر رہی ہے کہ سید نہ مصلوب ہوا اور نہ مقتول ہوا۔
الجواب۔ پس واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کے یہی معنی ہیں کہ فوت ہو جانا۔ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ (۱) اِیُّہِیْ سَیِّدُکَ اور یہ کہنا کہ (۲) اِنِّیْ مَتَوِّفٰکَ وَاَفْلَحَ اٰتٰی ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ سو اس کے جس وضاحت اور تفصیل اور توضیح کے ساتھ قرآن شریف میں سید کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ کیونکہ خداوند عز و جل نے

عام اور خاص دونوں طور پر مسیح کا فوت ہو جانا بیان فرمایا ہے عام طور پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے وما نجد الا رسول قد خلت من قبله الرسل^{۳۲۵} افان مات او قتل انقلبتم على اعقابکم یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے ہر ایک رسول جو آیا وہ گذر گیا اور انتقال کر گیا اب کیا تم اس رسول کے مرنے یا قتل ہو جانے کی وجہ سے دین اسلام چھوڑ دو گے؟ اب دیکھو یہ آیت جو استدلالی طور پر پیش کی گئی ہے صریح دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک رسول کو موت پیش آتی رہی ہے خواہ وہ موت طبعی طور پر ہو یا قتل وغیرہ سے۔ اور گذشتہ نبیوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو مرنے سے بچ گیا ہو۔ سو اس جگہ ناظرین بیداشت سمجھ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح جو گذشتہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں اب تک مرے نہیں بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تو اس صورت میں مضمحل اس آیت کا جو عام طور پر ہر ایک گذشتہ نبی کے فوت ہونے پر دلالت کر رہا ہے صحیح نہیں ٹھہر سکتا بلکہ یہ استدلال ہی لغو اور قابل جرح ہوگا۔

پھر دوسری آیت جو عام استدلال کے طریق سے مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے یہ آیت ہے وما جعلنا ہم جسداً الا یأکلون الطعام وما کانوا خلدین^{۳۲۶} یعنی کسی نبی کا ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانے کا محتاج نہ ہو اور وہ ب مرگے کوئی اُن میں سے باقی نہیں۔ ایسا ہی عام طور پر یہ بھی فرمایا وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مات فہم الخلدون^{۳۲۷} کل نفس ذائقة الموت۔

پھر تیسری آیت جو عام استدلال کے طریق سے مسیح کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے یہ آیت ہے ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لعلکم لا تعلم بعد علم شیئاً سورة الحج المجرۃ۔ یعنی اسے بنی آدم! تم دو گروہ ہو۔ ایک وہ جو پیرانہ سالی ہو پہلے فوت ہو جاتے ہیں یعنی یہ فرتوت ہو کر نہیں مرتے بلکہ پہلے ہی مرجاتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جو اس قدر بڑھے ہو جاتے ہیں جو ایک ارفل حالت زندگی کی جو قابل نفرت ہے اُن میں

پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ عالم اور صاحب عقل ہونے کے بعد سر اسر نادان بچے کی طرح
 بن جلتے ہیں اور تمام عمر کا آموختہ بیکد فتنہ سب بھول جاتے ہیں

اب چونکہ خدا تعالیٰ نے طرز حیات کے بارے میں بنی آدم کی صرف دو گروہوں میں تقسیم
 محدود کر دی تو ہر حال حضرت مسیح ابن مریم خدا تعالیٰ کے تمام خاکی بندوں کی طرح اس تقسیم سے
 باہر نہیں رہ سکتے۔ یہ حکماء کا فتاویٰ قدرت نہیں جو کوئی اس کو رد کر دے گا یہ تو شقت اشد
 ہے جس کو خود اشد جلاشائے نے تصریح سے بیان فرما دیا ہے۔

سوا اس تقسیم آپہ کی رو سے لازم آتا ہے کہ یا تو حضرت مسیح منکوح من یتوفیٰ میں داخل
 ہوں اور وفات پاکیزہ بہشت یوں میں اُس تخت پر بیٹھے ہوں جس کی نسبت انہوں نے آپ ہی
 انجیل میں بیان فرمایا ہے اور یا اگر اس قدر مدت تک فوت نہیں ہوئے تو زمانہ کی تاشیح
 اس ازل عمر تک پہنچ گئے ہوں جس میں باعث بیکاری کو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

اور جو خاص طور پر مسیح کے فوت ہو جانے پر آیات یتینات دلالت کر رہی ہیں کچھ فروری
 نہیں کہ ہم ان کو بار بار ذکر کریں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم اس جماعت مرفوعہ سے
 الگ ہے جو دنیا سے ہمیشہ کے لئے نصبت ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی گئی ہے تو ان میں
 جو عالم آخرت میں پہنچ گئے ہیں جو شامل نہیں ہو سکتا بلکہ مرنے کے بعد پھر شامل ہو گا اور اگر
 یہ بات ہو کہ ان میں جا ملا اور بموجب آیت فادخلی فی عبادی ابن فوت شدہ بندوں میں داخل
 ہو گیا تو پھر انہیں میں سے شمار کیا جاوے گا۔ اور معراج کی حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے
 کہ مسیح ابن فوت شدہ نبیوں میں جا ملا اور یحییٰ نبی کے پاس اس کو مقام ملا۔ اس صورت میں ظاہر
 ہے کہ معنی اس آیت کے کہ اَنی متوفیک ورا فعلن اَنی یہ ہوں گے اَنی متوفیک ورا فعلن
 الی عبادی المتوفین المقربین و ملحقک بالمتحابین۔ سو عقلمند کے لئے جو متعصب نہ ہو
 اسی قدر کافی ہے کہ اگر مسیح زندہ ہی اٹھایا گیا تو پھر مردہ میں کیوں جاگھسا؟ ہاں اس قدر
 ذکر کرنا اور بھی ضروری ہے کہ جیسے بعض نادان یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ آیات ذو معنی ہیں یہ

خیال سراسر فاسد ہے مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے بلکہ قرآن شریف کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کے لئے خود مفسر اور شارح ہیں۔ اگر یہ بات صحیح نہیں کہ مسیح کے حق میں جو یہ آیتیں ہیں کہ انی متوفیک اور غلما تو فیتنی یہ وحقیقت مسیح کی موت پر ہی دلالت کرتی ہیں بلکہ ان کے کوئی اور معنی ہیں تو اس نزاع کا فیصلہ قرآن شریف سے ہی کرنا چاہیے۔ اور اگر قرآن شریف مساوی طور پر کبھی اس لفظ کو موت کے لئے استعمال کرتا ہے اور کبھی ان معنوں کے لئے جو موت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تو محل متنازعہ فیہ میں مساوی طور پر احتمال رہیگا اور اگر ایک خاص معنی اغلب اور اکثر طور پر مستعملات قرآنی میں سے ہیں تو انہی معنوں کو اس مقام بحث میں ترجیح ہوگی اور اگر قرآن شریف اول سے آخر تک اپنے کل مقامات میں ایک ہی معنوں کو استعمال کرتا تو محل مسحوت فیہ میں بھی یہی قطعی فیصلہ ہوگا کہ جو معنی توفی کے ساتھ قرآن شریف میں لئے گئے ہیں وہی معنی اس جگہ بھی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ بالکل غیر ممکن ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بلیغ اور فصیح کلام میں ایسے تنازع کی جگہ میں جو اس کے علم میں ایک معرکہ کی جگہ ہے ایسے شاذ اور عجیب الفاظ استعمال کرے جو اس کے تمام کلام میں ہرگز استعمال نہیں ہوئے۔ اگر وہ ایسا کرے تو گویا وہ خلق اللہ کو آپ ورطہ شبہات میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نے ہرگز ایسا نہیں کیا ہوگا یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قرآن کریم کے تیسریس مقام میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی مراد لیتا جاوے اور پھر دو مقام میں جو زیادہ تر محتاج صفائی بیان کے تھے کچھ اور کا اور مراد لے کر آپ ہی خلق اللہ کو گمراہی میں ڈال دے۔

اب اے ناظرین! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز نے اول سے آخر تک تمام وہ الفاظ جن میں توفی کا لفظ مختلف معنوں میں آگیا ہے قرآن شریف میں غور سے دیکھے تو صاف طور سے کھل گیا کہ قرآن کریم میں علاوہ محل متنازعہ فیہ کے یہ لفظ تیسریس جگہ لکھا ہے اور ہر یک جگہ موت اور قبض روح کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور ایک بھی ایسا مقام نہیں

جس میں توفیٰ کا لفظ کسی اور معنی پر استعمال کیا گیا ہو اور وہ یہ ہیں :-

نام سورۃ	الجزء	آیت قرآن کریم
نساء	نمبر ۴	حَتَّىٰ يَتُوفَّيَهُمُ الْمَوْتُ
ال عمران	"	وَتُوفِّيَتِ مَعَ الْاِبْرَارِ
سجدة	۲۱	قُلْ يَتُوفَّيْكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ
نساء	۵	اِنَّ الَّذِيْنَ تُوْفُّهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ
مؤمن	۲۴	فَاَمَّا نُرِيْتَكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعْدُهُمْ اَوْ تُوْفِّيْتَكَ فَالِيْنَا يَرْجِعُوْنَ
النحل	۱۴	تُوْفُّهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ
"	"	تُوْفُّهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ
بقرہ	۲	يَتُوفُّوْنَ مِنْكُمْ
ص	۲	يَتُوفُّوْنَ مِنْكُمْ
انعام	۷	تُوْفِّتْهُ رُسُلُنَا
اعراف	۸	رُسُلُنَا يَتُوفُّوْنَهُمْ
"	۹	تُوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ
الانفال	۱۰	اِذْ يَتُوفُّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ
التوبہ	۱۰	يَتُوفُّوْنَ
سورۃ محمد صلیع ۲۶		فَلَيْفَ اِذَا تُوَفِّتُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
یونس	۱۱	وَاَمَّا نُرِيْتَكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعْدُهُمْ اَوْ تُوْفِّيْتَكَ
یوسف	۱۳	تُوَفِّتْنِيْ مُسْلِمًا ذَا الْحَقْنٰی بِالْصَّالِحِيْنَ
رعد	"	اَوْ تُوْفِّيْتَكَ
مؤمن	۲۴	وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوفِّیْ
"	"	اَوْ تُوْفِّيْتَكَ
نحل	۱۴	ثُمَّ يَتُوفُّكُمْ
حج	۱۷	وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوفِّیْ

نام سورة الجبر

آیت قرآن کریم

٣٣٢
 زمر ٣٣ الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك
 التي قضى عليها الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسعًى
 الانعام ٤ هو الذي يتوفىكم بالليل ويعلم ما جرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه
 ليُقضى اجل مسعًى

اب ظاہر ہے کہ ان تمام مقامات قرآن کریم میں توفی کے لفظ سے موت اور قبض روح ہی مراد ہے اور دوسرا ذکر آیتیں اگرچہ بطاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے اور جیسی موت میں روح قبض کی جاتی ہے نیند میں بھی روح قبض کی جاتی ہے۔ سو ان دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے جو یہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تاہر ایک شخص سمجھ لیوے کہ اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔ یہ بات ادنیٰ ذی علم کو بھی معلوم ہوگی کہ جب کوئی لفظ حقیقت مسلمہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایسے معنوں پر جن کے لئے وہ عام طور پر موضوع یا عام طور پر متعلیٰ ہو گیا ہے تو اس جگہ متکلم کیلئے کچھ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی شناخت کے لئے کوئی قرینہ قائم کرے کیونکہ وہ ان معنوں میں شائع متعارف اور متبادر الفہم ہے۔ لیکن جب ایک متکلم کسی لفظ کے معانی حقیقت مسلمہ سے بھیر کر کسی مجازی معنی کی طرف لے جاتا ہے تو اس جگہ صراحتاً یا لکھنا یا کسی دوسرے رنگ کے پیرایہ میں کوئی قرینہ اس کو قائم کرنا پڑتا ہے تا اس کا سمجھنا مشتبہ نہ ہو اور اس بات کے دریافت کے لئے کہ متکلم نے ایک لفظ بطور حقیقت مسلمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ ناوردہ کے یہی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلمہ کو ایک تبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر

بغیر احتیاج قرآن کے یونہی مختصر بیان کر دینا ہے۔ مگر مجاز یا استعارہ نادر کے وقت ایسا اختصار پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ کے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر متعل نہیں ہوا۔

۳۳۵

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اول سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں توفی کا لفظ موجود ہے بنظر غور دیکھا ہوگا وہ ایماناً ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہیے کہ یہ آیات (۱) اَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعْدُهُمْ اَوْ تَوَفِّيَنَّكَ (۲) تَوَفِّيْ مَسْلَمًا (۳) وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوفَّى (۴) تَوْفَهُمُ الْمَثَلَةُ (۵) يَتُوفُونَ مِنْكُمْ (۶) تَوْفَتْهُ مَرَسَلًا (۷) رَسَلْنَا يَتُوفُوْنَهُمْ (۸) تَوْفْنَا مَسْلَمِيْنَ (۹) وَتَوْفْنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (۱۰) ثُمَّ يَتُوفَكُمُ کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی ہیں مگر قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد توفی کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنی مراد لئے گئے ہوں۔ موت مراد نہ لی گئی ہو۔ بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي ہیں اپنے دل سے کوئی معنی مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے ؟

۳۳۵

اور اس جگہ یہ نکتہ بیان کرنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف میں ہر جگہ موت کے محل پر توفی کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے امانت کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا ؟ اس میں بھی یہ ہے کہ موت کا لفظ ایسی چیزوں کے فنا کی نسبت بھی بولا جاتا ہے جن پر فنا طاری ہونے کے بعد کوئی روح ان کی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے جب نباتات اور جمادات اپنی صورت و تعبیر کو چھوڑ کر کوئی اور صورت قبول کر لیں تو ان پر بھی موت کا لفظ

اطلاق پاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ یہ لوہا مرگیا اور کشتہ ہو گیا اور چاندی کا ٹکڑہ مرگیا اور کشتہ ہو گیا۔ ایسا ہی تمام جاندار اور گڑے مکوڑے جن کی روح مرنے کے بعد باقی نہیں رہتی اور مورد ثواب و عقاب نہیں ہوتے اُن کے مرنے پر بھی توفی کا لفظ نہیں بولتے بلکہ صرف یہی کہتے ہیں کہ فلاں جانور مرگیا یا فلاں کیڑا مرگیا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے کلام عزیز میں یہ منظور ہے کہ کھلے کھلے طور پر یہ ظاہر کر دے کہ انسان ایک ایسا جاندار ہے کہ جس کی موت کے بعد بگی اس کی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح باقی رہ جاتی ہے جس کو قابض ارواح اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس وجہ سے موت کے لفظ کو ترک کر کے بجائے اس کے توفی کا لفظ استعمال کیا ہے تا اس بات پر دلالت کرے کہ ہم نے اس پر موت وارد کر کے بگی اس کو فنا نہیں کیا۔ بلکہ صرف جسم پر موت وارد کی ہے اور روح کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اور اس لفظ کے اختیار کرنے میں دہریوں کا رد بھی منظور ہے جو بعد موت جسم کے روح کی بقا کے قائل نہیں۔

جاننا چاہیے کہ قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفی کے معنی روح کو قبض کرنے اور جسم کو بیکار چھوڑ دینے کے لئے گئے ہیں اور انسان کی موت کی حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے کہ روح کو خدا تعالیٰ قبض کر لیتا ہے اور جسم کو اس سے الگ کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اور چونکہ نیند کی حالت بھی کسی قدر اس حقیقت میں اشتراک رکھتی ہے اسی وجہ سے مذکورہ بالا دو آیتوں میں نیند کو بھی بطور استعارہ توفی کی حالت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ کچھ شک نہیں کہ نیند میں بھی ایک خاص حد تک روح قبض کی جاتی ہے اور جسم کو بے کار اور محفل کیا جاتا ہے لیکن توفی کی کامل حالت جس میں کامل طور پر روح قبض کی جائے اور کامل طور پر جسم بے کار کر دیا جائے وہ انسان کی موت ہے اسی وجہ سے توفی کا لفظ عام طور پر قرآن شریف میں انسان کی موت کے بارے میں ہی استعمال کیا گیا ہے اور اول سے آخر تک قرآن شریف اسی استعمال سے بھرا ہوا ہے

اور نیند کے محل پر توفیق کا لفظ صوف دو جگہ قرآن شریف میں آیا ہے اور وہ بھی قرینہ
 قیاس کرنے کے ساتھ۔ اور اُن آیتوں میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اس جگہ بھی
 توفیق کے لفظ سے نیند مراد نہیں ہے بلکہ موت ہی مراد ہے اور اس بات کا اظہار مقصود
 ہے کہ نیند بھی ایک موت ہی کی قسم ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور جسم معطل کیا جاتا
 ہے صرف اتنا فرق ہے کہ نیند ایک ناقص موت ہے اور موت حقیقی ایک کامل موت ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ توفیق کا لفظ جو قرآن شریف میں استعمال کیا گیا
 ہے خواہ وہ اپنے حقیقی معنوں پر متعل ہے یعنی موت^{۲۲} پر یا غیر حقیقی معنوں پر یعنی نیند پر۔
 ہر ایک جگہ اُس لفظ سے مراد یہی ہے کہ روح قبض کی جائے اور جسم معطل اور بے کار کر دیا
 جائے۔ اب جبکہ یہ معنی مذکورہ بالا ایک کلم قاعدہ ٹھہر چکا جس پر قرآن شریف کی
 تمام آیتیں جن میں توفیق کا لفظ موجود ہے شہادت دے رہی ہیں تو اس صورت میں
 اگر نہ ضرورت حال کے طور پر ایک لحوہ کے لئے یہ خیال باطل بھی قبول کر لیں کہ انی متوفیک
 کے معنی انی منیمک ہے یعنی یہ کہ میں تجھے ملانے والا ہوں تو اس سے بھی جسم کا
 اٹھایا جانا غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس جگہ انی متوفیک کے معنی از روئے قاعدہ
 متذکرہ بالا یہی کریں گے کہ میں تجھ پر نیند کی حالت غالب کر کے تیری روح کو قبض
 کرنے والا ہوں۔ اب قل ہر ہے کہ انی متوفیک کے بعد جو رافعک الی فرمایا
 ہے یعنی میں تیری روح کو قبض کر کے پھر اپنی طرف اٹھاؤں گا یہ رافعک کا لفظ انی
 متوفیک کے لفظ سے تعلق رکھتا ہے جس سے بیدار مت یہ معنی نکلتے ہیں۔ کہ
 خدا نے روح کو قبض کیا اور روح کو ہی اپنی طرف اٹھایا کیونکہ جو چیز قبض کی
 گئی وہی اٹھائی جائے گی جسم کے قبض کرنے کا تو کہیں ذکر نہیں ہے نہ نیند نہ موت میں
 جو نیند کے متعلق ہیں خدا تعالیٰ صاف صاف فرما چکا ہے کہ نیند میں بھی موت کی طرح
 روح ہی قبض کی جاتی ہے جسم نہیں قبض کیا جاتا۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ قبض کیا جاتا ہے

اٹھایا بھی وہی جائے گا۔ یہ تو نہیں کہ قبض کیا جائے روح اور پھر جسم کو اٹھایا جائے۔ ایسے
معنی تو قرآن شریف کی تمام آیات اور منشاء ربانی سے صریح مخالف ہیں۔ قرآن
شریف نیند کے مقامات میں بھی جو توفیق کے لفظ کو بطور استعارہ استعمال کرتا ہے
اس جگہ بھی صاف فرماتا ہے کہ ہم روح کو قبض کر لیتے ہیں اور جسم کو بے کار چھوڑ دیتے
ہیں۔ اور موت اور نیند میں صرف اتنا فرق ہے کہ موت کی حالت میں ہم روح کو قبض کر کے
پھر چھوڑتے نہیں بلکہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور نیند کی حالت میں ایک مدت تک روح
کو قبض کر کے پھر اس روح کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر وہ جسم سے تعلق بیکرملیتی ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ کیا یہ بیان قرآن شریف کا اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی
نہیں کہ خدا تعالیٰ کو جسم قبض کرنے اور اٹھانے سے دونوں حالتوں موت اور نیند میں
کچھ سروکار نہیں بلکہ جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے یہ جسم خاک سے پیدا کیا گیا ہے اور
آخر خاک میں ہی داخل ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ابتداء دینا سے صرف روح کو قبض
کرتا آیا ہے اور روحوں کو ہی اپنی طرف اٹھاتا ہے اور جبکہ یہی امر واقعی اور ہی صحیح اور
سچ ہے تو اس صورت میں اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ انی متوفیک کے یہی معنی ہیں کہ میں
تیرا روح کو اس طور سے قبض کرنے والا ہوں جیسا کہ سونے والے کی روح قبض کی
جاتی ہے تو پھر بھی جسم کو اس قبض سے کچھ علاقہ نہیں ہوگا اور اس طور کی تاویل سے اگر
کچھ ثابت ہوگا تو یہ ہوگا کہ حضرت مسیح کی روح خواب کے طور پر قبض کی گئی اور جسم اپنی جگہ
زمین پر پڑا رہا اور پھر کسی وقت روح جسم میں داخل ہو گئی۔ اور ایسے معنی سراسر باطل اور
دونوں مسیق کے مقصد کے مخالف ہیں۔ کیونکہ صرف کچھ عرصے کے لئے حضرت مسیح کا سونا
اور پھر جاگ اٹھنا ہماری اس بحث سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا۔ اور قرآن کریم کی آیت مرد و مہلا
صاف بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ حضرت مسیح کی روح جو قبض کی گئی تو پھر سونے والے کی روح
کی طرح جسم کی طرف نہیں چھوڑی گئی بلکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھایا جیسا کہ الفاظ

مرآۃ الدلائل فی متوفیک ورافعتک الی سے ظاہر ہے۔

انصاف کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے کہ جس طرح حضرت مسیح کے حق میں اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں رافعی مَتَوْ قَیْنُکَ فرمایا ہے اسی طرح ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے اَتَانَا نَرِیْنُکَ بَعْضُ الَّذِیْ نَعْدُہُمْ اَوْ نَتَوْ قَیْنُکَ یعنی دونوں جگہ مسیح کے حق میں اور ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں توفیق کا لفظ موجود ہے پھر کس قدر نا انصافی کی بات ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ کی نسبت جو توفیق کا لفظ آیا ہے تو اس جگہ تو ہم وفات کے ہی معنی کریں اور اُسی لفظ کو حضرت عیسیٰ کی نسبت اپنے امی اور شائع متعارف معنوں سے پھیر کر اور اُن متفق علیہ معنی سے جو اول سے آخر تک قرآن شریف سے ظاہر ہو رہے ہیں انحراف کر کے اپنے دل سے کچھ اور کے اور معنی تراش لیں مگر یہ الحاد اور تحریف نہیں تو پھر الحاد اور تحریف کس کو کہتے ہیں ؟! جس قدر مبسوط تفاسیر دنیا میں موجود ہیں جیسے کشاف اور معالم اور تفسیر رازی اور ابن کثیر اور مدارک اور فتح البیان سب میں زیر تفسیر یحییٰ الی متوفیک ہی لکھا ہے کہ الی حمیتک ختف انفک یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت سے ماریں والا ہوں بغیر اس کے کہ تو مصلوب یا مضروب ہونے کی حالت میں فوت ہوو غایت ثانی الباب بعض مفسرین نے اپنی کوتاہ اندیشی سے اس آیت کی اور وجہ پر بھی تفسیریں کی ہیں لیکن صوف اپنے بے بنیاد خیال سے نہ کسی آیت یا حدیث صحیح کے حوالہ سے اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن سے پوچھا جاتا کہ حق کے ساتھ تم نے ہاسل کو کیوں اور کس دلیل سے ملایا؟ بہر حال جب وہ اس بات کا اقرار کر گئے کہ منجملہ اقوال مختلفہ کے یہ بھی ایک قول ہے کہ ضرور ہجرت مسیح فوت ہو گئے تھے اور ان کی روح اٹھائی گئی تھی تو ان کی دوسری لغزشیں قابلِ عفو ہیں ان میں سے بعض جیسا کہ صاحب کشاف خود اپنی قلم سے دوسرے اقوال کو قلیل کے لفظ سے ضعیف ٹھہرا گئے ہیں۔

اب جبکہ توفیق کے لفظ کی بخوبی تحقیقات ہو چکی اور ثابت ہو گیا کہ تمام قرآن شریف میں اول سے آخر تک یہ لفظ فقط روح کے قبض کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے تو اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ اس کے بعد جو فقرہ ^{میں} افعک الی میں رفع کا لفظ ہے یہ کن معنوں پر قرآن شریف میں مستعمل ہے ؟

جاننا چاہیئے کہ رفع کا لفظ قرآن شریف میں جہاں کہیں انبیاء اور انبیاء کی نسبت استعمال کیا گیا ہے عام طور پر اس سے یہی مطلب ہے کہ جہاں برگزیدہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی جناب میں باعتبار اپنے روحانی مقام اور نفسی نقطہ کے آسمانوں میں کوئی بلند مرتبہ حاصل ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے اور ان کو بشارت دی جائے کہ بعد موت و مفارقت بدن ان کی روح اُس مقام تک جو ان کے لئے قرب کا مقام ہو اٹھائی جائے گی۔ جیسا کہ اشد جلالہ ہمارے سید و مولیٰ کا اعلیٰ مقام ظاہر کرنے کی غرض سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ^{۱۰} یعنی یہ تمام رسول اپنے مرتبہ میں یکساں نہیں بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو روبرو کلام کرنے کا شرف بخشا گیا اور بعض وہ ہیں جن کا رفع درجات سب سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت کی تفسیر احادیث نبویہ میں یہی بیان کی گئی ہے کہ موت کے بعد ہر ایک نبی کی روح آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور اپنے درجہ کے موافق اس روح کو آسمانوں میں سے کسی آسمان میں کوئی مقام ملتا ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس مقام تک اس روح کا رفع عمل میں آیا ہے تا جیسا کہ باطنی طور پر اس روح کا درجہ تھا خراجی طور پر وہ درجہ ثابت کر کے دکھلایا جائے۔ سو یہ رفع جو آسمان کی طرف ہوتا ہے تحقیق درجات کے لئے وقوع میں آتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں جو رفع بعضہم درجات ہے یہ اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع تمام نبیوں کے رفع کی

بلند تر ہے اور اُن کی رُوح مسیح کی رُوح کی طرح دوسرے آسمان میں نہیں اور حضرت موسیٰ کی رُوح کی طرح چھٹے آسمان میں بلکہ سب سے بلند تر ہے اور اسی کی طرف معراج کی حدیث بتصریح دلالت کر رہی ہے بلکہ عالم النبوة میں بصفحہ ۱۵۷ یہ حدیث لکھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں چھٹے آسمان سے اُگے گزر گئے تو حضرت موسیٰ نے کہا رب لہذا اظن ان یرفع علیّ احدٌ یعنی اے میرے خدوند! مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ کوئی نبی مجھ سے اوپر اٹھایا جائے گا اور اپنے رفیع میں مجھ سے اُگے بڑھ جائے گا۔ اب دیکھو کہ سافع کا لفظ محض تحقق درجات کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور آیت موصوفہ بالا کے احادیث نبویہ کی رو سے یہ معنی کھلے کہ ہر ایک اپنے درجہ کے موافق آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے اور اپنے قرب کے انداز کے موافق سافع سے حصہ لیتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کی رُوح اگرچہ دنیوی حیات کے زمانہ میں زمین پر ہو مگر پھر بھی اُس آسمان سے اُس کا تعلق ہوتا ہے جو اس کی رُوح کے لئے مَدْرَج بٹھرایا گیا ہے اور موت کے بعد وہ رُوح اُس آسمان میں جا ٹھہرتی ہے جو اس کیلئے مَدْرَج مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں عام طور پر موت کے بعد رُوحوں کے اٹھانے جانے کا ذکر ہے اس بیان کی مؤید ہے اور چونکہ یہ بحث نہایت صریح اور صاف ہے اور کسی قدر ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں اس لئے کچھ ضرورت نہیں کہ اس کو زیادہ طول دیا جائے۔

اس مقام میں یہ بھی بیان کرنے کے لائق ہے کہ بعض مغسروں نے جب دیکھا کہ درحقیقت اتنی متوفیات میں توقی کے معنی وفات دینے کے ہیں اور بعد اس کے جو مَافِعَاتِ الٰہی واقع ہے وہ بقرینہ صریحہ وفات کے رُوح کے سافع پر دلالت کر رہا ہے تو انہیں شکر کپڑی کہ یہ صریح ہماری رائے کے مخالف ہے اس لئے انہوں نے گویا اپنے تئیں نظم فرمائی کہ اصلاح قرار دے کر یا اپنے لئے استادی کا منصب تجویز کر کے یہ اصلاح

کی کہ اس جگہ رافعک مقدم اور اتنی متوفیک مؤخر ہے مگر ناظرین جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ابلغ اور افصح کلام میں یہ کس قدر بے جا اور اس کلام کی کسرِ شان کا موجب ہے۔ اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو حضرت مسیح کے حق میں یہ فرمایا کہ وما قتلوه وما صلبوه ولكن شذبہ لہم اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مسیح فوت نہیں ہوا۔ کیا مرنے کے لئے ہی ایک راہ ہے کہ انسان قتل کیا جائے یا صلیب پر کھینچا جائے؛ بلکہ اس نفی سے مدعا اور مطلب یہ ہے کہ توریت استثناء باب ۱ آیت ۲۳ میں لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔ اور یہود جنہوں نے اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دیا تھا وہ بہ تمسک اس آیت کے یہ خیال رکھتے تھے کہ مسیح ابن مریم نہ نبی تھا اور نہ مقبول الہی کیونکہ وہ پھانسی دیا گیا اور توریت بیان کر رہی ہے کہ جو شخص پھانسی دیا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے سو خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اصل حقیقت ظاہر کر کے اُن کے اس قول کو رد کرے سو اس نے فرمایا کہ مسیح ابن مریم وحقیقت مصنوب نہیں ہوا اور نہ مقتول ہوا بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔

(۲) سوال۔ یہ کہاں اور کس کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا وہ وحقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ کوئی اس کا مثیل مراد ہے؟

جواب۔ اس بات کو پہلے تو قرآن شریف ہی بتصریح ذکر کر چکا ہے جبکہ اس نے صاف لفظوں میں فرما دیا کوئی نبی نہیں آیا جو فوت نہ ہوا ہو ما محمد الا رسول قد خلت

من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم وما جعلنا

لبشر من قبلک الخلد وما جعلناہم جسدًا الایا کلون الطعام وما کانوا
جسدًا یحیی۔ اب ظاہر ہے کہ باوجود ان تمام آیات کے جو باوازاہ مسیح کی موت پر شہادت دے رہی ہیں پھر بھی مسیح کو زندہ خیال کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ برخلاف مفہوم آیت وما جعلناہم جسدًا الایا کلون الطعام مسیح جسم خاکی کے ساتھ

عطا ہو چکیں اس سے مقرب لوگ باہر نہیں کئے جاتے اور قیامت کے دن میں حضور
 رب العالمین اُن کا حاضر ہونا اُن کو بہشت سے نہیں نکالتا کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے
 باہر کوئی لکڑی یا لوہے یا چاندی کا تخت بچھایا جائے گا اور خدا تعالیٰ مجازی حکام اور سلطان
 کی طرح اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طے کر کے اُس کی حضور میں حاضر ہونا ہوگا۔ تاہم
 اعتبارِ لازم آوے کہ اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے
 وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لق و دق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین
 بچھایا گیا تھا حاضر ہونا پڑے گا۔ ایسا خیال تو سرسری جسمانی اور یودیت کی سرشت سے نکلا ہوا
 ہے۔ اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان تو لاتے ہیں اور تخت رب العالمین
 کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ
 جو کچھ اللہ اور رسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ جو خدا تعالیٰ
 کے تقدس اور تنزہ اور اس کی تمام صفات کا ملہ کے منافی اور مغائر نہ ہو۔ بہشت تجلی گاہ
 حق ہے یہ کیونکہ کہہ سکیں کہ اُس دن خدا تعالیٰ ایک مجسم شخص کی طرح بہشت سے باہر اپنا
 نیمہ یا یوں کہو کہ اپنا تخت بچھوا دے گا بلکہ حق یہ ہے کہ اُس دن بھی بہشتی بہشت میں ہونگے
 اور دوزخی دوزخ میں۔ لیکن رحم الہی کی تجلی غلطی راستبازوں اور ایمانداروں پر ایک جدید
 طور سے لذات کا ملہ کی یارش کرے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور جسمانی طور پر انکو
 دکھلا کر اُس نئے طور کے دارالسلام میں ان کو داخل کر دے گی۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کی قہری
 تجلی جہنم کو بھی بعد از حساب اور الزام مریح کے نئے رنگ میں دکھلا کر گویا جہنمی لوگوں کو
 نئے سرے جہنم میں داخل کوئی۔ روحانی طور پر بہشتیوں کا بلا توقف بعد موت کے بہشت میں داخل
 ہو جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گرایا جانا بتواتر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت
 ہے۔ کہاں تک ہم اس رسالہ کو طول دیتے جائیں۔ اے خداوند قادر! اس قوم پر جسم کر جو
 کلام الہی کو پڑھتے ہیں لیکن وہ پاک کلام اُن کے حلق سے آگے نہیں گذرتا۔

(۳) سولل مسیح کے دوبارہ آنے کے ابطال میں جو یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کا فوت ہونا ثابت ہے اور ہر ایک مومن راستباز مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک جو بہشت میں داخل ہو جاتا ہے وہ بر طبق آیت و ما ہم منها بمنہر جین ہمیشہ رہنے کا بہشت میں حق رکھتا ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ قصہ صحیح نہ ہو جو عزیر نبی کی نسبت قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سو برس تک مر رہا اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا۔ وجہ یہ کہ بر طبق قاعدہ مفروضہ بالا زندہ ہونے سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ بہشت سے خارج کیا گیا۔ ایسا ہی اس آیت کو ظاہر پر حمل کرنے سے مرووں کا قبروں سے جی اٹھنا اور میدانِ حیات میں رب العالمین کے حضور میں آنا یہ سب باتیں اس آیت کے ایسے معنے کرنے سے کہ راستباز انسان مرنے کے بعد بہشت میں بلا توقف داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کبھی نہیں نکلتا باطل ہو جاتے ہیں اور استقامت عقیدہ اسلام میں ایک سخت انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ حقیقت میں یہ سچ ہے کہ جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے پھر وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ مومنین کو وعدہ صادقہ دے کر فرماتا ہے لا یمسہم فیہا نصب و ما ہم منها بمنہر جین یعنی بہشت میں داخل ہونے والے ہر ایک رنج اور تکلیف سے رہائی پائیں گے اور وہ کبھی اس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ سورۃ الحجرات نمبر ۱۲۔ پھر ایک دوسری جگہ فرماتا ہے و اما الذین

سعدوا فلیجنتہ خلف الذین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجدوذ (الحجرات نمبر ۱۲ سورہ ہود) یعنی سعید لوگ مرنے کے بعد بہشت میں داخل کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ اُس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین ہرگز اور اگر یہ آسمان اور زمین بدلانے بھی جائیں جیسا کہ قیامت کے آنے کے وقت ہوگا تب بھی

سعید لوگ بہشت سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ان چیزوں کے فساد سے بہشت میں کچھ فساد ہو سکتا ہے کیونکہ بہشت اُن کے لئے ایک ایسی عطا ہے جو ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے محروم نہیں رہ سکتے۔

ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں بھی بہشتیوں کے ہمیشہ بہشت میں رہنے کا جابجا ذکر ہے اور سارا قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے
وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور اُولَئِكَ اصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وغیرہ وغیرہ

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہو رہا ہے قِيلَ اِذَا خُلِ الْجَنَّةُ قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي

يَعْبُدُونِ يَمَّا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرِمِينَ اور دوسری یہ آیت فَاذْخُلُوا فِي عِبَادِي وَاذْخُلُوا فِي جَنَّاتِي اور تیسری یہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي

سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْزُقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اور احادیث میں تو اس قدر اس کا بیان ہے کہ جس کا باس تیغاً ذکر کرنا موجب تطویل ہو گا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چشم دید ماجرا بیان فرماتے

ہیں کہ ”مجھے دوزخ دکھلایا گیا تو میں نے اکثر اُس میں عورتیں دیکھیں اور بہشت دکھلایا گیا تو میں نے اکثر اُس میں فقراء دیکھے۔“ اور انجیل لوقا باب ۱۶ میں ایک قصہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ لعزر جو ایک غریب آدمی تھا مرنے کے بعد ابراہام کی گود میں بٹھا یا گیا یعنی نعیم جنت سے مستمتع ہوا لیکن ایک دولت مند جو انہیں دونوں میں مرنے کے بعد دوزخ میں ڈالا گیا اور اس نے لعزر سے ٹھنڈا پانی مانگا مگر اُسے نہ دیا گیا۔

ماسوا اس کے ایسی آیات بھی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں جو حشر اِجساد ہو گا اور حساب کے بعد بہشتی بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں اور ظالم ظالموں

قسموں آیات پر نظر ڈالنے سے تعارض معلوم ہوتا ہے قرآن شریف اور احادیث میں
ارواح طیبہ کا بہشت میں مرنے کے بعد داخل ہونا یا یہی اور کھلے کھلے طور پر ثابت ہے مگر
ایک بھی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یوم الحساب میں بہشتی
لوگ بہشت سے باہر نکال دئے جائیں گے بلکہ حسب وعدہ الہی بہشت میں ہمیشہ رہنا بہشتیوں کا
جایز قرآن شریف اور احادیث میں مسدود ہے۔ ہاں دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے کہ
قہروں میں سے مردے جی اٹھیں گے اور ہر ایک شخص حکم سننے کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور
میں کھڑا ہوگا اور ہر ایک شخص کے عمل اور ایمان کا اندازہ الہی ترازو سے اُس پر ظاہر
کیا جائے گا تب جو لوگ بہشت کے لائق ہیں بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور جو دوزخ
میں جلتے کے سزاوار ہیں وہ دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے۔

اب واضح ہو کہ اس تعارض کے دور کرنے کے لئے جو آیات اور احادیث میں باہم وقعہ
ہے یہ راہ نہیں ہے کہ یہ اعتقاد ظاہر کیا جائے کہ موت کے بعد تمام روحیں ایک فنا کی
حالت میں رہتی ہیں۔ نہ کسی قسم کی اُن کو راحت حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی نوع کی عقوبت
میں گرفتار ہوتی ہیں اور نہ جنت کی ٹھنڈی ہوا اُن کو پہنچتی ہے اور نہ دوزخ کی بجاپ اُن کو
جلائی ہے کیونکہ ایسا اعتقاد نصوص پینہ فرقان اور حدیث سے بجلی مغایر ہے۔ میت
کے لئے جو دعا کی جاتی ہے یا صدقات کئے جاتے ہیں اور میت کی نیت سے مساکین کو
طعام کھلایا جاتا ہے یا کپڑا دیا جاتا ہے۔ اگر اس درمیانی زمانہ میں جو قبل از حشر اجساد
ہے جنت اور جہنم کا میت سے کچھ علاقہ نہیں تو یہ سب اعمال ایک مدت دراز تک بطور
عشرت کے متصور ہوں گے اور ماننا پڑے گا کہ اس درمیانی زمانہ میں میت کو راحت اور
رنج اور ثواب اور عقاب سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا حالانکہ ایسا گمان تعلیم نبوی سرسمر مخالف ہے۔
پس وہ واقعی امر جس سے ان دونوں قسم کی آیات کا تعارض دور ہوتا ہے یہ ہے کہ
جنت اور جہنم تین درجوں پر منقسم ہے۔

پہلا درجہ جو ایک ادنیٰ درجہ ہے اُس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان اس عالم سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ قبر میں جا لیٹتا ہے اور اس درجہ ضعیفہ کو استعارہ کے طور پر احادیث نبویہ میں کٹی پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بھی پیرایہ ہے کہ میت عبد صالح کے لئے قبر میں جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے وہ جنت کی بلوغ و بہار دیکھتا ہے اور اس کی دلربا ہوا سے متمتع ہوتا ہے اور اس کھڑکی کی کشادگی بحسب مرتبہ ایمان و عمل اس میت کے ہوتی ہے لیکن ساتھ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو ایسے فانی اللہ ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ اپنی جان عزیز کو محبوب حقیقی کی راہ میں فدا کر دیتے ہیں جیسے شہداء راہِ صدیق لوگ جو شہداء سبھی بڑھ کر آگے قدم رکھتے ہیں اُن کے لئے اُن کی موت کے بعد صرف بہشت کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قویٰ کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی قیامت کے دن^{۲۵} سے پہلے اکھل اور تم طور پر لذات جنت حاصل نہیں کر سکتے۔

ایسا ہی اس درجہ میں میت غیث کے لئے دوزخ کی طرف قبر میں ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے دوزخ کی ایک جلانے والی بھاپ آتی رہتی ہے اور اس کے شعلوں سے ہر وقت وہ غیث روح جلتی رہتی ہے لیکن ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ جو لوگ اپنی کثرتِ نافرمانی کی وجہ سے ایسے فانی شیطان ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری کی وجہ سے بکلی تعلقات اپنے مولیٰ حقیقی سے توڑ دیتے ہیں اُن کے لئے اُن کی موت کے بعد صرف دوزخ کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قویٰ کے ساتھ خاص دوزخ میں ڈال دئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے مَتَا خَطِیئَتِهِمْ اغْرَقُوا فَأَدْخِلُوا نَارًا

سورۃ نوح مگر پھر بھی وہ لوگ قیامت کے دن سے پہلے اکھل اور تم طور پر عقوباتِ جہنم کا

مزدہ نہیں چکھتے۔

دوسرا درجہ۔ پھر اس درجہ کے اوپر جو ابھی ہم نے بہشتیوں اور دوزخیوں کیلئے بیان کیا ہے ایک اور درجہ دوزخ جنت دخول جہنم ہے جس کو ویرانی درجہ کہنا چاہیے اور حشر اسلحہ کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور جو قبضہ جسد کامل قوے میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیسری پیدا ہو کر اور خدا تعالیٰ کی تعالیٰ رحم یا تعالیٰ قہر کا حسب حالت اپنے کامل طور پر مشاہدہ ہو کر اور جنت عظمیٰ کو بہت قریب پا کر یا جہنم کبریٰ کو بہت ہی قریب دیکھ کر وہ لذات یا عقوق بات ترقی پذیر ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ آپ فرماتا ہے واذلفت الجنة للمتقين وبرزت الجحیم للغاویۃ۔

وجوه یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة ووجوه یومئذ علیہا غبرة توہقہا قترہ۔ اولئک ہم الکفرة الفجرة۔ اس دوسرے درجہ میں بھی لوگ مساوی نہیں ہوتے بلکہ اعلیٰ درجہ کے بھی ہوتے ہیں بولہشتی ہونے کی حالت میں بہشتی انوار اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہیں کی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے نور ہم یسغی بین ایدہم وایمانہم۔ ایسا ہی دوزخی ہونے کی حالت میں اعلیٰ درجہ کے کفار ہوتے ہیں کہ قبل اس کے جو کامل طور پر دوزخ میں پڑیں ان کے دلوں پر دوزخ کی آگ بھڑکائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے نار اللہ الموقدة التي تطلع علی الافئدة۔

پھر اس درجہ کے اوپر جو آخری درجہ ہے تیسرا درجہ ہے جو فتنائے مدارج ہے جس میں یوم الحساب کے بعد لوگ داخل ہوں گے اور اکمل اور اتم طور پر سعادت یا شقاوت کا مزہ چکھ لیں گے۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ ان تینوں مدارج میں انسان ایک قسم کے بہشت یا ایک قسم کے دوزخ میں ہوتا ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ ان مدارج میں سے کسی درجہ پر ہونے کی حالت میں انسان بہشت یا دوزخ میں کمال نہیں جاتا۔

ہاں جب اس درجہ سے ترقی کرتا ہے تو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ میں آجاتا ہے۔

اس ترقی کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ جب مثلاً ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنیٰ حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سورش بہشت کی طرف اس کے لئے نکالی جاتی ہے کیونکہ بہشتی تہنّی کی اُسی قدر اس میں استعداد موجود ہوتی ہے۔ پھر بعد اس کے اگر وہ اولاد صلح چھوڑ کر مرے جو جہد و جہد سے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور صدقات و خیرات اُسکی مغفرت کی نیت سے مساکین کو دیتے ہیں یا ایسے کسی اہل اللہ سے اس کی محبت تھی ہو نصرت سے جناب الہی سے اس کی بخشش چاہتا ہے یا کوئی ایسا خلق اللہ کے فائدہ کا کام وہ دنیا میں کر گیا ہے جس سے بندگانِ خدا کو کسی قسم کی مدد یا آرام پہنچتا ہے تو اس خیر جاری کی برکت سے وہ کھڑکی اس کی جو بہشت کی طرف کھولی گئی دن بدن اپنی کشادگی میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اور سبقتِ رحمتی علیٰ غضبی کا منشاء اور بھی اس کو زیادہ کرتا جاتا ہے۔

یہاں تک وہ کھڑکی ایک بڑا وسیع دروازہ ہو کر آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ شہید صل اور صدیقوں کی طرح وہ بہشت میں ہی داخل ہو جاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بات شرفاً و انصافاً و عقلاً بے ہودہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ ایک مرد مسلم فوت شدہ کے بعد ایک قسم کی خیر اس کے لئے جاری رہے اور ثواب اور اعمال صالحہ کی بعض وجوہ اس کے لئے کھلی رہیں مگر پھر بھی وہ کھڑکی جو بہشت کی طرف اس کے لئے کھولی گئی ہے ہمیشہ اتنی کی اتنی رہے جو پہلے دن کھولی گئی تھی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اس کھڑکی کے کھولنے کے لئے پہلے سے اس قدر سامان کر رکھے ہیں جن سے تصریح معلوم ہوتا ہے کہ اس کریم کا دراصل منشاء ہی یہی ہے کہ اگر ایک ذرہ ایمان و عمل لے کر بھی اس کی طرف کوئی سفر کرے تو وہ ذرہ بھی نشوونما کرتا ہے گا اور اگر کسی اتفاق سے تمام سامان اُس شیعہ جو میت کو اس عالم کی طرف سے پہنچتی ہے ناپیدار ہیں تاہم یہ سامان کسی طرح نابود اور گم نہیں ہو سکتا کہ جو تمام مومنوں

اور نیک بختوں اور شہیدوں اور صدیقوں کے لئے تاکید دی طور پر یہ حکم فرمایا گیا کہ وہ اپنے اُن بھائیوں کے لئے بدل و جان و مالے مغفرت کرتے رہیں جو اُن سے پہلے اس عالم میں گزر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے لئے ایک شکر مومنوں کا دعا کر رہا ہے وہ دعا ہرگز ہرگز خالی نہیں جائے گی بلکہ وہ ہر روز کام کر رہی ہے اور گنہگار ایماندار جو فوت ہو چکے ہیں اُن کی اُس کھڑکی کو جو بہشت کی طرف تھی بڑے زور سے کھول رہی ہے ان دعاؤں نے اب تک بے شمار کھڑکیوں کو اس حد تک کشادہ کر دیا ہے کہ بے انتہا ایسے لوگ بہشت میں پہنچ چکے ہیں جن کو اول دنوں میں صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی بہشت کے دیکھنے کے لئے عطا کی گئی تھی۔

۳۷۳

اس زمانہ کے اُن تمام مسلمانوں کو جو موجود کھلاتے ہیں یہ دھوکا بھی لگا ہوا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہونے والے صرف شہید لوگ ہیں اور باقی تمام مومنین یہاں تک کہ انبیاء اور رسول بھی یوم الحساب تک بہشت سے باہر رکھے جائیں گے صرف ایک کھڑکی اُن کے لئے بہشت کی طرف کھولی جائے گی۔ مگر بات تک انہوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ کیا انبیاء اور تمام صدیق روحانی طور پر شہیدوں سے بڑھ کر نہیں ہیں اور کیا بہشت سے دور رہنا ایک قسم کا عذاب نہیں جو مغفولین کے حق میں تجویز نہیں ہو سکتا۔ جس کے حق میں خدا تعالیٰ یہ کہے کہ رفع بعضہم درجۃ کیا اس شخص سعادت اور فوز مرام میں شہیدوں کے پیچھے رہ سکتا ہے؟ افسوس کہ ان لوگوں نے اپنی مافہمی سے شریعت غرا کو اُلٹا دیا ہے۔ اُن کے زعم میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونے والے شہید ہیں اور شاید کہیں بے شمار برسوں کے بعد انبیوں اور صدیقوں کی بھی نوبت آوے اس کسر شان کا التزام اُن لوگوں پر بڑا ساری ہے جو خود سے عذروں سے دور نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ بات سب کے فہم میں آ سکتی ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل میں ساقین ہیں وہی لوگ دخول فی الجنۃ میں بھی ساقین چاہئے نہ یہ کہ اُن کیلئے صرف ضعیف الایمان لوگوں کی طرح

۳۷۴

کھڑکی کھلی جائے اور شہید لوگ دنیا سے رخصت ہوتے ہی ہر ایک پھل بہشت کا ٹکڑا کھانے لگیں۔ اگر بہشت میں داخل ہونا کامل ایمان کامل اخلاص کامل جانفشانی پر موقوف ہے تو بلاشبہ نبیوں اور صدیقوں سے اور کوئی بڑھ کر نہیں جن کی تمام زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف ہو جاتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا ہوتے ہیں کہ بس مر ہی رہتے ہیں اور متنازعہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے جائیں اور پھر زندہ ہوں اور پھر شہید کئے جائیں اور پھر زندہ ہوں اور پھر شہید کئے جائیں۔

اب ہماری اس تمام تفسیر سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریباً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہو جائیں گے اور یوم الحساب اُن کو بہشت سے خارج نہیں کرے گا۔ بلکہ اُس وقت اور بھی بہشت نزدیک ہو جائیگا۔ کھڑکی کی مثال سے سمجھ لینا چاہیئے کہ کیونکہ بہشت قبر سے نزدیک کیا جاتا ہے۔ کیا قبے کے متصل بوزین پڑی ہے اُس میں بہشت آجاتا ہے؟ نہیں بلکہ روحانی طور پر نزدیک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر بہشتی لوگ میدان حساب میں بھی ہوں گے اور بہشت میں بھی ہوں گے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری قبر کے نیچے روضہ بہشت ہے۔ اس پر خوب غور کرو کہ کس بات کی طرف اشارہ ہے؟

اور عزیز کے فوت ہونے اور پھر توبہ سے بعد زندہ ہونے کی حجت جو پیش کی گئی ہے یہ حجت مخالف کے لئے کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ ہر گز بیان نہیں کیا گیا کہ عزیز کو زندہ کر کے پھر دنیا کے دارالہوم میں بھیجا گیا تا یہ فساد لازم آوے کہ وہ بہشت سے نکل لا گیا۔ بلکہ ان آیات کو اُن کے ظاہری معانی پر محمول کیا جاوے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے عزیز کو زندہ کر کے دکھلادیا تا اپنی قدرت پر اس کو یقین دلاوے۔ مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیز

بہشت میں ہی موجود تھا۔ جانا چاہیئے کہ تمام انبیاء اور صدیق مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ایک نورانی جسم بھی انہیں عطا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی بیداری میں راستبازوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں یہ عاجز خود صاحب تجربہ ہے۔ پھر اگر عرندہ کو خدا تعالیٰ نے اسی طرح زندہ کر دیا ہو تو تعجب کیا ہے لیکن اس زندگی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ زندہ ہو کر بہشت سے خارج کئے گئے۔ یہ عجیب طور کی نادانی ہے بلکہ اس زندگی سے تو بہشت کی تجلی زیادہ تر بڑھ جاتی ہے۔

(۴) سوال قرآن شریف کی آیت مندرجہ ذیل مسیح ابن مریم کی زندگی پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موتہ۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں گے سو اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح اس وقت تک جینا رہے جب تک کہ تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔

۳۷۶
اقم الجواب۔ پس واضح ہو کہ سائل کو یہ دھوکا لگا ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ خیال کر لیا ہے کہ آیت فرقانی کا یہ منشاء ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب کے فرقہ کا اُس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ہم فرض کے طور پر تسلیم کر لیں کہ آیت موصوفہ بالا کے یہی معنی ہیں جیسا کہ سائل سمجھا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ زمانہ مسیح سے اس زمانہ تک کہ مسیح نازل ہو جس قدر اہل کتاب دنیا میں گذرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب مسیح پر ایمان لانے والے ہوں۔ حالانکہ یہ خیال بیداشت باطل ہے۔ ہر ایک شخص خوب جانتا ہے کہ بے شمار اہل کتاب مسیح کی نبوت سے کافر رہ کر اب تک وہل جنم ہو چکے ہیں اور خدا جانے آئندہ بھی کس قدر کفران کی وجہ سے اس آتش تیزی میں پڑیں گے اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ وہ تمام اہل کتاب فوت شدہ مسیح کے نازل ہونے کے وقت اُس پر ایمان لا دیں گے تو وہ ان سب کو اُس وقت تک زندہ رکھتا جب تک کہ مسیح

آسمان سے نازل ہوتا لیکن اب مرنے کے بعد اُن کا ایمان لانا کیونکر ممکن ہے؟
 بعض لوگ نہایت تکلف اختیار کر کے یہ جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مسیح کے
 نزول کے وقت خدا تعالیٰ اُن سب اہل کتاب کو پھر زندہ کرے جو سچ کے وقت بحث سے
 مسیح کے دوبارہ نزول تک کفر کی حالت میں مر گئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یوں تو کوئی
 کام خدا تعالیٰ سے غمبھکن نہیں لیکن زیر بحث تو یہ امر ہے کہ کیا قرآن کریم اور احادیث
 نبویہ میں ان خیالات کا کچھ نشان پایا جاتا ہے اگر پایا جاتا ہے تو کیوں وہ پیش نہیں کیا جاتا؟
 بعض لوگ کچھ شرمندے سے ہو کر دبی زبان یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ اہل کتاب
 سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچ کے دوبارہ آنے کے وقت دنیا میں موجود ہوں گے اور وہ
 مسیح کو دیکھتے ہی ایمان لے آئیں گے اور قبل اس کے جو مسیح فوت ہو وہ سب موتوں کی
 فوج میں داخل ہو جائیں گے لیکن یہ خیال بھی ایسا باطل ہے کہ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں
 اول تو آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو سچ کے وقت میں یا مسیح کے
 بعد برابر ہوتے رہیں گے اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود
 زمانے سے متعلق اور وابستہ کرتا ہو۔ علاوہ اس کے یہ معنی بھی جو پیش کئے گئے ہیں
 بد امت فاسد ہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ با و از بلند بتلا رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اس
 کے منکر خواہ وہ اہل کتاب ہیں یا غیبیہ اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے۔ اور کچھ
 ضرور نہیں کہ ہم بار بار ان حدیثوں کو نقل کریں۔ اسی رسالہ میں اپنے موقع پر دیکھ لینا چاہیے
 ماسوا اس کے مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلمہ ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہی ہو گا اور یہ
 بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ اب میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس خیال کے

بہت شائبہ مسیحی دم سے مرجانے کے حقیقی معنی ہم بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد حجت اور تینہ کی رو سے مراد ہو۔ ورنہ دجال اہل کتاب سے
 کہ یہ خیال کیا جائے کہ کوئی دمر ناک اور وہابی مادہ سچ کے منہ سے نکل کر اور ہوا سے ملکر کمزور کافروں کو یا لگا کر دجال کو یا نہیں کرے گا
 منہ

پیروان حدیثوں کو پڑھ کر کس قدر شرمندہ ہوں گے۔ یہ بھی مانا گیا ہے اور مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شہید رہ جائیں گے جن پر قیامت اُٹے گی۔ اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجائے گی۔

اب بالطبع یہ سوال پیدا ہو گا کہ اگر آیت متذکرہ بالا کے وہ معنی صحیح نہیں ہیں تو پھر کون سے معنی صحیح ہیں؟ تو اس کے جواب میں واضح ہو کہ صحیح معنی وہی ہیں جو اس مقام کی تمام آیات متعلقہ پر نظر ڈالنے سے ضروری تسلیم معلوم ہوتے ہیں جن کے ماننے سے کسی وجہ کا نقص لازم نہیں آتا۔ سو اوّل وہ تمام آیتیں ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔ پھر بعد اس کے وہ حقیقی معنی جو ان آیات کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ثابت کر دوں گا۔ اور آیات یہ ہیں:-

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صليوه
والكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من
علم الا اتباع الظن، وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزاً
حكيمًا وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيلة
يكون عليهم شهيداً ۱۰۱ المجزئہ ۲ سورۃ النساء۔

ترجمہ:- اور یہودی جو خدا تعالیٰ کی رحمت اور ایمان سے بے نصیب ہو گئے اس کا
سبب اُن کے وہ برے کام ہیں جو انہوں نے کئے۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوہم
نے اس مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ یہودیوں کا یہ کہنا
کہ ہم نے عیسیٰ رسول اللہ کو قتل کر دیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حضرت مسیح کو رسول مانتے تھے
کیونکہ اگر وہ اس کو سچا رسول جانتے تو سُولی دینے کے لئے کیوں آمادہ ہوتے۔ بلکہ یہ قول اُن کا
کہ لوہم نے اس رسول کو پھانسی دے دیا بطور استہزاء کے تھا اور اس پھانسی ٹھٹھے کی بناء
تو ریت کے اس قول پر تھی جو لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جائے وہ ملعون ہے یعنی خدا تعالیٰ کی
رحمت اور قرب آتی سے دور و محجور ہے۔ اور یہودیوں کے اس قول سے مدعا یہ تھا کہ اگر

عیسیٰ ابن مریم سچا رسول ہوتا تو ہم اس کو پھانسی دینے پر ہرگز فائدہ نہ ہو سکتے کیونکہ تو بیت
بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ مصلوب لعنتی ہوتا ہے اب قرآن شریف اس آیت کے بعد
فرماتا ہے کہ درحقیقت یہودیوں نے مسیح ابن مریم کو قتل نہیں کیا اور نہ پھانسی دیا بلکہ خیال
اُن کے دلوں میں شبہ کے طور پر ہے یقینی نہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اُن کو آپ ہی شبہ
میں ڈال دیا ہے تا اُن کی بے وقوفی اُن پر اور نیرنا اپنی قادریت اُن پر ظاہر کرے اور پھر
فرمایا کہ وہ لوگ جو اس شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید مسیح پھانسی ہی مل گیا ہو۔ اُن کے
پاس کوئی یقینی قطعی دلیل اس بات پر نہیں صرف ایک ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور وہ
خوب جانتے ہیں کہ انہیں یقینی طور پر اس بات کا علم نہیں کہ ^{مسیح} پھانسی دیا گیا بلکہ یقینی
امر یہ ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور اپنی طبعی موت سے مرا اور خدا تعالیٰ نے اس کو راستباز
بندوں کی طرح اپنی طرف اٹھالیا۔ اور خدا عزیز ہے اُن کو عزت دیتا ہے جو اس کے
پورے جتن ہیں اور حکیم ہے اپنی حکمتوں سے اُن لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر توکل کرتے
ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر
(جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے) ایمان نہ رکھتا ہو قبل اس
کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لائے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا یعنی ہم جو پہلے بیان کر لے
ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر دلی یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح مصلوب ہو گیا ہو
کیا عیسائی اور کیا یہودی صرف ظن اور شبہ کے طور پر اُن کے مصلوب ہونے کا خیال
رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا بیان صحیح ہے کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی موت کے
بارہ میں انہیں خبر نہیں کہ وہ کب مرا۔ سو اس کی ہم خبر دیتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اہل
روح عزت کے ساتھ ہماری طرف اٹھائی گئی۔

اس جگہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ ہمارے
اس بیان پر جو اُن کے خیالات کے بارہ میں ہم نے ظاہر کیا ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ ایک

عجازی بیان ہے اور یہ اس آیت کے موافق ہے جیسا کہ یہودیوں کو فرمایا تھا فتمنوا اللوت ان ڪنتم صٰدقٰين ﴿۱﴾ سو اس فرمانے سے مدعا یہ تھا کہ حقیقت یہودیوں کا یہ بیان کہ ہم نے حقیقت مسیح کو پھانسی دے دیا جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ نعوذ باللہ مسیح ملعون ہے اور نبی صادق نہیں۔ اور ایسا ہی عیسائیوں کا یہ بیان کہ حقیقت مسیح پھانسی کی موت سے مرگیا جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ مسیح عیسائیوں کے گناہ کے لئے کفارہ ہوا۔ یہ دونوں خیال یہودیوں اور عیسائیوں کے غلط ہیں اور کسی کو ان دونوں گروہ میں سے ان خیالات پر دلی یقین نہیں۔ بلکہ دلی ایمان ان کا صرف اسی پر ہے کہ مسیح یقینی طور پر مصلوب نہیں ہوا۔ اس تفسیر سے خدا تعالیٰ کا یہ مطلب تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی خاموشی سے منصفین قطعی طور پر سمجھ لیں کہ اس بارے میں بجز شک کے ان کے پاس کچھ نہیں اور یہودی اور عیسائی جو اس آیت کو ٹھن کر چُپ رہے اور انکار کے لئے میدان میں نہ آئے تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر ہم مقابل پر آئے اور وہ دعویٰ کیا جو ہمارے دل میں نہیں تو ہم سخت رُموں کئے جائیں گے اور کوئی ایسا نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو جائے گا جس سے ہمارا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے دم نہ مارا اور چُپ رہے۔ اور اگرچہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہماری اس خاموشی سے ہمارا مان لینا ثابت ہو جائے گا جس سے ایک طرف تو ان کفار کے اس عقیدہ کی بھگنی ہوگی اور ایک طرف یہ یہودی عقیدہ بالکل ثابت ہو جائے گا کہ مسیح خدا تعالیٰ کا بچا ہوا اور راستباز نہیں اور ان میں سے نہیں جن کا خدا تعالیٰ کی طرف عزت کے ساتھ رخص ہوتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی چمکتی ہوئی تلوار ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ پس جیسا کہ قرآن شریف میں انہیں کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو لیکن مارے خوف کے کسی نے یہ تمنا نہ کی۔ اسی طرح اس جگہ بھی مارے خوف کے انکار نہ کر سکے۔ یعنی یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ ہم تو مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین رکھتے ہیں ہمیں کیوں بے یقینوں میں

۲۹۳

داخل کیا جاتا ہے؟ سو اُن کا مبی کے زمانہ میں خنثاموشی اختیار کرنا ہمیشہ کیلئے حجت ہو گئی اور اُن کے ساختہ پرداختہ کا اثر اُن کی آنے والی ذریعوں پر بھی پڑا۔ کیونکہ سلف خلف کے لئے بطور وکیل کے ہوتے ہیں اور انکی شہادتیں انیوالی ذریت کو ماننی پڑتی ہیں۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس بحث کو چھیڑا کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔ اس تمام بحث سے یہی غرض تھی کہ مسیح کے مصلوب ہونے سے دو مختلف فرقے یعنی یہود اور عیسائی دو مختلف نتیجے اپنی اپنی اغراض کی تائید میں نکالتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ مصلوب ہو گیا اور توریت کی رو سے مصلوب لعنتی ہوتا ہے۔ یعنی قرب الہی سے بچھڑا اور رفیع کی عزت سے بے نصیب رہتا ہے اور شان نبوت اس حالت ذلت سے برتر و اعلیٰ ہے۔ اور عیسائیوں نے یہودیوں کی لعن و طعن سے گھبرا کر یہ جواب بنا لیا تھا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اُس کے لئے مضر نہیں بلکہ یہ لعنت اُس نے اس لئے اپنے ذمہ لے لی کہ تاگزگاروں کو لعنت سے پھڑا دے۔ سو خدا تعالیٰ نے ایسا فیصلہ کیا کہ اُن دونوں فریق کے بیانات مذکورہ بالا کو کالعدم کر دیا اور ظاہر فرمادیا کہ کسی کو ان دونوں گروہ میں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں اور اگر ہے تو وہ سامنے آوے۔ سو وہ بھاگ گئے اور کسی نے دم بھی نہ مارا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریب ترین کا ایک مجرہ ہے جو اس زمانہ کے نادان مولویوں کی نگاہ سے چھپا ہوا ہے اور مجھ اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی اور اسی وقت کشفی طور پر یہ صداقت مذکورہ بالا میرے پرظاہر کی گئی ہے اور اسی معلوم حقیقی کی تعلیم سے میں نے وہ سب لکھا ہے جو ابھی لکھا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک اور عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو اس بیان کی سچائی پر ہر یک عقل سلیم کو اسی دے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام لغویاتوں سے مستزہ ہونا چاہیے۔ اور ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس بحث میں یہ مقاصد عظمیٰ درمیان نہ ہوں تو یہ سارا بیان ایسا لغو ہوگا۔

جس کے تحت کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ جھگڑا کہ کوئی نبی چنانسی ملا یا نہی طبعی موت سے مرا بالکل بے فائدہ جھگڑا ہے جس سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ سو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنے اس پُر جوش اور کٹر و فر کے بیان میں کہ کسی یہودی یا عیسائی کو یقینی طور پر مسیح کی مصلوبیت پر ایمان نہیں کو کسی بڑی غرض رکھتا ہے؟ اور کونسا بھارا مدعا اس کے زیرِ نظر ہے جس کے اثبات کے لئے اس نے دونوں فریق یہود اور نصاریٰ کو خاموش اور لا جواب کر دیا ہے۔ سو یہی مدعا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندہ پر کہ جو مولویوں کی نظر میں کافر اور ملحد ہے اپنے خاص کشف کے ذریعے کھول دیا ہے۔

اے خدا جانم برائے رات فدا	آئیاں راسے ذہی ہسم و ذکا
در بہانہ ہجو من آتی کجاست	در بہالت ہمارا نشوونماست
کر سکے بودم مرا کردی بشر	من عجب ترا از سبھے پدر

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسیح کی عدم مصلوبیت پر تکمیل کی رو سے کوئی استدلال پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں یعنی یہ ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں کہ گو بظاہر مسیح کو صلیب ہی دی گئی ہو مگر تکمیل اس فعل کی نہ ہوئی ہو یعنی مسیح اس صلیب کی وجہ وفات یاب نہ ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انامیل اور بعہ قرآن شریف کے اس قول پر کہ ما قتله و ما صلیبه صاف شہادت دے رہی ہیں کیونکہ قرآن کریم کا منشاء ما صلیبه کے لفظ سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے خدا تعالیٰ نے مسیح کو محفوظ رکھا اور یہودیوں کی طرف سے اس فعل یعنی قتلِ عمد کا اقدام تو ہوا مگر قدرت اور حکمتِ الہی سے تکمیل نہ پاسکا۔ اور جیسا کہ انجیلوں میں لکھا ہے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب پیلاطوس کو صلیب دینے کے لئے یہودیوں نے مسیح کو جو حالات میں تھا مانگا تو پیلاطوس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مسیح کو چھوڑ دے کیونکہ وہ صاف دیکھتا تھا کہ مسیح بے گناہ ہے لیکن یہودیوں نے

بہت اصرار کیا کہ اس کو صلیب دے صلیب دے۔ اور سب مولوی اور فقیہ یہودیوں کے اکٹھے ہو کر کہنے لگے کہ یہ کافر ہے اور توریت کے احکام سے لوگوں کو پھیرتا ہے۔ پلاطوس اپنے دل میں خوب سمجھتا تھا کہ ان جزئی اختلافات کی وجہ سے ایک راستباز آدمی کو قتل کر دینا بے شک سخت گناہ ہے اسی وجہ سے وہ جیلے پیدا کرتا تھا کہ کسی طرح مسیح کو چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرات مولوی کب باز آنے والے تھے انہوں نے جھٹ ایک اور بات بنالی کہ یہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں اور دہرہ قیصر کی گورنمنٹ سے باغی ہے۔ اگر تو نے اس کو چھوڑ دیا تو پھر یاد رکھ کہ ایک باغی کو تو نے پناہ دی تب پلاطوس ڈر گیا کیونکہ وہ قیصر کا ماتحت تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی اس خونِ ناحق سے ڈرتا رہا۔ اور اس کی عورت نے خواب دیکھی کہ یہ شخص راستباز ہے اگر پلاطوس اس کو قتل کرے گا تو پھر اسی میں اُس کی تباہی ہے۔ سو پلاطوس اس خواب کو سنکر اور بھی ڈھیلا ہو گیا اس خواب پر غور کرنے سے جو انجیل میں لکھی ہے ہر ایک ناظر بصیر سمجھ سکتا ہے کہ ارادہ الہی یہی تھا کہ مسیح کو قتل ہونے سے بچاوے۔ سو پہلا اشارہ منشاء الہی کا اس خواب سے ہی نکلتا ہے اس پر خوب غور کرو۔

بعد اس کے ایسا ہوا کہ پلاطوس نے آخری فیصلہ کے لئے اجلاس کیا اور ناہکار مولویوں اور فقیہوں کو بتیرا سمجھایا کہ مسیح کے خون سے باز آ جاؤ مگر وہ باز نہ آئے بلکہ پیچ پیچ کر بولنے لگے کہ ضرور صلیب دیا جائے دین سے پھر گیا ہے تب پلاطوس نے پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے کہ دیکھو میں اس کے خون سے ہاتھ دھوتا ہوں تب سب یہودیوں اور فقیہوں اور مولویوں نے کہا کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر۔

پھر بعد اس کے مسیح اُن کے حوالہ کیا گیا اور اس کو تازیانے لگائے گئے اور جس قدر گالیاں سننا اور فقیہوں اور مولویوں کے اشارے سے طمانچہ کھانا اور ہنسی اور ہٹے سڑاؤ لے جانا اس کے حق میں مقدار تھا سب نے دیکھا آخر صلیب دینے کے لئے طیار ہوئے یہ جھکاوی تھا

اور عصر کا وقت۔ اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی عید فصح کا بھی دن تھا۔ اس لئے فرصت بہت کم تھی اور آگے بہت کا دن آنے والا تھا جس کی ابتداء غروب آفتاب سے ہی سمجھی جاتی تھی کیونکہ یہودی لوگ مسلمانوں کی طرح پہلی رات کو آگے دن کے ساتھ شامل کر لیتے تھے اور یہ ایک شریعی تاکید تھی کہ بہت میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے جلدی سے مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا تا شام سے پہلے ہی لاشیں اتاری جائیں۔ مگر اتفاق سے اُسی وقت ایک سخت آندھی آگئی جس سے سخت اندھیرا ہو گیا۔ یہودیوں کو یہ فک کر پڑ گئی کہ اب اگر اندھیری میں ہی شام ہو گئی تو ہم اس جرم کے مرتکب ہو جائیں گے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ سو انہوں نے اس فکر کی وجہ سے تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اتار لیا۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق مان لیا گیا ہے۔ کہ وہ صلیب اس قسم کی نہیں تھی جیسا کہ آج کل کی پچانسی ہوتی ہے اور گلے میں رستہ ڈال کر ایک گھنٹہ میں کام تمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس قسم کا کوئی رستہ گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا صرف بعض اعضاء میں کیلیں ٹھوکتے تھے اور پھر احتیاط کی غرض سے تین تین دن مصلوب بھوکے پیاسے صلیب پر چڑھائے رہتے تھے اور بعد اس کے ہڈیاں توڑی جاتی تھیں اور پھر یقین کیا جاتا تھا کہ اب مصلوب مر گیا۔ مگر خدا تعالیٰ کے قدرت سے مسیح کے ساتھ ایسا نہ ہوا عید فصح کی کم فرصتی اور عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے بہت کا خوف اور پھر آندھی کا آجانا ایسے اسباب یکدفعہ پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا اور دونوں چور بھی اتارے گئے۔ اور پھر ہڈیوں کے توڑنے کے وقت خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا طرہ کا یہ نمونہ دکھایا کہ بعض سپاہی پلاطوس کے جن کو درپردہ خواب کا خطرناک انجام بھایا گیا تھا وہ اُس وقت موجود تھے جن کا مدعا یہی تھا کہ کسی طرح یہ بلا مسیح کے سر پر سے مل جائے ایسا نہ ہو کہ مسیح کے قتل ہو چکی وجہ سے وہ خواب سبھی ہو جائے جو پلاطوس کی عورت نے دیکھی تھی۔ اور ایسا نہ ہو کہ پلاطوس کسی

بلا میں پڑے۔ سو پہلے انہوں نے پورول کی ہڈیاں توڑائیں اور چونکہ سخت آندھی تھی اور تاریکی ہو گئی تھی اور ہوا تیز چل رہی تھی اس لئے لوگ گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں جلد گھروں کو جائیں۔ سو سبباہیوں کا اس موقع پر خوب داؤ لگا۔ جب پورول کی ہڈیاں توڑ چکے تو سچ کی نوبت آئی تو ایک سبباہی نے یونہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو مرجکا ہے کچھ ضرور نہیں کاس کی ہڈیاں توڑی جائیں۔ اور ایک نے کہا کہ میں ہی اس لاش کو دفن کر دوں گا۔ اور آندھی ایسی چلی کہ یہودیوں کو اس نے دھکے دے کر اس جگہ سے نکالا۔ پس اس طور سے سچ زندہ رہ گیا اور پھر وہ سوارپول کو ملا اور اُن سے مچھلی لے کر کھائی۔ لیکن یہودی جب گھروں میں پہنچے اور آندھی فسر ہو گئی تو اپنی نامتام کارروائی سے شک میں پڑ گئے اور سبباہیوں کی نسبت بھی اُن کے دلوں میں ظن پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اب تک عیسائیوں اور یہودیوں کا یہی حال ہے کہ کوئی اُن میں سے قسم کھا کر اور اپنے نفس کے لئے بلا اور عذاب کا وعدہ دے کر نہیں کہہ سکتا کہ مجھے درحقیقت یہی یقین ہے کہ سچ مسیح قتل کیا گیا۔ یہ شکوک اُسی وقت پیدا ہو گئے تھے اور پولس نے اپنی چالاکی سے کوشش بھی کی کہ ان شکوک کو مٹا دے مگر وہ اور بھی بڑھتے گئے۔ چنانچہ پولس کے بعض خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے مسیح جب صلیب پر سے اتار گیا تو اس کے زندہ ہونے پر ایک اور سخت ثبوت یہ پیدا ہو گیا کہ اس کی پسلی کے پھیدنے سے فی الفور اس میں سے خون رواں ہوا۔ یہودی اپنی شتاب کاری کی وجہ سے اور عیسائی انجیل کی روئداد موجودہ کے لحاظ سے اس شک میں شریک ہیں۔ اور کوئی عیسائی ایسا نہیں جو انجیل پر غور کرے اور پھر یقینی طور پر یہ اعتقاد رکھے کہ سچ مسیح صلیب کے ذریعہ فوت ہو گیا بلکہ اُن کے دل آج تک شک میں پڑے ہوئے ہیں اور جس کفارہ کو وہ لئے پھرتے ہیں اسکی ایسے رنگ کے تودہ پر بناء ہے جس کو انجیل کے بیانات نے ہی برباد کر دیا ہے۔ یوحنا ۱۱: ۱۷ کے آیت موصوفہ بال یعنی یہ کہ وان من اهل الكتب الا لیؤمنن بہ قبل موشہ

پیش گوئی کی صورت پر نہیں جیسا کہ ہمارے بھائی مولوی صاحبان جو بڑے علم کا دم مارتے ہیں خیال کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو اس واقعہ کا بیان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات کی جو اُس وقت حالت تھی خدا تعالیٰ اتمائے الحجۃ انہیں سنار رہا ہے اور اُن کے دلوں کی حقیقت اُن پر ظاہر کر رہا ہے اور اُن کو لازم کر کے انہیں یہ سمجھا رہا ہے کہ اگر ہمارا یہ بیان مسیح نہیں ہے تو مقابل پر اگر صاف طور پر دعویٰ کرو کہ یہ خبر غلط بتائی گئی ہے اور ہم لوگ شکوک و شبہات میں مستلما نہیں ہیں بلکہ یقینی طور پر سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسیح مصلوب ہو گیا ہے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ آخر آیت میں جو یہ لفظ واقع ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهِ اس کلام سے اللہ جل شانہ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص مسیح کی عدم مصلوبیت سے یہ نتیجہ نہ نکال لے کہ جو نہ مسیح صلیب کے ذریعہ سے مارا نہیں گیا اس لئے وہ مرا بھی نہیں۔ سو بیان فسر ما دیا کہ یہ تمام حال تو قبل از موت طبعی ہے اس سے اُس موت کی نفی نہ نکال لینا جو بعد اس کے طبعی طور پر مسیح کو پیش آگئی۔ گویا اس آیت میں یوں فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ ہمارے اس بیان پر بالاتفاق ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح یقینی طور پر صلیب کی موت سے نہیں مرا صرف شکوک و شبہات ہیں۔ سو قبل اس کے جو وہ لوگ مسیح کی موت طبعی پر ایمان لائیں جو حقیقت واقع ہو گئی ہے۔ اس موت کے مقدمہ پر انہیں ایمان ہے کیونکہ جب مسیح صلیب کی موت ہو نہیں مرا جس سے یہود اور نصاریٰ اپنے اپنے اغراض کی وجہ سے خاص خاص نتیجے نکالنا چاہتے تھے تو پھر اُس کی طبعی موت پر بھی ایمان لانا اُن کے لئے ضروری ہے کیونکہ یہ پیدائش کے لئے موت لازمی ہے۔ سو قبل موتہ کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانہ بموتہ

اور دوسرے طور پر آیت کے یہ بھی معنی ہیں کہ مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک و شبہ کے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں چلے آتے ہیں پس ان معنوں کی دوسری بھی قرآن کریم بطور اشارہ اُس مسیح کے فوت ہو جانے کی شہادت دے رہا ہے غرض قرآن کریم

میں تین جگہ مسیح کا فوت ہو جانا بیان کیا گیا ہے۔ پھر افسوس کہ ہمارے مولوی صاحبان ان مقامات پر نظر نہیں ڈالتے اور بعض ان میں سے بڑی چالاکی سے کہتے ہیں کہ یہ تو ہم نے مانا کہ قرآن کریم یہی فرماتا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا مگر کیا اللہ جل شانہ اس بات پر قادر نہیں کہ پھر زندہ کر کے اس کو دنیا میں لاوے؟ مگر ان علماء کے علم اور فہم پر دنا آتا ہے۔ اسے حضرات! ہم نے یہ بھی مانا کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے چاہے تو تمام نبیوں کو زندہ کر دیوے مگر آپ سے سوال تو یہ کیا تھا کہ قرآن شریف تو حضرت مسیح کو وفات تک پہنچا کر پھر چُپ ہو گیا ہے اگر آپ کی نظر میں کوئی ایسی آیت قرآن کریم میں ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ مسیح کو مارنے کے بعد پھر ہم نے زندہ کر دیا تو وہ آیت پیش کیجئے ورنہ یہ قرآن شریف کا مخالفانہ مقابلہ ہے کہ وہ تو مسیح کا فوت ہو جانا بیان کرے اور آپ اس کے برخلاف یہ یہ دعوے کریں کہ مسیح مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

بعض علماء نہایت سادگی سے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ انی متوفیک کے آگے جو رافعک اور بل دفعہ اللہ الیہ قرآن کریم میں آیا ہے اس سے زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ معنی مسیح نہیں تو پھر مجز مسیح کے اور کسی کے حق میں رافعک کا لفظ کیوں نہیں آیا؟ مگر میں اسی رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام وہموں کا مفصل جواب لکھ چکا ہوں کہ سرافع سے مراد روح کا عزت کے ساتھ اٹھائے جانا ہے جیسا کہ وقتاً کے بعد بموجب نص قرآن اور حدیث صحیح کے ہر ایک مومن کی روح عزت کیسا تھ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور مسیح کے رفع کا جو اس جگہ ذکر کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح کو دعوت حق میں قریباً ناکامی رہی اور یہودیوں نے خیال کیا کہ یہ کاذب ہے کیونکہ ضرور تھا کہ سچے مسیح سے پہلے ایلیا آسمان سے نازل ہو سوا انہوں نے اس سے انکار کیا کہ مسیح کا اور نبیوں کی طرح عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو بلکہ نفوذ بلائے اس کو لعنتی قرار دیا اور لعنتی اس کو کہتے ہیں جس کو عزت کے ساتھ دفع نصیب نہ ہو

سو خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ الزام مسیح کے سر پر سے اٹھاوے۔ سو اول اس نے اس دنیا کو باطل ٹھہرایا جس بنیاد پر حضرت مسیح کا لعنتی ہونا نابکار یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے دلوں میں سمجھ لیا تھا اور پھر بعد اس کے تصریح یہ بھی ذکر کر دیا کہ مسیح نعوذ باللہ طعون نہیں ہو رفع سے روکا گیا ہے بلکہ عزت کے ساتھ اس کا مرقع ہوا ہے۔ چونکہ مسیح ایک بیکس کی طرح دنیا میں چند روز زندگی بسر کر کے چلا گیا اور یہودیوں نے اس کی ذلت کے لئے بہت سا غلو کیا اس کی والدہ پر ناجائز تہمتیں لگائیں اور اس کو ملعون ٹھہرایا اور راستبازوں کی طرح اس کے رفع سے انکار کیا۔ اور نہ صرف یہودیوں نے بلکہ عیسائی بھی مؤخر الذکر خیال میں مبتلا ہو گئے اور کینگی کی راہ سے اپنی نجات کا یہ حیلہ نکالا کہ ایک استباز کو ملعون ٹھہراؤں اور یہ خیال نہ کیا کہ اگر مسیح کے ملعون ہونے پر ہی نجات موقوف ہے اور یہی نجات ملتی ہے کہ مسیح جیسے ایک راستباز پاک روشن خدا تعالیٰ کے پیارے کو لعنتی ٹھہرایا جاوے تو حیف ہے اسی نجات پر۔ اس سے تو ہزار درجہ دوزخ بہتر ہے۔ غرض جب مسیح کے لئے دونوں فریق یہود و نصاریٰ نے ایسے دور از ادب القاب روا رکھے تو خدا تعالیٰ کی قدرت نے نہ چاہا کہ اس پاک روش کی عزت کو بغیر شہادت کے چھوڑ دیوے۔ سو اس نے جیسا کہ انجیل میں پہلے سے وعدہ دیا گیا تھا ہمارے سید و مولیٰ ختم المرسلین کو مبعوث فرما کر مسیح کی عزت اور رفع کی قرآن کریم میں شہادت دی۔ سرفع کا لفظ قرآن کریم میں کئی جگہ واقع ہے ایک جگہ بلعم کے قصہ میں بھی ہے کہ ہم نے اس کا رفع چاہا مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا اور ایک ناکام نبی کی نسبت اس نے فرمایا ورفعنہ مکافأ علیاً ودرحیقت یہ بھی ایک ایسا نبی ہے جس کی رفعت سے لوگوں نے انکار کیا تھا۔ اور چونکہ اس عاجز کی بھی مسیح کی طرح ذلت کی گئی ہے کوئی کافر کہتا ہے اور کوئی لمحہ اور کوئی بے ایمان نام رکھتا ہے اور ققیہ اور مولوی صلیب دینے کو بھی تیار ہیں جیسا کہ میاں عبدالحق اپنے اشتہا میں لکھتے ہیں کہ اس شخص کے لئے مسلمانوں کو کچھ ہاتھ سے بھی کام لینا چاہیئے لیکن بلاطوس سے زیادہ

۳۸۵

۳۸۶

یہ گورنٹ بے گناہ کی رعایت رکھتی ہے اور پلاطوس کی طرح رعیت کے رعب میں نہیں آتی مگر ہماری اس قوم نے ذلیل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ تا دونوں طرف سے سے مشابہت ثابت کر کے دکھا دیوے۔ انہیں الہام بھی ہو گئے کہ یہ جہنمی ہے آخر جہنم میں پڑے گا اور اُن میں داخل نہیں ہو گا جن کا عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ سو آج تیس اُس الہام کے معنی سمجھا جو اس سے کئی سال پہلے براہین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے یاعیسیٰ اتی متوفیک ورافعلک الیٰ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو والیوم القیمة یعنی یہ مولوی صاحبان عبد الرحمن و عبد الحق تو مجھے اس وقت قطعی دوزخی بناتے ہیں لیکن اُن کے بیان سے دس سال پہلے خدا تعالیٰ مجھے جنتی ہونے کا وعدہ دے چکا ہے اور جس طرح یہودیوں نے خیال کیا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ مسیح لعنتی ہے اور ہرگز عزت کے ساتھ اس کا رفع نہیں ہو گا اور اُن کے رذیل میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اتی متوفیک ورافعلک الیٰ۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس جگہ بھی پہلے سے ہی اپنے علم قدیم کی وجہ سے یہ الہام بطور پیش گوئی اس عاجز کے دل پر القاد کیا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ چند سال کے بعد میاں عبد الحق اور میاں عبد الرحمن اُسی طرح اس عاجز کو لعنتی ٹھہرائیں گے جس طرح یہودیوں نے حضرت مسیح کو ٹھہرایا تھا اس لئے اُس نے پیش از وقوع اس پیش گوئی کو براہین میں درج کر کے یاد دہانی میں مشہور کر دیا۔ تا اس کی قدس و حکمت ظاہر ہو اور تا یہ بھی معلوم ہو کہ جس طرح مسیح کے عہد کے مولویوں نے اس کو لعنتی سمجھا اور اس کے ہشتی ہونے سے انکار کیا اور اُس کا عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہونا راستہ باطل کی جماعت میں ملنا قبول نہ کیا ایسا ہی اس عاجز کے ہم مذہب مولویوں نے اس ناکارہ کو

خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرنا چاہا اور سخت گنہگار مومنوں کی بھی کسی قدر عزت ہوتی ہے مگر انہوں نے کچھ بھی پرہیز نہ کیا کہ عام طور پر یہ تعسیریں لیں اور خط لکھے اور اشعار شائع کئے سو خدا تعالیٰ نے اس مشابہت کے پیدا کرنے کے لئے اُن سے ایک کام لیا ہے اور دوزخی یا بہشتی ہونے کی اصل حقیقت تو مرنے کے بعد ہر ایک کو معلوم ہوگی جس وقت بعض بعد حسرت و دُخ میں پڑے ہوئے کہیں گے مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رَجًا وَلَا خَمًا نَعْدُهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ

عیب زندانِ مکن اے زاہدِ پاکیزہ شریعت تو چہ دانی کہ پسِ پردہ چہ خوب است چہ زشت اب حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو رفع کا لفظ حضرت مسیح کے لئے قرآن کریم میں آیا ہے وہی لفظ الہام کے طور پر اس عاجز کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال پیدا کرے کہ مسیح تو انجیل میں کتا ہے کہ ضرور ہے کہ میں مارا جاؤں اور تیسرے دن جی اٹھوں۔ تو بیان مذکورہ بالا کیونکر اس کے مطابق ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس موت سے حقیقی موت مراد نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ یہ عام محاورہ ہے کہ جو شخص قریب مرگ ہو کر پھر بچ جائے اس کی نسبت بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ نئے سرے سے زندہ ہوا مسیح پر جو یہ مصیبت آئی کہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا اور کیلیں اُس کے اعضاء میں ٹھوکی گئیں جن سے وہ غشی کی حالت میں ہو گیا یہ مصیبت و حقیقت موت سے کچھ کم نہیں تھی اور عام طور پر ٹیڑھا لال ہے کہ جو شخص ایسی مصیبت تک پہنچ کر بچ جائے اس کی نسبت یہی کہتے ہیں کہ وہ مر مر کر بچا اور اگر وہ کہے کہ میں تو نئے سرے سے زندہ ہوا ہوں تو اس بات کو کچھ جھوٹ یا مبالغہ خیال نہیں کیا جاتا۔

اور اگر یہ سوال ہو کہ کونسا قرینہ خاص مسیح کے لفظ کا اس بات پر ہے کہ اس موت سے مراد حقیقی موت مراد نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرینہ بھی خود حضرت مسیح نے فرمایا ہے جبکہ فقیہ اور فریسی اور یہودیوں کے مولوی اکٹھے ہو کر اس کے پاس گئے کہ تو نے مسیح کو نہ تو دعویٰ کیا پر اس دعویٰ کو کیونکر نفیہ معجزہ کے ہم ملال لیں۔ تو حضرت مسیح نے اُن فقیہوں اور

مولویوں کو جواب دیا کہ اس زمانہ کے حرامکار لوگ مجھ سے معجزہ مانگتے ہیں لیکن اُن کو بحسبِ یونس نبی کے معجزہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔

یعنی یہ معجزہ دکھایا جائے گا کہ جیسے یونس نبی تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور مرا نہیں۔ ایسا ہی قدرت الہی نے سچ بھی تین دن تک بحالتِ زندگی قبر میں رہے گا اور نہیں مرے گا۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ اگر مسیح کے الفاظ مذکورہ کو حقیقی موت پر حمل کر لیں تو یہ معجزہ یونس کی مشابہت کا باطل ہو جائے گا کیونکہ یونس مچھلی کے پیٹ میں بحالتِ زندگی رہا تھا نہ مردہ ہو کر۔ سو اگر مسیح مر گیا تھا اور موت کی حالت میں قبر میں داخل کیا گیا تو اس کو یونس کے اس واقعہ سے کیا مشابہت۔ اور یونس کے واقعہ کو اس واقعہ سے کیا مناسبت؟ اور مردوں کو زندوں سے کیا مماثلت سو یہ کافی اور کامل قرینہ ہے کہ سچ کا یہ کہنا کہ میں تین دن تک مروں گا حقیقت پر محسوس نہیں۔ بلکہ اس سے مجازی موت مراد ہے جو سخت غشی کی حالت تھی۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ مسیح نے مصلوب ہونے کے وقت یہ بھی کہا تھا کہ آج میں بہشت میں داخل ہوں گا۔ پس اس سے صفائی کے ساتھ مسیح کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے سو واضح ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدا کی طرف اُٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا جو سچ پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اتی متوفیک وداخلك اتی وارد ہے۔ سو سخت گھبراہٹ کے وقت میں سچ نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا۔ چونکہ سچ ایک انسان تھا اور اس نے دیکھا کہ تمام سالن میرے مرنے کے موجود ہو گئے ہیں لہذا اس نے برعایت اسباب گمان کیا کہ شاید آج میں مرجاؤں گا سو باعثِ ہیبت تجلیِ جلالی حالتِ موجودہ کو دیکھ کر ضعفِ بشریت اُس پر غالب ہو گیا تھا بھی اس نے دل برداشتہ ہو کر کہا ایل ایل لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!

تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا اور کیوں اس وعدہ کا ایفاء نہ کیا جو تو نے پہلے سے کر رکھا تھا کہ تو مرے گا نہیں بلکہ یونس کی طرح تیرا حال ہو گا۔ اگر کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ حفاظت میں مسیح نے کیوں شک کیا۔ سو واضح ہو کہ یہ شک ضعیف بشریت کی وجہ سے ہے۔ جلالی تجلی کے سامنے بشریت کی کچھ پیشش نہیں جاتی۔ ہر ایک نبی کو خدا تعالیٰ بیرون دکھاتا ہے۔ اہل توحید کوئی وعدہ بشارت اپنے نبی کو دیتا ہے اور پھر جب وہ نبی اس وعدہ پر خوش ہو جاتا ہے تو بدستلاد کے طور پر چاروں طرف سے ایسے موانع قائم کر دیتا ہے کہ جو فوسیدی اور ناکامی پر دلالت کر رہے ہوں، بلکہ قطع اور یقین کی حد تک پہنچ گئے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کی لڑائی میں فتح و نصرت کی بشارت دی اور دوسری طرف جب لڑائی کا وقت آیا تو پھر پتہ لگا کہ مخالفوں کی اس قدر جمعیت ہے کہ نظام ہر کامیابی کی امید نہیں رہتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت کرب و قلق ہوا اور جناب الہی میں رو کر دعائیں کیں کہ یا الہی اس گروہ کو فتح بخش اور اگر توفیق نہیں دے گا اور ہلاک کر دے گا تو پھر قیامت تک کوئی تیری پرستش نہیں کیے گا۔ سو یہ الفاظ و حقیقت اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے بلکہ حالات موجودہ کو خلاف مراد دیکھ کر خدا تعالیٰ کے غنائے ذاتی نظر تھی اور اس کی جلالی مدیبت سے متاثر ہو گئے تھے اور حقیقت ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں نبی کریم کو کہا گیا ہے کہ تو ہمارے وعدہ میں شک مت کر وہ سب مقامات اسی قسم کے ہیں جن میں بظاہر سخت ناکامی کی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں اور اسباب مخالفہ نے ایسا رعب ناک اپنا چہرہ دکھلایا تھا جن کو دیکھ کر ہر ایک انسان ضعیف بشریت کی وجہ سے حیران ہو جاتا ہے۔ سو ان وقتوں میں نبی کریم کو بطور تسلی دہی کے فرمایا گیا کہ اگرچہ حالت زیادہ نازک ہے مگر تو بیاعث ضعیف بشریت شک مت کر یعنی یہ خیال مت کر کہ شاید اس پیش گوئی کے اور معنے ہوں گے۔

راقم رسالہ ہذا اس مقام میں خود صاحب تجربہ ہے۔ عرصہ قریباً تین برس کا ہوا ہے کہ بعض تحریکات کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۵ء میں مندرج ہے خدائے تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا اکا ماں بیگ ہشیار پوری کی دسترگاہاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہو گا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا بارہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان ہوا تھا وہ سے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا مفصل بیان مع اس کی میعاد خاص اور اس کے اوقات متعین شدہ کے اور مع اس کے ان تمام لوازم کے جنہوں نے انسان کی طاقت سے اس کو باہر کر دیا ہے اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۵ء میں مندرج ہے اور وہ اشتہار عام طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے جس کی نسبت آریوں کے بعض منصف مزاج لوگوں نے بھی شہادت دی کہ اگر یہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو بلاشبہ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور یہ پیشگوئی ایک سخت مخالف قوم کے مقابل پر ہے جنہوں نے گویا دشمنی اور عداوت کی تلواریں کھینچی ہوئی ہیں اور ہر ایک کو جو ان کے حال سے خیر ہوگی وہ اس پیشگوئی کی عظمت خوب سمجھتا ہو گا۔ ہم نے اس پیشگوئی کو اس جگہ مفصل نہیں لکھا تا بار بار کسی متعلق پیشگوئی کی دشمنی نہ ہو لیکن جو شخص اشتہار پڑھے گا وہ گو کیسا ہی متعصب ہو گا اس کو انتہا کرنا پڑے گا کہ مضمون اس پیشگوئی کا انسان کی قدرت سے بالاتر ہے اور اس بات کا جواب بھی کامل اور مسکت طور پر اسی اشتہار سے ملے گا کہ خدا تعالیٰ نے کیوں یہ پیشگوئی بیان فرمائی اور اس میں کیا مصلح ہیں۔ اور کیوں اور کس وسیلے سے یہ انسانی طاقتوں سے بلند تر ہے۔

۳۰۶
 (۳) اس جگہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی

جیسا کہ اب تک بھی جو ۱۶ اپریل ۱۸۸۱ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا الحق من ربك فلا تحسبن من الممترین یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔ سو اس وقت مجھ پر یہ بعید کھلا کہ کیوں خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو قرآن کریم میں کہا کہ تو شک مت کر۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت یہ آیت ایسے ہی نازک وقت سے خاص ہے جیسے یہ وقت تنگی اور نو میدی کا میرے پر ہے اور میرے دل میں یقین ہو گیا کہ جب نبیوں پر بھی ایسا ہی وقت آجاتا ہے جو میرے پر آیا تو خدا تعالیٰ تازہ یقین دلانے کے لئے ان کو کشتا ہوا کہ تو کیوں شک کرتا ہے اور مصیبت نے مجھے کیوں ناامید کر دیا تو ناامید مت ہو۔

۳۱۱

(۵) سوال۔ ابن مریم کے اترنے کا ذکر جو احادیث میں موجود ہے کسی نے سلف اور خلف میں سے اس کی یہ تاویل نہیں کی کہ ابن مریم کے لفظ سے جو ظاہر طور پر حضرت عیسیٰ مسیح سمجھا جاتا ہے درحقیقت یہ مراد نہیں ہے بلکہ کوئی اس کا شیل مراد ہے۔ اسو اس کے اس بات پر اجماع ہے کہ نصوص کو ظاہر چھل کیا جائے اور بشیر قرآن قویہ کے باطن کی طرف نہیں پھیرنا چاہیئے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ سلف اور خلف کے لئے یہ ایک ایمانی امر تھا جو پیشگوئی کو اجمالی طور پر مان لیا جائے انہوں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اس پیشگوئی کی تہ تک پہنچ گئے ہیں اور درحقیقت ابن مریم سے ابن مریم ہی مراد ہے۔ اگر ان کی طرف سے ایسا دعویٰ ہوتا تو وہ وہ حال کے فوت ہو جانے کے قائل نہ ہوتے اور نہ قرآن شریف کے

اُن مقامات کو جن میں سچ کی موت کا ذکر ہے یونہی بحث سے خارج سمجھ کر خاموشی اختیار کرتے
 اور اگر فرض کے طور پر یہ بھی مان لیں کہ کوئی صحابہ میں سے یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ ابن مریم ^{میں} ^{سے}
 ابن مریم ہی مراد ہے تو تب بھی کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیش گوئیوں کے سمجھنے میں
 قبل اس کے جو پیش گوئی ظہور میں آوے بعض اوقات بنیوں نے بھی غلطی کھائی ہے
 پھر اگر کسی صحابی نے غلطی کھائی تو کون سے بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہمارے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہو بلکہ
 اگر کچھ بھائی جلدی سے ہوش میں نہ آجائیں تو میرا تو ہی مذہب ہے جس کو دلیل
 کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فہم اور فراست کے
 برابر تھیں۔ مگر پھر بھی بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا
 ہے کہ میں نے اُن کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی میں پہلے اس سے بے خبر و غافل
 لکھ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمادیا تھا کہ میری وفات
 کے بعد میری بیبیوں میں سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہونگے چنانچہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہی بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے شروع کر دیے
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پیش گوئی کی اصل حقیقت سے خبر نہ تھی اس
 لئے منع نہ کیا کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔ آخر اس غلطی کو پیش گوئی کے ظہور کی وقت نے نکالا۔ اگر
 زمانہ اُن بیبیوں ائمہات المؤمنین کو مہلت دیتا اور وہ سب کی سب ہمارے اس زمانہ
 تک زندہ رہتیں تو صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک تمام امت کا
 اسی بات پر اتفاق ہو جاتا کہ پہلے لمبے ہاتھ والی بی بی فوت ہوگی اور پھر ظہور کے وقت
 جب اور بی بیوں پہلے فوت ہو جاتی جس کے اوروں کی نسبت لمبے ہاتھ نہ ہوتے۔ تو
 اس تمام جہان کو کیسی خجالتیں اٹھانی پڑتیں اور کس طرح ناحق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 ہتک کراتے اور اپنے ایمان کو شبہات میں ڈالتے۔

اس وقت مجھے اپنے ایک دوست کی بات یاد آئی ہے۔ خدا اس کو غریقِ رحمت کرے نام اس مرحوم کا حافظِ ہدایت علی تھا اور یہ کسی زمانہ میں منہج گوردیوار کے اکثر اسٹنٹ تھے اور قدرتِ نیک شکر میں تحصیلدار بھی رہے۔ ایک جلسہ میں انہوں نے فرمایا کہ جس قدر بعض امور کے ظہور کا آخری زمانہ کے بارے میں وعدہ دیا گیا ہے اور بعض پیشگوئیاں فرمائی گئی ہیں ہمیں اُن کی نسبت یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ ضرور پوری ہوں گی۔ تا اگر اُن کی حقیقت کسی اور طبع پر کھلے تو ہم ٹھوکر نہ کھایں۔ اور ہمارا ایمان سلامت رہ جائے۔ اور کہا کہ پوچھنا بھائی ہم اُنسی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس کو آج سے کچھ کم تیسرے سو برس پہلے آخری زمانہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ ان میں سے بعض پیشگوئیاں ہماری ہی زندگی میں ظاہر ہو جائیں۔ سو ہمیں اجمالی ایمان کا اصول محکم پکڑنا چاہیے اور کسی شق پر ایسا زور نہیں دینا چاہیے جیسا کہ اس حالت میں دیا جاتا ہے کہ جب ایک حقیقت کی تہ تک ہم پہنچ جاتے ہیں۔ تہِ کلامہ

اور واقعی یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ امت کے اجماع کو پیشگوئیوں کے امور سے کچھ تعلق نہیں اور ہمارے حال کے مولویوں کو یہ سخت دھوکا لگا ہوا ہے کہ پیشگوئیوں کو بھی جن کی اصل حقیقت ہنوز درپردہ غیب ہے اجماع کے شکنجہ میں کھینچنا چاہتے ہیں۔ دراصل پیشگوئیاں حاملہ عورتوں سے مشابہت رکھتی ہیں اور مثلاً ہم ایک حاملہ عورت کی نسبت یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے بیٹ میں کوئی بچہ ضرور ہے اور یقیناً وہ فوجیئے اور دس دن کے اندر اندر پیدا بھی ہو جائے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیسا شکل رکھتا ہے اور اس کی حالت جسمی کیسی ہو اور اس کے کنوٹ پر کس طرز کے واقع ہیں اور لڑکا ہے یا بلاشبہ لڑکی ہے۔

شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ اعتراض ظہور کرے کہ اگر پیشگوئیوں کا ایسا ہی

حال ہے تو لائقِ اعتراف نہ رہیں اور اس لائق نہ رہیں کہ نبی کی صدق نبوت پر بطور دلیل اور شاہدِ ناطق کے قصور کی جائیں یا کسی مخالف منکر کے سامنے پیش کی جائیں تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہ پیشگوئیاں کبھی اپنے ظاہر پر ہی پوری ہو جاتی ہیں کبھی باطنی طور پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ اس سے ترافیٰ پیشگوئیوں کی عظمت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا بلکہ باریک بینوں کی نظر میں اور بھی عظمت کھنتی ہے۔ کیا اگر فلاسفر کا قول کوئی عقل کا آدمی اُلٹے طور پر سمجھ لیوے اور پھر اس کے مقول معضونہایت مثل اثبات شدہ ہیں کھل جائیں تو اس غلطی سے ان صحیح معنوں کو کچھ حرج پہنچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ماسوا اس کے پیشگوئیوں میں ایک قدر مشترک بہر حال ایسا باقی رہتا ہے کہ خواہ وہ حقیقت پر محمول سمجھی جائیں اور یا بالآخر کوئی مجازی معنی مل آویں وہ قدر مشترک بدیہی طور پر نظر آہر کر دیتا ہے کہ یہ پیشگوئی درحقیقت سچی اور انسانی طباقوں سے بالاتر ہے۔

علاوہ اس کے جن پیشگوئیوں کو مخالف کے سامنے دعویٰ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ ایک خاص طور کی روشنی اور بدامت اپنے اندر رکھتی ہیں اور انہیں لوگ حضرت احدیٰ بنت میں خاص طور پر توجہ کر کے ان کا زیادہ تر انکشاف کرا لیتے ہیں مگر معمولی طور پر بہت کچھ چھپے ہوئے گوشے پیشگوئیوں کے ہوتے ہیں۔ اور یہ سراسر نادانی کی ضد ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ خواہ خواہ پیشگوئی حقیقت محسوس ہوا کرتی ہے۔ جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کو دیکھا ہو گا وہ اس بات کو خوب جانتا ہو گا کہ کس قدر پیشگوئیوں میں استعارات ان کی کتابوں نے استعمال کئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مواضع میں دن ذکر کر کے اُس سے برس مراد لیا ہے۔ درحقیقت پیشگوئیاں از قبیل مکاشفات ہوتی ہیں اور اس چشمہ نے نکلتی ہیں جو استعارات کے رنگ سے بھرا ہوا ہے اپنی خوابوں کو دیکھو کیا کوئی سیدھے طور پر بھی خواب آتی ہے۔ مگر شاذ و نادر ایسا ہی خدا تعالیٰ مکاشفات کو استعارات کے غلعت سے آراستہ کر کے اپنے نبیوں کی محفل

ظاہر کرتا ہے سو اس صداقت کے قبول کرنے کا نام الحاد رکھنا خود الحاد ہے۔ کیونکہ الحاد اسی کو کہتے ہیں کہ ایک معنی اپنے اصل سے پھرے جائیں۔ سو جب کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت نے مکاشفات اور رؤیائے صالحہ کے لئے یہی اصل مقرر کر دیا ہے کہ وہ اکثر استعارات سے پُر ہوتے ہیں تو اس اصل سے معنی کو پھیرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہمیشہ پیشگوئیاں ظاہر پر ہی محمول ہوتی ہیں اگر الحاد نہیں تو اور کیا ہے؟ صوم اور صلوٰۃ کی طرح پیشگوئی کو بھی ایک حقیقت منکشفہ سمجھنا بڑی غلطی اور بڑا بھارا دھوکہ ہے۔ یہ احکام تو وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھلائے اور بتائی اُن کا پروردہ اٹھا دیا۔ مگر کیا ان پیشگوئیوں کے حق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے کہ یہ من کل الوجوه مکشوف ہیں اولاً نہ کئی ایسی حقیقت اور کیفیت مخفی نہیں جو ظاہر کی وقت سمجھ سکے اگر کوئی حدیث صحیح موجود ہے تو کیوں پیشکش نہیں کی جاتی۔ آپ لوگ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم و فراست نہیں رکھتے۔ صحیح بخاری کی حدیث کو دیکھو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایٹیم کے ٹکڑے پر حضرت عائشہ صدیقہ کی تصویر دکھائی گئی کہ تیرے نکاح میں آوے گی تو آپ نے ہرگز یہ دعویٰ نہ کیا کہ عائشہ سے درحقیقت عائشہ ہی مراد ہے۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ اگر درحقیقت اس عائشہ کی صورت سے عائشہ ہی مراد ہے تو وہ مل ہی رہے گی ورنہ ممکن ہے کہ عائشہ سے مراد کوئی اور عورت ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ابوبہل کھیلنے مجھے ہشتی خوشہ انگور دیا گیا مگر اس پیشگوئی کا مصداق عکرمہ نکلا جب تک خدا تعالیٰ نے خاص طور پر تمام مراتب کسی پیشگوئی کے آپ پر نہ کھولے تب تک آپ نے اُس کی کسی شق خاص کا بھی دعویٰ نہ کیا۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوبہل کو شرط لگائی اور قرآن شریف کی وہ پیشگوئی مارا شرط رکھی کہ اکتسرت غلبت الروم فاد فی الارض وہم من بعد غلبہم سیخلبون فی بضع سنین۔ اور تین برس کا عرصہ طغرایا

تو آپ پیشگوئی کی ضرورت کو دیکھ کر فی الفور دور اندیشی کو کام میں لائے اور شرط کی کسی قدر ترمیم کرنے کے لئے ابو بکر صدیق کو حکم فرمایا اور فرمایا کہ بضع سنین کا لفظ محمل ہے اور اکثر نو برس تک اطلاق پاتا ہے۔

ایسا ہی آپ نے امت کے سمجھانے کے لئے بعض پیشگوئیوں کے سمجھنے میں خود اپنا غلطی کھانا بھی ظاہر فرمایا۔ اب کیا تعلیم نبوی کافی نہیں اور کیا تعلیم باوازنہند نہیں بتلا رہی کہ پیشگوئیں پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ اور ان کی اس حقیقت حوالہ بخدا کرو۔ امت محمدیہ میں تفرقہ مت ڈالو اور تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔

اے حضرات! اکیلے اکیلے اپنے گھروں میں بیٹھ کر فکر کرو۔ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سادگی سے میری بات کو سوچو۔ قبرستان میں جاؤ اور اپنی موت کو یاد کر کے ایک بے غبار نظر اپنے لئے لاؤ اور خوب دیکھ لو کہ تقویٰ کا کونسا طریق ہے اور احتیاط اور خدا ترسی کی کونسی راہیں ہیں؟ اگر آپ پر یہ بات مشتبہ ہے جو میں نے پیش کی ہے تو کیا آپ لوگوں کا اس بات میں بھی کچھ حرج ہے کہ آپ اجمالی طور پر اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اس کی تفصیل مخفیہ میں خواہ نخواہ دخل نہ دیں اور مجھے میرے خدا تعالیٰ کے ساتھ چھوڑ دیں۔ میں کسی پر جبر نہیں کرتا۔ ایک تبلیغی ہے چلے کوئی سنے یا نہ سنے اگر کسی کو خدا تعالیٰ یقین بخشنے اور وہ مجھے پہچان لے اور میری باتوں کو مان لوے تو وہ میرا خاص طور پر بھائی ہے اور اس کو بلاشبہ اپنے ایمان کا اجر ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ اتنا بھی کریں کہ اس پیشگوئی کے دقائق مخفیہ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کر رکھیں اور ایمان کی حد پر ٹھہرے رہیں اور خواہ نخواہ کامل عرفان کا دعویٰ نہ کریں تو سوچو اسمیں آپ کے لئے خیر کیا ہے اور عسدرائند کو نسا مواخذہ ہے؟ کیا اگر آپ ایسا کریں تو اس سے آپ کو مواخذہ ہوگا؟ لیکن اگر آپ ایمان کی حد سے بڑھ کر قدم رکھیں اور وہ دعویٰ کریں جس کا آپ کو علم نہیں دیا گیا تو بیشک اس غل بیجالی باز پرس ہوگی۔

اے حضرات مولوی صاحبان! کیوں لوگوں کو بلا میں ڈالتے ہو اور کہیں اپنے علم سے بڑھ کر دعویٰ کرتے ہو۔ اگر ابن مریم کے نزول کی حدیث میں کوئی مخالف قرینہ قائم نہ ہوتا اور صرف الہام ہی کے ذریعہ ایک مسلمان اس کے معنی آپ پر کھولتا کہ ابن مریم سے اس جگہ درحقیقت ابن مریم مراد نہیں ہے تب بھی بمقابل اس کے آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا تھا کہ ابن مریم سے مراد درحقیقت ابن مریم ہے۔ کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہام آپ قرینہ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے لئے مامور ہیں۔

لیکن اس جگہ تو صرف الہام ہی نہیں دوسرے قرائن قویہ بھی موجود ہیں کیا یہ کم قرینہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسیح کی وفات کے بارے میں تو کئی آیتیں بیان کیں مگر ان کے زندہ نہ مرنے اور زندہ اٹھانے جانے پر اشارہ تک نہیں کیا۔ کیا یہ کم قرینہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کا وہ حلیہ بیان نہیں کیا جو جاتا تھا کا بیان فرمایا۔ کیا یہ کم قرینہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کو ایک امتی ٹھہرایا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے اس کو دکھا؟

اور یہ عذر کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ نفوس کو ظاہر پر حمل کیا جائے یعنی قرآن اور حدیث کے ظاہری معنی لینے چاہئیں۔ سو واضح ہو کہ یہ عذر درحقیقت ایسا عذر ہے جس سے ہمارے مخالفوں پر ہماری محبت پوری ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ناجائز طریقہ انہیں لوگوں نے اختیار کیا ہے کہ نفوس بینہ کلام الہی کو بغیر قیام قرینہ کے باطن کی طرف پھیر رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے پیچھے مقام میں توفی کے لفظ کو قبض روح کے معنوں پر استعمال کیا ہے اور صاف جا بجا ظاہر کر دیا ہے کہ توفی کے یہ معنی ہیں کہ روح قبض کی جائے اور جسم کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن یہ لوگ (خدان کو ہدایت دے) تیشیکل مقام میں تو یہی معنی مذکور بالا قبول کرتے اور قناد عرفیہ مکمل میں یہاں سچ کی

وفات کا ذکر ہے اپنی طرف سے اور اور معنے گھڑتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ علو اہل نصوص سے انہوں نے منہ پھیرا یا ہم نے؟ ہاں ابن مریم کے نزول سے جو حدیثوں میں آیا ہے۔ ہمارے نزدیک درحقیقت ابن مریم ملو نہیں ہے مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ ہم نے نصوص کو غلط اہر سے باطن کی طرف پھیرا ہے بلکہ قطع نظر الہام آہی سے یہ استعارہ اس لئے ماننا پڑا کہ نصوص بقیہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ اس کو حقیقت پر حمل کرنے سے روکتی ہیں چنانچہ ہم بار بار ان دو نکل سرحد واضحہ کو بیان کر چکے ہیں کہاں تک اعادہ کلام کریں۔

(۶) سوال۔ مسیح موعود کے ساتھ احادیث میں کہیں مثیل کا لفظ دیکھا نہیں جاتا یا جیسی یہ کسی جگہ نہیں لکھا کہ مثیل مسیح ابن مریم آویگا بلکہ یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم آویگا۔

امّا الجواب۔ پس سوچنا چاہیے کہ جب خدائے تعالیٰ نے آنے والے مثیل مسیح کا ابن مریم ہی نام رکھ دیا تو پھر وہ اس کو مثیل ابن مریم کر کے کیوں لکھتا۔ مثلاً تم سوچو کہ جو لوگ اپنی اولاد کے نام موسیٰ و داؤد و عیسیٰ وغیرہ رکھتے ہیں اگرچہ ان کی غرض تو یہی ہوتی ہے کہ وہ نیکی اور خیر و برکت میں ان نبیوں کے مثیل ہو جائیں مگر پھر وہ اپنی اولاد کو اس طرح کر کے تو نہیں پکارتے کہ اے ٹیل موسیٰ۔ اے ٹیل داؤد۔ اے ٹیل عیسیٰ۔ بلکہ اصل نام ہی بطور تفاؤل پکارا جاتا ہے پس کیا جو امر انسانی محض تفاؤل کی راہ سے کر سکتا ہے وہ قادر مطلق نہیں کر سکتا؟ کیا اس کو طاقت نہیں کہ ایک آدمی کی روحانی حالت کو ایک دوسرے آدمی کے مشابہ کر کے وہی نام اس کا بھی رکھ دیوے؟ کیا اس نے اسی روحانی حالت کی وجہ سے حضرت یحییٰ کا نام ایلیا نہیں رکھ دیا تھا؟ کیا اسی روحانی متابعت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کا نام قوریت پیدا کرنا باب و ہم میں سیلا نہیں رکھا گیا اور سیلا یہود ابن یعقوب علیہ السلام کے پوتے کا نام تھا۔ یہود کو اسی باب میں مسیح ابن مریم کے آنے کی ان لفظوں میں بشارت دی گئی کہ یہود سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا جب تک سیلانہ آوے۔ یہ نہ کہا گیا کہ جب تک ابن مریم نہ آوے۔ چونکہ مسیح ابن مریم مسلمان ہو

پیدا ہونے کی وجہ سے ہودا کا پوتا ہی تھا اس وجہ سے اس کا نام سیلا ہی رکھ دیا گیا۔ اسی توریت پریدائش باب ۱۱ آیت پندرہ میں حضرت یعقوب کی یہ دعا ذکر کی ہے کہ اُس نے یوسف کے لئے برکت چاہی اور یوسف کے لڑکوں کے لئے دعا کر کے کہا کہ وہ خدا

جس نے ساری عمر آج کے دن تک میرے پاس بانی کی ان برائیوں کو برکت دی ہے اور جو میرے باپ دادوں ابراہام اور اسحاق کا نام ہے سو ان کا رکھا جاوے۔ پس اشد جلاشانہ کی اس عادت قدیمہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ روحانی مناسبت کی وجہ سے جو ایک کا نام ہے وہ دوسرے کا رکھ دیتا ہے۔ ابراہیمی المشرب اس کے نزدیک ابراہیم ہے اور موسوی المشرب اس کے نزدیک موسیٰ ہے اور عیسوی المشرب اس کے نزدیک عیسیٰ ہے اور جو ان تمام مشرعوں سے حصہ رکھتا ہے وہ ان تمام ناموں کا مصداق ہے۔ ہاں اگر کوئی امر بحث کے لائق ہے تو یہ ہے کہ ابن مریم کے لفظ کو اس کے ظاہری اور متبادر معنوں سے کیوں پھیرا جاوے؟ تو اس کا یہ جواب یہ ہے کہ جو حقیقہ قرینہ قویہ کے کیونکہ قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضاحت ناظم ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ جاں بحق ہوا اور خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا گیا اور اپنے بھائیوں میں جالا۔ اور رسول مقبول نبی آخر الزمان نے اپنی معراج کی رات میں سحری نبی شہید کے ساتھ دوسرے آسمان میں اُس کو دیکھا یعنی گزشتہ اور وفات یافتہ لوگوں کی جماعت میں اُس کو پایا۔ قسمان کریم اور احادیث صحیحہ یہ امید و بشارت تواتر دے رہی ہیں کہ شیل ابرہیم اور دوسرے مثیل بھی اُن کے مگر کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ کوئی گزشتہ اور وفات یافتہ نبی سجدہ و دنیا میں آجائے گا۔ لہذا یہ بات بجا بہت ثابت ہے کہ ابن مریم کو وہ دن حرم رسول اللہ مراد نہیں ہے جو فوت ہو چکا اور فوت شدہ جماعت میں جالا اور خدا تعالیٰ کی اس حکمت عجیبہ پر بھی نظر ڈالو کہ اُس نے آج سے قریباً دس برس پہلے اس عاجز کا نام عیسیٰ رکھا اور بتوفیق فضل خود پراہن میں چھپوا کر ایک عالم میں اس نام کو مشہور کر دیا۔

اب ایک مدت دراز کے بعد اپنے خاص الہام سے ظاہر فرمایا کہ یہ وہی عیسیٰ ہے جس کے آنے کا وعدہ تھا۔ برابر وٹلس برس تک لوگ اس نام کو براہین میں پڑھتے رہے اور خدا تعالیٰ نے دس برس تک اس دوسرے الہام کو جو پہلے الہام کے لئے بطور شیخ تھا پوشیدہ رکھا تا اس کے پر حکمت کام ایک غور کرنے والے کی نظر میں بناوٹ سے مصطفیٰ ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ بناوٹ کا سلسلہ اس قدر لمبا نہیں ہو سکتا جس کی بنیاد ایک طول طویل مدت سے پہلے ہی رکھی گئی ہو۔ فتدبر وایا اولواکلا بصائر۔

(۷) سوال۔ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ اور مثل مسیح بھی آویں تو کیا ان میں سے موعود ایک ہی ہے جو آپ ہیں یا سب موعود ہوں گے اور کن کچھ ہم سچا موعود تسلیم کریں؟
 اقبال جواب۔ پس واضح ہو کہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کے روئے منورہی طور پر تفسیر پاچہ کا تھا وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آگیا اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیشگوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی کے دل میں یہ غلجان پیدا ہو کہ بعض احادیث کی اس آنے والے مسیح کی حالت سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی جیسے سلم کی دشقی حدیث۔ تو اول تو اس کا یہی جواب ہے کہ حقیقت یہ سب استعارات ہیں اور مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں بیان کچھ کیا جاتا ہے اور مراد اس سے کچھ لیا جاتا ہے سو یہ ایک بڑا دھوکہ اور غلطی ہے جو ان کو ظاہری طور پر مطابق کرنے کے لئے کوشش کی جلتا اور یا اس تردد اور شک اور حیرت میں اپنے تئیں ڈال دیا جائے کہ کیوں یہ نشانیاں ظاہری طور پر مطابق نہیں آتیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ان حدیثوں کی تشریح کے وقت فریق مخالف کو بھی اکثر مقامات میں تاویل کی مصلحت پڑی ہے اور بڑے تکلف کے ساتھ تاویلیں کی ہیں۔ جیسے مسیح ابن مریم کا یہ وعدہ کام جو بیان کیا گیا ہے جو وہ دنیا میں آکر خنزیروں کو قتل کرے گا۔ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی تشریح میں علماء نے کس قدر الفاظ کو ظاہر سے باطن کی طرف پھیرنے کے لئے کوشش کی ہے۔

ایسا ہی دجال کے طواف کعبہ میں کس قدر دور از حقیقت تاویلوں سے کام لیا ہے۔ سو اگر فریق ثانی ان مقامات میں تاویلوں سے بکلی دستکش دیتے تو البتہ وہ انہیں ماقول خیال کرنے میں کسی قدر محذور ٹھہرتے لیکن اب وہ آپ ہی اس راہ پر قدم مار کر کس منہ سے یہ الزام دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ چونکہ درحقیقت کیشفی عبارتیں استعارات سے پُر ہیں اس لئے کسی فریق کے لئے ممکن نہیں کہ ان کو ہر ایک جگہ ظاہر پر حمل کر سکے۔ بلکہ ہاتھ کی حدیث بلکہ ہاتھ کر کے بتلا رہی ہے کہ ان مکاشفات میں ظاہر و باہر و ممت و دور و نہ دھوکہ کھاؤ گے مگر کوئی اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتا جو کبھی عذاب کی نسبت حدیثوں میں بکثرت یہ بیان پایا جاتا ہے کہ ان میں گنہگار ہونے کی حالت میں بچھو ہوں گے اور سانپ ہوں گے اور آگ ہوگی۔ اگر ظاہر پر ہی ان حدیثوں کو حمل کرنا ہے تو ایسی چند قبریں کھودو اور ان میں سانپ اور بچھو دکھلاؤ۔

پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہمنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محسوس کیا جاوے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے قدیر سے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو مخائب الشیئل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض طبعین فانی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لئے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ملتی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا۔ تو اس صورت میں بلاشبہ ان کا ساختہ پیر و اختہ ہمارا سا ختم پر مشابہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے۔ اس لئے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیشگوئی میں بھی شریک ہے کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں پس اگر

غلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پاوے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ مسیح نہیں کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک مقصد موعود کی روحانی یگانگت کی راہ سے متمم و مکمل ہیں اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کرو گے یا دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں کبھی تو بلا واسطہ پورے ہوتے ہیں اور کبھی بالواسطہ ان کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدے دئے گئے تھے وہ ان کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعہ جو تمام نبیوں کا سردار ہے یعنی سیدنا امامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں بلکہ صاف صاف حضرت موسیٰ کو وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں لے جائے گا اور کنعان کی سرسبز زمین کا انہیں مالک کر دے گا۔ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا اور وہ راہ میں ہی فوت ہو گئے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی جو اب تک قوریت میں موجود ہے۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسیٰ قوت اور موسیٰ روح اس کے شاگرد یوشع کو عطا ہوئی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیج نوح سے موسیٰ میں ہو کر اور موسیٰ صورت پکڑ کر وہ کام بجالایا جو موسیٰ کا کام تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا کیونکہ اس نے موسیٰ میں ہو کر اور موسیٰ کی پیروی میں پوری فضا اختیار کر کے اور خدا تعالیٰ سے موسیٰ روح پاکر اس کام کو کیا تھا۔ ایسا ہی ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قوریت میں بعض پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بلا واسطہ پوری نہیں ہو سکیں بلکہ وہ بواسطہ ان خلفائے کرام کے پوری کی گئیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی میں خانی تھے۔ سو اس میں کون کلام

کر سکتا ہے جو ایک مامورین اللہ کی نسبت جن جن فتوحات اور امور عظیمہ کا تذکرہ پیشگوئی کے لباس میں ہوتا ہے اس میں یہ ہرگز ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ وہ سب کچھ انہی کے فیہ سے پورا بھی ہو جائے بلکہ اُس کے خالص متبعین اس کے ہاتھوں اور پیروں کی طرح سمجھے جلتے ہیں اور ان کی تمام کارروائیاں اُسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ جیسے ایک سپہ سالار کسی معرکہ جنگ میں عمدہ عمدہ سپاہیوں اور مدبروں کی مدد سے کسی دشمن کو گرفتار کرتا ہے یا قتل کر دیتا ہے تو وہ تمام کارروائی اُسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور بلا تکلف کہا جاتا ہے کہ اُس نے گرفت رکھا یا قتل کیا۔ پس جبکہ یہ عمارت خالص تعارف ہے تو اس بات میں کونسا تکلف ہے کہ اگر فرض کے طور پر بھی تسلیم کر لیں کہ بعض پیشگوئیوں کا اپنی ظاہری صورت پر بھی پورا ہونا ضروری ہے تو ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کہ وہ پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور ایسے لوگوں کے ہاتھ سے اُن کی تکمیل کرائی جائے گی کہ جو پورے طور پر بیسروی کی راہوں میں غافل ہونے کی وجہ سے اوٹرنسہ آسمانی روح کے بیضے کے باعث سے اس عاجز کے وجود کے ہی حکم میں ہوں گے اور ایک پیشگوئی بھی جو براہِ ہین میں درج ہو چکی ہے اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے یا عیسیٰ انی متوفیک ورافحت الی وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوما لقیامت۔ اس سچ کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذمیت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو ہدایت میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔

۴۱۹

(۸) سوال۔ حضرت علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ درحقیقت سچ ابن مریم ہی دوبارہ دنیا میں آئیں گے پس اگر یہ عقیدہ صحیح نہیں تھا تو کیوں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تکذیب نہ کی بلکہ حدیثوں میں ابن مریم کے آنے کا وعدہ دیا گیا۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ خدا نے تعالےٰ نے تو قرآن کریم میں اس عقیدہ کی تکذیب کر دی جبکہ بیان کر دیا کہ حقیقت سچ ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور پھر سچ کے دوبارہ زندہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔ کیا اور حدیثوں میں بھی اس مدعا کے بارہ میں کہیں قرآن شریف کی مخالفت نہیں کی گئی۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جو سچ ابن مریم کا زندہ بچد العنصری آسمان کی طرف اٹھائے جانا بیان کرتی ہو۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عقیدہ کی تکذیب کرنے میں کچھ فسوق نہیں رکھا۔ آنے والے سچ کو اتنی ٹھہر لیا۔ تحلیل و تحلیل میں اختلاف ڈال دیا اور سچ کا فوت ہو جانا بیان کر دیا۔ سو اس حدیث بیان کافی تھا اور جو محکمہ پیش گوئیوں میں خلق اللہ کے ابتلاء کے لئے یہ بھی منظور ہوتا ہے کہ کبھی کیفیت اُن کی بدوشیدہ بھی رکھی جائے اس لئے کسی قدر بدوشیدہ بھی رکھا گیا تا وقت پر صادقوں اور کاذبوں کا امتحان ہو جائے۔ اور یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کہ عیسائیوں کا متفق علیہ یہی عقیدہ ہے کہ حضرت سچ دنیا میں پھر آئیں گے کیونکہ بعض فرقے اُن کے حضرت سچ کے فوت ہو جانے کے قائل ہیں۔ اور حواریوں کی دونوں نجیبوں یعنی متی اور یوحنا نے اس بیان کی ہرگز تصدیق نہیں کی کہ سچ وحقیقت آسمان پر اٹھایا گیا۔ ہاں مرقس اور لوقا کی نجیب میں لکھا ہے مگر وہ حواری نہیں ہیں اور نہ کسی حواری کی روایت سے انہوں نے لکھا۔

(۹) سوال۔ لیستہ القدر کے اور معنی کر کے نہجریّت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

امّا الجواب۔ معترض صاحب نے اس اعتراض سے لوگوں کو دھوکا دیا جو اس جگہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا نے تعالےٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ پہلے لیستہ القدر کے دو علماء کرتے ہیں وہ بھی مسلم اور سچ ہیں اور ساتھ اُن کے یہ بھی معنی ہیں اور ان دونوں میں کچھ منافات نہیں۔ قرآن شریف ظہر بھی رکھتا ہے اور بطن بھی اور صد با محارف اس کے اندر بدوشیدہ ہیں پس اگر اس عاجز نے تفہیم الہی سے لیستہ القدر

کے یہ معنی کئے تو کہاں سے سمجھا گیا کہ پہلے معنوں سے انکار کیا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر القرون نہیں کہلاتا؟ کیا اس زمانہ کی عبادات ثواب میں بڑھ کر نہیں تھیں؟ کیا اس زمانہ میں نصرت دین کے لئے فرشتے نازل نہیں ہوتے تھے؟ کیا روح الامین نازل نہیں ہوتا تھا؟ پس نیک ہر ہے کہ سلسلۃ القدر کے تمام آثار و انوار و برکات اس زمانہ میں موجود تھے ایک حکمت بھی موجود تھی جس کے دور کرنے کے لئے یہ انوار و ملائکہ صریح الامین اور طرح طرح کی روشنی نازل ہو رہی تھی پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس زمانہ کا نام بھی الہام الہی سے سلسلۃ القدر ظاہر کیا گیا تو اس سے کونسی قباحت لازم آگئی؟ جو شخص قرآن شریف کے ایک معنی کو مستم رکھ کر ایک دوسرا لطیف نکتہ اس کا بیان کرتا ہے تو کیا اس کا نام محد رکھنا چاہیئے؟ اس خیال کے آدمی بلاشبہ قرآن شریف کے دشمن اور اس کے اعجاز کے منکر ہیں۔

(۱۰) سوال۔ ملائک اور جبریل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے اور انکو توحی مرام میں صرف کواکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے۔

امّا الجواب۔ یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور حضرت جبریل کے وجود کو انسی طبع مانتا ہے جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے اور جیسے کہ قرآن کیم اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے احرام کاوی سے خادمانہ تعلقات پائے جاتے ہیں یا جو جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہے اسی کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہو۔ چویشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست سخن شناس نہ دلیہ انظار نجاست

(۱۱) سوال۔ رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

امّا الجواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے جس حالت میں رو یا مالمو نبوت کے چھیالیس حوالہ میں سے ایک حصہ ہے

تو حدیث جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے جس کے لئے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جاوے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا ہلے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آگیا؟ قرآن کریم کی وہ قرأت یاد کرو کہ جو ان عباس نے لی ہے اور وہ یہ ہے و ما رسلنا من قبلك من

رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمغنی النبی الشیطان فی امنیته فیمنسج الله ما یلقى الشیطان ثم یحکم الله اذنتہ۔ وحی آتی پر صرف نبوت کامل کی حد تک کہاں قہر لگ گئی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں انزل من السماء ماء فسالک اودیة بقدرھا۔ اے غافلوا اس امت مرحومہ میں وحی کی نائیاں قیامت تک جاری ہیں مگر حسب مراتب۔

(۳۱ سوال)۔ سورۃ زخرف میں آیت موجود ہے و انہ لعلم للساعة فلا تمترق بها (البحر و فہر) یعنی وہ قیامت کے وجود پر نشان ہے سو تم ہاوجود موجود ہونے نشان کے قیامت کے بارہ میں شک مت کرو۔ نشان سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں جو قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور اس آیت سے ان کا نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اما الجواب۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اس آیت کو پیش کر کے قیامت کے مسکین کو لازم کرنا چاہتا ہے کہ تم اس نشان کو دیکھ کر پھر مردوں کے جی اٹھنے سے کیوں شک میں پڑے ہو۔ سو اس آیت پر غور کر کے ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ کے نزول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ رت تو یہ بتلا رہی ہے کہ وہ نشان مردوں کے جی اٹھنے کا اب موجود ہے اور مسکین کو لازم کر رہی ہے کہ اب بھی تم کیوں شک کرتے ہو۔ اب ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اس آیت میں یہ مطلب ہے کہ جب حضرت سح اسمان سے نازل ہوں گے تب ان کا آسمان سے نازل ہونا مردوں کے جی اٹھنے کے لئے بطور دلیل یا علامت کے ہو گا تو پھر اس دلیل کے ظہور سے پہلے خدا تعالیٰ کو کیوں کر لازم کر سکتا ہے

کیا اس طرح اتمام حجت ہو سکتا ہے؟ کہ دلیل تو ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور کوئی نام و نشان اس کا پیدا نہیں ہوا اور پہلے سے ہی منکرین کو کہا جاتا ہے کہ اب بھی تم کیوں یقین نہیں کرتے کیا ان کی طرف سے یہ عذر صحیح طور پر نہیں ہو سکتا کہ یا الہی ابھی دلیل یا نشان قیامت کا کمال ظہور میں آیا جس کی وجہ سے فلاقت درن بھائی دھکی دھکیں دی جاتی ہے۔ کیا یہ اتمام حجت کا طریق ہے؟ کہ دلیل تو ابھی پودہ غیب میں ہو اور یہ سمجھا جائے کہ الامام پورا ہو گیا ہر ایسے معنی قرآن شریف کی طرف منسوب کرنا گویا اس کی بلاغت اور برکت بیان پر دھبہ لگانا ہے۔ سچ ہے کہ بعض نے یہی معنی لئے ہیں مگر انہوں نے سخت غلطی کھائی بلکہ حق بات یہ ہے کہ لفظ کا ضمیر تسآن شریف کی طرف پھرتا ہے اور آیت کے یہ معنی ہیں کہ قرآن میں مردوں کے بھی اٹھنے کے لئے نشان ہے کیونکہ اس سے مردہ دل زندہ ہو رہے ہیں۔ قبروں میں گلے سرٹے ہوئے باہر نکلتے آتے ہیں اور خشک ہڈیوں میں جان پڑتی جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف خود اپنے تئیں قیامت کا نمونہ ظاہر کرتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے
 وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِّنُحْيِي بِهِ بَلَدَةً مِّيتًا (سورۃ فرقان الجزء ۱۹) یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا (یعنی قرآن) تاکہ ہم اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کریں پھر فرماتا ہے وَاَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مِّيتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ (سورۃ القدر الجزء نمبر ۲۶)

تمام شد حصہ اول

نقل ٹائٹل بار اول

حصہ دوم

نقل مطابق اصل

ازالہ اوہام

قدیم بامشہد شہید و متاخر لکھنؤ

الحمد والمنت کہ ماہ مبارک ذی الحجہ ۱۳۰۳ء کتاب

جلل معارف قرآنی و شائع اسرار کلام ربانی از

تالیفات مرسل یزدانی و مامور رحمانی

جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

مطبع ہندوستان مسیحی شہزادہ احمد علی شاہ
 مطبعہ امیر شاہ و شیخ نور محمد علی شاہ
 مطبعہ امیر شاہ و شیخ نور محمد علی شاہ
 مطبعہ امیر شاہ و شیخ نور محمد علی شاہ

قیمت فی جلد غیر

تعداد جلد ۷۰۰

اعلان

واضح ہو کہ اس رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام سوالات کا جواب ہے کہ جو اکثر لوگ کوثر اندیشی کے رو سے حضرت مسیح کی حیات حیات کے متعلق کیا کہتے ہیں اور کھٹک نہیں کہ جو شخص اس کتاب کو اہل سبب آخر تک خوب غور سے پڑھے گا۔ اس کا کوئی شبہ باقی نہیں رہیگا سو اس پرے فرض ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے اسکو ہدایت بخشنے اور اس کے سینہ کو کھول دیے تو وہ اپنے معلومات کے آدھوں کو بھی فہم پہنچا دے۔ ہر ایک جو اس کتاب کی ہدایت کو اپنے غور سے اخلاص سے قبول کرے اُس پر یہ بھی لازم ہوگا کہ اس کی عام اشاعت کیلئے کوشش فرماوے اور اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد مشکوٰۃ کیلئے منہب و ادنیٰ طریق یہی ہے کہ زبانی مباحثات کا ذوالہ بند رکھ کر اس کتاب کے مطالب کو فور سے پڑھیں پھر اگر ہدایت نصیب نہ تو اسکی مکمل کو رد کر کے دکھلاویں اور ہماری آخری نصیحت اُن کے حق میں یہی ہے کہ اشد حشاشہ سے ڈریں و ملقت اللہ اکبر من مقتہم۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

میرزا غلام احمد قادیانی از لودیانہ محلہ قبال گنج

یعنی قرآن کے ساتھ ہم نے زمین مردہ کو زندہ کیا۔ ایسا ہی حشر اجساد بھی ہوگا۔ پھر
 فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نَجْوٰی الْمَوْتٰی وَنَحْنُۢ بَمَا قَدْ مُدَادَا اَنَّا زَهْنٌ یَعْنٰی ہم قرآن کے
 ساتھ مردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور پھر فرماتا ہے اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِی الْاَمْوَاتَ بِعَدَدِ
 مَوْتِهِمْ یَعْنٰی اے لوگو جان لو کہ زمین مر گئی تھی اور خدا اب نئے سرے اس کو زندہ کر رہا
 ہے۔ غرض جا بجا قرآن شریعت کو نمونہ قیامت ٹھہرایا گیا ہے بلکہ ایک حدیث میں
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہی ہوں جیسا کہ فرمایا ہے و
 اِنَّا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یَحْشُرُ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ حٰی یَعْنٰی میں ہی قیامت ہوں میرے
 قدموں پر لوگ اٹھائے جلتے ہیں یعنی میرے سکانے سے لوگ زندہ ہو رہے ہیں۔ میں
 قبروں سے انہیں اٹھا رہا ہوں اور میرے قدموں پر زندہ ہونے والے جمع ہوتے
 جاتے ہیں۔ اور درحقیقت جب ہم ایک منصفانہ نگاہ سے عرب کی آبادیوں پر نظر
 ڈالیں کہ اپنی روحانی حالت کی رو سے وہ کیسے قبرستان کے حکم میں ہو گئے تھے اور
 کس درجہ تنگ سچائی اور خدا ترسی کی رُوح اُن کے اندر سے نکل گئی تھی اور کیسی دھج
 کی خرابیوں کی وجہ سے جو اُن کے اخلاق اور اعمال اور عقائد پر اثر کر گئی تھیں ہر گز
 تھے قبولِ اختیار ہمارے اندر سے یہ شہادت نکلتی ہے کہ اُن کا زندہ کرنا جسمانی طور پر
 مردوں کے جی اٹھنے سے مراتب عجیب تر ہے جس کی عظمت نے بے شمار عقلمندوں کی نگاہوں
 کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ آیت موصوفہ بالا کے حقیقی معنی یہ ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں
 یعنی خدا نے جس فانی طور پر مردوں کے جی اٹھنے پر روحانی طور پر مردوں کا جی اٹھنا
 بطور بدیہی نشان کے پیش کرتا ہے جو درحقیقت دھول پر نہایت مؤثر تھا اور بے شمار
 کفار اس نشان کے قائل ہو گئے اور ہوتے جلتے ہیں۔ اور ایک جماعت مجتہدین کی بھی یہی
 معنی آیت موصوفہ بالا کے لیتی ہے۔ چنانچہ تفسیر معالمین زیر تفسیر اس آیت کے

یہ معنی لکھے ہیں جیسا کہ تفسیر کی عبارت یہ ہے وقال الحسن وجماعۃ وانہ یعنی

وان القرآن لعلم للنبیۃ یعلمکم قیامہا و یخبرکم باحوالہا و

اہوالہا فلا تمترن بہا یعنی فلا تشکن فیہا بعد القرآن یعنی حسن

اور ایک جماعت نے اس آیت کے یہی معنی کئے ہیں کہ قرآن قیامت کے لئے نشان ہو

اور زبانِ ظل اور حال سو خبر دے رہا ہو کہ قیامت اور اسکے حالات اور اسکے ہولناک نشانی واقع ہونے لگے ہیں

سو بعد اسکے کہ قرآن قیامت کے لئے پر اپنے اعلیٰ بیانا اور تائیدات احیاء موتی و دلیل محکم قائم کر رہا ہو

(مسائل) سوال - الہام جس کی بنا پر مطلقہ اجماع امت سے خروج اختیار کیا گیا ہے

خوبے اصل اور بے حقیقت اور بے سود چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اجماع کو پیشگوئیوں سے کچھ علاقہ

نہیں۔ اجماع اُن امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی

اور شایع علیہ السلام نے اُن کے تمام جزئیات بجمادے دکھائے۔ سکھائے جیسے صوم و صلوٰۃ

وزکوٰۃ و حج و عقیقہ و حید و ثواب و عقاب۔ مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں

جن کی شایع علیہ السلام نے اگر کچھ شیعہ بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توہم

دلاتی ہے۔ مثلاً کیا ان احادیث پر اجماع ثابت ہو سکتا ہے کہ مسیح اگر جنگوں میں خستہ ہو

کا شکار کھینٹا پھرے گا اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کرے گا اور ابن مریم بیماروں کی

کی طرح دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ دھر کے فرض طواف کعبہ بجالائے گا۔ کیا معلوم

نہیں کہ جو لوگ ان حدیثوں کی شیعہ کرنے والے گندے ہیں وہ کیسے بے تحاشانہ اپنی اپنی

شکیں بات کر رہے ہیں۔ اگر کوئی بات اجماع کے طور پر تصفیہ یافتہ ہوتی تو کیوں وہ لوگ

مختلف خیالات کو ظاہر کرتے۔ کیا کفر کا نوت نہیں تھا؟

اب رہی یہ بات کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر

اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی

اس شرابِ ظہور کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ پچایمان اس کو حاصل ہو بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ تائیسری اندرونی کمزوریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادہ میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے میں باسانی سفر آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قابل ترقی مادہ پیدا ہو جائے۔

بے شک یہ بات سب کے فہم میں آسکتی ہے کہ انسان اپنی اس غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الشریٰ کی طرف کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ پیچھے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو بھی دینائی اور پچا کشف بخش کر خدا تعالیٰ کے جمال باکمال کا مشتاق بنا دیوے۔ سو جانا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت الہام تہائی ہے جو عین دکھ کے وقت میں سرور پہنچاتا ہے اور مصائب کے ٹیلوں اور ہانڈوں کے نیچے بڑے آرام اور لذت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور تمام سکیموں کی عقل اور دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام ہی کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ دیتا ہے اور انا الوجود کہہ کر ساقی کے دہانے کو تسلی بخشتا ہے اور سکینت نازل کرتا ہے اور انتہائی وصول کی ٹھنڈی ہوائ سے جلان پروردہ کو تازگی بخشتا ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ قرآن کریم ہدایت دینے کے لئے کافی ہے مگر قلیل کی کم جس کو ہدایت کے چشمہ تک پہنچانا ہے اُس میں پہلی علامت ہی پیدا ہو جاتی ہے کہ مکالمہ طیبہ الہیہ اس سے شروع ہو جاتا ہے جس سے نہایت درجہ کی انکشافی معرفت اور چشم دید برکت و لورائیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عرفان حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے

جو جست و تقلیدی انگلوں یا عقلی ڈھکوسلوں سے ہرگز مل نہیں سکتا۔ کیونکہ تقلیدی علوم محدود و مشتمل ہیں اور عقلی خیالات ناقص و ناتمام ہیں اور ہمیں ضرور حاجت ہے کہ براہ راست اپنے غرض کی توسیع کریں۔ کیونکہ جس قدر ہمارا عرفان ہوگا اُسی قدر ہم میں ولولہ و شوق و جوش ماوے گا۔ کیا ہمیں باوجود ناقص عرفان کے کامل ولولہ و شوق کی کچھ توقع ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں۔ سو حیرت اور تعجب ہے کہ وہ لوگ کیسے بد فہم ہیں جو ایسے ذریعہ کامل و موثر الحق کے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں جس سے روحانی زندگی وابستہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعہ الہامات و کاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی۔ صرف کونے کی طرح یا جھڈی کی مانند ایک نجاست کو ہم سلوہ سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست بھی نہیں آئے گی۔ صرف لٹری کی طرح داؤ بیچ بہت یاد ہوں گے۔

ہم ایک بڑے بھاری مطلب کے لئے جو یقینی معرفت ہے پیدا کئے گئے ہیں اور وہی معرفت ہماری نجات کا دار و گنجی ہے جو ہر ایک غیث اور مغشوش طریق سے ہیں لازمی بخش کر ایک پاک اور شفاف دریائے کنارے پر ہمارا مندر کہہ دیتی ہے اور وہ صرف بذریعہ الہام ہی نہیں ملتی ہے۔ جب ہم اپنے نفس سے نکلی فنا ہو کر دروند دل کے ساتھ لائبرک وجود میں آجائیں گہرا غوطہ مارتے ہیں تو ہماری بشریت الوہیت کے دربار میں پڑنے سے عندالہود کچھ آثار و انوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔ سو جس چیز کو اس دنیا کے لوگ نظر حقارت دیکھتے ہیں۔ وہ درحقیقت وہی پاک چیز ہے جو مدت کے جدا شدہ کو ایک دم میں اپنے محبوب کے طاق ہے وہی ہے جس سے عاشق اتنی تسلی پاتے ہیں اور طرح طرح کی نفسانی قیدوں سے بیکبار اپنا پیہر باہر نکال لیتی ہے جب تک وہ بھی روشنی دلوں پر نازل نہ ہو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی دل منور ہو سکے۔ غرض انسانی عقل کی ناقابلیت اور بھی علوم کی محدودیت ضرورت المسام پر

۳۲۹

۳۳۰

شہادت دے رہی ہے جس قدر دنیا میں عقلمند ہیں یا ایسے زاہد جن کے دل در حقیقت اس پاک سلسلے سے بے نصیب ہیں ان کے چال چلن اور ان کا اخلاقی انقباض اور ان کے سفلی خیالات اور ان کی سب شرمناک کارستانیوں اس میرے بیان پر شاہد ہیں کہ وہ بغیر اس چشمہ طبع کے کس قدر قابل کراہت کثافتوں میں مبتلا ہیں اور جس طرح گندے گوشت کے پانی کے ایک قطرہ سے اس کی تمام کثافت ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے گندے خیالات اپنے بڑے نمونہ سے پھلنے جاتے ہیں۔

اگرچہ ایسے لوگوں کی فلسفہ عام خیالات میں ہل چل چلنے والی ہو مگر چونکہ سچی روشنی اسکے ساتھ نہیں اسلئے وہ جلد اور بہت جلد اپنی ظلمت دکھا دیتی ہے اور باوجود تمام لاف و گزاف ہمہ دانی کے ایسے لوگوں کی اندرونی حالت اتنے پھیلا پھیلا کر اپنی مغلسی ظاہر کرتی رہتی ہے اور بسا اوقات روحانی کشمکش کے نطنے کی وجہ سے ایسے خلا سرفروں اور محکموں اور مولویوں اور قاضیوں سے ایسی حرکتیں صادر ہو جاتی ہیں جن کو صاف شہادت ملتی ہے کہ وہ تسلی بخش چشمہ سے کیسے اور کس قدر دور و بھجور ہیں اور کیونکر حقیقی خوشحالی کے نہ پانے کے سبب سے ایک عذاب الیم یا یوں کہو کہ ایک درد اور جلن اور بے چینی میں دن رات مبتلا ہیں۔

اس جگہ بعض دلائل میں باطریق یہ اعتراض پیدا ہو گا کہ اکثر لوگ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ فقرات الہامیہ سناتے بھی رہتے ہیں لیکن ان کی معرفت میں کچھ بھی ترقی نظر نہیں آتی اور معمولی بشریت سے ان کی عرفانی حالت کا درجہ بڑھا ہوا معلوم نہیں دیتا بلکہ وہی موٹی سمجھ بوسطی خیالات اور فطرتی تائیدی اور ہستی ان میں دکھائی دیتی ہے اور ان کے اخلاقی یا ذہنی یا روحانی قوائے میں کوئی امر عام عادت سے بڑھ کر نظر نہیں آتا۔ پھر کیونکر ایسے لوگوں کو ہم ملہم سمجھیں اور اس چشمہ فیض کا ہم کلام مان لیں۔ جس کے قرب اور شرف مکالمات سے خالق عادت تبدیلی پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ کم سے کم اس قدر تبدیلی کہ بعض باتیں

اُس مکلم میں ایسی ہول کہ دوسروں میں پائی نہ جائیں

سو جاننا چاہیے کہ وحیقت ایسے لوگ واقعی طور پر ملہم نہیں ہوتے بلکہ ایک قسم کے ابتلاء میں مبتلا ہوتے ہیں جس کو وہ اپنی نادانی سے الہام سمجھ لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا حقیقی اور واقعی طور پر مکالمہ کچھ تھوڑی سی بات نہیں جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب ایک تارکی میں بیٹھے ہوئے آدمی کے لئے ناگمانی طور پر آفتاب کی طرف کھڑکی کھل جائے تو کہیں سے کونہ اس کی حالت بدل جاتی ہے اور کیونکر آسمانی روشنی اس کے حواس پر کام کر کے ایک تبدیل شدہ زندگی اس کے لئے پیدا کر دیتی ہے اور کیونکر تاریکی سے جو باطنی افسردگی کی موجب ہے باہر نکل کر ایک سرور و ذوق اس کے دل میں اور ایک روشنائی اس کی آنکھوں میں اور ایک استقامت اس کی حالت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہی حالت اُس کھڑکی کی ہے جو آسمان کی طرف سے کھلتی ہے اور بہت ہی کم لوگ ہیں جو واقعی اور حقیقی طور پر اُس کو پاتے ہیں اور تم انہیں خارق عادت علامتوں پر شناخت کرو گے۔

(۱۴۱) سوال۔ قرآن شریف سے اگر پیچیدگی کی موت ثابت ہوتی ہے مگر اس موت کا کوئی وقت خاص تو ثابت نہیں ہوتا۔ پس تعارض حدیث اور قرآن کا دور کرنے کے لئے ہجرت اس کے اور کیا راہ ہے کہ اس موت کا زمانہ وہ تقرر دیا جائے کہ جب پھر حضرت مسیح نازل ہوں گے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف کی نصوص میں اسی بات پر بصراحت دلالت کر رہی ہیں کہ مسیح اپنے اُسی زمانہ میں فوت ہو گیا ہے جس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل کے مفسد فرقوں کی اصلاح کے لئے آیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یا عیسیٰ اِنِّیْ مَتَوَفِّیْکَ وَرَافَعُکَ اِلَیَّ وَمَطْهَرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الذِّیْنِ اَتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا اِلَیَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اب اس جگہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُنّی متوفیک پہلے لکھا ہے اور رافعک بعد اس کی بیان فرمایا ہے

جس سے ثابت ہوا کہ وفات پہلے ہوئی اور رفیع بعد از وفات ہوا۔ اور پھر اور ثبوت یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں اشد جلاشانہ فرماتا ہے کہ میں تیسری وفات کے بعد تیسرے متبعین کو تیرے مخالفوں پر جو یہودی ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ اب ظاہر ہے اور تمام عیسائی اور مسلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی حضرت مسیح کے بعد اسلام کے ظہور تک بخوبی پوری ہو گئی کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو اُن لوگوں کی رعیت اور ماتحت کر دیا جو عیسائی یا مسلمان ہیں اور آج تک صد بار برسوں سے وہ ماتحت چلے آتے ہیں یہ تو نہیں کہ حضرت مسیح کے نزول کے بعد پھر ماتحت ہوں گے۔ ایسے معنی تو بہ بد اہست فاسد ہیں۔

دیکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے جو حضرت مسیح کی زبان سے اشد جلاشانہ فرماتا ہے وادعانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمیت حیًا وبرا بوالدتی یعنی حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے نماز پڑھتا رہے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور اپنی والدہ پر احسان کرتا رہے جب تک تو زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان تمام تکلیفات شریعہ کا آسمان پر بجالانا محال ہے۔ اور جو شخص مسیح کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ زندہ مع جسدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اس کو اس آیت موصوفہ بالا کے منشاء کے موافق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام احکام شرعی جو تخیل اور توریت کی رو سے انسان پر واجب العمل ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح پر اب بھی واجب ہیں حالانکہ تکلیف مالا یطاق ہے عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ یہ حکم دیوے کہ اے عیسیٰ جیتک تو زندہ ہے تیرے پیروا جب ہے کہ تو اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہے اور پھر آپ ہی اس کے زندہ ہونے کی حالت میں ہی اس کو والدہ سے جدا کر دیوے اور تا بحیات زکوٰۃ کا حکم دیوے اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایسی جگہ پہنچا دیوے جس جگہ نہ وہ آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور نہ زکوٰۃ کے لئے کسی دوسرے کو نصیحت کر سکتے ہیں اور صلوٰۃ کے لئے

تاکید کرے اور جماعت مومنین سے دور پھینک دیوے جن کی رفاقت صلوة کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ کیا ایسے اٹھائے جانے سے بجز بہت سے نقصان عمل اور ضائع ہونے حقوق عباد اور فوت ہونے خدمت امر معروف اور نہی منکر کے کچھ اور بھی فائدہ ہوا؟ اگر یہی اٹھا رہا سوا کا نوے برس زمین پر زندہ رہتے تو اُن کی ذات جامع البرکات سے کیا کیا نفع خلاق اللہ کو پہنچتا لیکن اُن کے اوپر تشریف لے جانے سے بجز اس کے اور کو نسا نتیجہ نکلا کہ اُن کی امت بگڑ گئی اور وہ خدمات نبوت کے بجالانے سے بکلی محروم رہ گئے۔

پھر جب ہم اس آیت پر بھی نظر ڈالیں کہ جو اللہ بے نشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ کوئی جسم کسی بشر کا ہم نے ایسا نہیں بنایا کہ بغیر سُرُغی کے زندہ رہ سکے تو ہمارے مخالفوں کے عقیدہ کے موافق یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ آسمان پر روٹی بھی کھاتے ہوں یا خانہ بھی پھرتے ہوں اور ضروریات بشریت جیسے کپڑے اور برتن اور کھانے کی چیزیں سب موجود ہوں۔ مگر کیا یہ سب کچھ قرآن اور حدیث سے ثابت ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آخر ہمارے مخالف یہی جواب دیں گے کہ جس طرز سے وہ آسمان پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ انسان کی معمولی زندگی سے زانی ہے اور وہ انسانی حالتیں جو زمین پر زندہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب اُن سے دور کر دی گئی ہیں اور اُن کا جسم اب ایک ایسا جسم ہے کہ نہ خوراک کا محتاج ہے اور نہ پوشاک کا اور نہ پاخانہ کی حاجت انہیں ہوتی ہے اور نہ پیشاب کی۔ اور نہ زمین کے جسموں کی طرح اُن کے جسم پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ وہ اب مکلف احکام شرعیہ ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہو کہ خدا تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے کہ ان تمام خالی جسموں کے لئے جب تک زندہ ہیں۔ یہ تمام لوازم غیر منفک ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا و ما جعلناہم جسداً الا باکلون الطعام ظاہر ہے کہ اس آیت میں بجز کے ذکر سے کل مراد ہے یعنی

۴۹

گو اتنا ہی ذکر فرمایا کہ کسی نبی کا جسم ایسا نہیں بنایا گیا جو بغیر طعام کے رہ سکے۔ مگر اس کے ضمن میں کل وہ لوازم و نتائج جو طعام کو لگے ہوئے ہیں سب اشارۃً انفس کے طور پر فرمادئے۔ سو اگر مسیح ابن مریم اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گیا ہے تو ضرور ہے کہ طعام کھاتا ہو اور یا خانہ اور پیشاب کی ضروری حاجتیں سب انکی مانگیں ہوں کیونکہ کلام الہی میں کذب جائز نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ دراصل بات یہ ہے کہ مسیح ابن جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گیا بلکہ یہ جسم تو زمین میں دفن کیا گیا اور ایک اور فرائی جسم مسیح کو بلا جو کھانے پینے سے پاک تھا اس جسم کے ساتھ اٹھایا گیا تو حضرت یہی تو موت پر جس کا آخر آپ نے اقرار کر لیا۔ ہمارا بھی تو یہی مذہب ہے کہ مقدس لوگوں کو موت کے بعد ایک نورانی جسم ملتا ہے اور وہی نور جو وہ ساتھ رکھتے ہیں جسم کی طرح اُنکے لئے ہو جاتا ہے سو وہ اس کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اشد جلالہ فرماتا ہے **الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح** یہ دفعۃً یعنی پاک رو میں جو نورانی الوجود ہیں خدا تعالیٰ کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح اُن کا رخ کرتا ہے یعنی جس قدر عمل صالح ہو اسی قدر روح کا رخ ہوتا ہے۔

اس جگہ خدا تعالیٰ نے روح کا نام کلمہ رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لا بد رکبہ کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی رو میں بن گئی ہیں۔ اسی بناء پر اس آیت کا مضمون بھی ہے **وکلّمۃ اللہ فیہا الی مریتہ** اور چونکہ یہ ستر بوبیت ہے اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس سے بڑھ کر کچھ بول سکے کہ کلمات اللہ ہی حکم و مافذن ربی لباس روح کا پس لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر چونکہ ارواح طیبہ فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں

اپنے تمام قوی چھوڑ دیتی ہیں اور اطاعت الہی میں فانی ہو جاتی ہیں تو گو یا پھر وہ روح کی حالت سے باہر اگر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں جیسا کہ اب تلو میں وہ کلمۃ اللہ تھیں۔ سو کلمۃ اللہ کے نام سے ان پاک روحوں کو یاد کرنا ان کے اعلیٰ درجہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے سوائے انہیں نور کا لباس ملتا ہے اور اعمال صالحہ کی طاقت سے ان کا خدا تعالیٰ کی طرف رُفح ہوتا ہے اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ سے مراد بھی اذکار و خیرات وغیرہ ہیں۔ تو گو یا وہ اس تلو میں سے علت نور معلول کو ایک کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کلمات طیبہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں لیکن عارفوں کیلئے یہ لفظی معنی ہیں جن پر قرآن کریم کے دقیق اشارات مشتمل ہیں

(۱۵) سوال۔ مسیح ابن مریم نے تو بہت سے معجزات سے اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت دیا تھا آپ نے کیا ثبوت دیا۔ کیا کوئی مردہ زندہ کر دیا یا کوئی مادر زائد ہاتھ آپ سے اچھا ہوا۔ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپ شیل سچ ہیں تو ہیں آپ کے وجود کی فائدہ ہوا؟ اتمام الجواب۔ پس واضح ہو کہ انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ یہی اعتراض ہمیشہ مسیح پر رہا کہ اس نے کوئی معجزہ تو دکھایا ہی نہیں یہ کیسا سچ ہے کیونکہ ایسا مردہ کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اس جہان کا سب حال سُنا تا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ میں سے نکلا ہوں تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا اور ان سے گواہی دلاتا تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی غرض پیغمبروں نے نشان تو دکھائے مگر پھر بھی بے ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز نہ بھی خالی نہیں آیا بلکہ مردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آسحیات خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی دیا ہے بے شک جو شخص اس میں سے پئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں مگر میرے کلام سے مردے زندہ نہ ہوں اور

اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں میری طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے نبی ناصری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بندگان خدا کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ ابھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

یقیناً سمجھو کہ روحانی حیات کا خم ایک راتی کے بیچ کی طرح بویا گیا ہے مگر قریب ہے ہاں بہت قریب ہے کہ ایک بڑا درخت ہو کر نظر آئے گا جسمانی خیالات کا انسان جسمانی باتوں کو پسند کرتا ہے اور ان کو بڑی چیز سمجھتا ہے مگر جس کو کچھ روحانیت سے حصہ دیا گیا ہے وہ روحانی زندگی کا طالب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے راستباز بندے دنیا میں اس لئے نہیں آتے کہ لوگوں کو تماشے دکھلائیں بلکہ اہل مطلب اُن کا جذب الی اشد ہو تا ہے اور آخر کار وہ اسی قوت قدسیہ کی وجہ سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ وہ فوراً جو اُن کے اندر قوت جذب رکھتا ہے اگرچہ کوئی شخص امتحان کے طور سے اس کو دیکھ نہیں سکتا بلکہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ مگر وہ فوراً پس ہی ایک ایسی جماعت کو اپنی طرف متوجہ کر دیتا ہے جو کیچنے جانے کے لائق ہے اپنا خارق عادت اثر ظاہر کر دیتا ہے۔

۱) خدا تعالیٰ کے خاص دوستوں کی یہ علامتیں ہیں کہ ایک خالص محبت ان کو عطا کی جاتی ہے جس کا اندازہ کرنا اس جہان کے لوگوں کا کام نہیں۔

۲) اُن کے دلوں پر ایک خوف بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دقائق اطاعت کی رعایت رکھتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ یا رتسیم آزدہ ہو جائے۔

۳) ان کو خارق عادت مستقامت دی جاتی ہے کہ اپنے وقت پر دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے

(۴) جب اُن کو کوئی بہت ستاتا ہے اور باز نہیں آتا تو اُن کے لئے غضبِ اس ذاتِ قوی کا جو اُن کا متوقی ہے یہ کد فحہ بھر کتا ہے۔

(۵) جب اُن سے کوئی بہت دوستی کرتا ہے اور سچی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اُن کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس پر ایک خاص رحمت نازل کرتا ہے۔

(۶) اُن کی دعائیں بہ نسبت اور ول کے بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ شمار نہیں کر سکتے کہ کس قدر قبول ہوئیں۔

(۷) اُن پر اکثر اسرارِ غیب ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ باتیں جو ابھی طور میں نہیں آئیں اُن پر کھولی جاتی ہیں اگرچہ اور مومنوں کو بھی سچی خواہیں اور سچے مکاشفات معلوم ہو جاتے ہیں مگر یہ لوگ تمام دنیا سے نمبر اول پر ہوتے ہیں۔

(۸) خدا تعالیٰ خاص طور پر اُن کا متوقی ہو جاتا ہے اور جس طرح اپنے بچوں کی کوئی پرورش کرتا ہے اس سے بھی زیادہ نگاہِ رحمت اُن پر رکھتا ہے۔

(۹) جب اُن پر کوئی بڑی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اُس وقت دو طور میں کو ایک طور کا اُن سے معاملہ ہوتا ہے یا خارقِ عادت طور پر اس مصیبت سرکاری دی جاتی ہے اور یا ایک ایسا مہربان عطا کیا جاتا ہے جس میں لذت اور فرح اور ذوق ہو۔

(۱۰) اُن کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو عجب تر اور سخت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بغض اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور نشاط عطا کی جاتی ہے۔

(۱۱) اُن کی توکل نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے ثمرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۲) اُن کو اعمالِ صالحہ کے سچا لانے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے اُن میں کمزور ہوتے ہیں۔

(۱۳) اُن میں ہمہ ردی خلق اللہ کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے اور بغیر توقع کسی اجر اور

بغیر خیال کسی ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش اُن میں خلق اللہ کی بھلائی کیلئے ہوتا ہے اور خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اُن کی قدر و بڑی کس غرض سے ہو کہ وہ یہ امر فطرتی ہوتا ہے۔ (۱۴) خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل و فاداری کا علق ہوتا ہے اور ایک عجیب سی جانفشانی کی اُن کے اندر ہوتی ہے اور اُن کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ و فاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے حضرت احدیت میں اُن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس کو خلقت نہیں پہچانتی وہ حسین و خاص طور پر اُن میں زیادہ ہے اور جو سترچشمہ تمام برکات کا ہے اور جس کی وجہ سے ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں اور موت تک پہنچ کر پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ذلتیں اٹھا کر پھر تاج عزت دکھا دیتے ہیں اور پھر اور اٹھلے ہو کر پھر ناگہلاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں وہ یہی راز و فاداری ہے جس کے رشتہ محکم کو نہ تواریں قطع کر سکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف اور مفسدہ اس کو ڈھیل کر سکتا ہے۔ السلام علیہم من اللہ و ملائکتہ و من الصالحات و جبرئیل۔ (۱۵) پسندھوں علامت ان کی علم قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے معارف اور حقائق و لطائف جس قدر ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطہرون ہیں جن کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

(۱۶) ان کی تفسیر و تحریر میں اللہ جل شانہ ایک تاثیر رکھ دیتا ہے جو علماء ظاہری کی تحریر و تقریروں سے زالی ہوتی ہے اور اس میں ایک ہیبت اور عظمت پائی جاتی ہے اور بشرطیکہ حجاب نہ ہو و لوں کو پکڑ لیتی ہے۔

(۱۷) اُن میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی ہیبت سے رنگین ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک خاص طور پر اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور اُن کے چہروں پر

عشق الہی کا ایک نور ہوتا ہے جو شخص اس کو دیکھ لے اُس پر نارِ جہنم حرام کی جاتی ہے۔ اُن سے ذنب اور خطا بھی صادر ہو سکتا ہے مگر اُن کے دلوں میں ایک آگ ہوتی ہے جو ذنب اور خطا کو بھسم کر دیتی ہے اور ان کی خطا ٹھہرنے والی چیز نہیں بلکہ اس چیز کی مانند ہے جو ایک تیز چلنے والے پانی میں بہتی ہوئی جلی جاتی ہے۔ سو اُن کا نکتہ چین ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔

(۱۸) خدا تعالیٰ اُن کو ضائع نہیں کرتا اور ذلت اور خواری کی مار اُن پر نہیں مارتا کیونکہ وہ اس کے عزیز اور اس کے ہاتھ کے پودے ہیں۔ ان کو اس لئے بندی ہی نہیں گماتا کہ تباہ کرے بلکہ اس لئے گماتا ہے کہ تا اُن کا خارقِ عادت طور پر نہجِ جانا دکھاوے۔ ان کو اس لئے آگ میں دھکا نہیں دیتا تا اُن کو جلا کر خاکستر کر دے بلکہ اس لئے دھکا دیتا ہے تا لوگ دیکھ لیں کہ پہلے تو آگ تھی مگر اب کیسا خوشنما گلزار ہے۔

(۱۹) ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں اور جب تک پاک دلوں میں اُن کی قبولیت نہ پھیل جائے تب تک البتہ سفرِ آخرت ان کو پیش نہیں آتا۔

(۲۰) اُن کے آثارِ خیر باقی رکھے جلتے ہیں اور خدا تعالیٰ کئی پشتوں تک اُن کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظرِ رحمت رکھتا ہے اور ان کا نام دنیا سے نہیں مٹاتا۔

یہ آثارِ اولیاء الرحمن ہیں اور ہر ایک قسم ان میں سے اپنے وقت پر جب ظاہر ہوتی ہے تو بھاری کرامت کی طرح جلوہ دکھاتی ہے۔ مگر اس کا ظاہر کرنا خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔

اب یہ عاجز و محکم و اما بمنعم ربک فحدّث اس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں

دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے ان تمام امور سے اس عاجز کو حصہ وافر دیا ہے اور اس ناکارہ کو غالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا بلکہ یہ تمام نشان دئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدا تعالیٰ نے جب تک کھلے طور پر حجت قائم نہ کر لے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔ اور یہ جو کہا کہ تمہارے وجود سے یہیں کیا فائدہ؟ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے اس کے وجود سے علیٰ حسب مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے جس کی کم و بیش دور دور تک روشنی پہنچتی ہے۔ اور جیسی آفتاب کی مختلف تاثیریں حیوانات و نباتات و جمادات اور ہر ایک قسم کے جسم پر پڑ رہی ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو ان تاثیروں پر باسیف عالم رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو مامور ہو کر آتا ہے تمام طبائع اور اطراف و اکناف عالم پر اس کی تاثیریں پڑتی ہیں اور جہی سے کہ اس کا پُر رحمت تعین آسمان پر ظاہر ہوتا ہے آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل ہونے شروع ہوتے ہیں اور دنیا کے دور دور کنار مل تک جو لوگ راستبازی کی استعداد رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اٹھانے کی قوت دیتے ہیں اور پھر خود بخود نیک نہاد لوگوں کی طبیعتیں سچ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ سو یہ سب اس ربانی آدمی کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ جس کے عہد ظہور میں آسمانی قوتیں تیسرے کی جاتی ہیں۔ سچی وحی کا خدا تعالیٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائکہ بھی اس کے ساتھ ضرور اترتے ہیں اور دنیا دن بدن راستی کی طرف ہٹا کھاتی جاتی ہے۔ سو یہ عام علامت اس مامور کی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور خاص علامتیں وہ ہیں جو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(۱۶) سوال۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح جلال کے ساتھ دنیا میں آئے گا اور دنیا کو قبول کرے گی۔ لیکن اس جگہ جلالی ظہور کی کوئی علامت نہیں اور نہ دنیا نے قبول کیا ہے؟

اما الجواب۔ یہ ذکر جو انجیل متی باب پچیس آیت ۲۱ سے ۶۶ تک ہے۔ جب
 ابن آدم اپنے جلال سے آوے گا اور سب پاک فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے یہ حقیقت
 اس دنیا سے متعلق نہیں بلکہ اس قسم کا آنا اس دنیا کے قطع سلسلہ کے بعد ہے جو تشریف
 کے بعد وقوع میں آوے گا جب ہر ایک مقدس نبی اپنے جلال میں ظہور کرے گا اور اپنی
 امت کے راستبازوں کو خوشخبری دے گا اور نافرمانوں کو عزم کرے گا لیکن انہی آیت
 میں ^{۱۵}سج نے متلادیا کہ میرا آنا غریبی کی حالت میں بھی ہوگا جیسا کہ انجیل کی چوبیسویں آیت
 میں لکھا ہے۔ اے میرے باپ کے مبارک لوگو! اس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے
 سے تمہارے لئے طیار کی گئی میراث میں لو کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا
 میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارنا
 تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس
 آئے۔ راستباز اُسے جواب میں کہیں گے۔ اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور
 کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا۔ کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اتارا
 یا ننگا تھا اور کپڑا پہنایا۔ ہم کب تجھے بیمار اور قید میں رکھ کر تجھ پاس آئے تب بادشاہ ان
 سے جواب میں کہیگا میں تم سے ^{۱۶}سج کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے
 بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ تب وہ بائیں طرف والوں سے بھی
 کہیگا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اس کے
 فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔
 پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اتارنا
 تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی تب وہ بھی
 جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا
 بیمار یا قیدی دیکھا اور میری خدمت نہ کی۔ تب وہ انہیں جواب میں کہیگا میں تم سے

۱۵

۱۶

سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے پر راستباز ہمیشہ کی زندگی میں۔

اب غور کرنا چاہیے کہ ان تمام آیات سے ظاہر ہو کہ مسیح نے اپنے بعض تیلوں کا ذکر کر کے ان کا دنیا میں آنا اور تکلیف اٹھانا گویا اپنا آنا اور تکلیف اٹھانا قرار دیا ہو اور چھوٹے بھائیوں کو مراد بجز ان کے اور کون لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی قدر مسیح کے منصب اور مسیح کی طبیعت اور مسیح کے درجہ سے متعلق ہیں اور اس کے نام پر مامور ہو کر آویں۔ عیسائی تو ہمیں کہہ سکتے کہ ہم مسیح کے بھائی ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ حدیث نبی کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے اور تمام انبیاء علاقہ بھائی کہلاتے ہیں۔ اور یہ نہایت لطیف اشارہ ہے جو مسیح نے ان کا آنا اپنا آنا قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آنا اس عاجز کا نسبتی طور پر جلالی آنا بھی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے توحید کی اشاعت کے لئے بڑی بڑی کامیابیوں کی تمہید ہے۔ اور جلالی آنے سے مراد اگر طریق سیاست رکھا جاوے تو یہ درست نہیں۔ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ کوئی شخص غافلوں کے جگانے کے لئے مامور ہو کر آوے اور آتے ہی زد و کوب اور قتل اور سفک و مار سے کام لیوے جب تک پورے طور سے تمام حجت نہ ہو خدا تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ غرض مسیح کا جلالی طور پر آنا جن معنوں سے عیسائی بیان کرتے ہیں وہ اس دنیا سے متعلق نہیں۔ اس دنیا میں جو مسیح کے آنے کا وعدہ ہے اس وعدے کو ایسے جلالی طور سے کچھ علاقہ نہیں۔ عیسائیوں نے بات کو کمبیں کا کمبیں ملا دیا ہے اور حق الامر کو اپنے پرستیدہ کر دیا ہے۔ چنانچہ متی کی آیات مذکورہ بالا تو صاف بیان کر رہی ہیں کہ یہ جلالی طور کا آنا اُس وقت ہو گا کہ جب حشر ابرہہ کے بعد ہریک کا حساب ہو گا کیونکہ بجز حشر ابرہہ کا مل طور پر شہیروں اور راستبازوں کی جماعتیں جو فوت

ہو چکی ہیں کیونکہ ایک جگہ اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن برخلاف اس مضمون کے متی کے سچ میں باب آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے متی کے پچیسویں باب سے اسی دنیا میں مسیح کا آنا بھی سمجھا جاتا ہے اور دونوں قسم کے بیانات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آخرت میں جو حشر اجساد کے بعد آئے گا وہ خود مسیح ہے لیکن دنیا میں مسیح کے نام پر آئینا لائیل مسیح ہے جو اس کا چھوٹا بھائی اور اُنسی کے قول کے مطابق اس کے وجود میں داخل ہے۔ دنیا میں آنے کی نسبت مسیح نے صاف کہہ دیا کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے پس وہ کیونکر دنیا میں آسکتا ہے حالانکہ وہ خود کہہ گیا کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کے قبول کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُسی وقت قبول کر لے۔ دنیا ہمیشہ آہستہ آہستہ مانتی ہے۔ اُن لوگوں کا ہونا بھی تو ضروری ہے کہ جو ایمان نہیں لائیں گے مگر مسیح کے دم کی ہوا سے مریں گے۔ دم کی ہوا سے مرنا حجت قاطعہ سے مرنا ہے۔ انجیلوں میں بھی تو لکھا ہے کہ مسیح کے نزول کے وقت بعض پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائیں گے یعنی بعض پر عذاب نازل کرنے کے لئے حجت قائم ہو جائے گی۔ گویا وہ پکڑے گئے اور بعض نجات پانے کیلئے استحقاق حاصل کر لیں گے گویا نجات پائے۔

(۱) سوال۔ اس وقت مثیل مسیح کے آنے کی کیا ضرورت تھی ؟

امّا الجواب۔ اس وقت مثیل مسیح کی سخت ضرورت تھی اور یہ نہ ان ملائک کی وزندہ کرنے کے لئے اُترا کرتے ہیں سخت حاجت تھی کیونکہ روحانی موت اور غفلت ایک عالم پر طاری ہو گئی ہے اور اشدّ جلّ شانہ کی محبت ٹھنڈی ہو گئی اور سخت دلی اور دنیا پرستی پھیل گئی اور وہ تمام وجوہ پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے تورات کی تائید میں مسیح (ع) دنیا میں آیا تھا۔ اور دجال نے بھی بڑے زور کے ساتھ خروج کیا اور حضرت آدم کی پیدائش کے حساب سے الف ششم کا آخری حصہ آگیا جو بموجب آیت راقِ یومَ ما عند ربّک

کالف سنۃ متا تعدّ دن چھٹے دن کے قائم مقام ہے۔ سو ضرور تھا کہ اس چھٹے دن میں آدم پیدا ہوتا جو اپنی روحانی پیدائش کے رو سے ٹیل مسیح ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو ٹیل مسیح اور نیز آدم الف ششم کر کے بھیجا جیسا کہ اُس نے فرمایا جو براڈن میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے اودت ان استخلف فخلقت آدم یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ پیدا کروں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے خلق آدم فا کرّمہ یعنی آدم کو پیدا کیا پھر اس کو عزت بخشی اور جیسا کہ آدم کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا اور مفسد قرار دیا گیا۔ یہی صورت اس جگہ بھی پیش آئی۔ اور چونکہ آدم اور مسیح میں باہم مماثلت ہے اس لئے اس عاجز کا نام آدم بھی رکھا گیا اور مسیح بھی۔

(۱۸) سوال۔ ابن صیاد کو اگر مسیح دجال قرار دیا گیا ہے تو اس سے مسلم کی دمشق والی حدیث کو کیا نقصان پہنچتا ہے کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد گم ہو گیا اور قیامت کے قریب پھر ظاہر ہو گا۔

مقابلہ جواب۔ ابن صیاد کا گم ہونا روایت صحیح سے ہرگز ثابت نہیں۔ لیکن اس کا بیان لانا اور مرنا ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور مدینہ میں فوت ہونا اس کا بیابان ثبوت پہنچ چکا ہے۔ علاوہ اس کے فرض محال کے طور پر اگر وہ مفقود الخبر بھی ہو تو کیا اس سے اُس کا اب تک زندہ رہنا ثابت ہو جائے گا؟ کیا اب آپ کو وہ صحیح حدیثیں بھی بھل گئیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سورس تک کوئی انسان زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔

یہ بات یاد رہے کہ شیعہ لوگ امام محمد عہدی کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایک غار میں چھپ گئے اور مفقود ہیں اور قریب قیامت ظاہر ہوں گے اور سنت جماعت کے لوگ اُن کے اس خیال کو باطل تصور کرتے ہیں اور یہ

حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سو برس کے بعد کوئی شخص زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ سو سنت جماعت کا یہ مذہب ہے کہ امام محمد مدنی فوت ہو گئے ہیں اور آخری زمانہ میں انہیں کے نام پر ایک اور امام پیدا ہو گا۔ لیکن محققین کے نزدیک محمدی کا آنا کوئی یقینی امر نہیں ہے۔

اس جگہ مجھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس مسئلہ میں شیعہ اور سنت جماعت میں جو اختلاف ہے اس میں کسی تاریخی غلطی کو دخل نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کی بعض روایات کو امام کے کشف لطیف پر مبنی یا معلوم ہوتی ہے چونکہ ائمہ اثنا عشر نہایت درجہ کے مقدس اور راست باز اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر کشف صحیح کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس لئے ممکن اور بالکل قرین قیاس ہے جو بعض اکابر ائمہ نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر اس مسئلہ کو اسی طرز اور اسی اصل سے بیان کیا ہو جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں ملاکی نبی نے ایلیاہ نبی کے دوبارہ آنے کا حال بیان کیا تھا اور جیسا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا شور مچا ہوا ہے اور درحقیقت مراد مبارک کشف یہ ہو گی کہ کسی زمانہ میں اس امام کے ہم رنگ ایک اور امام آئے گا جو اس کا ہم نام اور ہم قوت اور ہم خاصیت ہو گا گویا وہی آئے گا۔ پھر یہ لطیف نکتہ جب جسمانی خیالات کے لوگوں میں پھیلے تو ان لوگوں نے موافق اپنی موٹی سمجھ کے سچ ہی اعتقاد کر لیا ہو گا کہ وہ امام صد ہا برس سے کسی غار میں چھپا ہوا ہے اور آخری زمانہ میں باہر نکل آئے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ عام محاورہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا ہم رنگ اور ہم خاصیت ہو کر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ گویا وہی آگیا۔ متصوفین بھی ان باتوں کے عام طور پر متائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اولیاء گذشتہ کی رو میں ان کے بعد میں آنے والے ولیوں میں سماقی رہی ہیں اور اس قول سے انکا مطلب یہ ہے کہ بعض ولی بعض اولیاء کی قوت اور طبع نیکر آتے ہیں گویا وہی ہوتے ہیں۔

(۱۹) سوال۔ اگر مسیح بن مریم درحقیقت فوت ہو گیا ہے تو پھر کیا یہ بات ہوتیرہ سو برس سے تاج تکشہ ہو چلی آتی ہے کہ مسیح زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا آج غلط ثابت ہو گئی؟

امّا الجواب پس واضح ہو کہ یہ بالکل افتراء ہے کہ تیرہ سو برس سے بالاجماع ہی مانا گیا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سلف اور خلف کا کسی ایک بات پر اجماع ہوتا تو تفسیروں کے کہنے والے متفرق قولیں کو نہ دیکھتے لیکن کونسی ایسی تفسیر ہے جو اس بارہ میں اقوال متفرق سے خالی ہے کبھی کہتے ہیں کہ مسیح نہیں کی حالت میں اٹھایا گیا اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اس کی روح اٹھائی گئی اور کبھی قرآن شریف کی غلطی ٹکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت انی متوفیک ورافعک الی میں دراصل متوفیک بعد میں ہونا چاہیئے اور رافعک الی اس سے پہلے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اُن کا اجماع ایک خاص شق پر ہوتا تو اپنی تفسیروں میں مختلفا اقوال کیوں جمع کرتے۔ اور جب ایک خاص بات پر یقین ہی نہیں تو پھر اجماع کہاں۔ اور یہ اعتراض کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ بات تمہیں کو معلوم ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ قول نیا تو نہیں پہلے راوی اس کے تو اب عباس ہی تھے لیکن اب خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر اس قول کی حقیقت ظاہر کر دی اور دوسرے اقوال کا بطلان ثابت کر دیا۔ تا قوی طور پر آپے ایک عاجز بندہ کی اس طرح پر ایک کرامت دکھاوے اور تا عقلمند لوگ سمجھ جاویں کہ یہ رہبری خاص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر یہ معمولی فہم لو عقل کا کام ہوتا تو دوسرے لوگ بھی اس صداقت کو مع اس کے اُن سب دلائل کے جو ان رسائل میں درج ہو چکے ہیں۔ بیان کر سکتے۔

اب یہ تمام سوالات ختم ہوئے اور ان سوالات سے بجز اس کے کہ صداقت اور حقیقت ظاہر ہو اور چمکے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ اس رسالہ کے ناظمین جو اول سے آخر تک اس رسالہ کو پڑھیں گے بخوبی یقین کر لیں گے کہ ہمارے مخالفین کے ہاتھ میں

بخیر اوہام کے اور کچھ بھی نہیں اور ہر طرف سے شکست کھا کر بار بار یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ ابن مریم کا اثر ناکتناہول میں لکھا ہوا ہے اور ہماری اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ کیا خدا تعالیٰ باعثِ بار بعض صفاتِ خاصہ کے کسی دوسرے کا نام ابن مریم نہیں رکھ سکتا۔ تعجب کہ آپ تو ہمیشہ اپنی اولاد کے پیغمبروں کے نام رکھتے ہیں بلکہ ایک ایک نام میں دو دو پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں جیسے محمد یعقوب۔ محمد ابراہیم۔ محمد مسیح۔ محمد عیسیٰ۔ محمد اسمعیل۔ احمد ہارون۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کسی اپنے بندہ کو ان ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ پکارے یا ان نبیوں کے ناموں اور کنیتوں میں سے کوئی نام یا کنیت کسی اپنے مامور کو عطا کرے تو یہ کفر سمجھتے ہیں گویا جو کام انہیں کرنا جائز ہے وہ خدا تعالیٰ کو کرنا جائز نہیں دیکھتے احمد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ہیں کہ اس امت میں ثلیل انبیاء بنی اسرائیل آئیں گے تو کیا ضروری نہ تھا کہ وہ مثیل دنیا میں آتے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ نے ثلیل مسیح ہونے کی وجہ سے کسی کا نام ابن مریم رکھ دیا تو کیا بُرا کیا۔ اور قرینہ ظاہر ہے کہ فوت شدہ تو دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔ اور نہ خدا تعالیٰ انبیاء پر دو موتیں وارد کرتا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ جو شخص اس دنیا سے گیا وہ گیا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فی ممسك التي قضى عليها الموت یعنی جس پر موت وارد کی گئی وہ پھر کبھی دنیا میں آ نہیں سکتا۔ اور پھر فرمایا لا یدوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ۔ یعنی ہشتیوں پر دوسری موت نہیں آئے گی۔ ایک موت جو اچھی سو اچھی۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ مسیح جو مر گیا کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ اس کو پھر زندہ کر کے بھیجے گویا ان کے نزدیک مسیح ہشتی نہیں جو اس کے لئے دو موتیں تجویز کرتے ہیں۔ حضرات اپنی بات کی ضد کے لئے مسیح کو بار بار کیوں مارتا چاہتے ہو اس کا کو نسا گناہ ہے جو اس پر دو موتیں آویں اور پھر ان دو موتوں کا حدیث اور ترائی کی رو سے ثبوت کیا ہے۔ کچھ پیش تو کرو۔ اور اگر اب بھی ہمارے مخالف الرائے مولوی صاحبان ماننے میں نہیں آتے تو ہم انہیں مخطی

۴۶۲

ہونے کی وجہ سے مباہلہ کے لئے نہیں بلاتے کیونکہ اگر اختلاف باہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا باہم مباہلہ جائز ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں پر عذاب نازل ہونا شروع ہو جائے اور بجز کسی خاص فرد کے جو کئی خطائے خالی ہو تمام مسلمان نیست و نابود کئے جائیں جو خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں اس لئے صرف اختلافات کی بنا پر مباہلہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر ہمارے مخالف اپنے تئیں سچ پر سمجھتے ہیں اور اس بات پر سچ مع یقینی طور پر ایساں رکھتے ہیں کہ حقیقت وہی سچ ابن مریم آسمان سے نازل ہو گا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی تو اس فیصلہ کے لئے ایک یہ بھی عمدہ طریق ہے کہ وہ ایک جماعت کثیر جمع ہو کر خوب تفسیر اور عاجزی سے اپنے سچ موہوم کے اترنے کے لئے دعا کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت صادقین کی دعا قبول ہو جاتی ہے بالخصوص ایسے صادقین میں ملہم بھی ہوں۔ پس اگر وہ سچے ہیں تو ضرور سچ اتر آئے گا اور وہ دعا بھی ضرور کریں گے اور اگر وہ حق پر نہیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز حق پر نہیں ہیں تو دعا بھی ہرگز نہیں کیٹے گی کیونکہ وہ دلوں میں یقین رکھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ ہاں ہماری اس درخواست کو کچھ ہمانوں سے ٹال دیں گے تا ایسا نہ ہو کہ رسوائی اٹھانی پڑے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں ورنہ لازم آتا کہ ہندوؤں کے مقابل پر مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گزرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔ اور ضرور ہے کہ خدا اُسے روکے رہے جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن سچ کے ظہور کا وقت تو یہی ہے جس کی نسبت اُس مولوی مرحوم نے بھی شہادت دی ہے جس کا محدث ہونا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تصدیق کیجئے ہیں اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں جن کا سچ کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ اسی رسالہ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ پھر اگر اب بھی

۴۶۳

سیح کے اترنے کے لئے دعا منظور نہ ہو تو صاف ثابت ہو گا کہ وہ دعا تحصیل حاصل میں داخل ہے اسی وجہ سے منظور نہیں ہوئی۔

ہمارے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں عقلی طور پر اس امر (وفا سیح) کو ثابت کر دکھاؤں گا مگر کچھ معلوم نہیں ہوا کہ مولوی صاحب کی عقلی طور سے کیا مراد ہے۔ کیا سیلون میں آسمان کی طرف چڑھ کر ناظرین کو کوئی تماشا دکھانا چاہتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو لازم ہے کہ عقلی طور کا نام نہ لیں تانے فلسفہ والے ان کے گرد نہ ہو جائیں بلکہ یہ کہا کریں کہ جو شخص عقل کا نام لے وہ کافر ہے۔ اگر کوئی دن ایسے ہی اعتقاد کے ساتھ گزارہ کرنا ہے تو بجز تکفیر کے کوئی کارآمد حربہ نہیں لیکن ہمارا تو اس بات پر ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے وجود میں عقل کو بھی بیکار پیدا نہیں کیا اور اگر مسلمانوں کے دو فریق میں سے جو کسی جزئی مسئلہ پر جھگڑتے ہیں اور باہم اختلاف رکھتے ہیں ایک فریق ایسا ہے کہ علاوہ دلائل شرعی اور نصوص شرعہ اور حدیث کے عقل کو بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے تو بلاشبہ وہی فوق سمجھا ہے کیونکہ اس کی تائید دعویٰ کے لئے گواہ بہت ہیں۔ سواب دیکھنا چاہیے کہ سیح کی وفات کے بارے میں کیسے قرآن کریم اور حدیث اور عقل اور تجربہ ہمارا مؤید ہو رہا ہے لیکن ہمارے مخالفین کو ان تمام شواہد میں سے کوئی مدد نہیں دیتا۔ قرآن کریم کے سامنے جلتے ہیں تو قرآن کریم کتنا ہے کہ چل دوں ہو میرے خزانہ حکمت میں تیرے خیال کیلئے کوئی مؤید بات نہیں۔ پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو حدیثیں کتنی ہیں کہ اسے کرشمہ قوم بچائی سے ہمیں دیکھ اور مومن بعض اور کافر بعض نہ ہو۔ تاہم معلوم ہو کہ میں قرآن کریم کے مخالف نہیں۔ پھر حدیثوں سے نوید ہو کر سلف و خلف کے اقوال متفرقہ کی طرف آتے ہیں تو ان کو کسی ایک خاص شق پر قائم نہیں دیکھتے بلکہ تفسیروں کو رطب و یابس کا ذخیرہ پاتے ہیں اور جب دیکھنا چاہتے ہیں کہ مبسوط تفسیروں میں

انی متوفیٹ کے کیا معنی مکتے ہیں تو پہلے بسم اللہ کر کے ابن عباس سے یہی حدیث نکلتی ہے کہ حضرت کج فوت ہو چکے ہیں۔ پھر قرآن اور حدیث سے قطع امید کر کے عقل کی طرف دوڑتے ہیں تو عقل ایک روشنی دلیل کا طمانچہ مار کر دوسری طرف منہ پھیر دیتی ہے اور پھر کاشن اور نور قلب کی طرف آتے ہیں تو وہ اپنے نزدیک آنے کو دھکتے دیتا ہے۔ پس اس سے زیادہ محرومی کیا ہوگی کہ کوئی ان لوگوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی جگہ اپنے مورچے باندھ نہیں سکتے۔

بعض چالاک سے قرآن شریف کے کھلے کھلے ثبوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توفیق کا لفظ لغت کی کتابوں میں کئی معنوں پر آیا ہے حالانکہ اپنے دلوں میں خوب جانتے ہیں کہ جن لفظوں کو قرآن شریف اصطلاحی طور پر بعض معانی کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اپنے متواتر بیانی سے بخوبی سمجھا دیتا ہے کہ فلاں معنی کے لئے اس نے فلاں لفظ خاص کر رکھا ہو اس معنی سے اس لفظ کو صرف اس خیال سے پھیرنا کہ کسی اخت کی کتاب میں اس کے اور معنی بھی آئے ہیں مریح الحاد ہے۔ مثلاً کتب لغت میں اندھیری رات کا نام بھی کافر ہے مگر تمام قرآن شریف میں کافر کا لفظ صرف کافر دین یا کافر نعمت پر بولا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کفر کا لفظ الفاظ مروجہ فرقان سے پھیر کر اندھیری رات اس سے مراد لے اور یہ ثبوت دے کہ لغت کی کتابوں میں یہ معنی بھی لکھے ہیں تو سچ کہو کہ اس کا یہ ملحدانہ طریق ہے یا نہیں؟ اسی طرح کتب لغت میں صوم کا لفظ صرف روزہ میں محدود نہیں بلکہ عیسائیوں کے گرجا کا نام بھی صوم ہے اور شتر مرغ کے سرگین کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف کی اصطلاح میں صوم صرف روزہ کا نام ہے۔ اور اسی طرح صلوٰۃ کے لفظ کے معنی بھی لغت میں کئی ہیں مگر قرآن شریف کی اصطلاح میں صرف نماز اور درود اور دعا کا نام ہے۔ یہ بات سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ہر یک فن ایک اصطلاح کا محتک ہوتا ہے اور اپنی اس فن کے حاجات کے موافق بعض الفاظ کو متعدد معنوں کو

محض ذکر کے کسی ایک معنی سے مخصوص کر لیتے ہیں۔ مثلاً طبابت کے فن کو دیکھئے کہ بعض الفاظ جو کوئی معنی رکھتے ہیں صوف ایک معنی میں اصطلاحی طور پر محصور و محدود رکھے گئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی علم بغیر اصطلاحی الفاظ کے چل ہی نہیں سکتا۔ پس جو شخص الحاد کا ارادہ نہیں رکھتا اس کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ قرآن شریف کے معنی اس کے مروجہ اور مصطلح الفاظ کے لحاظ سے کرے ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر توفیق کے معنی الفاظ مروجہ قرآن میں عام طور پر قبض روح ہی ہے تو پھر مفسرین نے اس کے برخلاف اقوال کیوں لکھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے معنی بھی تو وہ برابر لکھتے چلے آئے ہیں۔ اگر ایک قوم کا ان معنوں پر اجماع نہ ہوتا تو کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک جو تیرہ سو برس گزر گئے یہ معنی تفسیر طری میں درج ہوتے چلے آئے۔ سو ان معنوں کا مسلسل طور پر درج ہوتے چلے آنا میرا اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ کے وقت سے آج تک ان معنوں پر اجماع چلا آیا ہے۔ یہی یہ بات کہ پھر دوسرے معنی انہیں تفسیروں میں کیوں لکھے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کی غلط رائے ہے اور اس رائے کی غلطی ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہو کہ وہ رائے سراسر قرآن شریف کے منشاء کے برخلاف ہے اور نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو خیال کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ یا سات گھنٹہ یا تین دن تک مردہ رہے اور پھر آسمان کی طرف زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ اور اس رائے پر ادنیٰ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے ابتداء میں یہ رائے قائم کی ہے ان کا یہ خشار ہوگا کہ جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے اور مولوی عبدالحق صاحب مدہلوی نے بھی اس بارے میں اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے اور متصفین بھی اس کے قائل ہیں کہ جب کوئی مقدس اور استباز بندہ فوت ہو جائے تو پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور قدرت حق سے ایک قسم کا اس کو جسم نورانی عطا ہوتا ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر

۳۵۱

۳۵۲

حسب اپنے مرتبہ کے رہائش اختیار کرتا ہے سو کیوں مسیح کے اٹھائے جانے کا ایک نالا مسئلہ بناویں ہم قبول کرتے ہیں کہ وہ ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا جیسا کہ اور نبی اٹھائے گئے۔ اس کو نورانی جسم دیا گیا تھی تو وہ کھانے اور پینے اور باخانہ اور پیشاب کرنے کا محتاج نہ ہوا۔ اگر یہ کثیف اور خاکی جسم ہوتا تو آسمان پر اس کے لئے ایک باور چیخانہ اور ایک باخانہ بھی چاہیئے تھا کیونکہ اس خاکی جسد کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ تمام ضروری امور ٹھہرائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات دینات و ظاہر ہے۔

۴۶۹

۴۶۹ اے حضرات مولوی صاحبان جبکہ عام طور پر قرآن شریف کے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے اور ابتداء سے آج تک بعض احوال صحابہ اور مفسرین بھی اس کو مارتے ہی چلے آئے ہیں تو اب آپ لوگ ناحق کی ضد کیوں کرتے ہیں کہ میں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی تو دو۔ کب تک اس کو حجت لایموت کہتے جاؤ گے کچھ انتہاء بھی ہے پھر اگر آپ محض ضد کی راہ سے یہ کہیں کہ مسیح ابن مریم فوت تو ضرور ہو گیا تھا مگر اسی خاکی جسم میں اُس کی روح آگئی۔ تو کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ ماسوا اس کے اس صوٹ میں دو موتیں اس کے لئے تجویز کرو گے۔ یہ کہاں لکھا ہے اور کس کی ہدایت ہے کہ خدا تعالیٰ موت الاولیٰ پر کفایت نہ کرے اور سارے جہان کے لئے ایک موت اھلیج نا کردہ گناہ پر دو موتوں کی تکلیف نازل ہو۔ کیا کوئی حدیث ہے یا قرآن شریف کی آیت ہے جو ان دو موتوں کے بارے میں آپ کے پاس ہے۔ یوں تو آپ حضرت مسیح کی لاش کو بڑی عزت کے ساتھ دفن کرنا چاہتے ہیں جبکہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کئے جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ دوسری موت اُن کیلئے کس سخت گناہ کا پاداش ہوگی۔ اور واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں اُن کا آخری زمانہ میں دفن ہونا یہ اس بات کی فرع ہے کہ پہلے اُن کا اسی جسم خاکی کے ساتھ زندہ اٹھایا جانا ثابت ہو۔ ورنہ فرض کے طور پر اگر اس حدیث کو جو

۴۷۰

نصوص بیتہ کے مخالف صریح پڑی ہوئی ہے صحیح بھی ملان لیں اور اس کے معنی کو ظاہر
پیر ہی حاصل کریں تو ممکن ہے کہ کوئی شیل سیح ایسا بھی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ کے پاس مدفون ہو۔ کیونکہ اس حدیث کی رو سے کہ جو علماء امتی کا نبیاء
بنی اسرائیل ہے شیلوں کی کمی نہیں اور ایسا ہی یہ آیت کریمہ بھی شیلوں کی طرف
اشارہ کر رہی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت
علیہم اور نیز قرآن قویہ کی وجہ سے بغرض صحت اس کو ایک استعارہ تسلیم
کر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک اشارہ معیت اور اتحاد کی طرف ہے۔ مثلاً جو
دشمن ہو اس کے لئے انسان کہتا ہے کہ اس کی قبر بھی میرے نزدیک نہ ہو۔ لیکن
دوست کے لئے قبر کا بھی ساتھ چاہتا ہے اور مکاشفات میں اکثر ایسے امور دیکھے جاتے
ہیں۔ ایک مدت کی بات ہے جو اس عاجز نے خواب میں دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ مبارکہ پر پیش کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا مقتول ہیں ان کو لوگ دفن کرنا
چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں سرکٹو
تھا اور وہ اس سرکٹو کو زمین پر مارتا تھا اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ تیرا ہی اس جگہ
قبر ہوگی۔ تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے
سامنے کھڑا ہو کر روضہ شریفہ کے پاس کی زمین پر اس نے اپنا سرکٹو ملا اور کہا
کہ تیرا ہی اس جگہ قبر ہوگی۔ تب آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے اہتمام سے اس کی یہ
تائید کی کہ یہ معیت معادی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص فوت ہونے کے بعد
روحانی طور پر کسی مقدس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کی قبر
کے قریب ہو گئی۔ واللہ اعلم و علمہ احکم ۛ

نور افشاں مطبوعہ ۲۳ اپریل کا اعتراض

پریچہ نور افشاں میں مسیح کے صعود کی نسبت یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کے
صعود کی نسبت گیارہ شاگرد و پچھم دیدگاہ موجود ہیں جنہوں نے اُسے آسمان کو جہان تک
حد نظر سے جاتے دیکھا چنانچہ معترض صاحب نے اپنے دعوے کی تائید میں رسولوں کے
اعمال باب اول کی یہ آیتیں پیش کی ہیں

(۳) اُن پر (یعنی اپنے گیارہ شاگردوں پر) اُس نے (یعنی مسیح نے) اپنے مرنے کے پیچھے
آپ کو بہت سی قومی دسیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا رہا اور خدا کی
بادشاہت کی باتیں کتار دیا۔ اور اُن کے ساتھ ایک جاہلو کے حکم دیا کہ یروشلم سے باہر
نہ جاؤ۔ اور وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوئے اُپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُن کی
نظر منظر سے چھپا لیا۔ اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف اُٹھ رہے
تھے دیکھو دوسرے سفید پوشاک پہنے ہوئے اُن کے پاس کھڑے تھے (۱۱) اور کہنے لگے
اے جلیل مرد تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمہارے پاس ہو
آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اُسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا پھر آؤ گے۔

اب پادری صاحب صرف اس عبارت پر خوش ہو کر کچھ بیٹھے ہیں کہ وہ حقیقت اسی
جسم فلکی کے ساتھ مسیح اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ لیکن انہیں معلوم ہو
کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیح کو دیکھا اور اُس کے شاگردوں سے کچھ سنا۔ یہ
ایسے شخص کا بیان کیونکر قابلِ اعتناء ہو سکتا ہے جو شہادتِ رویت نہیں اور نہ کسی
دیکھنے والے کے نام کا اُس میں حوالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سراسر غلط فہمی سے بھرا
ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا۔ لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ
وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظہر کر رہی ہے

کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی تھی بلکہ یہ تیسری آیت باب اول اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے جو گیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ جو لوگ کشف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ ایسے مقامات میں بڑا دھوکہ کھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے حال کے عیسائی بھی جو روحانی روشنی سے بے بہرہ ہیں اس عالم کشف کو درحقیقت عالم سمائی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مقدس اور راست باز لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور اکثر صاف باطن اور پُر محبت لوگوں کو عالم کشف میں جو بعینہ عالم بیداری ہے نظر آ جایا کرتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں خود یہ عاجز صاحب تجربہ ہے۔ بارہا عالم بیداری میں بعض مقدس لوگ نظر آئے ہیں۔ اور بعض مراتب کشف کے ایسے ہیں کہ میں کسی طور سے کہہ نہیں سکتا۔ کہ ان میں کوئی حصہ غنودگی یا خواب یا غفلت کا ہے بلکہ پورے طور پر بیداری ہوتی ہے اور بیداری میں گزشتہ لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے اور باتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہی حال حواریوں کی روایت کا ہے جو انہیں کشفی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جبکہ وہ جلیل میں جا کر کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا چالیس دن برابر نظر آتا رہا اور انہوں نے اس کشفی حالت میں صرف مسیح کو نہیں دیکھا بلکہ دو فرشتے بھی دیکھے جو سفید پوشا کپڑے پہنے کھڑے تھے جس سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کشف کا ہی عالم تھا۔ انجیل میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کشفی طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ کو بھی خواب میں دیکھا تھا۔ غرض اعلیٰ درجہ کا کشف بعینہ عالم بیداری ہوتا ہے اور اگر کسی کو اس کو چہرے میں کچھ دخل ہو تو ہم بڑی آسانی سے اس کو تسلیم کر سکتے ہیں مگر محض بیگانوں اور بے خبروں کے مقابل پر کیا کیا جائے۔

۴۷

۴۸

میں کئی بار لکھ چکا ہوں اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ اہل کشف کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مقدس اور راستباز لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور ایک قسم کا انہیں جسم نورانی مل جاتا ہے اور اس جسم کے ساتھ وہ آسمان کی طرف اٹھائے جلتے ہیں اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعد موت کے اکثر مدت مقدس لوگوں کی زمین پر رہنے کی چالیس دن ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتا بلکہ اس عرصہ کے اندر اندر آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

چنانچہ خود اپنی نسبت آنجناب فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ خدا تعالیٰ چالیس دن سے زیادہ مجھ کو قبر میں رکھے۔ سو سمجھنا چاہیے کہ آسمان کی طرف مع الجسد اٹھایا جانا حضرت مسیح کا جس کی نسبت کیا عیسائی اور کیا مسلمان شور مچا رہے ہیں دراصل یہی محور رکھتا ہے اور اس بارے میں مسیح کی کچھ بھی خصوصیت نہیں ہر ایک مقدس اور کامل راستباز کا رفع اسی طرح ہوتا ہے۔ اور یہ امر اہل کشف کے نزدیک مسلمات اور مشاہدات میں سے ہے قرآن کریم میں مسیح کے رفع کا ذکر اس کی راستبازی کی تصدیق کے لئے ہے۔ اور مسیح کے شاگردوں کو جو کشفی طور پر اس کا اٹھایا جانا دکھایا گیا بیان کی تقویت ایمان کے لئے تھا۔ کیونکہ اس وقت کے مولویوں اور فقیہوں کی طرح اس وقت کے فقیہوں اور فریسیوں نے بھی حضرت مسیح پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور قریب تھا کہ وہ لوگ اپنی مکار پھل سے بہت سے شبہات دلوں میں ڈال دیتے لہذا خداوند کریم نے مسیح کے شاگردوں کی کشفی آنکھ کھول دی اور انہوں نے دیکھا کہ وہ خاص مقربوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھایا گیا لہذا کشف نہ ہوتا تو ناہم اور بدعتیہ بیگانہ لوگ بھی اس حالت کو دیکھتے کیونکہ وہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ جہاں دوسروں کی آمد و رفت حرام تھی۔ پس بیگانہ لوگ جو آئندہ روندتے صرف اسی وجہ سے نہیں دیکھ سکے کہ وہ ایک کشفی امر تھا اور پھر آخر میں گیارہ آیت میں جو لکھا ہے جو فرشتوں نے جو وہاں کھڑے تھے یہ کہا کہ اے گیلیلی مردو! یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر

اُٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اُسے آسمان کو جلتے دیکھا پھر آوے گا یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے جو تم نے عالم کشف میں جو عالم مثال پر مسیح کو آسمان کی طرف جلتے دیکھا اسی طرح مثالی طور پر اور مثالی وجود کے ساتھ مسیح پھر آوے گا جیسا کہ ایلیا آیا اور یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں لیکن اسکے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ مسیح کا آسمان کی طرف اُٹھائے جانا انجیل کی کسی الہامی عبارت سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور جنہوں نے اپنی اٹھل سے بغیر رویت کے کچھ لکھا۔ اُن کے بیانات ضلالت و اس خرابی کے کہ اُن کا بیان چشم دید نہیں اس قدر تعارض ہے کہ ایک ذرہ ہم اُن میں سے شہادت کے طور پر نہیں لے سکتے :

ضرور تھا کہ مسیح دجال گر جائیں گے ہی نکلے

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسیح دجال کی تعیین و تشخیص میں اسلام کے قرن اول کے بزرگوں میں اختلاف رہا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم قطعی اور یقینی طور پر ابن صیاد کو مسیح دجال سمجھ بیٹھے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زہر و قسم کھا کر کہا کہ الدجال بھی ہے یعنی مسیح دجال۔ کیونکہ الدجال بحج مسیح دجال کے اور کسی کو نہیں کہا جاتا۔ ایسا ہی ابن عمرؓ نے بھی مسیح لفظوں میں کہا کہ مسیح الدجال ہی ہے۔ اور ہم پہلے اس سے تحریر کر چکے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہو تا ہے کہ ابن صیاد مسلمان ہونے کے بعد مدینہ میں فوت ہو گیا اور مسلمانوں نے اس کا جنازہ پڑھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ گم ہو گیا مگر قول اہل الرجح ہے کیونکہ فوت کی خبر میں زیادت علم ہے جو موجب قطع و یقین ہے۔ بہر حال جبکہ مسلم کی حدیث سے ابن صیاد کا اسلام ثابت ہے اور ازبلا و

ثابت نہیں تو خواہ نہ خواہ ایک مسلمان کے پیچھے پڑنا اور اس کو دجال و جال کر کے پکارنا اور پھر اس کی نسبت یہ یقین رکھنا کہ وہی ابن صیاد و ہودی الاسل آخری زمانہ میں پھر کفر کا جام پہن کر اور خدائی کا دعویٰ کر کے خسرو ج کرے گا۔ میرے نزدیک بالکل نامناسب اور ایک مسلمان بھائی کی ناحق کی غیبت اور بدگوئی ہے جو ایت کریمہ لا تغف مالیس لک بد علیہ کے تحت میں داخل ہے۔ علاوہ اس کے ابن صیاد سے اس کی کفر کی حالت میں بھی کوئی ایسا کام فتنہ اور شرارت کا صادر نہیں ہوا جس سے وہ اپنے وقت میں فتنہ انگیزی میں بے نظیر سمجھا گیا ہو۔ پھر جب اس کے دل میں لا الہ الا اللہ کا نور داخل ہو گیا اور تصدیق رسالت نبوی سے اس کا سینہ منور کیا گیا تو پھر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی باقی نہ رہی۔ بے شک وہ حدیثیں نہایت حیرت انگیز ہیں جن میں یقین کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسیح دجال ہی شخص ہے۔ اور اب ہم ان کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ جو آخری زمانہ میں دجال پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے اس دجال میں بعض صفات ابن صیاد کی بھی ہوں گی اور کفر کی حالت میں جو کچھ مکرو فریب کی ابن صیاد کو مشق تھی۔ اور جو سیرت غفلت اور دلیری اور دھوکہ دہی اس میں موجود تھی وہی صفاتیں اور خصلتیں اس آنے والے دجال میں بھی ہوں گی گویا وہ اس کا مشیل ہو گا اور اس کے کفر کی حالت کا رنگ اس میں پایا جائے گا۔

لیکن گر جا سے نکلنے والا دجال جس کے بارے میں امام مسلم نے اپنے صحیح میں فاطمہ بنت قیس سے روایت کی ہے اور جس کو نہایت درجہ کا قوی میل اور نجس سے جکڑا ہوا بیان کیا ہے اور اس کے ایک جیسا سر کی بھی خبر لکھی ہے۔ اور یہ دجال وہ ہے جس کو مسیح داری نے کسی جریرہ کے ایک گرجا میں دیکھا کہ خوب مضبوط بندھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کی طرف جکڑے ہوئے تھے اس دجال پر علماء کی بہت نظر ہے کہ درحقیقت یہی دجال ہے جو آخری زمانہ میں نکلے گا۔ اور یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں

کہ آخری زمانہ میں دجال تولد کے طور پر کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا بلکہ بالاتفاق سلف و خلف یہی کہتے آئے ہیں کہ دجال مہمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا اور پھر آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ خروج کیسے گا اور اب تک وہ زندہ کسی جزیرہ میں موجود ہے مگر یہ خیال کہ اب تک وہ زندہ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ مسلم کی دو حدیثیں مفصلہ ذیل اس خیال کی بجلی استیصال کرتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) حسن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان يموت بشہر تستلونی عن الساعۃ وانما علمها عند اللہ واقسم باللہ ما علی الارض من نفس منقوسۃ یاتی علیہا مائۃ سنۃ وہی حۃ یومئذ رواہ مسلم یعنی روایت ہے جابر سے کہ کہا سنائیں نے مغرب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے مہینہ بھر پہلے اپنی وفات سے جو تکمیل مقام صدیقین اور اظہار بقایا اسرار کا وقت تھا کہ تم مجھ سے پہچانتے ہو کہ قیامت کب آئے گی اور بحرحر خدائے تعالیٰ کے کسی کو اس کا علم نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا نفس نہیں جو پیدا ہو گیا ہو اور موجود ہو اور پھر راج سے سو برس اس پر گزرے اور وہ زندہ رہے۔

(۲) پھر دوسری حدیث صحیح مسلم کی یہ ہے وعن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاتی مائۃ سنۃ وعلی الارض نفس منقوسۃ رواہ مسلم یعنی ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں آوے گی سو برس اس حال میں کہ زمین پر کوئی شخص بھی آج کے لوگوں میں سے زندہ موجود ہو۔

اب ان دونوں حدیثوں کی رو سے جن میں سے ایک میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم بھی کھائی ہے اگر ہم تکلفات سے تاویلیں نہ کریں تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جتنا سہ والا دجال بھی ابن صیاد کی طرح فوت ہو گیا ہے۔ اسی کی نسبت علماء کا خیال ہے کہ آخری زمانہ میں نکلیگا اور حال یہ ہے کہ اگر اس کو آج تک زندہ فرض کیا جائے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حتمی حدیثوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور اس حدیث میں دجال کا یہ قول اِنِّی اَنَا الْمَسِیْحُ وَاِنِّی اَنْ یُوشَعُکَ اَنْ یُؤْذَنَ لِی فِی الْخُرُوجِ جو زبیر بن عوف کے مسیح و دجال ہونے پر دلالت کرتا ہے بظاہر اس شبہ میں ڈالتا ہے کہ آخری زمانہ میں وہ نکلنے والا ہے لیکن بہت آسانی سے یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے جبکہ اس طرح پر سمجھ لیں کہ یہ عیسائی دجال بطور مورث اعلیٰ نے اس دجال کے لئے ہے جو عیسائی گروہ میں ہی پیدا ہوگا اور گرجا میں سے ہی نکلیگا۔ اوّل ظاہر ہے کہ وارث اور مورث کا وجود ایک ہی حکم رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس بیان میں استعارات ہوں اور زنجیروں سے مراد وہ موانع ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائی واعظوں کو روک رہے تھے اور وہ مجبور ہو کر گویا ایک جگہ بند تھے۔ اور یہ اشارہ ہو کہ آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ ان کا خروج ہوگا جیسا کہ آج کل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں اس دجال نے خدائی کا دعوئے نہیں کیا بلکہ فقرہ اِنِّی یُوشَعُکَ اَنْ یُؤْذَنَ لِی صاف دلالت کر رہا ہے کہ دجال کو خدا تعالیٰ کے وجود کا اقتدار ہے۔ اور حدیثوں میں کوئی ایسا لفظ پایا نہیں جاتا جس سے معلوم ہو کہ جبرائیل دجال اپنے آخری ظہور کے وقت میں بالجہر خالق السموات والارضین ہونے کا دعوئے کرے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کی راہ سے خداوند خداوند کہلائیگا جیسے اُن لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو بکلی فراموش کر دیتے ہیں اور اس کی پرستش اور اطاعت کو کچھ غرض نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو سرتی سرتی کہیں یعنی خداوند خداوند کر کے بکاریں اور ایسی اُن کی اطاعت کریں جیسی خدا تعالیٰ کی کرنی چاہیے۔ اور یہی بد معاشی اور غفلت کا اعلیٰ درجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تحقیر دل میں بیٹھ جائے۔ مثلاً ایک ایسا امیر ہے کہ نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے کہ وہ اہیات کام ہے اس سے کیا فائدہ۔ اور روزہ پڑھنا کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو کچھ بھی جیسز نہیں سمجھتا اور اس کی آسمانی تقسیم روں کا قائل نہیں بلکہ اپنی تدبیروں اور مکروں کو تمام کامیابیوں کا مدار سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ

ایسے اُس کے آگے جھکیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے آگے جھکنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری پر چڑتا ہے اور اس کے احکام کو ذلیل اور خوار سمجھتا ہے اور اپنے احکام کو قابلِ عزت خیال کرتا ہے اور اپنی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت پر مقدم رکھنا چاہتا ہے وہ حقیقت میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اگرچہ قل سے نہیں مگر حال سے ضرور یہ دعویٰ اُس سے صادر ہوتا ہے بلکہ قل سے بھی دعویٰ کرتا ہے کیونکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو خداوند خداوند کہیں۔ سو اسی قسم کا دجال کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔

اس تمام تقریب سے معلوم ہوا کہ مسیح ابن مریم کے ثبیل کی طرح دجال کا بھی مثیل بنے والا ہے یعنی ایسا اگر وہ جو باعتبار اپنی سیرت و خاصیت کے پہلے دجال کا ہمزنگ ہو۔ لیکن اس طرزِ تقریر کے اختیار کرنے میں کہ مثیل مسیح اترے گا اور ثبیل دجال خروج کرے گا یہ حکمت ہے تا ظاہر کیا جائے کہ دجال کا آنا بطور بلا و ابتلا کے ہو گا اور مسیح کا آنا بطور الہی نعمت کے جو بارادہ خاص الہی مومنوں کی نصرت کے لئے نازل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہم نے تمہارے لئے لوہا اتارا اور تمہارے لئے مویعی اتارے یعنی تمہارے فائدہ کے لئے بطور رحمت یہ چیزیں پیدا کیں۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے وہ ظلمت اور کثافت رکھتی ہے اور جو اوپر سے آتی ہے اس کے ساتھ نور و برکت ہوتی ہے اور نیز اوپر سے آنے والی نیچے والی پر غالب ہوتی ہے۔ غرض جو شخص آسمانی برکتیں اور آسمانی نور ساتھ رکھتا ہے اُس کے آنے کے لئے نزول کا لفظ مناسب حال ہے اور جس کے وجود میں زمینی ظلمت اور خست اور کمزورت بھری ہوئی ہے اس کے ظہور کیلئے خروج کا لفظ مناسب رکھتا ہے کیونکہ نورانی چیزیں آسمان سے ہی نازل ہوتی ہیں جو ظلمت پر فتح پاتی ہیں۔ بس اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ جیسے مثیل مسیح کو مسیح ابن مریم کہا گیا اس امر کو نظریں رکھ کر کہ اس نے مسیح ابن مریم کی روحانیت کو لیا اور مسیح کے وجود کو باطنی طور پر قائم کیا۔ ایسا ہی وہ دجال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہو چکا ہے اس کی نقل اور مثال نے اس

آخری زمانہ میں اس کی جگہ اور گرجا سے نکل کر مشرق و مغرب میں پھیل گیا
اس تفسیر سے مثیلت کا محاورہ اور بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو دونوں طور کے ^{میں} متعلق طبع
خبیث میں دائروں کا اثر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیثوں میں تو صرف اتنا لفظ آیا ہے
کہ مسیح ابن مریم اترے گا اور دجال خروج کرے گا پھر ان دونوں کے ساتھ مثیل کا لفظ
کیوں ملایا جاتا ہے۔ کیا یہ اتحاد نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعد اس کے کہ ہم مخصوص
قطعہ تینہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وقتاً پہلے
ہیں اور ایسا ہی دجال بھی فوت ہو چکا۔ اور ان کے زندہ ہونے کا کوئی ذکر قرآن کریم اور احادیث
میں موجود نہیں۔ بلکہ آیات، تینہ ان کے دنیا میں واپس آنے سے سخت انکار کرتی ہیں۔ تو اس
صورت میں اگر ہم آنے والے مسیح اور دجال سے ان کے مثیل ملوانے لیں تو اور کیا کریں۔ ہاں
اگر حدیثوں میں یہ لفظ وارد ہوتے کہ وہ مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی
تھی اور وہ دجال جو جزیرہ میں مقید تھا جس کے ساتھ جیسا کہ صفوی دونوں زندہ ہو کر
آخری زمانہ میں آجائیں گے تو پھر تاویل کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر اب تاویل نہ صرف جائز
بلکہ واجب ہے اور چونکہ محکم علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل ابن مریم کے
نام پر کوئی آنا چاہیئے تھا اور آنا بھی وہ چاہیئے تھا جو درحقیقت امتی ہو نہ کہ تعلق طور پر بنی۔
لہذا یہ ضروری تھا کہ ابن مریم کی جگہ کوئی ایسا امتی ظاہر ہو جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ابن مریم
کے رنگ میں ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کا مثیل عین وقت پر بھیج کر اُن کی مثیل کی معرفت
مسیح ابن مریم کا کافی الواعدہ فوت ہو جانا ظاہر کر دیا اور سب دلائل اس کے کھل دئے۔ اگر
خدا نخواستہ مسیح حج فرما کر ایمان میں لکھا ہوتا کہ مسیح برخلاف اس سنت اللہ کے جو تمام
بنی آدم کے لئے جاری ہے زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور قیامت کے قریب تک زندہ
ہی رہے گا تو عیسائیوں کو بڑے بڑے سلمان ہرکانے کے لئے ہاتھ آجاتے ہو بہت ہی
خوب ہوا کہ عیسائیوں کا خدا فوت ہو گیا اور یہ حملہ ایک برہمنی کے حملہ سے

کم نہیں جو اس عاجز نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر ان دجال سیرت لوگوں پر کیا ہے جن کو پاک چیزیں دی گئی تھیں مگر انہوں نے ساتھ اس کے پلید چیزیں ملا دیں اور وہ کام کیا جو دجال کو کرنا چاہیئے تھا۔

اب یہ سوال بھی قابل حل ہے کہ مسیح ابن مریم تو دجال کے لئے آئے گا آپ اگر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں تو آپ کے مقابل پر دجال کون ہے؟ اس سوال کا جواب یہی طرف سے یہ ہے کہ گو میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موجود بھی ہو اور کوئی ایسا دجال بھی آوے جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے، مگر یہ رازدب یہ ہے کہ اس زمانہ کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجال پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ مسلم کی حدیث میں ہے وعن عمران بن حصین قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما بين خلق آدم الى قيام الساعة امر اكبر من الدجال يعني مكرن ابن الحسين سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش آدم سے قیامت تک کوئی امر فتنہ اور ابتلاء کمزور سے دجال کے وجود سے بڑھ کر نہیں۔ اب اول تو یاد رکھنا چاہیئے کہ لغت میں دجال بھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں اور خلق اللہ کے گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تبلیغ کو کام میں لاتے ہیں۔

اب میں دعوئے کے ساتھ کہتا ہوں کہ مطابق منشاء مسلم کی حدیث کے جو ابھی میں بیان کر آیا ہوں اگر ہم حضرت آدم کی پیدائش سے آج تک بذریعہ ان تمام تحریری وسائل کے جو ہیں ملے ہیں دنیا کے تمام ایسے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالیں جنہوں نے دجالیت کا اپنے ذمہ کام لیا تھا تو اس زمانہ کے پادریوں کی دجالیت کی نظیر ہرگز ہم کو نہیں ملے گی۔ انہوں نے ایک موجدی اور فریسی مسیح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہوا ہے جو بقول ان کے زندہ ہے

اور خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ سو حضرت مسیح ابن مریم نے خدائی کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ یہ لوگ خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اس دعویٰ کے سہرا کر نیسکے لئے کیا کچھ انہوں نے تحریفیں نہیں کیں۔ اور کیا کچھ تمہیں کے کام استعمال میں نہیں لائے اور مکہ اور مدینہ چھوڑ کر اور کونسی جگہ ہے جہاں یہ لوگ نہیں پہنچے۔ کیا کوئی دھوکہ دینے کا کام یا گمراہ کرنے کا منصوبہ یا ہرکانے کا کوئی طریقہ ایسا بھی ہے جو ان سے ظہور میں نہیں آیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ اپنے دجالانہ منصوبوں کی وجہ سے ایک عالم پر دُارہ کی طرح محیط ہو گئے ہیں۔ جہاں یہ لوگ جاتیں اور جہاں اپنا مشن قائم کریں ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ مقتد اس قدر ہیں کہ گویا دنیا کے تمام خزانے ان کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں اگرچہ گورنمنٹ انگریزی کو مذاہب سے کچھ سرسرد کار نہیں اپنے شاندار انتظام سے مطلب ہے مگر حقیقت پادری صاحبوں کی بھی ایک الگ گورنمنٹ ہے جو بے شمار روپے کی مالک اور گویا تمام دنیا میں اپنا تار و پود پھیلا رہی ہے اور ایک قسم کا جنت اور جہنم اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں جو شخص ان کے مذہب میں آنا چاہتا ہے اس کو وہ جنت دکھلا یا جاتا ہے اور جو شخص ان کا اشد مخالف ہو جائے اس کے لئے جہنم کی دھمکی ہے۔ ان کے گھر میں روٹیاں بمت ہیں گویا ایک پہاڑ روٹیوں کا جس جگہ رہیں ساتھ رہتا ہے۔ اور اکثر شکم بندہ لوگ ان کی سفید ریشم روٹیاں مفتوں ہو کر رہنا مسیح کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ سچ و دجال کی کوئی بھی ایسی علامت نہیں جو ان میں نہ پائی جائے۔ ایک وجہ سے یہ مردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور زندوں کو مارتے ہیں (سمجھنے والا سمجھ لے) اور اس میں تو شک نہیں کہ ان کی آنکھ ایک ہی ہر جو بائیں ہے اگر ان کی دائیں آنکھ موجود ہوتی تو یہ لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرتے اور خدائی کے دعوے سے باز آتے۔ بے شک یہ بھی سچ ہے کہ پہلی کتابوں میں اس قوم دجال کا ذکر ہے حضرت مسیح ابن مریم نے بھی انجیل میں بت ذکر کیا ہے اور پہلے صحیفوں میں بھی جا بجا ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی چاہیئے تھا کہ ہر ایک نبی اس مسیح و دجال کے آنے کی پہلے سے خبر دیتا سو ہر کونے

تقریباً ایا جلالہ۔ اشارتاً یا کنیتاً خبر دی ہے حضرت فوح سے لے کر ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک اس سچ و قبال کی خبر موجود ہے جس کو میں دلائل کے ساتھ ثابت کر سکتا ہوں۔

اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے سچائی اور انصاف کا خون کیا ہے ان تمام خسرو یوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے ہجرتِ مقدسہ کی تیرہویں صدی سے پہلے ان تمام فتنوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب تیرہویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یکدفعہ اس و قبالِ گروہ کا خروچ پٹوا اور پھر ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ اس صدی کے اواخر میں بقول پادری ہیکر صاحب پانچ لاکھ تک صرف ہندوستان میں ہی کرسٹن شدہ لوگوں کی نوبت پہنچ گئی اور اندازہ کیا گیا کہ قریباً بارہ سال میں ایک لاکھ آدمی عیسائی مذہب میں داخل ہو جاتا ہے جو ایک عاجز بندہ کو خدا خدا کر کے کاڑتا ہے اس بات سے کوئی دانائے خبر نہیں کہ ایک جماعت کثیر اسلام کی مایوں کہو کہ اسلام کے بھوکوں ننگوں کا ایک گروہ پادری صاحبوں نے صرف روٹیاں اور کپڑے دکھلا کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور جو روٹیوں کے ذریعہ سے قابو نہ آئے وہ عورتوں کے ذریعہ سے اپنے پنجہ میں کٹے گئے اور جو اس طرح بھی دام میں پھنس نہ سکے ان کے لئے ملحد اور بے دین کر نیوالا فلسفہ پھیلا یا گیا جس میں آج لاکھوں نو خیز بچے مسلمانوں کے گرفتار اور مبتلا پائے جاتے ہیں جو نماز پر ہنستے اور روزہ کو ٹھٹھے سے یاد کرتے اور وحیِ الہی کو ایک خواب پریشانی خیال کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس لائق بھی نہیں تھے کہ انگریزی فلسفہ کی تعلیم پاویں ان کے لئے بہت سے بناوٹی قصے جو محض پادری صاحبوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا جن میں کسی تاریخ یا کہانی کے پیرایہ میں ہجو اسلام درج تھی عام طور پر شائع کر دئے گئے اور پھر اسلام کے رد میں اور ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں بے شمار کتب میں تالیف کر کے ان لوگوں نے ایک دنیا میں مفت تقسیم کیں اور اکثر کتابوں کے بہت سی زبانوں میں ترجمے

کے شائع کئے۔ رمانہ فتح اسلام کے ۶ مہینہ کے حاشیہ کی پڑھ کر دیکھو کہ اکیس سال میں
 ان لوگوں نے اپنے پر تبلیغ خیالات کے پھیلانے کے لئے سات کروڑ سے کچھ زیادہ کتابیں
 مفت تقسیم کی ہیں تا کسی طرح اسلام سے لوگ دستبردار ہو جائیں اور حضرت مسیح کو خدا مان
 لیا جائے۔ اشد اکبر اگر اب بھی ہماری قوم کی نظر میں یہ لوگ اول
 درجہ کے دجال نہیں اور ان کے الزام کے لئے ایک سچے سچ کی
 ضرورت نہیں تو پھر اس قوم کا کیا حال ہوگا۔

دیکھو اے غافل و دیکھو! کہ اسلامی مہارت کے ہمارے کئے کئے کس درجہ کی یہ کوشش
 کر رہے۔ اور کس کثرت سے ایسے وسائل ^{تتمتہ} تیار کئے گئے ہیں اور ان کے پھیلانے میں اپنی
 جانوں کو بھی خطرہ میں ڈال کر اور اپنے مال کو پانی کی طرح بہا کر وہ کوششیں کی ہیں کہ انسانی
 طاقتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے اور پاکیزگی کے برخلاف
 منصوبے اس راہ میں ختم کئے گئے اور سچائی اور ایمان داری کے اڑانے کے لئے طرح طرح کی
 سرنگیں طیار کی گئیں اور اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتیں
 نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کی گئیں۔ ہزار ہا قصے اور مباحثات کی کتابیں محض اقترا کے
 طور پر اور محض اس غرض سے بنائی گئیں۔ تاہم اور طریق سے نہیں تو اسی طریق سے دلوں پر
 بد اثر پڑے۔ کیا کوئی ایسا رہزنی کا طریق ہے جو ایجاد نہیں کیا گیا۔ کیا کوئی ایسی سبیل گمراہ کرنے
 کی باقی ہے جس کے یہ موجب نہیں؟ پس غلہ ہر ہے کہ یہ کچھ قوموں اور تشلیٹ کے حامیوں
 کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو مجر
 اول درجہ کے دجال کے جو دجال ^{۱۹۵} مسہود ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔ لہذا
 انہی لوگوں کو جو یادری صاحبوں کا گروہ ہے وہ دجال مسہود ماننا پڑا۔ اور جبکہ ہم دنیا کے اکثر حصہ
 کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں جو گذر چکا تو ہماری نظر اس استقرائی شہادت کو ساتھ لیکر
 عود کرتی ہے کہ زمانہ کے سلسلہ گذشتہ میں جہاں تک پہنچ سکتا ہے وہاں تک وہ جہالت کی صفت

اور اس کی کامیابیوں میں کوئی ان لوگوں کا نظیر نہیں اور ان کے ان ساحرانہ کاموں میں کوئی ان کے مساوی نہیں۔ اور چونکہ امارتِ صحیحہ میں دجال مجہود کی یہی علامت لکھی ہے کہ وہ ایسے فتنے برپا کرے گا کہ جہاں تک اس وقت سے ابتدائے دنیا کے وقت تک نظر ڈالیں اس کا نظیر نہیں ملے گا لہذا اس بات پر قطع اور یقین کرنا چاہیئے کہ وہ سچ و دجال جو گر جہا سے نکلنے والا ہے وہی لوگ ہیں جن کے سحر کے مقابل پر مجرہ کی ضرورت تھی۔ اور اگر انکار ہے تو پھر زمانہ گذشتہ کے دجالین میں سے ان کی نظیر پیش کرو۔

اب یہ سوال ہو کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ سحیح ابن مریم سے پہلے دجال آگیا ہو۔ اس کا جواب ظاہر ہو گیا اور ہمارے ثبوت پہنچ گیا کہ سحیح دجال جس کے آنے کی انتظار تھی یہی بادلوں کا گرہ ہے جو بڑی کٹی طرح دنیا میں پھیل گیا ہے۔ سو اسے بزرگوں دجال مجہود ہی ہے جو آپکا مگر تم نے اُسے شناخت نہیں کیا۔ ہاتھ میں ترازو لو اور وزن کر کے دیکھو کہ کیا ان سے بڑھ کر کوئی اور ایسا دجال آنا ممکن ہے جو فریبوں میں ان سے زیادہ ہو۔ اس دجال کے لئے جو تمہارے وہم میں ہے تم لوگ بار بار یہ حدیث پیش کرتے ہو کہ اس قدر اس کا بڑا فتنہ ہوگا کہ ستر ہزار مسلمان اس کا معتقد ہو جائیں گے۔ لیکن اس جگہ تو لاکھوں آدمی دین اسلام کو چھوڑ گئے اور چھوڑتے جلتے ہیں۔ تمہاری عورتیں۔ تمہارے بچے۔ تمہارے پیارے دوست۔ تمہارے بڑے بڑے بزرگوں اور ولیوں کی اولاد۔ تمہارے بڑے بڑے خاندانوں کے آدمی اس دجالی مذہب میں داخل ہوتے جلتے ہیں۔ کیا یہ اسلام کے لئے سخت ماتم کی جگہ نہیں۔ سوچ کر دیکھو کہ کس قدر ان لوگوں کے فتنہ نے دامن پھیلا رکھا ہے اور کس قدر ان لوگوں کی کوششیں انتہا تک پہنچ گئی ہیں کیا کوئی ایسا بھی دقیقہ فریب اور مکر کا ہے جو انہوں نے رہزنی کے لئے استعمال نہیں کیا۔ کروڑوں کتابیں اسی غرض سے ملکوں میں پھیل گئیں۔ ہزاروں واعظ اور متناو اسی غرض کے لئے جا بجا چھوڑ دئے۔ کہہ رہے ہیں کہ یہ اسی راہ میں خسر ہے۔ نہایت دشوار راہوں سے پر خطر پہاڑوں اور فتنوں کے ملک

اور کافرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے جنگلی آدمیوں کے پاس جاتے ہیں اور اسی غرض سے ہمیشہ خشکی اور زری کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ کسی شخص کو اپنے دہم میں لاویں۔ حضرت آدم سے آج تک جو متفرق طور پر گمراہ کرنے کے لئے لوگوں نے فریب کئے ہیں ان مشنوں میں ان تمام کا مجموعہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر ایک سال تک سوچتا رہے اور گمراہ کرنے کے جدید جدید فریب نکالے تو آخر جب غور کر کے دیکھے گا تو وہ سب فریب ان مشنوں میں پائے گا۔ بہت جلد ان لوگوں نے ڈاکٹری عہدے بھی حاصل کئے ہیں تاکہ اگر وہ نہیں تو مصیبت زدہ بیمار ہی قابو آویں۔ بہت سا غلہ اس غرض سے خریدایا جاتا ہے کہ تاکہ اگر قحط پڑے تو قحط زدہ لوگوں کو وہ غلہ مفت دیا جاوے اور کچھ وعظ بھی سنایا جائے۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ اتوار کے دن پادری صاحبان کا خیرات خانہ کھلتا ہے اور بہت سے مسکین اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مناسب وقت کچھ کچھ وعظ کے طور پر ان کو سنا کر پھر پیسے ٹکے ان کو دئے جاتے ہیں۔ بہت سی ایسی مسول نے جو پادری کا منصب رکھتی ہیں دونوں وقت لوگوں کے گھروں میں پھرنا اختیار کر رکھا ہے اور اشتراؤں کی لڑکیوں کو سینا پر ونا اور کئی قسم کا سونے کا کام سکھلاتی ہیں اور رہزنی کے لئے آلہ نقب بھی بغل میں ہوتا ہے موقع پر وہ حربہ بھی چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی جو ان لڑکیاں اچھے اچھے خاندانوں کی سید اور شیخ اور مغل اور نوابوں اور شہزادوں کی اولاد کہلا کر پھر مس صاحبوں کی کوششوں سے عیسائی جماعت میں جا چکی ہیں۔ اور جن مستورہ اور شریفہ عورتوں نے کبھی مدت العمر غیب آدمی کی شکل بھی نہ دیکھی تھی اب وہ عیسائی ہو کر نامحرموں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھرتی ہیں۔ پاک محبت کے خیال سے نامحرم اگر بوسہ بھی لے لیں تو کچھ برا نہیں سمجھا جاتا۔ اور یا تو انہوں نے کبھی شراب کا نام بھی نہ سنا تھا اور یا اس خبیث عرق کی دن رات مشق ہو رہی ہے اور برانڈی شیریں ہسکی روم پلوٹ وائن وغیرہ شرابوں کے نام نوک زبان ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا لواوارث بچے مسلمانوں کے ان لوگوں کے قبضہ میں آکر اور ان تبلیغات کی تعلیم پا کر اب بچے دشمن

اسلام کے نظر آتے ہیں کیا کوئی فتنہ اندازی کا کام خیال میں آسکتا ہے جو ان لوگوں نے نہیں کیا۔ کیا دین اسلام کے مٹانے والی تدبیریں کوئی ایسی بھی باقی رہ گئی ہیں جو ان کے ہاتھ سے ظہور میں نہیں آئیں۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ جس حالت میں دنیا کی ابتداء سے آج تک تلیس کے تمام کاموں میں دجال کے تمام طریقوں میں انہیں لوگوں کا نمبر سب سے اول معلوم ہوتا ہے اور اس قسم کی وبا کے پھیلانے میں دنیا کے صفحہ میں اول سے آج کے دن تک کوئی نظیر ان کی معلوم نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی زہرناک تاثیروں نے بعض لوگوں کو تو پورے طور پر ہلاک کر دیا ہے۔ اور بعض کا مفلوج کی طرح نصف حصہ بیکار کر دیا ہے اور بعض کے خون میں جذامیوں کی طرح فساد ڈال دیا ہے۔ جن کے چہروں پر بڑے بڑے داغ جذام کے نظر آتے ہیں اور بعض کی آنکھوں پر ایسا ہاتھ پھیر دیا ہے کہ اب ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور لو کرستانوں کی ذریت کے پھیلنے کی وجہ سے مادرزاد اندھوں کی بھی جماعت بڑھتی جاتی ہے اور کروڑ ہا تیرہ طبع لوگوں میں ناپاک روحیں شور کر رہی ہیں۔ غرض اس وبا پھیلانے والی ہوا کی وجہ سے ایسا زمانہ آگیا ہے کہ کروڑ ہا جذامی اور کروڑ ہا مادرزاد اندھے اور کروڑ ہا مفلوج اور کروڑ ہا مردوں کی لاشیں سڑی گئی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ اب پھر میں کہتا ہوں کہ کیا ان کیلئے کوئی مسیح ابن مریم مہی اموات نہیں آنا چاہیے تھا جس حالت میں ایسا مسیح دجال آگیا تو کیا مسیح ابن مریم نہ آتا؟

اب یہ شبہات پیش کئے جلتے ہیں کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہو گا اور یا ہوج مابوج اسی زمانہ میں ظہور کریں گے اور دابۃ الارض بھی آئے گا اور دخان بھی۔ اور طلوع شمس مغرب کی طرف سے ہو گا اور امام محمد مہدی بھی اس وقت ظہور کرے گا اور دجال کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہو گا اور زمین کے خزانے بھی اس کے ساتھ ہوں گے اور ایک پہاڑ روٹیوں کا بھی ساتھ ہو گا۔ اور ایک گدھا بھی ہو گا اور دجال اپنے شعبدے دکھائے گا اور آسمان اور زمین دونوں اس کے حکم میں ہوں گے۔ جس قوم پر چلے بارش نازل کرے

اور جس قوم کو چاہے خشک سالی سے ہلاک کر دے۔ اور انہیں دلوں میں قویں یا جوج اور جوج کی ترقی پر ہوں گی اور زمین کو دہاتی چلی جاویں گی اور ہریک بلند زمین سے دوڑے گی اور دجال ایک جسم آدمی سرخ رنگ ہوگا۔ یہ تمام علامتیں اب کہاں پائی جاتی ہیں۔ ان شبہات کا ازالہ اس طرح پر ہے کہ یک چشم سے مراد درحقیقت یک چشم نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے من کان فی ہذہ اعنی فہو فی الآخرۃ اعنی کیا اس جگہ نابینائی سے مراد جسمانی نابینائی ہے بلکہ روحانی نابینائی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دجال میں دینی عقل نہیں ہوگی اور گو دنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی اور ایسی حکمتیں ایجا کرے گا اور ایسے عجیب کام دکھائیگا کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن دین کی آنکھ بالکل نہیں ہوگی۔ جیسے آج کل یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا حال ہے کہ دنیا کی تدبیروں کا انہوں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اور حدیث میں جو کائناتی کالفظ موجود ہے وہ بھی دلالت کر رہا ہے جو یہ ایک شیخی امر اور لائق تعبیر ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۵۲

اور یا جوج یا جوج کی نسبت تو فیصلہ ہو چکا ہے جو یہ دنیا کی دو بلند اقبال قویں میں جن میں سے ایک انگریز اور دوسرے روس ہیں۔ یہ دونوں قویں بلندی سے نیچے کی طرف حملہ کر رہی ہیں یعنی اپنی خداداد طاقتوں کے ساتھ فتیاب ہوتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی بدچلنیوں نے مسلمانوں کو نیچے گرا دیا۔ اور ان کی تہذیب اور متانت شعاری اور ہمت اور اولوالعزمی اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں نے بحکم و مصلحت قادر مطلق ان کو اقبال سے دیا۔ ان دونوں قویوں کا بائبل میں بھی ذکر ہے۔

اور دابة الارض سے مراد کوئی لایعقل جانور نہیں بلکہ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ آدمی کا نام ہی دابة الارض ہے۔ اور اس کے لفظ دابة الارض سے ایک ایسا طائفہ انسانوں کا

چھ فوط: آثار القیامہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ دابة الارض آپ ہی ہیں اور آپ نے جواب دیا کہ دابة الارض میں تو کچھ چارپایوں اور کچھ پرندوں کی بھی مشابہت ہوگی۔ مجھ میں وہ کہاں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دابة الارض اسم جنس ہے جس سے ایک طائفہ مراد ہے۔ منہ

مراد ہے جو آسمانی روح اپنے اندر نہیں رکھتے لیکن زمینی علوم و فنون کے ذریعے منکرین اسلام کو جواب کرتے ہیں اور اپنا علم کلام اور طریق مناظرہ تائید دین کی راہ میں خرچ کر کے بجاں و دل خدمت شریعت غرّاء بجالاتے ہیں۔ سو وہ چونکہ درحقیقت زمینی ہیں آسمانی نہیں۔ اور آسمانی روح کامل طور پر اپنے اندر نہیں رکھتے اس لئے دابة الارض کہلاتے ہیں اور چونکہ کامل تزکیہ نہیں رکھتے صورتہ کامل وفاداری۔ اس لئے چہرہ ان کا انسانوں کا ہے مگر بعض اعضاء ان کے بعض دوسرے حیوانات سے مشابہ ہیں۔ اسی طرف اللہ جلّ شانہ اشارہ فرماتا ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُوْنَ۔ یعنی جب ایسے دن آئیں گے جو کفار پر عذاب نازل ہو اور ان کا وقت مقدر قریب آجائے گا تو ہم ایک گروہ دابة الارض کا زمین سے نکالیں گے وہ گروہ متکلمین کا ہو گا جو اسلام کی حمایت میں تمام ادیان باطلہ پر حملہ کرے گا۔ یعنی وہ علماء ظاہر ہوں گے جن کو علم کلام اور فلسفہ میں یرطوبی ہو گا۔ وہ جا بجا اسلام کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے اور اسلام کی سچائیوں کو استدلالی طور پر مشارق مغارب میں پھیلائیں گے اور اس جگہ اخرجنا کا لفظ اس وجہ سے اختیار کیا کہ آخری زمانہ میں ان کا خروج ہو گا نہ حدوث یعنی تخی طور پر یا کم مقدار کے طور پر تو پہلے ہی سے تھوڑے بہت ہر یک زمانہ میں وہ پائے جائیں گے لیکن آخری زمانہ میں کثرت اور نیز اپنے کمال لائق کے ساتھ پیدا ہوں گے اور حمایت اسلام میں جا بجا واعظین کے منصب پر کھڑے ہو جائیں گے اور شمار میں بہت بڑھ جائیں گے۔

واضح ہو کہ یہ خروج کا لفظ قرآنی تشریف میں دوسرے پیرایہ میں یا جوج ماجوج کیلئے بھی آیا ہے اور دھان کے لئے بھی قرآن شریف میں ایسا ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنوں کا ماحصل خروج ہی ہے اور دجال کے لئے بھی حدیثوں میں یہی خروج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو اس لفظ کے استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے تا اس بات کی طرف

اشارہ ہو کہ یہ چیزیں جو آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہوں گی وہ ابتدائی زمانوں میں بکلی معدوم نہیں ہوں گی بلکہ اپنے وجود نوعی یا مثالی کے ساتھ جو آخری وجود کا ہمزگ اور مماثل ہوگا پہلے بھی بعض افسردہ ان کا وجود متحقق ہوگا لیکن وہ وجود ایک ضعیف اور کمزوری اور ناکامی کی حالت میں ہوگا۔ مگر دوسرا وجود جس کو خروج کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں ایک جملاتی حالت ہوگی یعنی پہلے وجود کی طرح ضعیف اور کمزوری نہیں ہوگی اور ایک طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوگا جس کے اظہار کے لئے خروج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں میں یہ خیال چلا آتا ہے کہ مسیح و قبال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے موجود ہے اور پھر ان کے خیالات میں ایسی غلطی پاک گئی کہ کہ اب تک مسیح ابن مریم کی طرح اس کو زندہ سمجھا ہوا ہے۔ جو کسی جزیرہ میں مقید اور جکڑا ہوا ہے اور اس کی جسامت بھی اب تک زندہ ہے جو اس کو خبریں پہنچا رہی ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلط فہمی کر کے کسی مصیبتوں میں پھنس گئے۔ ایسا ہی یہ لوگ یا جوج ماجوج کو بھی جو شخص کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں یعنی بقائے شخصی کے قائل ہیں۔ اب جبکہ و قبال اور اس کی جسامت اور یا جوج ماجوج کے کروڑا آدمی اور دایتر الارض اور بقول بعض ابن صیاد بھی اب تک زندہ ہیں تو حضرت مسیح اگر زندہ نہ ہوں تو ان کی حق تلفی ہے میرے نزدیک بہت سہل طریق ثبوت کا یہ ہے کہ مولوی صاحبان کو شش کر کے کوئی یا جوج ماجوج کا آدمی یا و قبال کی جسامت یا ابن صیاد کو ہی کسی جگہ سے پکڑ کر لے آویں پھر کیا بات ہے سب ملن جائیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی آسمان پر زندہ ہیں اور مفت میں قح ہو جائے گی۔ حضرت! اب ہمت کیجئے کہیں سے و قبال شہر کے جسامت کو ہی پکڑ لیتے جو سلسلہ نہ یارین آخریہ سب زمین پر ہی ہیں۔ انہیں ہم کی حدیث کو مسلم میں پڑھ کر اسی پتہ سے جسامت و قبال کا سراغ لگائیے یا نصیحت و جلال کو ہی جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے بچشم خود دیکھ کر پھر اہل کو کھلائیے۔ بات تو خوب ہے۔ انگریزوں نے نعمت اور

کوشش کر کے نئی دنیا کا سراغ لگا ہی لیا۔ آپ اس ایک ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھائیے شاید ان لوگوں میں سے کسی کا پتہ چلے۔ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد۔ اگر خارے بود گلہ ستہ گردد۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اس میں ہو کہ ان یہودہ خیالات سے باز آجائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی جاندار اس وقت سے سو برس تک زہیں پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر آپ ناحق ان سب جانداروں کو اس زمانہ سے آج تک زندہ خیال کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے۔ اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھائیے جس پر بچہ ہنسی کرے۔ غور کر کے سوچئے کہ یہ کروڑوں انسان جو صد ہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں جواب تک مرنے میں نہیں آئے کس ملک اور کس شہر میں رہتے ہیں۔ تعجب کہ ممورہ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی اور ہاڑوں اور جڑوں کا حال بھی بخوبی معلوم ہو گیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اپنی تفتیش کو کمال تک پہنچا دیا جو ایسی آباویاں جو ابتداء دنیا سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہو گئیں مگر اب تک اس جسامہ اور دجال اور ابن صیاد و مفقود الخبہ اور وابۃ الارض اور بابا جوج ماجوج کے کروڑوں انسانوں کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ سوائے حضرات اہل بیتؑ سمجھو کہ وہ سب جاندار جو انسان کی قسم میں سے تھے اس دنیا سے کوچ کر گئے ہر وہ زمین میں چھپ گئے جو اسلام کی سو برس والی حدیث نے اپنی جلالی سچائی سے موت کا مژہ انہیں چکھا دیا اب ان کی انتظاری آپ کی خام خیالی ہے۔ اب تو اتنا اند کہہ کر ان کو نصحت شدہ سمجھئے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ ظنجان گزرے کہ احادیث نبویہ میں ان کے خروج کا وعدہ ہر اس کے اس صورت میں کیا مضمون ہوں گے۔ سو سنو! اس کے سچے معنی جو اللہ جل شانہ نے میرے پر خا ہر کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ان سب جیس زوں کا آخری زمانہ میں جلالی طور پر صورت ثانیہ میں ظہور مراد ہے۔ مثلاً پہلے دجال کو اس طرح پر دیکھا گیا کہ وہ زنجیروں میں بھڑا ہوا مژور اور ضعیف ہے کسی پر حملہ نہیں کر سکتا مگر اس آخری زمانہ میں عیسائی مشن کا

دجال اسی دجال کے رنگ میں قوت کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور گویا مثالی وطنی وجود کے ساتھ ہی ہے اور جیسا کہ وہ اول زمانہ میں گر جائیں جکڑا ہوا نظرسہ آیا تھا اب وہ اس بند کے مخلصی پاکر عیسائیت کے گر جائے ہی نکلا ہے اور دنیا میں ایک آفت برپا کر رہا ہے۔

ایسا ہی یا جوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی یعنی اپنی جلی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی جیسا کہ سورہ کف میں فرماتا ہے و تو کنا بعضہم یومئذ یموج فی بعض یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی اور جس کو خدا تعالیٰ چاہے فتح دے گا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں اس لئے ہر ایک مسعود و قسند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اُس وقت انگریزوں کی فتح ہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے۔ جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکریہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں۔ کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور بارہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پاسکتے۔ ہرگز نہیں پاسکتے۔

ایسا ہی دابة الارض یعنی وہ علماء و واعظین جو آسمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتے ابتداء سے چلے آتے ہیں۔ لیکن قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی حدیث زیادہ کثرت ہوگی اور ان کے خروج سے مراد وہی ان کی کثرت ہے۔

اور یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسی ان چیزوں کے بارے میں جو آسمانی قوت

اپنے اندر نہیں رکھتیں اور آخری زمانہ میں دوسرے جوش اور طاقت کے ساتھ ظہور کریں گی۔
خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی اُس شخص کے بارے میں جو حدیثوں میں لکھا ہے
کہ آسمانی وحی اور قوت کے ساتھ ظہور کرے گا نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو ان دونوں
لفظوں خروج اور نزول میں درحقیقت ایک ہی امر مد نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی اس بات کا سمجھنا
منظور ہے کہ یہ ساری چیزیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والی ہیں یا اعتبار اپنی قوت
ظہور کے خروج اور نزول کی صفت سے متصف کی گئی ہیں جو آسمانی قوت کے ساتھ آنے والا
تھا اس کو نزول لے لفظ سے یاد کیا گیا۔ اور جو زمینی قوت کے ساتھ نکلنے والا تھا اس کو
خروج کے لفظ کے ساتھ بکارا گیا۔ تا نزول کے لفظ سے آنے والے کی ایک عظمت سمجھی
جائے اور خروج کے لفظ سے ایک خفت اور حقارت ثابت ہو اور نیز یہ بھی معلوم
ہو کہ نازل خارج پر غالب ہے۔

ایسا ہی دُخان جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے کچھ آخری زمانہ سے ہی خاص نہیں ہے
بلکہ آخری زمانہ میں جو ہمارا زمانہ ہے اس کا تین اور کھلے کھلے طور پر ظہور ہوا ہے جیسا کہ
اللہ جل شانہ فرماتا ہے خمر۔ وَالْيَكْنُبِ الْمَيْمِينِ اِنَّا نَكْنُزْنٰهُ فِيْ يَلْبِطَةٍ مُّبَارَكَةٍ
اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يَفْرُقُ كُلُّ اَمْرٍ حَاجِعِيْمٍ اَمَّا اَمِنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُوَسِّلِيْنَ
رَحْمَةً مِّنْ مَّرْجِكٍ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِنْ كُنْتُمْ مُّوَقِّنِيْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ حَيٌّ وَيَمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَآءِكُمْ لَا وِلٰيِيْنَ
بَلْ هُمْ فِيْ شَلٰكٍ يَلْعَبُوْنَ فَاَرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشٰى
النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ^{۱۱۲} سُوْرَةُ النَّازِعَاتِ
یعنی اس روشن اور کھلی کھلی کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس قرآنِ کیم کو ایک مبارک رات میں
اُتارا ہے کیونکہ ہمیں منظور تھا کہ ناسرمانی کے نتائج سے ڈراویں۔ وہ رات ایک ایسی بابرکت
رات ہے کہ تمام حکمت کی باتیں اس میں کھولی جاتی ہیں اور ایسا ہی ہم نے چاہا ہے اور تیرے

رب نے رحمت کی راہ سے ایسا ہی ارادہ کیا ہے کہ کل معارف و دقائق الہیہ کا تیری بعثت مبارکہ پہ ہی خاتمہ ہو اور وہی کلام کل معارف حکمیہ کا جامع ہو جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اس برکت والی رات سے مراد ایک تو وہی معنی ہیں جو مشہور ہیں اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی رات ہے اور اس کا دامن قیامت کے کون تک پھیلا ہوا ہے اور آیت فیہا یفرق کل امر حکیم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام زمانہ جو قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کے تحت بین فیوض تشرآن کریم سے بہت فائدہ اٹھائے گا اور وہ تمام معارف الہیہ جو دنیا میں مخفی چلے آتے تھے اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے ہیں اور نیز آیت فیہا یفرق کل امر حکیم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ بابرکت کے خواص میں سے یہ بھی ہو گا کہ معاش اور معاد کے کل علوم حکمیہ اپنے اعلیٰ درجہ کے کمالات کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے اور کوئی امر حکمت ایسا نہیں رہے گا جس کی تفصیل نہ کی جائے۔ پھر آگے فرمایا کہ خدا وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اُنسی نے پیدا کیا۔ تا تم اُسی صالح تحقیقی پر یقین لاؤ اور شک کرنے کی کوئی وجہ نہ رہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا جو تمہارا رب ہے اور تمہارے اُن باپ دادا کا رب جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ بلکہ وہ تو شکوک و شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان دلائل کی طرف انہیں کہاں نظر ہے پس تو اُس دن کا امیدوار رہ جس دن آسمان لٹک کھلا کھلا دھواں لائے گا جس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ عذاب دردناک ہے اور کہیں گے اے ہمارے خدا یہ عذاب ہم سے اٹھا ہم ایمان لائے۔ اس جگہ دُخان سے مراد قحط عظیم و شدید ہے جو سات برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مُردے اور ہڈیاں کھائی تھیں جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں مفصل اس کا بیان ہے۔ لیکن آخری زمانہ کے لئے بھی جو ہم اس زمانہ ہے

اس دخان مبین کا وعدہ تھا اس طرح ہر کہ قبل از ظہور مسیح نسلت درجہ کی شدت سے اس کا ظہور ہوگا۔ اب سمجھنا چاہیے کہ یہ آخری زمانہ کا قحط جسمانی اور روحانی دونوں طور سے وقوع میں آیا۔ جسمانی طور سے اس طرح کہ اگر اب سے پچاس برس گذشتہ پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوگا کہ جیسے اب غلہ اور ہر یک چیز کا نرخ عالم طور پر ہمیشہ کم رہتا ہے اس کی نظیر پہلے زمانوں میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ کبھی خواب و خیال کی طرح چند روز گرائی ٹلے ہوتی تھی اور پھر وہ دن گذر جاتے تھے لیکن اب تو یہ گرائی لازم غیر منفک کی طرح ہے اور قحط کی شدت اندر ہی اندر ایک عالم کو تباہ کر رہی ہے۔

اور روحانی طور پر صداقت اور امانت اور دیانت کا قحط ہو گیا ہے اور مکر اور فریب اور علوم و فنون مظلمہ دخان کی طرح دنیا میں پھیل گئی ہیں اور روز بروز ترقی پر ہیں۔ اس زمانہ کے مفاسد کی صورت پہلے زمانوں کے مفاسد سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانوں میں اکثر نادانی اور اُتیمت رہزن تھی اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے ہمارے زمانہ کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیے عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سو فسطائی قریبوں کے خباثت نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے اور فلسفی مخالطات نے سادہ لوحوں کو طح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے۔ خیالات باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر سے کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ عقل کے رہز دہل کو عقل سے درست کرے اور فلسفہ کے سرگشتوں کو آسمانی فلسفہ کے نور سے راہ پر لاوے سو یہ کامل درجہ کا دخان مبین ہے جو اس زمانہ میں ظہور ہوا ہے۔

ایسا ہی طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا۔ ہم اس پر بہر حال ایمان لاتے ہیں لیکن اس عاجز و بے جو ایک رو یا میں ظہور کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چرٹھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت و کفر و ضلالت میں ہیں آفتابِ حقیقت

سے منور کئے جائیں گے اور انکو اسلام سے حصہ ملے گا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک نمبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان کو اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی۔ اور بہت سے راستہ باز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔ و حقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت و بی بیچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے گو یا خدا تعالیٰ نے دین کی عقل تمام ایشیا کو دے دی اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نیویں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا اور طاقت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر ندرت و الٹا چاہتا ہے۔

اور یاد رہے کہ مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ طلوع اشمس من مغرب ہلکے کوئی اور معنی بھی ہوں میں نے صرف کشف کے ذریعہ سے جو خدا تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے مذکورہ بالا معنی کو بیان کیا ہے۔ اگر کوئی مولوی ٹلا ان الہی مکاشفہ کو الحاد کی طرف مائل کرے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ و ما قلت من عقد نفسی بل اتبع ما کشف

علی واللہ بصیر بحالی و صمیم لمقالی فاتقوا اللہ ایہا العلماء۔
لیکن اگر کوئی اس جگہ یہ سوال کرے کہ جب مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع کرے گا تو جیسا کہ لکھا ہے تو بے کا دروازہ بند ہو جائے گا تو پھر اگر یہی معنی سچ ہیں تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ جو مقبیل ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تو بے کا دروازہ بند ہونے سے یہ مطلب تو نہیں کہ تو بے منظور ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ممالک مغربی کے لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے تب ایک انقلاب عظیم ادیان میں پیدا ہوگا۔ اور جب یہ آفتاب

پورے طور پر ممالک مغربی میں طسوع کرے گا تو وہی لوگ اسلام سے محروم رہ جائیں گے
جن پر دروازہ توبہ کا سند ہے یعنی جن کی فطرتیں بالکل مناسب حال اسلام کے واقعہ
نہیں۔ سو توبہ کا دروازہ بند ہونے کے یہ معنی نہیں کہ لوگ توبہ کریں گے مگر منظور نہیں ہوگی
اور خستوع اور خضوع سے روٹیں گے مگر روکنے جائیں گے کیونکہ یہ اس دنیا میں اس عظیم و کیم
کی شان سے بالکل بعید ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آئے کے علی سخت ہو جائیں گے اور انکو
توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی اور وہی اشرار عین جن پر قیامت آئے گی۔ قتل و تذبذب۔

ایسا ہی ہمدی کے بارہ میں جو بیان کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ پہلے امام محمد ہمدی
آویں اور بعد اس کے ظہور سح ابن مریم کا ہو۔ یہ خیال قلت تذبذب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے
اگر ہمدی کا آنا سح ابن مریم کے زمانہ کے لئے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور سح کے سلسلہ
ظہور میں داخل ہوتا تو دو بزرگ شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد مہدی علیہ السلام صاحب سح بخاری
اور حضرت امام مسلم صاحب سح مسلم اپنے صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے۔ لیکن جس
حالت میں انہوں نے اس زمانہ کا تمام نقشہ کھینچ کر آگے رکھ دیا اور پھر کے طور پر دعوئے
کر کے تبادلا کر فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہو گا۔ لیکن امام محمد ہمدی کا نام تک بھی تو
نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کی رو سے ان
حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو سح کے آئے کے ساتھ ہمدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھہرا رہی ہیں
اور دراصل یہ خیال بالکل فضول اور جعل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو کہ
جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کی کے سح ابن مریم کہنا چاہیئے دنیا میں ظہور
کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے ہمدی کا آنا بھی ضروری ہو۔ کیا وہ خود ہمدی نہیں
ہے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا؟ کیا اُس کے پاس اس قدر
جو اہمات و خزان و اموال معارف و دقائق نہیں ہیں کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں اور اس
قدر ان کا دامن بھر جائے جو قبول کرنے کی جگہ نہ رہے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو اُس وقت

۱۱۵

۱۱۶

دوسرے ہمدی کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ صرف امامین موصوفین کا ہی مذہب نہیں۔ بلکہ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اپنی صحیح میں لکھا ہے لا مہدی الا عیسیٰ یعنی سچر عیسیٰ کے اُس وقت کوئی ہمدی نہ ہو گا۔ اوریوں تو ہمیں اس بات کا افسار ہے کہ پہلے بھی کوئی ہمدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آویں اور ممکن ہے کہ امام محمدؐ کے نام پر بھی کوئی ہمدی ظاہر ہو لیکن جس طرح سے عوام کے خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جانا چنانچہ یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں اکثر طفق یہی رائے ظاہر کرتے آئے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اچھا ہمدی کا حقہ جلنے دو لیکن یہ بار بار حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ مسیح ابن مریم نازل ہو گا۔ ان صریح لفظوں کی کیوں تاویل کی جائے۔ اگر اللہ جل شانہ کے علم اور ارادہ میں ابن مریم سے مراد ابن مریم نہیں تھا تو اس نے لوگوں کو آستہ ان مشکلات میں کیوں ڈالا اور سیدھا کیوں یہ کہہ دیا کہ کوئی شیل مسیح آئے گا۔ بلکہ کون سی ضرورت اس بات کی طرف داعی تھی جو ضرور شیل مسیح آتا کوئی اور نہ آتا۔ اب کھلے کھلے لفظوں سے کیونکر انکار کریں یہ انکار تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اور پردہ اس انکار کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی غلط ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام اوہام باطلہ ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں بغرض آزمائش خلق اللہ ایسے ایسے استعارات کا مستعمل ہونا کوئی انوکھی اور بے اصل بات نہیں اور پہلی کتابوں میں ایسے استعارات کی نظیر موجود ہے فاستلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون علیہ ایلیلہ کے قصہ کو دیکھو جس کو یوحنا کہا گیا ہے جبکہ قرآن کریم نے قطعی اور یقینی طور پر ظاہر کر دیا کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے ہیں تو اب اس سے بڑھ کر ضرورت تاویل کے لئے اور کیا قرینہ ہو گا مثلاً فرض کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مستند خط کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ایک شخص کلکتہ میں رہنے والا عبدالرحمن نام جس کی شہادت کسی مقدمہ کے لئے مؤثر تھی فوت ہو گیا ہے پھر بعد اس کے ہم نے ایک ایسا کاغذ تسکد دیکھا جس پر

ایک شخص عبد الرحمن نام کلکتہ کے رہنے والے کی گواہی تاویخ وفات کے بعد میں بیچ تھی تو کیا ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہی عبد الرحمن جو فوت ہو چکا تھا زندہ ہو کر اپنی گواہی لکھ گیا ہے پس چونکہ اس عبد الرحمن کے زندہ ہو جانے کا ہمارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں تو کیا صرف خدا متعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے ہم کسی ایسی صورت کے مقدمہ میں جو عدالت میں پیش ہے بغیر اس بات کے ثبوت دینے کے کہ درحقیقت وہی عبد الرحمن زندہ ہو کر اپنی گواہی لکھ گیا ہے دُگری کے ہانے کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔

اور وہ دغدغہ کہ کیوں مسیح ابن مریم کے لفظ کو اختیار کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی طرز کا محاورہ ہے جیسے یحییٰ ابن زکریا کے لئے ایلیا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ آخری زمانہ میں کوئی شخص مسیح کی قوت اور مسیح میں پیدا ہو اور وہ اس گروہ کذاب کا مقابلہ کرے جن کی طبیعت اس طبیعت کے مغائر و مخالف واقع ہے۔ سو گروہ کذاب کا نام اُس نے مسیح و جمال رکھا اور حامی حق کا نام مسیح ابن مریم قرار دیا اور اس کو بھی ایک گروہ بنایا جو مسیح ابن مریم کے نام سے سچائی کی فوج کے لئے دنیا کے اخیر تک کوشش کرتا رہے گا۔ سو ضرور تھا کہ یہ آئے والا مسیح ابن مریم کے نام سے ہی آتا۔ کیونکہ جس تاثیرات اشیاء کو مسیح و جمال نے پیدا کرنا چاہے اس تاثیر کے مخالف مسیح ابن مریم کو تاثیر دی گئی ہے جو روح القدس کے ذریعہ سے اس کو ملی ہے سو جو شخص مسیح کے قدم پر وہ تاثیر لے کر آیا اور زہر ناک ہوا کہ مقلد پر جو ہلاک کرتی ہے یا ہلاکت تک پہنچاتی ہے ایک تریاقتی نفس اس کو عطا ہوا۔ اس وجہ سے وہ مسیح ابن مریم کہلایا کیونکہ وہ روحانی طور پر مسیح کے رنگ میں ہو کر آیا۔ مسیح کیونکر آسکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار نہیں اس کو آنے سے روکتی ہے۔ سو اس کا ہر رنگ آیا وہ رسول نہیں مگر رسولوں کے مشابہ ہے اور مثل ہے۔ کیا عام غفلتوں میں کسی حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض گذشتہ رسولوں میں پھر اس اُمت میں آئیں گے جیسا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے عیسائیں آئیں گے اور مثل آئیں گے

جو فطرتاً انبیاء سے بہت اقرب ہیں سو جن کے آنے کا صاف طور پر بلا تعارض وعدہ دیا گیا ہے ان سے منہ منہ پھیرو اور ان کے امام سے بھی شہادت کا فائدہ اٹھاؤ کیونکہ ان کی گواہی اس بات کو کھولتی ہے جو تم اپنی عقلوں سے کھول نہیں سکتے۔ آسانی گواہی کے رد کرنے میں جرأت نہ کرو کیونکہ یہ بھی اسی پاک چشمہ سے نکلی ہے جس سے وحی نبوت نکلی ہے۔ سو یہ وحی کے معنی کی شراح اور صراطِ مستقیم کو دکھلانے والی ہے۔

وصیت الحق

اے ناظرین! اب یہ عاجز اس مضمون کو ختم کر چکا اور اس تمام تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شریعی اور فطری طور پر ہمارے اس امام کی تصدیق یا تکذیب کے لیے کونج ایمریم وفات پا چکا ہے تین راہیں ہیں۔ (۱) قرآن کریم (۲) احادیث و اقوال خلف و خلف اور اہل بیتوں راہوں کے ذریعہ سے ہمارے امام کی تصدیق ہو رہی ہے سب سے سیدھی راہ اور بڑا ذریعہ جو انوارِ یقین اور تواتر سے بھرا ہوا اور ہماری روحانی بھلائی اور ترقی علمی کے لئے کامل رہنا ہے قرآن کریم ہے جو تمام دنیا کے دینی نزاعوں کے فیصلے کرنے کا مکفل ہو کر آیا جو جس کی آیت آیت اور لفظ لفظ ہزار ہا طور کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے اور جس میں بہت سا آپ حیات ہماری زندگی کے لئے بھرا ہوا ہے اور بہت سے نادر اور بیش قیمت جو اہر اپنے اندر مخفی رکھتا ہے جو ہر روز ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یہی ایک عمدہ محکمہ جو جس کے ذریعہ سے ہم راستی اور نادراستی میں فرق کر سکتے ہیں۔ یہی ایک روشن چراغ ہے جو بین سچائی کی راہیں دکھاتا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں کو راہِ راست سے مناسبت اور ایک قسم کا رشتہ ہے ان کا دل قرآن شریف کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور ضلئے کریم نے ان کے دل ہی اس طرح کے بنار کھے ہیں کہ وہ عاشق کی طرح اپنے اس محبوب کی طرف جھکتے ہیں اور بغیر اس کے کسی جگہ

قرار نہیں پکڑتے اور اس سے ایک صاف اور صریح بات سن کر کچھ کسی دوسرے کی نہیں
 سنتے اس کی ہر ایک صداقت کو خوشی سے اور دوڑ کر قبول کر لیتے ہیں اور آخر وہی ہے
 جو موجب اشتراق اور روشنی منیری کا ہو جاتا ہے اور عجیب و غریب انکشافات کا ذریعہ ٹھہرتا
 ہے اور ہر ایک کو حسب استعداد معراج ترقی پر پہنچاتا ہے۔ واستبازول کو قرآن کریم کے
 انوار کے نیچے چلنے کی ہمیشہ حاجت رہی ہے اور جب کبھی کسی حالت جدیدہ زمانہ نے
 اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے ساتھ ٹکرا دیا ہے تو وہ تیسرا اور کارگر مہتیار جو فی الفور کلام
 آیت ہے قرآن کریم ہی ہے۔ ایسا ہی جب کہیں فلسفی خیالات مخالفانہ طور پر شائع ہوتے رہے
 تو اس خبیث پودہ کی بھنگنی آخر قرآن کریم ہی نے کی اور ایسا اسکو حقیر اور ذلیل کر کے دکھلا دیا۔
 کہ ناظرین کے آگے آئینہ رکھ دیا کہ سچا فلسفہ یہ ہے نہ وہ۔ حال کے زمانہ میں
 بھی جب اہل عیسائی و اعظمی نے سر اٹھایا اور بد فہم اور نادان لوگوں کو توحید کے کھینچ کر
 ایک عاجز بندہ کا پرستار بنانا چاہا اور اپنے مخشوش طریق کو سوسطانی تصوروں سے
 آراستہ کر کے ان کے آگے رکھ دیا اور ایک طوفان ملک ہند میں برپا کر دیا۔ آخر قرآن کریم
 ہی تھا جس نے انہیں پسپا کیا کہ اب وہ لوگ کسی باخبر آدمی کو منہ بھی نہیں دکھلا سکتے
 اور ان کے لیے چوڑے غدرات کو یوں الگ کر کے رکھ دیا جس طرح کوئی کاغذ کا تختہ پیٹے۔
 قرآن کریم نے ان کے ایک بڑے بھارے عقیدہ کو جو کفارہ کا عقیدہ تھا ماقبل وہ
 و ما قبل وہ کا ثبوت دے کر معدوم کر دیا۔ اور انسان کی نجات کے لئے وہ طبعی اور
 فطرتی طریقہ بتلایا جو آدم کی پیدائش سے ہر ایک آدمی کی جبلت کو لازم ہے۔ اب وہ لوگ
 اس بات سے تو رہے کہ اپنا پرستار اور بے اثر کفارہ عقائد انسانوں کے سامنے پیش کر سکیں
 یاں یہ ممکن ہے کہ اب جنات کی طرف جن کا وجود انجیل کی رو سے ثابت ہے اس کفارہ کے
 لئے کوئی مشن مجبیں کیونکہ ان کو بھی تو خدا تعالیٰ ہلاکت کے لئے پیدا نہیں کیا مگر مشکل تو یہ ہے
 کہ یہ دروغ بے فروغ اسی حد تک بنایا گیا تھا کہ سچ ابن مریم بنی آدم کے کفارہ کیلئے آیا ہو۔

اور ابن آدم کہلا کر پور آدمی کا مجنس ہو کر اس کو یہ استحقاق بنی نوع کی ہمدردی کا پیدا ہوا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ حجت پیش کی جائے کہ مسیح کا ایک اور بھائی تھا کہ جو ابن آدم نہیں بلکہ ابن جن کہلاتا تھا وہ چنانست کے کفارہ کے لئے مصلوب ہوا تھا مگر پھر بھی انجیل کی رو سے کوئی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔

ایسا ہی قرآن کریم نے ہندوؤں پر بھی بہت سی صداقتیں ظاہر کی ہیں اور وہ قیوم العالمین جس سے وہ بے خبر تھے ان کا انہیں پتہ دیا ہے اگر وہ لوگ اس صداقت کو قبول کرتے تو اس خدا کو دیکھ لیتے جس کی عظمت و قدرت سے وہ غافل ہیں لیکن انہوں نے انگریزوں کے فلسفہ جدیدہ کو دیکھ کر فلسفی بننا چاہا۔ اور سربیک چیسز کے اسباب تلاش کرنا شروع کیا تا قرآن کریم کی حقانی فلسفی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ مگر یہ حرکت ان کے لئے بڑی گشتگی کا موجب ہوئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے اپنے اعتقادات اور اعمال کی نسبت جو وید کی تعلیم کے رو سے ان کے ایمان میں دخل ہیں دوڑے نمونے ظاہر کر دیئے۔ اعتقاد کی نسبت یہ نمونہ کہ خدائے تعالیٰ کی خالقیت کی نسبت انکار کر کے اس کے وجود کے پتہ لگنے کی راہیں اپنے پر بند کریں اور دنیا کے ذرہ ذرہ اور تمام ارواح کو خود بخود اور قدیم اور واجب الوجود سمجھ کر توحید کے اس وقت راز کو چھوڑ دیا جس پر سچی معرفت اور سچا گمان اور سچی مکتی موقوف ہے اور اعمال کی نسبت یہ نمونہ کہ نیوگ کا ایک قابل شرم مسئلہ جو ویدوں میں چھپا ہوا چلا آتا تھا جس کے رو سے ایک شوہر دار عورت کسی آریہ کی اولاد حاصل کرنے کی غرض سے کسی غیر آدمی سے ہم بستر ہو سکتی ہے اپنی کتابوں میں شائع کیا۔ اگر ایسے اعتقاد کو ایک مختص الزمان قانون کی طرح سمجھتے تو شاید اس کی قباحت کسی قدر نرم ہو جاتی مگر اب تو یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے ایک غیر متبدل قانون کی طرح سمجھا گیا ہے جو ویدوں کی طرح انادی چلا آیا اور انادی ہی رہے گا۔ پس یہ قرآن کریم کی مخالفت کی سزا ہے جس کو ہم

انشاء اللہ تقدیر برائین احمیہ کے حصص باقیہ میں تبصریح و تفصیل بیان کریں گے سو اسی قرآن کریم نے حضرت مسیح کی وفات کے منکرین کو ایسی زکوی ہے کہ وہ ذرا ٹھہر نہیں سکتے اور اس جنگ میں نا سمجھ لوگوں نے ایسی شکست کھائی ہے کہ اس شکست کی کوفت عمر بھر انہیں نہیں بھولے گی۔ غرض قرآن شریف دھتکتے دے دیکر ان کو اپنے دربار سے باہر نکال رہا ہے۔

اب رہی حدیثیں سو سب سے اول یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے مقابلہ پر حدیثیں کی کیا قدر اور منزلت ہے اور جب قرآن کریم کے نصوص یقینہ سے کوئی حدیث مخالف پڑے تو کہاں تک اس کے اعتبار کو وزن دے سکتے ہیں۔

سو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام آئی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شے تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ و سلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تو اثر اپنے ساتھ رکھتی ہے وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گئے ہوئے ہیں وہ باعث اپنے اہجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ لیکن احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔ جو ان میں صحیح کہلاتی ہیں ان کا اتنا بھی مرتبہ نہیں ہو سکتا کہ آیت کے مقابلہ پر ایک کروڑ ان میں سے وہ رنگ اور شان پیدا کر سکے جو اللہ تعالیٰ کی بے مثل کلام کو حاصل ہے لہذا حدیث صحیح بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر متصل ثابت ہو ایک قسم کی وحی ہے مگر وہ ایسی تو نہیں جو قائم مقام قرآن شریف ہو سکے اسی وجہ سے قرآن شریف کی جگہ صرف حدیث پڑھ کر نماز نہیں ہو سکتی۔ حدیثوں میں ضعف کی وجہ سے اس قدر ہیں کہ ایک دانا آدمی ان پر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ان کو تقویت دینے کے لئے کم سے کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔ یہ سچ ہے کہ حدیثیں صحابہ کی زبان سے توسط کئی راویوں کے مؤلفین صحاح تک پہنچی ہیں اور یہ بھی سچ ہے

کہ جہاں تک ممکن ہے تو اہلین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوششیں کی
 ہیں مگر پھر بھی ان پر وہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ جل شانہ کی کلام پر کیا جاتا ہو
 کیونکہ وہ کئی واسطوں سے اور معمولی انسانوں کے ہاتھوں سے دست مال ہو کر ائمہ حدیث
 کو ملی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث کا راوی عسمر رضی اللہ عنہ ہے جو خلیفہ رسول اللہ اور یس اشفاق
 ہے جو کچھ سلت راوی و درمیان میں ایسے ہیں جو ان کا تزکیہ نفس اور کمال طہارت ثابت
 نہیں اور ان کی راستبازی اور خدا ترسی اور دیانت گوئیں سب سے نظر سے بظہور حسن ظن تسلیم
 کی گئی ہو مگر با کھشافت تام کچھ ثابت نہیں سو وہ کیونکر راستبازی میں حضرت عسمر کے
 قاتل مقام سمجھے جائیں گے اور کیوں جائز نہیں کہ انہوں نے عمدایا سو ابض احادیث کی
 تسلیغ میں خطا کی ہو۔ اسی نظر سے بعض ائمہ نے احادیث کی طرف توجہ کم کی ہے جیسا کہ
 امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ جن کو اصحاب الرائے میں سے خیال کیا گیا ہے اور ان کے جہدات
 کو بواسطہ وقت معانی احادیث میچھ کے برخلاف سمجھا گیا ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ
 امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور روایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ
 باقیہ سے افضل و اعلیٰ تھے اور ان کی خدا داد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت حدیث
 میں غبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص
 دستگاہ تھی اور ان کی فطرت کو کلام الہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ
 درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد و استنباط میں ان کے لئے وہ درجہ علیا مسلم
 تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ اس زیرک اور ربانی امام
 نے کیسی ایک آیت کے ایک اشارہ کی عزت اعلیٰ و ارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اس کے
 مخالف تھیں روئی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا اور حملہ کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا مگر افسوس
 کہ آج وہ زمانہ ہے کہ بے سرو پا اقوال قرآن شریف پر مقدم سمجھے جلتے ہیں اور ایک
 بے اصل لکیر کو اجماع کی صورت میں خیال کیا جاتا ہے اور اگرچہ قرآن کریم کی نصوص میں بیہ

کے سامنے حدیثوں کا ذکر کرنا ایسا ہے کہ جیسا آفتاب کے مقابل پر کرم شب تاب کو پیش کیا جائے۔ مگر پھر بھی ہمارے مخالفین کی سخت بے نصیبی ہے کہ اس قسم کی حدیثیں بھی تو نہیں ملتیں جن سے یہ ثابت ہو کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام اسی جسم خاکی منصری کے ساتھ آسمان کی طرف زندہ اٹھایا گیا۔ ہاں اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں کہ ابن مریم آئے گا مگر یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ وہی ابن مریم اسرائیلی نبی جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جس کو قرآن شریف ماریچکا ہے وہی زندہ ہو کر پھر آجائے گا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے بلکہ خبر دی گئی ہے کہ اے امتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تمہارا امام ہوگا اور نہ صرف قلی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلادیا کہ وہ امتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ وقال الرسول کا بیرو ہوگا اور حل مغلقات و معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامر کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اُس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تامر کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتییت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامر تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگیں ہوتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔ اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب اسرائیلی نبی مسیح ابن مریم فوت ہو چکا اور پھر اس کے زندہ ہو جانے کا کہیں قرآن شریف میں ذکر نہیں تو ہجر اس کے اور کیا سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ آنے والا ابن مریم اور ہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ مسیح ابن مریم کو زندہ کر کے

۵۲۸

۵۲۹

سمجھ دے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صرف قدرت کو دیکھنا ہے اور نصوص قرآنیہ سے کچھ غرض نہیں
 تو ظاہر ہے کہ قدرت خدا تعالیٰ کی دونوں طور سے متعلق ہے چاہے تو زندہ کر کے بھیجے
 اور چاہے تو ہرگز زندہ نہ کرے اور نہ دنیا میں بھیجے۔ اور دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ ان
 دونوں طور کی قدرتوں میں سے اس کے منشاء کے موافق کو کسی قدرت ہے۔ سواوتے
 سوچ سے ظاہر ہوگا کہ یہ قدرت کہ جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر خواہ مخواہ دو موتیں کا عذاب
 اس پر نازل کرے ہرگز اس کے منشاء کے موافق نہیں جیسا کہ وہ خود اس بارہ میں فرماتا
 ہے۔ فی مسلك التقى قضی علیہا الموت یعنی جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر اس کو دنیا
 میں نہیں بھیجے گا اور جیسا کہ صرف ایک موت کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے لایذوقون
 فیہا الموت الا الموتۃ الاولى۔ سو یہ بات اس کے سچے وعدہ کے برخلاف ہو کہ مردوں
 کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دیوے۔ اور کیونکہ ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور
 نبی اسی مفہوم تام اور کمال کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا۔ کیا یہ
 ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم ہجو وحی اور نزول جبرئیل ہے اس کے
 وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے
 احکام و عقائد میں جبرئیل کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو
 برس سے ہر لگ گئی ہے کیا یہ ہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کو کہ مسیح ابن مریم
 نبوت تامہ سے محض کر کے بھیجا جائے گا تو اس سزا کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیئے۔
 بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے استحقاق معبود قرار دیا گیا تھا سو خدا تعالیٰ
 نے چاہا کہ اس کی سزا میں نبوت سے اس کو الگ کر دیا جائے اور وہ زمین پر گرد و سروں
 کے پیرو بنیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں اور امام اعظم کی طرح صرف اجتہاد و کام لیں
 اور حنفی الطریق ہو کر حنفی مذہب کی تائید کریں۔ لیکن یہ جواب معقول نہیں ہے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم
 میں اس الزام سے ان کو بری کر دیا ہے اور ان کی نبوت کو ایک وحی نبوت قرار دیا ہے۔

صحابو! کیوں کھیلے بن کر یہودہ باتیں کرتے ہو اور ناحق اپنے ذمہ گناہ لیتے ہو۔
خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اس مسیح ابن مریم کو مار چکا ہوا اسرائیلی نبی تھا جس پر انجیل نازل
ہوئی تھی۔ اب یہ نفظ اپنے گھر سے حدیثوں میں زیادہ مت کرو کہ وہی مسیح فوت شدہ پھر آئیگا۔
اے خدا کے بندو کچھ تو خدا سے ڈرو۔ کیا خدا تعالیٰ آپ کے نزدیک اس بات پر قادر نہیں
کہ وہ اپنے ایک بندہ میں ایک ایسی روح ڈال دے جس سے وہ ابن مریم کے روپ میں ہی ہو جائے
کیا اس کی مثالیں خدا تعالیٰ کی کتابوں میں نہیں کہ اس نے ایک نبی کا نام دوسرے پر رکھ دیا
کیا حدیثوں میں یہ مذکور نہیں کہ شیل ابن مریم وغیرہ اس اُمت میں پیدا ہوں گے تو پھر
جب قرآن مسیح ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں شیل ابن مریم کے آنے کا وعدہ دیتی ہیں
تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔ کیا اس میں کچھ جھوٹ ہے کہ جو ابن مریم کی سیرت رکھتا
ہے وہ ابن مریم ہی ہے۔

۴۲۳

در آں ابن مریم خدائی نمود	ز موت ز فو تشس رہائی نمود
رہا کرد خود را ز شرک و دوتی	تو ہم کن چنیں ابن مریم توئی

اے مولوی صاحبان فضولی کو چھوڑو اور مجھے کوئی ایک ہی حدیث ایسی دکھاؤ کہ جو
صحیح ہو اور جو مسیح کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ ٹھایا جانا اور اب تک آسمان پر زندہ ہونا ثابت
کرتی ہو اور تو اتر کی حد تک پہنچی ہو اور اس مقدار ثبوت تک پہنچ گئی ہو جو عند ائمتل مفید یقین قطعی
ہو جائے اور صرف شک کی حد تک محدود نہ رہے آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام آیات یتنہ
کیسی مفید یقین ہیں۔ اب جبکہ ہمارا دعویٰ یہی بنصوص یتنہ قرآنیہ ہی اور انکی تائید میں صحیح حدیثیں بھی
ہمارے پاس ہیں اور ایسا ہی اقوال سلف و خلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں اور الہامی شہادتیں اس کے
انصاف کے ترازو لے کر بیٹھ جاؤ اور ایک پلہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے پلہ میں
ہماری یہ سب وجوہات۔ اور آپ ہی انصاف کرو۔ خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف
نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان

ظاہر ہے سب سے

نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نور علی نور ہے جس سے علم و انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو حدیثیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت کے برخلاف ہوں گی تو اگر ہم ان کو غلط نہ کہیں اور نہ ان کو موضوع نام رکھیں تو زیادہ سے زیادہ نرمی ہماری ان حدیثوں کی نسبت یہ ہوگی کہ ہم ان کی تاویل کریں۔ ورنہ حق ہمارا تو یہی ہے کہ ان کو قطعی طور پر ساقط الاعتبار سمجھیں۔ بعض یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں موت کوچ کے بارے میں صرف توفی کا لفظ موجود ہے مگر لغت میں یہ لفظ کئی معنوں پر آیا ہے۔ سو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ کلام تو اس بات میں ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں پر آیا ہے یا ایک معنی پر۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے بعض الفاظ لغت سے لے کر اصطلاحی طور پر ایک معنی کے لئے خاص کر دیئے ہیں۔ جیسے صوم صلوٰۃ رحمانیت رحیمیت توفی۔ اور ایسا ہی اللہ کا لفظ۔ اور کئی اور الفاظ۔ سو اصطلاحی امر میں لغت کی طرف رجوع کرنا حماقت ہے۔ قرآن شریف کی قرآن شریف سے ہی تفسیر کرو۔ اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی کا التزام رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے۔ اور اقوال سلف و خلف و تحقیق کوئی مستقل حجت نہیں اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اگر یہ اقوال طب و یا بس تو تفسیروں میں لکھے ہیں کچھ استحکام رکھتے تو ان تفسیروں میں اقوال متضادہ کیوں درج ہوتے۔ اگر ماخذ اجماع کا یہی اقوال متضادہ ہیں تو حقیقت اجماع معلوم شد۔

اب ہم اس وصیت میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف اپنے زبردست ثبوتوں کے ساتھ ہمارے دعوے کا مصدق اور ہمارے مخالفین کے اوہام باطلہ کی بھنگنی کر رہا ہے اور وہ گزشتہ نبیوں کے واپس دیا میں آنے کا دروازہ بند کرتا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے ثیلوں کے آنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ اسی نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اس دعا کا حاصل کیا ہے

یہی تو ہے کہ ہمیں اسے ہمارے خلائقوں اور رسولوں کا ٹھیل بنا۔ اور پھر حضرت یحییٰ کے حق میں فرماتا ہے لم نجعل له من قبل سمیاً یعنی یحییٰ سے پہلے ہم نے کوئی اس کا ٹھیل دینا میں نہیں بھیجا جس کو باعتبار ان صفات کے یحییٰ کہا جائے یہ آیت ہماری تصدیق بیان کے لئے اشارۃً انص ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ آیت موصوفہ میں قبل کی شرط لگائی بعد کی نہیں لگائی تا معلوم ہو کہ جسد میں اس سرکاری نبیوں کے ہمناموں کے آنے کا دروازہ کھلا ہے جن کا نام خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی ہوگا جو ان نبیوں کا نام ہوگا جن کے وہ ٹھیل ہیں یعنی جو ٹھیل موسیٰ ہے اس کا نام موسیٰ ہوگا اور جو ٹھیل عیسیٰ ہے اس کا نام عیسیٰ یا ابن مریم ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس آیت میں سہمی کہا ٹھیل نہیں کہا تا معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہے کہ جو شخص کسی سرکاری نبی کا ٹھیل بن کر آئے گا وہ ٹھیل کے نام و نہیں پکارا جائے گا بلکہ انطباق کلی اسی نام سے پکارا جائے گا جس نبی کا وہ ٹھیل بن کر آئے گا۔

۵۵

اور سچ ابن مریم کی وفات کے بارہ میں اگر خدا تعالیٰ قرآن شریف میں کسی ایسے لفظ کو استعمال کرتا جس کو اس نے مختلف معنوں میں استعمال کیا ہوتا تو کسی خائن کو خیانت کرنے کی گنجائش ہوتی۔ سو خیانت پیشہ لوگوں کا خدا تعالیٰ نے ایسا بندوبست کیا کہ توفیق کے لفظ کو جو حضرت عیسیٰ کی وفات کے لئے استعمال کیا گیا تھا چھپیں جگہ پر ایک ہی معنی پر استعمال کیا اور اس کو ایک اصطلاحی لفظ بنا کر ہر ایک جگہ میں اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم کو بے کار چھوڑ دینا۔ تاہم لفظ اس بات پر دلالت کرے کہ روح ایک باقی رہنے والی چیز ہے جو بعد موت اور ایسا ہی حالت خواب میں بھی خدا تعالیٰ کے قبضہ میں آجاتی ہے اور جسم پر فطاری ہوتی ہے مگر روح پر نہیں۔ اور چونکہ یہی حنی بالالتزام ہر ایک محل میں جہاں توفی کا لفظ آیا ہے لئے گئے اور ان سے خروج نہیں کیا گیا اس لئے یہ معنی فصوص صریحہ بینۃ قلوبہ قرآن کریم میں سے ٹھہر گئے جن سے انحراف کرنا الحاد ہوگا کیونکہ یہ مسلم ہے کہ النصوص یحمل علی ظواہرہا۔ پس قرآن کریم نے توفی

۵۴

کے لفظ کو محل تنازعہ فیہ میں یعنی کس کی وفات کے متعلق ہے تینیس جگہ ایک ہی معنوں پر اطلاق کر کے ایسا کھول دیا ہے کہ اب اس کے ان معنوں میں کہ روح قبض کرنا اور جسم کو چھوڑ دینا ہے ایک ذرہ شک و شبہ کی جگہ نہیں رہی۔ بلکہ یہ اول درجہ کے بینات اور مطالب صریحہ ظاہرہ بدیہہ میں سے ہو گیا جس کو قطع اور یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے جس سے انکار کرنا بھی اول درجہ کی نادانی ہے۔

اب قرآن کریم میں اس لفظ کی تشریح کرنے میں صرف دو سبیل ہیں تیسرا کوئی سبیل نہیں (۱) دائمی طور پر روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں امانت نام ہے یعنی مار دینا۔

(۲) دوسرے کچھ تھوڑی مدت کے لئے روح کا قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں امانت نام ہے یعنی سلا دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ محل تنازعہ فیہ سے دوسرے قسم کے معنی کو کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ سونا اور پھر جاگ اٹھنا ایک معمول بات ہے۔ جب تک انسان سویا رہا روح اس کی خدایت حاصل کے قبضہ میں رہی اور جب جاگ اٹھا تو پھر روح اس جسم میں آگئی جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔ یہ بات صفائی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جبکہ توفی کے لفظ سے صرف روح کا قبضہ میں کر لینا مراد ہے بغیر اس کے جو جسم کو سوا کر ہو بلکہ جسم کا بیکار چھوڑ دینا توفی کے مفہوم میں داخل ہے تو اس صورت میں اس ہی بڑھ کر اور کوئی حاققت نہیں کہ توفی کے یہ معنی کئے جاویں کہ خدا تعالیٰ جسم کو اپنے قبضہ میں کر لے گا کیونکہ اگر یہ معنی صحیح ہیں تو نمونہ کے طور پر قرآن کریم کے کسی اور مقام میں بھی ایسے معنی ہونے چاہئیں۔ مگر ابھی ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ قرآن کریم اہل سے آخر تک صرف یہی معنی ہر یک جگہ مراد لیتا ہے کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم سے کچھ تعلق نہ رکھنا بلکہ اس کو بیکار چھوڑ دینا۔ مگر فرض کے طور پر اگر مسیح ابن مریم کے محل وفات میں دوسرے معنی مراد لیں تو ان کا حاصل یہ ہو گا کہ مسیح کچھ مدت تک سویا رہا اور پھر جاگ اٹھا پس اس سے تو

ثابت نہ ہو سکا کہ جسم آسمان پر چسلا گیا۔ کیا جو لوگ رات کو یادوں کو سوتے ہیں تو ان کا جسم آسمان پر چلا جایا کرتا ہے۔ سونے کی حالت میں جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں صرف تھوڑی مدت تک روح قبض کر لی جاتی ہے جسم کے اٹھائے جانے سے اس کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ نصوص ظاہر و متواترہ صریح قرآن کریم نے توفی کے لفظ کو صرف روح تک محدود رکھا ہے یعنی روح کو اپنے قبضہ میں کر لینا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر توفی کے لفظ سے یہ نکالنا کہ گویا خدا تعالیٰ نے نہ صرف صبح ان کریم کی روح کو اپنی طرف اٹھایا بلکہ اس کے جسم غصری کو بھی ساتھ ہی اٹھالیا۔ یہ کیسا سخت جمالت سے بھرا ہوا خیال ہے جو صریح اور بدیہی طور پر نصوص قیمہ قرآن کریم کے مخالف ہے۔ قرآن کریم نے نہ ایک بار نہ دو بار بلکہ پچیس بار فرمادیا کہ توفی کے لفظ سے صرف قبض روح مراد ہے جسم سے کچھ غرض نہیں۔ پھر اگر اب بھی کوئی نہ مانے تو اس کو قرآن کریم سے کیا غرض۔ اس کو توصاف یہ کہنا چاہیے کہ میں اپنے چند مہموہی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔

پھر قرآن کریم کے بعد حدیثوں کا مرتبہ ہے سو تقریباً تمام حدیثیں تصریح کے ساتھ قرآن کریم کے بیان کے موافق ہیں اور ایک بھی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ وہی مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی جس کو قرآن شریف مار چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی پھر دنیا میں آئے گا۔ ہاں بار بار لکھا ہے کہ ان اسرائیلی نبیوں کے ہمنام آئیں گے۔ سچ ہے کہ حدیثوں میں درج ہے کہ ابن مریم آئے گا لیکن انہیں حدیثوں نے علیہ میں اختلاف ڈال کر اور آنے والے ابن مریم کو امتی ٹھہرا کر صاف بتلا دیا ہے کہ یہ ابن مریم اور ہے اور پھر اگر اس قسم کی حدیثوں کی تشریح کے لئے جو متنازعہ فیہ ہیں دوسری حدیثوں سے مدد لینا چاہیں تو پھر کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ گذشتہ نبیوں میں سے کبھی کوئی نبی بھی دنیا میں آئے گا۔ ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مثیل آئیں گے اور

انہیں کے اسم سے موسوم ہوں گے۔

اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔

۵۵

اس جگہ یہ بیان کرنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ جس حالت میں تقریباً کل حدیثیں قرآن شریف کے مطابق اور جہاں سے بیان کی ہوئیں ہیں۔ پھر اگر بطور شاهد نادر کوئی ایسی حدیث بھی ہو تو اس مجموعہ یقینیہ کے مخالف ہو تو ہم ایسی حدیث کو یا تو نصوص میں سے خارج کرینگے اور یا اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ ایک ضعیف اور شاذ حدیث سے وہ مستحکم عمارت گرا دی جائے جس کو نصوص یقینہ فرقتانہ و حدیثہ نے طیار کیا ہے بلکہ ایسی حدیث ان کے معارض ہو کر خود ہی گرے گی یا قابل تاویل ٹھہرے گی۔ ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ایک خبر و احادیث کا مفید قلن ہے۔ سو وہ یقینی اور قطعی ثبوت کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بہت سی حدیثیں مسلم اور بخاری کی ہیں جو امام اعظم صاحب نے جوئیس الاممہ میں قبول نہیں کیں۔ بعض حدیثوں کو شافعی نے نہیں لیا۔ بعض حدیثوں کو جوہر مسیح بھی جاتی ہیں امام مالک نے چھوڑ دیا۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو اکثر استدلال اس کا قرآن شریف سے ہو گا اور بعض ایسی حدیثوں کو چھوڑ دینگا جن پر علمائے وقت کا پختہ یقین ہو گا اور مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی مجلس ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم میں لکھتے ہیں کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو علمائے وقت کے بمقابل اس کے آمادہ مخالفت کے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو باتیں بذریعہ اپنے استنباط اور اجتہاد کے وہ بیان کریگا وہ اکثر و قریب اور خامض ہوں گی اور بوجہ وقت اور غموض ماضی کے ان سب مولویوں کی نگاہ میں کتب اور سنت کے برخلاف نظر آئیں گی حالانکہ درحقیقت برخلاف

۵۶

نہیں ہوں گی۔ دیکھو صفحہ نمبر ۱۰ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔

سواب اے بھائیو! برائے خدا وہ کہ اور زبردستی مت کرو ضرور تھا کہ میں ایسی باتیں پیش کرتا جن کے سمجھنے میں تمہیں غلطی لگی ہوئی تھی۔ اگر تم پہلے ہی راہِ ثواب پر ہوتے تو میرے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس اُمت کی اصلاح کے لئے ابنِ مریم جو کہ آیا ہوں اور ایسا ہی آیا ہوں کہ جیسے کہ حضرت مسیح ابنِ مریم یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ میں اسی وجہ سے تو اُن کا شیل ہوں کہ مجھے وہی اور اسی طرز کا کام سپرد ہوا ہے جیسا کہ انہیں سپرد ہوا تھا۔ مسیح نے ظہور فرما کر یہودیوں کو بہت سی غلطیوں اور بے بنیاد خیالات سے رہائی دی تھی۔ منجملہ اس کے ایک یہ بھی تھا کہ یہودی ایلیاہی کے دوبارہ و ^{۱۰۴۵}یسا میں آنے کی ایسی ہی امید باندھے بیٹھے تھے جیسے آج کل مسلمان مسیح ابنِ مریم رسول اللہ کے دوبارہ آنے کی امید باندھے بیٹھے ہیں۔ سوچئے یہ کہ اگر ایلیاہی یا بے آسمان سے اتر نہیں سکتا زکریا کا بیٹا یحییٰ ایلیاہے جس نے قبول کرنا ہے کرے اس پر لانی غلطی کو دور کیا اور یہودیوں کی زبان سے اپنے تئیں طہر اور کتابوں سے پھرا ہوا کہلایا مگر جو سچ تھا وہ ظاہر کر دیا۔ یہی حال اُس کے شیل کا بھی ہوا اور حضرت مسیح کی طرح اس کو بھی طہر کا خطاب دیا گیا۔ کیا یہ اعلیٰ درجہ کی مماثلت نہیں۔

اس باریک نکتہ کو یاد رکھو کہ مسلمانوں کو یہ کیوں خوشخبری دی گئی کہ تم میں مسیح ابنِ مریم نازل ہو گا۔ دراصل اس میں عید یہ ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں اور یہ اُمت محمدیہ مثیلِ اُمتِ دنی اسرائیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ آخری زمانہ میں یہ اُمت ایسی ہی بگڑ جائے گی جیسے یہودی اپنے آخری وقت میں بگڑ گئے تھے اور حقیقی نبی اور حقیقی سچائی اور حقیقی ایمان داری اُن میں سے اٹھ گئی تھی اور نکتے اور بے اصل جھگڑے اُن میں برپا ہو گئے تھے اور ایمانی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی اور فرمایا کہ تم تمام وہی کام کرو گے جو یہودیوں نے کئے۔ یہاں تک

کہ اگر یہودی سو سمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی اُسی سوراخ میں داخل ہو گے یعنی پورے پورے یہودی ہو جاؤ گے۔ اور چونکہ یہودیوں کی اس تباہ حالت میں خدا تعالیٰ نے انہیں فراموش نہیں کیا تھا بلکہ اُن کے اخلاق و اعمال درست کر نیکے لئے اور اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی غرض سے مسیح ابن مریم کو انہیں میں سے بھیجا تھا لہذا اس امت کو بھی بشارت دی گئی کہ جب تمہاری حالت بھی اُن سخت دل یہودیوں کے موافق ہو جائے گی اور تم بھی ظاہر پرست اور بدچلن اور رُبدُنیا ہو جاؤ گے اور تمہارے فقراء اور علماء اور دنیا داروں میں اپنی اپنی طرز پر نگاری اور بدچلنی پھیل جائے گی اور وہ شے جس کا نام توحید اور خدا پرستی اور خدا ترستی اور خدا خواہی ہے بہت ہی کم رہ جائے گی تو مثالی طور پر تمہیں بھی ایک ابن مریم تم میں سے دیا جائے گا تا تمہاری اخلاقی اور علمی اور ایمانی حالت کے درست کرنے کے لئے ایسا ہی زور لگاوے جیسا کہ مسیح ابن مریم نے لگایا تھا۔

اب صاف اور نہایت کھلا کھلا قریب ہے کہ چونکہ اس زمانہ کے مسلمان دراصل یہودی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنی سخت دلی اور دنیا پرستی کی وجہ سے یہودیوں سے ایک مشابہت پیدا کر لی ہے اس لئے جو مسیح ابن مریم اُن کے لئے نازل ہوا وہ بھی دراصل مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ اپنے اس منصبی کام میں جو اس کے سپرد ہوا، مسیح سے مماثلت رکھتا ہے۔

یقیناً سمجھو کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا اور خدا تعالیٰ نے اس کو فوت ہونے کے بعد اُسی قسم کی زندگی بخشی جو ہمیشہ نبیوں اور صدیقیوں اور شہیدوں کو بخشا آیا ہے۔ سو وہ خدا تعالیٰ کی طرف ایک پاک اور لطیف زندگی کے ساتھ جو جسم خاکی اور اُس کے لوازم کثیفہ اور مکدرہ سے مندرہ ہے اُٹھایا گیا اور اُسی قسم کے زندگی کی جماعت میں جا ملا۔ اگر وہ جسم خاکی کے ساتھ اُٹھایا جاتا تو اس میں خاکی جسم کے لوازم بھی اُس کے ساتھ رہتے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ فسر مانتا ہے کہ ہم نے کوئی ایسا جسد خاکی نہیں بنایا کہ وہ زندہ تو ہو مگر روٹی نہ کھاتا ہو۔ لیکن آپ لوگ مانتے ہیں کہ اب مسیح ابن مریم کا جسم

آسمان پر ایسا ہے کہ اُس میں خاکی جسم کے لوازم ہرگز نہیں پائے جاتے۔ وہ بڑھائیں ہوتا
اُس پر زمانہ اثر نہیں کرتا۔ وہ اندک اور پانی کا محتاج نہیں۔ سو آپ نے تو ایک طور سے مان
بھی لیا کہ وہ اور رنگ اور شان کا جسم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ معراج کی رات میں جو
ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر نبیوں کو دیکھا تو کیا بالخصوص مسیح کو ہی جسم
سمیت دیکھا اور دوسروں کی فقط روحیں دیکھیں۔ بلکہ ظاہر ہے کہ سب کو روح اور جسم
دونوں کے ساتھ دیکھا اور سب کا جسمانی حلیہ بھی بیان کیا اور مسیح کا وہ حلیہ بیان کیا جو
آنے والے مسیح سے بالکل مخالف تھا۔ پس کیا یہ قوی دلیل اس بات پر نہیں ہے کہ مسیح کو
اس کے مرنے کے بعد اُسی رنگ اور طرز کا جسم ملا جو یحییٰ نبی اور آدریس اور یوسف اور
حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کو ملا تھا۔ کیا کوئی زبانی بات مسیح میں دیکھی گئی جو اوروں میں
نہیں تھی۔ اب جبکہ ایسی وضاحت سے مسیح کا وفات پا جانا اور پھر دوسرے نبیوں اور صدیقوں
اور شہیدوں کی طرح زندہ ہو کر آسمان کی طرف اٹھائے جانا ثابت ہوتا ہے تو کیوں ناحق
مسیح کے سفلی اور کثیف جسم اور ناپائدار حیات کے لئے ضد کی جاتی ہے اور سب کیلئے
ایک موت اور اس کے لئے دو موتیں روا رکھی جاتی ہیں۔ قرآن شریف میں اولیس نبی کے
حق میں ہے و دفعناہم مکناً علیہ۔ اور اس کے ساتھ قویٰ کا کہیں لفظ نہیں ناہم
علم اور یسٹ کی وفات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اس جہان سے ایسا اٹھایا گیا کہ
پھر نہیں آئے گا یعنی مر گیا۔ کیونکہ بغیر مرنے کے کوئی اس جہان سے ہمیشہ کے لئے
رخصت نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ اس دنیا سے نکلنے اور بہشت میں داخل ہونے کا موت
ہی دروازہ ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ کیا
اور یسٹ آسمان پر مر گیا یا پھر اگر مرے گا یا آسمان پر ہی اس کی روح قبض کی جائے گی
تو اور یسٹ کے دوبارہ دنیا میں آنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ اور چونکہ دخل جنت سے
پہلے موت ایک لازمی امر ہے لہذا اولیس کا فوت ہو جانا مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

رفع کے اس جبکہ معنی موت ہی ہیں۔ پھر جبکہ مسیح کے رفع کے ساتھ توفی کا لفظ بھی موجود ہوتا ہے تو کیوں اور کس دلیل سے اس کی حیات کے لئے ایک شور قیامت برپا کر دیا ہے۔ افسوس کہ اس وقت کے مولوی جب دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم صبح ابن مریم کو مار چکا ہے اور کوئی حدیث صبح اس کے منافی و مغائر نہیں تو لاچار ہو کر اجماع کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہر چند ان لوگوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ حضرات اجماع کا لفظ پیش گوئیوں کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قبل از ظہور ایک نبی کی اجتہادی تاویل میں بھی غلطی ممکن ہے۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اجماع کی بناء یقین اور انکشاف کلی پر ہوا کرتی ہے لیکن سلف و خلف کے ہاتھ میں جن کی طرف اجماع کا دعوئے منسوب کیا جاتا ہے نہ یقین کلی تھا نہ انکشاف تام۔ اگر ان کے خیالات کی بناء ایک کامل یقین پر ہوتی تو ان سے اقوال متفرقہ صادر نہ ہوتے۔ تفسیریں کی کتابوں میں زیر تفسیر کثرت یا عیسیٰ انی متوفی کچھ سات سات اقوال متضادہ نہ لکھے جاتے بلکہ ایک ہی حق مسلم کو مانتے چلے آتے اور اگر انکشاف تام ان کے خصب ہوتا تو بحوالہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ ضرور لکھتے کہ آنے والا صبح ابن مریم در اصل وہی صبح ابن مریم رسول اللہ ہے جس پر تعمیل نازل ہوئی تھی جو اسرائیلی نبی تھا۔ بلکہ انہوں نے اس مقام کی تصریح میں بھی دم نہیں مارا اور اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر کے گزر گئے جیسا کہ صلحاء کی سیرت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جو خدا تعالیٰ نے وہ اصل حقیقت اپنے ایک بندہ پر کھول دی اور جو راز مخفی چھللاتا تھا اس پر ظاہر کر دیا۔ تا اس کے حق میں یہ خلاق عادت تعلیم جس کے دریافت سے تمام علماء کی عقلیں قاصر ہیں ایک کرامت میں شمار کی جائے۔ و فلاک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

سوائے بھائیو! برائے خدا جلدی مت کرو اور اپنے علم اور فراست پر داغ مت لگاتو یقیناً کھوکھو کہ گریز کی تمام راہیں بند ہیں اور انکار کے تمام طریق مسدود ہیں۔ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا یا اگر کسی افتراء پر اس کی بنیاد ہوتی تو یہ دلائل قیہ اس کے

شامل حال ہرگز نہ ہوتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم قبول بھی کر لیں کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے تو اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ تم ہی ہو جو اس کے قائم مقام بھیجے گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کاموں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہر چند عوام کی نظر میں یہ دقیق اور غامض بات ہے لیکن زیرک لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کہ ایسے مامور من اللہ کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ممکن نہیں کہ جس خدمت کے لئے اس کا دشواری ہو کہ اس کے بجالانے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر وہ اس خدمت کو ایسی طرز پسندیدہ اور طریق برگزیدہ سے ادا کر دیوے جو دوسرے اس کے شریک نہ ہو سکیں تو یقیناً نبجھا جائیگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا تھا کیونکہ ہر ایک چیز اپنی علت غائی سے شناخت کی جاتی ہے۔ اور یہ خیال بالکل فضول ہے کہ جو مثیل مسیح کہلاتا ہے وہ مسیح کی طرح مردوں کو زندہ کر کے دکھلاوے یا بیماروں کو اچھا کر کے دکھلاوے۔ کیونکہ مماثلت علت غائی میں ہوتی ہے۔ درمیان فی افعال کی مماثلت معتبر نہیں ہوتی۔ بائبل کی کتابوں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کو اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض نبی اسرائیلی ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ لہذا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ قرار دئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ لیکن کبھی کسی نے نہیں سنا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے حضرت موسیٰ کی طرح سانپ بنایا ہو یا آسمان سے خون اور جوتیش اور میتیں نکلیں برساتی ہوں۔ بلکہ اس جگہ بھی علت غائی میں ثابت مراد ہے چونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی راہی دلانے کے لئے مامور کئے گئے تھے سو یہی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تا اس وقت کے فرعونوں سے زبردست ہاتھ کے ساتھ مومنوں کو راہی دلاویں اور جیسا کہ نصرت الہی ایک خاص رنگ میں حضرت موسیٰ کے

۵۵۵

شامل حلل ہو گئی۔ ایسا ہی نصرت الہی ایک رنگ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل ہو گئی اور وہ حقیقت وہی نصرت ہے جو اپنے اپنے محل پر رنگارنگ کے معجزات کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ سو میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا کہ نصرت الہی حضرت مسیح کے شامل حلل ہوئی تھی میں بھی اس نصرت سے بے نصیب نہیں رہوں گا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ نصرت جسمانی بیماریوں کے اچھا کرنے سے ظاہر ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک ایہام میں میرے پر ظاہر فرمایا کہ خلق اللہ کی روحانی بیماریوں اور شکوک اور شبہات کو وہ نصرت دور کرے گی۔ جیسا کہ میں پہلے اس سے لکھ چکا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ مستعد دلوں پر اثر پڑتا جاتا ہے اور پرانی بیماریاں دور ہوتی جاتی ہیں اور نصرت الہی اندر ہی اندر کام کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص کلام سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ نبی نامری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ روحانی بیماریوں کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

۵۵۶

حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قل اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو سچ ایمن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں غلط ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوے کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جاوے لیکن وہ اس قدر متواضع سے انکار کر کے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تو اترا ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیبر قوموں کی تواریخ کے رو سے بھی پایا جائے تو تب بھی نہیں قبل کرنا ہی پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے بزرگوں راجندر اور کرشن وغیرہ کا وجود تو اترا کے ذریعہ سے ہی ہم نے قبول کیا ہے۔ گو تحقیق تفتیش تاریخی واقعات میں ہندو لوگ دست کھتے ہیں مگر باوجود اس تو اترا کے جو ان کی سلسلہ تحریروں سے پایا جاتا ہے ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ راجندر راجندر راجندر کرشن یہ سب فرضی ہی نام ہیں۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ گواہی ملی طور پر قرآن شریف اکمل و اتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیر
 دین کا اور طریقہ عبادات وغیرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہی ہم نے لیا ہے
 اور اگر احادیث کو ہم نکلیں ساقط الاعتبار سمجھ لیں تو پھر اس قدر بھی ثبوت دینا ہمیں مشکل
 ہو گا کہ درحقیقت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما و عثمان و انور رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہما
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور امیر المؤمنین تھے اور وجود رکھتے تھے صرف
 فرضی نام نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان میں سے کسی کا نام نہیں ملتا اگر کوئی حدیث قرآن شریف
 کی کسی آیت سے صریح مخالف و مغائر پڑے مثلاً قرآن شریف کہتا ہے کہ سچ ایمان مریم
 فوت ہو گیا اور حدیث یہ کہے کہ فوت نہیں ہوا تو ایسی حدیث مردود اور ناقابل اعتبار ہوگی
 لیکن جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی
 ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے۔ پس یہ کمال درجہ کی بے نقصیتی اور
 بحاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیشگوئیوں
 کو جو خیر و فقر و غنا میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلمات میں ہر سمجھی گئی
 تھیں بدمذہبوں و غلط فہمیوں سے روک دیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنی کی پیشگوئی
 ایک اول درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور جس قدر صحاح
 میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیشگوئی اس کے ہم پسو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی تو اگر
 کا اول درجہ اس کو حاصل ہے۔ انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ اب اس قدر ثبوت پر مبنی
 پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جو کو خدا تعالیٰ نے
 بصیرت دی اور حق شناسی سے کچھ بھی بجز اور حصہ نہیں دیا اور باعث اس کے کہ ان
 لوگوں کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی
 سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور مستغلات میں داخل کر لیتے ہیں۔ قانون قدرت بے شک
 حق اور باطل کے آزمانے کے لئے ایک آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کسی بے ہدار نہیں۔

۵۵۵

۵۵۵

اس کے علاوہ اور آلات اور محک بھی تو ہیں جن کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صداقتیں آزمائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر سچ بوجھو تو قانون قدرت مصطلح حکماء کے ذریعہ سے جو صداقتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ایک ادنیٰ درجہ۔ صداقتیں ہیں لیکن اس فلسفی قانون قدرت سے ذرہ آو پر چڑھ کر ایک اور قانون قدرت بھی جو حتمیت دقیق اور غامض اور باعث دقت و غموض موٹی نظر سے چھپا ہوا ہے جو عارفوں پر ہی کھلتا ہے اور فانیوں پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس دنیا کی عقل اور اس دنیا کے قوانین شناس اس کو شناخت نہیں کر سکتے اور اس کو منکر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو امور اس کے ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جو سچائیاں اس کی تفصیل سے بپا یہ ثبوت پہنچ چکی ہیں وہ ان سفلی فلاسفوں کی نظر میں اباطیل میں داخل ہیں۔ ملائک کو یہ لوگ صرف قوی خیال کرتے ہیں اور وحی کو یہ لوگ صرف منکر اور سوچ کا ایک نتیجہ سمجھتے ہیں یا ہر ایک بات جو دل میں پڑتی ہے اس کا نام وحی رکھ لیتے ہیں اور قرآن کریم اور دوسری انہی کتابوں کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا نبیوں نے آپ بنائی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذات قوی اور قیوم جو اس عالم کے ظاہر و باطن کی مدبر ہے اس کی عظمت اُن کے دل میں نہیں اور اس کو ایک مردہ یا سویا ہوا یا ناتوان اور فاضل خیال کیا گیا ہے اور اس کی تمام قدرتی عمارت کے مسما کرنے کی فکر میں ہیں معجزات سے بکلی منکر اور فرقانی پیشگوئوں سے انکاری ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے فرقان کریم کو ایک ادنیٰ سا مجرہ بھی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ تمام معجزات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ بہشت اور دوزخ کی ایسی ضعیف طور پر تاویل کرتے ہیں کہ جس سے منکر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ شجر جساو سے بکلی انکاری ہیں۔ عبادات اور صوم و صلوة پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور رواجی ہونے کی جگہ توبہ دنیا ہونا ان کے نزدیک بہتر ہے اور بوجھ و سختی جو وہ اُن کے نزدیک سلوہ لوح اور ابلہ اور بیوقوف و رویش ہے۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہو گیا جس کا قدم دن بدن اتحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے

اے خدائے میرے قادر خدا مدد کر کہ لوگوں نے افراط اور تفریط کی راہیں لے لی ہیں بعض نے تیری کلام کے بیانات تیرے کلام کے اشارات تیرے کلام کے دلالات تیرے کلام کی فحو کو بکلی چھوڑ کر بے بنیاد لکیر کو اسکی جگہ پسند کر لیا اور بعض نے تیرے کلام کو بھی چھوڑا اور لکیر کو بھی چھوڑا اور صرف اپنی ناقص عقل کو اپنا رہبر بنا لیا اور امام الرسل کو چھوڑ کر یورپ کے تاریک خیال محجوب فلاسفروں کو اپنا امام بنا لیا۔

اے میرے دوستو! اب میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے یہی ایک بحث ہے جس میں فتیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صاف لپیٹ دو گے تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقات عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پر زور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کر دو۔ جب تم مسیح کا مردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو ان کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری تمام بحثیں ان کے ساتھ بحث ہیں۔ اُنکے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ نے بھی چاہتا ہے کہ اس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلا دے۔ اس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے وکان وعد اللہ مفعولاً انت معی وانت علی الحق المبین انت مصیبٌ و معینٌ للحق۔

۵۶۱

۵۶۲

میں نے اس کتاب میں نہایت زبردست ثبوتوں سے مسیح کا قوت ہو جانا اور اموات میں داخل ہونا ثابت کر دیا ہے اور میں نے ہدایت کی حد تک اس بات کو پہنچا دیا ہے کہ مسیح زندہ ہو کر جسم منسوری کے ساتھ ہرگز آسمان کی طرف اٹھایا نہیں گیا بلکہ اور نیویں کی موت کی طرح اُس پر بھی موت آئی اور دائمی طور پر وہ اس جہان سے رخصت ہوا۔ اگر کوئی مسیح کا ہی پرستار ہے تو سمجھ لے کہ وہ مر گیا اور مرنے والوں کی جماعت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو گیا۔ سو تم تائید حق کے لئے اس کتاب سے فائدہ اٹھاؤ اور سرگرمی کے ساتھ پادریوں کے مقابل پر کھڑے ہو جاؤ۔ چاہیئے کہ یہی ایک مسئلہ ہمیشہ تمہارے زیر توجہ اور پورا بھروسہ کر نیکے لائق ہو جو حقیقت مسیح ابن مریم فوت شدہ گروہ میں داخل ہے۔ میں نے اس بحث کو اس کتاب میں بڑی دلچسپی کے ساتھ کامل اور قوی دلائل سے انجام تک پہنچایا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس تالیف میں میسری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں جگہ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میسری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت احکام دیکھتا ہوں۔ اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میسری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشی ہے اور آسمان ہر ایک خوش اور اقبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پتلی کی طرح اس مشت خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں غنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں مینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں ؟

وقت تاریخ نزول مسیح موعود

حسب اقوال اکابر سلف و خلف

و دیگر حالات

منقولہ از کتاب آثار القیامت

مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے جن کو مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب مجدد
قراردے چکے ہیں۔ اپنی کتاب آثار القیامت کے صفحہ ۳۹۵ میں تبصریح لکھا ہے کہ ظہور مہدی
اور نزول عیسیٰ اور خروج و جلال ایک ہی صدی میں ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کی یہ
پیش گوئی تھی کہ دو سو سولہ ہجری میں مہدی ظہور فرمائے گا لیکن وہ برس تو گزر گئے اور مہدی
ظاہر نہ ہوا۔ اگر اس پیش گوئی کی کسی کشف یا الہام پر بنا تھی تو تاویل کی جاوے گی یا اس
کشف کو غلط ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بیان کیا ہے کہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ آیات
بعد للما بین یعنی بارہ سو برس کے گزرنے کے بعد یہ علامات شروع ہو جائیں گی اور مہدی
مسیح پور و جلال کے نکلنے کا وقت آجائے گا۔ پھر نعیم بن حلو کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قبیل
کا قول ہے کہ بارہ سو چار ہجری میں مہدی کا ظہور ہوگا لیکن یہ قول بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر بعد اس
کے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا ایک کشف لکھتے ہیں کہ ان کو تاریخ ظہور مہدی
کشفی طور پر صریح دین کے لفظ میں بحساب جمل منجانب اللہ معلوم ہوئے تھے یعنی
۱۲۶۸۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال بھی گزر گئے اور مہدی کا دنیا میں کوئی نشان نہ پایا گیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ کا یہ کشف یا الہام صحیح نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ صرف
مقررہ سالوں کا گزر جانا اس کشف کی غلطی پر دلالت نہیں کرتا بل غلط فہمی پر دلالت کرتا ہے

کیونکہ پیش گوئیوں کے اوقات محیضہ قطعی الدلالت نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ان میں ایسے استعارات بھی ہوتے ہیں کہ دن بیان کئے جلتے ہیں اور اُن سے برس مراد لٹے جلتے ہیں پھر قاضی شہار اشد پانی پتی کے رسالہ شیخ مسلول کا سوال دوسے کر لکھتے ہیں کہ رسالہ مذکورہ میں لکھا ہے کہ علماء ظاہری اور باطنی کا اپنے ظن اور تخمین سے اس بات پر اتفاق ہو کہ تیرہویں صدی کے اوائل میں ظہورِ مہدی ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ اپنے کشف سے یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ مہدی کا ظہور بارہ سو برس سے پہلے ہوگا اور تیرہویں صدی سے تجاوز نہیں کریگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال تو گذر گئے اور تیرہویں صدی سے مرفض میں رہ گئے اور اب تک نہ مہدی نہ عیسیٰ دنیا میں آئے۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ میں بلحاظ قرآنِ قویہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی کے سر پر اُن کا ظہور ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ مسرائیہ ہیں۔ کہ تیرہویں صدی میں دجالی فتنے بہت ظہور میں آئے ہیں اور اندھیری رات کے ٹکڑی کی طرح نمودار ہو رہے ہیں اور اس تیرہویں صدی کا فتنہ و آفات کا مجموعہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ چھوٹے بڑے کی زبان پر جاری ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم بچے تھے تو بڑی محروقتوں سے سنتے تھے کہ حیوانات نے بھی اس تیرہویں صدی سے ہناہ چاہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہر چند یہ معنوں کی صحیح حدیث سے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوتا لیکن جب انقلابِ عالم کا ملاحظہ کریں اور بنی آدم کے احوال میں جو فرق مروج آگیا ہے اس کو دیکھیں تو یہ ایک سچا گواہ اس بات پر ملتا ہے کہ پہلے اس سے دنیا کا رنگ اس عنوان پر نہیں تھا۔ سوا اگرچہ مشکلاتِ مشائخ کے پورے بھروسہ کے لائق نہیں کیونکہ کشف میں خطا کا احتمال بہت ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ اب وہ وقت قریب ہے جو مہدی اور عیسیٰ کا ظہور ہو کیونکہ اماراتِ صغریٰ بھی عموماً وقوع میں آگئی ہیں اور عالم میں ایک تغیرِ عظیم پایا جاتا ہے اور اہل عالم کی حالت اہلِ درجہ پر بدل گئی ہے اور کمالِ درجہ کا ضعفِ اسلام پر وارد ہو گیا ہے۔ اور وہ حقیقت نورانیہ جس کا نام علم ہے وہ دنیا سے اٹھ گئی ہے اور جمل بڑھ گیا ہے

اور شائع ہو گیا ہے اور فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا۔ بعض لوگ حد اور عداوت تکمیل گئی ہے اور مال کی محبت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور تحصیل اسباب معاش سے متیں ہار گئیں اور دار آخرت سے نکل کر قراوشی ہو گئی اور کامل طور پر دنیا کو اختیار کیا گیا سو یہ عداوت بینہ اور امارات جلیہ اس بات پر ہیں کہ اب وہ وقت بہت نزدیک ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ مولوی صدیق حسن صاحب کا یہ کہنا کہ کسی صحیح حدیث سے مسیح کے ظہور کا کوئی زمانہ خاص ثابت نہیں ہوتا صاف اولیاء کے مکاشفات سے معلوم ہوتا ہے کہ غایت کار تیرہویں صدی کے اخیر تک اس کی حد ہے۔ یہ مولوی صاحب کی سراسر غلطی ہے اور آپ ہی وہ مان چکے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ آدم کی پیداوار کے بعد عمر دنیا کی سات ہزار برس ہے اور اب عمر دنیا میں سے بہت ہی تھوڑی باقی ہے پھر صفحہ ۳۸۵ میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ نے اس سے یہ حدیث بھی لکھی ہے جس کو حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم یعنی عیسیٰ بن مریم کے سوا اور کوئی ہمدی ہو گا نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ ہمدی کا انابت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمدی کی خبریں ضعیف سے خالی نہیں ہیں اسی وجہ سے امامین حدیث نے ان کو نہیں لیا۔ اور ابن ماجہ اور مستدرک کی حدیث بھی معلوم ہو چکی ہے کہ عیسیٰ ہی ہمدی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ ہم اس طرح پر تطبیق کر دیں۔ کہ پوٹھن عیسیٰ کے نام سے آنے والا احادیث میں لکھا گیا ہے اپنے وقت کا وہی ہمدی اور وہی امام ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بعد کوئی ہمدی بھی آوے۔ اور یہی ملکہ بہت امتحیل بخاری کا بھی ہے۔ کیونکہ اگر ان کا بخیر اس کے کوئی اور اعتقاد ہوتا تو ضرور وہ اپنی حدیث میں ظاہر فرماتے۔ لیکن وہ صرف اسی قدر کہہ کر چپ ہو گئے کہ ابن مریم تم میں اترے گا جو تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہی ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ امام وقت ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

پھر صفحہ ۲۲۵ میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام سلف و خلف کا اتفاق ہو چکا ہے
 کہ عیسیٰ جب نازل ہو گا تو اُمت محمدیہ میں داخل کیا جائے گا۔ اور فرماتے ہیں قسطلانی
 نے بھی مواہب لدنیہ میں یہی لکھا ہے اور عجیب تریہ کہ وہ اُمتی بھی ہو گا اور پھر نبی بھی۔
 لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تا مہر گر اُمتی نہیں
 ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع
 اور اُمتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رو سے بکلی ممتنع ہے اللہ علشانہ فرماتا ہے
 و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع بالذات یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام
 بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور
 تابع ہو۔ ہاں محدث جو مرسلین میں سے ہے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔
 اُمتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ و مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا
 ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سامع اطہ اس سے کرتا ہے اور محدث
 کا وجود انبیاء اور ائمہ میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اگرچہ کامل
 طور پر اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے اور محدث کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی
 نبی کا مثیل ہو اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔
 اب سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ مقتدر تھا کہ آخری زمانہ میں نصاریٰ اور یہود کے خیالات
 باطلہ زہرِ لاپرواہی کی طرح تمام دنیا میں سرایت کر جائیں گے اور نہ ایک راہ سے بلکہ
 ہزاروں راہوں سے اُن کا بد اثر لوگوں پر پہنچے گا اور اس زمانہ کے لئے پہلے ہی احادیث
 میں خبر دی گئی تھی کہ عیسائیت اور یہودیت کی بُری خصالتیں یہاں تک غلبہ کریں گی کہ
 مسلمانوں پر بھی اس کا سخت اثر ہو گا۔ مسلمانوں کا طریقہ مسلمانوں کا شعائر مسلمانوں
 کی وضع تھی یہود و نصاریٰ سے مشابہ ہو جائے گی اور جو عاداتیں یہود اور نصاریٰ کو پہلے
 ہلاک کر چکی ہیں وہی عاداتیں اسبابِ تاثر کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں میں آج بھی

یہ اس زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب عیسائی سوسائٹی جو یہودیت کی صفتیں بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کے خیالات۔ مسلمانوں کے عادات۔ مسلمانوں کے لباس مسلمانوں کے طرز معاشرت پر اپنے مذہبات کا اثر ڈالے۔ سو دراصل وہ یہی زمانہ ہے جس سے روحانیت بچتی ہو رہی ہو گئی ہے خدایتِ حلالے کو منظور تھا کہ اس زمانہ کے لئے کوئی ایسا مصلح بھیجے جو یہودیت اور عیسائیت کی زہرناک خصلتوں کو مسلمانوں سے مٹا دے۔ پس اس نے ایک مصلح ابن مریم کے نام پر بھیج دیا تا معلوم ہو کہ جن کی طرف وہ بھیجا گیا ہے وہ بھی یہود ہیں اور عیسائیوں کی طرح ہو چکے ہیں۔ سو جہاں یہ لکھا ہے کہ تم میں ابن مریم اترے گا وہاں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس وقت تمہاری ایسی حالت ہوگی جیسی مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہودیوں کی حالت تھی۔ بلکہ یہ لفظ اسی اشارہ کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے تاہر ایک کو خیال آجائے کہ خدایتِ حلالے نے پہلے ان مسلمانوں کو جن میں ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا یہودی ٹھہرا لیا ہے افسوس کہ ہمارے علماء میں سے اس اشارہ کو کوئی نہیں سمجھتا اور یہودیوں کی طرح صرف ظاہر لفظ کو بھڑک کر بار بار یہی بات پیش کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کا آنا ضروری ہے وہ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ تو فرعون کی طرح بگڑ گیا ہے اب تجھے درست کرنے کے لئے موسیٰ آئے گا تو کیا اس عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ مسیح موعودؑ رسول اللہ جس پر تورات نازل ہوئی تھی پھر زندہ ہو کر آجائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ہرگز یہ معنی نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایسے قول سے مراد یہ ہوگی کہ ٹیبل موسیٰ تیرے دربارت کرنے کے لئے آئے گا۔ سو اسی طرح جاننا چاہئے کہ احادیث نبویہ کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کر دو گے تو تمہارے دربارت کرنے کے لئے عیسیٰ بن مریم آئے گا۔ یعنی جب تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو میں بھی عیسیٰ بن مریم کی

۵۷

۵۸

بن کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم اشد کشر شیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہراؤ گے تو محمد ابن عبد اللہ ظہور کرے گا جو محمدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد بن عبد اللہ آئے گا یا عیسیٰ ابن مریم آئے گا دراصل اپنی مراد مطلب میں مشکل ہیں۔ محمد بن عبد اللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائے گی جو اپنی درستی کیلئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اُس وقت کوئی شخص ثلیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثلیل بن کر آئے گا۔ اسی طرح عیسیٰ بن مریم کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب عقل کی بد استعمالی سے دنیا کے لوگ یہودیوں کے رنگ پر ہو جائیں گے اور روحانیت اور حقیقت کو چھوڑ دیں گے اور خدا پرستی اور حبِ انبی دلوں سے اٹھ جائے گی تو اُس وقت وہ لوگ اپنی روحانی اصلاح کے لئے ایک ایسے مصلح کے محتاج ہوں گے جو روح اور حقیقت اور حقیقی نیکی کی طرف ان کو توجہ دلاوے اور جنگ اور لڑائیوں سے کچھ واسطہ نہ رکھے اور یہ منصب سچ ابن مریم کے لئے مسلم ہے کیونکہ وہ خاص ایسے کام کے لئے آیا تھا اور یہ ضرور نہیں کہ آنے والے کا نام درحقیقت عیسیٰ ابن مریم ہی ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قطعی طور پر اس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔ جیسے یہودیوں کے نام خدا تعالیٰ نے بتدر اور سور رکھے اور فرمایا وجعل منہم القرۃ والحنانیز۔ ایسا ہی اُس نے اس اُنٹ کے مفید طبع لوگوں کو یہودی ٹھہرا کر اس عاجز کا نام سچ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا جعلناک المسیح ابن مریم۔

پھر مولوی صدیق حسن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہوا تو قرآن کریم کے تمام احکام حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سے اُن پر کھولے جائینگے یعنی وحی نازل ہوا کرے گی۔ مگر وہ حدیث کی طرف رجوع نہیں کرے گا کیونکہ وحی کے

۴۴۴

ذریعہ سے قرآن کریم کی تفسیر ان پر نازل ہو جائے گی جو حدیث پر مستغنی کر دی گئی۔
 پھر لکھتے ہیں کہ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہوگا تو شخص امتی
 ہوگا ایک قدہ اس میں نبوت یا رسالت نہیں ہوگی۔ پھر لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ وہ امتی
 بھی ہوگا اور نبی بھی۔ اور عام امتی لوگوں کی طرح متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر
 واجب کی جاوے گی۔ اور جن باتوں پر اجماع امت ہو چکا ہے وہ سب باتیں اسے ماننی
 پڑیں گی۔ اور چونکہ محراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دیکھ چکا ہے اس
 لئے وہ صحابہ میں بھی داخل ہے اور ایک صحابی ہے۔ مگر باتفاق سنت و جماعت تمام
 صحابہ سے ابو بکر درجہ و مرتبہ میں افضل ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ وہ باوجود نبی ہونے کے
 امتی کیوں بن گئے۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ خداوند مجھے
 فی آخر الزمان کی امت میں داخل کر۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انہیں باوجود نبوت کے
 امتی بھی بنادیا۔ اور پھر صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ وقت کے مجدد ہوں گے اور
 اس امت کے مجدد ہوں گے۔ لیکن وہ امیر المؤمنین نہیں
 ہوں گے کیونکہ خلیفہ تو قریش میں سے ہونا چاہیئے مسیح ابن مریم کیونکہ ان کا حق
 نے سکا ہے۔ اس لئے وہ خلافت کا کوئی بھی کام نہیں کرے گا نہ جدال نہ قتال نہ
 سیاست بلکہ خلیفہ وقت کا تابع اور محکوموں کی طرح آئے گا۔

۴۴۵

اس جگہ بڑے شبہات یہ پیش آتے ہیں کہ جس حالت میں مسیح ابن مریم اپنے
 نزول کے وقت کامل طور پر امتی ہوگا تو پھر باوجود امتی ہونے کے کسی طرح کے رسول
 نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اور امتی کا مفہوم متباہن ہے اور نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوۃ
 نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں
 محدث بھی کہتے ہیں وہ اس تجدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ باعث اتباع اور فانی فی الرسول

ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے جز گیل میں داخل ہوتی ہے لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس کے ساتھ جب نبیل کا بھی نازل ہونا ایک لازمی امر سمجھا گیا ہے کسی طرح اُمتی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اُس پر اُس وحی کا اتباع فرض ہوگا جو وقتاً فوقتاً اس پر نازل ہوگی جیسا کہ رسولوں کی شان کے لائق ہے اور جب وہ اپنی وحی کا متبع ہوا اور جو نئی کتاب اس پر نازل ہوگی اُسی کی اُس نے پیروی کی تو پھر وہ اُمتی کیونکر کہلائے گا طور اگر یہ کہو کہ جو احکام اُس پر نازل ہوں گے وہ احکام قرآن کے مخالف نہیں ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ محض اس توار کی وجہ سے وہ اُمتی نہیں ٹھہر سکتا صاف ظاہر ہو کہ بہت سا حصہ توریت کا قرآن کریم سے یکساں مطابق ہے تو کیا خود ہا خدا اس توار کی وجہ سے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کی اُمت میں ہوتا ہے کہ جائیں گے۔ توار اور چیز ہے اور محکوم بن کر تابع ہونا اور چیز ہے۔ ہم بھی کچھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں طبع آجڑ کو کم ہو کر نہیں آتا بلکہ وہ مطلع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بلند بعد جب نبیل نازل ہوتی ہے اب یہ سید می سید می بات ہے کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے اور حضرت جبریل لکھتا کہ مسلمان سے وحی لانے لگے اور وحی کے ذریعہ سے انہیں تمام اسلامی عقائد اور رسوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھائے گئے۔ تو پھر ہر حال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العزت تک منقطع ہو جائے گی اور کسی حضرت جب نبیل اُن پر نازل نہیں ہونگے بلکہ وہ بکلی مسلوب النبوت ہو کر اُمتیوں کی طرح بن جائیں گے تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جاوے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لاویں اور پھر ترتیب ہو جاوے کہ یہ امر بھی ختم نبوت کا منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہوئی شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا یا بہت

نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو
 آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں تصریح بیان کیا گیا ہو کہ اب
 جبریل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت کے لانے سے منع
 کیا گیا ہے یہ تمام باتیں صحیح صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ مسیح ابن مریم
 زندہ ہو کہ پھر دنیا میں آئے گا تو ہمیں کسی طرح اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول ہے اور
 بحیثیت رسالت آئے گا۔ اور جبریل کے نزول اور کلام الہی کے اترنے کا پھر سلسلہ شروع
 ہو جائے گا۔ جس طرح یہ بات ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو اسی طرح
 ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق اللہ کے لئے آوے اور اس کے ساتھ ہی آتی
 اور جبریل نہ ہو۔ علاوہ اس کے ہر ایک عاقل معلوم کر سکتا ہے کہ اگر سلسلہ نزول جبریل
 اور کلام الہی کے اترنے کا حضرت مسیح کے نزول کے وقت تک منقطع ہو گا تو وہ قرآن شریف
 کو جو عربی زبان میں ہے کیونکر پڑھ سکیں گے۔ کیا نزول فرما کر دو چار سال تک مکتب میں
 بیٹھیں گے اور کسی مظلوم سے قرآن شریف پڑھ لیں گے۔ اگر فرض کریں کہ وہ ایسا ہی کرینگے
 تو پھر وہ بغیر وحی نبوت کے تفصیلات مسائل و ضمیمہ مشکوٰۃ نماز ظہر کی سنت جو اتنی رکعت ہیں اور
 نماز مغرب کی نسبت جو اتنی رکعات ہیں اور یہ کہ کون کونسی لوگوں پر فرض ہے۔ اور نصاب کیا ہو
 کیونکہ قرآن شریف سے استنباط کر سکیں گے۔ اور یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ حدیثوں کا مفہوم
 رہا بھی نہیں کریں گے۔ اور اگر وحی نبوت سے ان کو یہ تمام علم دیا جائے گا تو بلاشبہ جس
 کلام کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات انکو معلوم ہوں گی وہ جو جو وحی رسالت ہو نیکی کتاب اللہ
 کہلے گی پس ظاہر ہے کہ ان کے دوبارہ آنے میں کس قدر غریبیاں اور کس قدر مشکلات
 ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ جوہر اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں کسی حالت میں امیر
 نہیں ہو سکتے۔ ناچار ان کو کسی دوسرے امام اور امیر کی بیعت کرنی پڑے گی بالخصوص جبکہ

۴۱۵

۴۱۶

ایسا خیال کیا گیا ہے کہ اُن کے زہل سے پہلے محمد ابن عبداللہ ہمدی کی بیعت میں سب داخل ہو چکیں گے تو اس صورت میں اور بھی یہ مصیبت پیش آئے گی کہ اُن کا ہمدی کی بیعت سے تخلف کرنا سخت مصیبت میں داخل ہوگا۔ بلکہ وہ بموجب حدیث مَنْ شَدَّ شِدَّتِي فِي النَّارِ ضرور ہمدی کی بیعت کریں گے یا خلیفہ وقت کے زمانے کی وجہ سے اُن پر فتویٰ لگ جائیگا۔

پھر اسی کتاب اہمارا اقیامت کے صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ ابن خلدون کا قول ہے کہ متصوفین نے اپنے کشف سے یہ گمان کیا ہے کہ شیخ سائت الشوقینتالیس میں خروج و قبال ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ کشف بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یعقوب بن اسحاق کنڈی نے بھی کشف کی رو سے چھ سو اٹھانوے سال زہل سح کے لئے دریافت کئے تھے مگر اس سے بہت زیادہ مدت گذر گئی لیکن اب تک سح نہ آیا۔ پھر لکھتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میری عمر کچھ لمبی ہوگی تو عیسیٰ بن مریم میرے وقت میں ظہور کرے گا یعنی محمد بن عبد اللہ ہمدی کا درمیان میں ہونا ضروری نہیں بلکہ امید سے بعید نہیں کہ میرے ہی وقت میں سح ابن مریم آجائے لیکن اگر میری عمر وفات نہ کرے تو شخص اس کو دیکھے میری طرف سے اس کو اسلام علیکم کہہ دے اس حدیث کو مسلم اور احمد نے بھی لکھا ہے۔ اس جگہ مولوی صدیقی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر میرے جیتے جیتے حضرت سح آجائیں تو میری تمنا ہے کہ حضرت خاتم المرسلین کا اسلام علیکم میں اُن کو پہنچا دوں۔ مگر یہ سب تمنا ہی تھی۔ خدا تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔ مجدد الف ثانی صاحب نے ٹھیک لکھا ہے کہ جب صبح آئے گا تو تمام مولوی اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور خیال کریں گے کہ یہ اہل الرائے ہے اور اجماع کو ترک کرتا ہو اور کتاب اللہ کے معنی اٹاتا ہو۔ پھر لکھتے ہیں کہ عیسیٰ کی موت قبل از رفع کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ ہے کہ وہ موت کے بعد اُٹھایا گیا ہے اور پھر بھی اگر مرے گا اس لئے اُس کیلئے دو موتیں ہیں۔ اور ہر چند آیت و دفعنا مکتاناً علیک میں اور یس کی موت کا ذکر نہیں لیکن صحیح مذہب

یہی ہے کہ وہ بھی موت کے بعد ہی اٹھایا گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ شیعہ کا یہ بھی قول ہے کہ آسمان سے آنوالا عیسیٰ کوئی بھی نہیں درحقیقت ہمدی کا نام ہی عیسیٰ ہے پھر بعد اس کے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض صوفیوں نے اپنے کشف سے اسی کے مطابق اس حدیث کے معنی کہ لا مہدی آلا عیسیٰ یہ کہنے ہیں کہ ہمدی جو آنے والا ہے درحقیقت عیسیٰ ہی ہے کسی اور عیسیٰ کی حاجت نہیں جو آسمان سے نازل ہو۔ اور صوفیوں نے اس طرح آخر الزمان کے ہمدی کو عیسیٰ ٹھہرایا ہے کہ وہ شریعت محمدیہ کی خدمت کے لئے اُسی طرز اور طریق پر آئے گا جیسے عیسیٰ شریعت موسویہ کی خدمت اور اتباع کے لئے آیا تھا۔

پھر صفحہ ۴۳۱ میں لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ پر اس کے نزل کے بعد یوں کی طرح وہی نبوت نازل ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ مسلم کے نزدیک نواسی کا حال کی حدیث میں ہے کہ یقتل عیسیٰ اللہ جال عند باب لد الشریقی فبینہما ہم عند اللہ اذا اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ بن مریم۔ یعنی جب عیسیٰ وصال کو قتل کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ وحی نازل کرے گا۔ پھر لکھتے ہیں کہ وحی کا لایہوالا جب نازل ہوگا۔ کیونکہ جب نازل ہی پیغمبر پر وحی آتا ہے۔

اس تمام تفسیر سے معلوم ہوا کہ چالیس سال تک برابر جو مدت توقف حضرت مسیح کی دنیا میں دوبارہ آنے کے لئے قرار دی گئی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ایک نیک نازل ہوتے رہیں گے۔ اب ہر ایک دانشمند و اندازہ کر سکتا ہے کہ جس حالت میں تینیس برس میں تینیس جنو قرآنی شریف کی نازل ہو گئی تھیں تو بہت ضروری ہے کہ اسی چالیس برس میں کم سے کم پچاس جزو کی کتاب اللہ حضرت مسیح پر نازل ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات معلوم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ کو مضمون میں قرآن شریف سے تواتر کہتی ہو پیدا ہو جائے۔ اور جو امر متلزم محال ہو وہ محال ہو تا ہے۔ فدر بر۔

اور اس انقلاب عظیم پر خوب غور سے نظر ڈالنی چاہیئے کہ چونکہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کا اصل فرض کیا جائے ایسی حالت میں آئیں گے کہ انکو شریعت محمدیہ سے جو غیر زبان میں ہے کچھ بھی خیر نہیں ہوگی اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر ان کو اطلاع ہو اور ان تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں غرض شریعت محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ از قبیل عقائد ہیں یا از قسم عبادات یا از انواع معاملات یا از قبیل قوانین قضاء و فصل مقدمات اطلاع پانا ان کے لئے ضروری ہوگا اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دو سرطانی شاگردی کریں لہذا ان کے لئے یہی لا بدی اور ضروری ہے کہ صحیح اجزاء شریعت کے نئے سب سے ان پر نازل ہوں کیونکہ بحر اس طریق کے استعمال جمہورات کے لئے اور کوئی ان کے لئے راہ نہیں۔ اور رسول کی تعلیم اور اعلام کے لئے ہی سنت اشد قدیم سے جاری ہے جو وہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور بندہ نوحہ نزل آیات ربانی اور کلام رحمانی کے سکھائی جاتی ہیں اور جبکہ تمام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ بنویہ نئے سر سے معرفت جبرائیل علیہ السلام کے حضرت مسیح کی زبان میں ہی ان پر نازل ہو جائے گی اور جیسا کہ احادیث میں آیا ہے جزیرہ وغیرہ کے متعلق بعض بعض احکام قرآن شریف کے منسوخ بھی ہو جائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ اس نئی کتاب کے آنے سے قرآن شریف تو ریت و انجیل کی طرح منسوخ ہو جائے گا اور مسیح کا نیا قرآن جو قرآن کریم کے کسی قدر مختلف بھی ہوگا اجرا اور نفاذ پائیگا اور حضرت مسیح نمازیں اپنا قرآن ہی پڑھیں گے اور وہی جبرائیل و قہر و دوسروں کو بھی سکھایا جائے گا۔ لہذا ہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ کلمہ بھی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کسی قدر وسیم و تنسیخ کے لائق ٹھہرے گا۔ کیونکہ جبکہ کل شریعت محمدیہ کی نفوذ باشد (نقل کفر نباشد) بیکھنی ہوگی اور ایک اور ہی قرآن گوہ ہمارے قرآن کریم کی کسی قدر مطابق ہی سہی آسمان سے نازل ہو گیا تو پھر کلمہ بھی ضرور واجب التبدیل ہوگا۔ حضرت

منفعل ہو کر جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ درحقیقت یہ صریح خوابیاں ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا مگر کیا کریں درحقیقت اسی بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح رسول اللہ ﷺ نے کی حالت میں نزول فرمائیں گے اور چالیس برس حضرت جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی مضمون حدیثوں سے بھی نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اس قدر تو بالکل سچ ہے کہ اگر وہی مسیح رسول اللہ صاحب کتاب آجائیں گے جن پر جبرائیل نازل ہوا کرتا تھا تو وہ شریعت محمدیہ کے تمام قوانین دریافت کر نیچے لئے ہرگز کسی کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے بلکہ سنت اللہ کے موافق جبرائیل کی معرفت وحی الہی ان پر نازل ہوگی اور شریعت محمدیہ کے تمام قوانین اور احکام نئے سرے اور نئے لباس اور نئے پیرایہ اور نئی زبان میں ان پر نازل ہو جائیں گے اور اس مسئلہ کتاب کے مقابل پر جو آسمان سے نازل ہوئی ہے قرآن کریم منسوخ ہو جائیگا لیکن خدا تعالیٰ ایسی ذلت اور رسوائی اس امت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاء کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک رسول کو بھیجے جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی الٹا دیوے حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ صرف عیسیٰ یا ابن مریم کے لفظ کو دیکھ کر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ مسیح وہی ابن مریم آسمان سے نازل ہو جائیگا جو رسول اللہ تھا۔ اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اس کا آنا گویا دین اسلام کا دنیا سے نضت ہونا ہی ہے تو اجماعی عقیدہ ہو چکا۔ اور سلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خسروانی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من و مہینہ بھی ہوتا ہے مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی

طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۳۹ میں جو ایک الہام اس عاجز کا درج ہے وہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کل برکتہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتبارک من علم وتعلم یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل سے اور اُن کی توسط سے ہے پس اس ذات میں کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سکھایا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس میں بھی کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سیکھا یعنی یہ عاجز۔ لیکن اگر واقعی اور حقیقی طور پر مسیح ابن مریم کا نازل ہونا خیال کیا جائے تو اس قدر خرابیاں پیش آتی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس بات کے سمجھنے کے لئے نہایت صریح اور صاف قرآن موجود ہیں کہ اس جگہ حقیقی طور پر نزول ہرگز مراد نہیں بلکہ ایک استعارہ کے لحاظ سے دوسرا استعارہ استعمال کیا گیا ہے یعنی جبکہ اس اُمت کے لوگوں کو استعارہ کے طور پر یہود ٹھہرایا گیا اور اُن میں ان تمام خرابیوں کا دخل کر جانا بیان کیا گیا جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت دخل کر گئی تھیں تو اسی مناسبت کے لحاظ سے یہ بھی کہا گیا کہ تمہاری اسلحہ کے لئے اور تمہارے مختلف فرقوں کا فیصلہ کرنے کے لئے بطور شکم کے تم میں سے ہی ایک شخص بھیجا جائے گا جس کا نام مسیح یا عیسیٰ یا ابن مریم ہو گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اُمت ایسی ناکارہ اور نالائق اُمت نہیں کہ صرف اپنے اندر یہی مادہ رکھتی ہو کہ اُن وحشی طبع یہودیوں کا نمونہ بن جائے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے بلکہ یہ مسیح بھی بن سکتی ہے پس جس وقت بعض یہودی بن جاؤ گے اُس وقت بعض مسیح ابن مریم بن کر آئیں گے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ اُمت مروجہ جیسی ادنیٰ اور فسادانی آدمیوں کو اپنے گروہ میں داخل رکھتی ہے ایسا ہی اس گروہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کو اُن کے کمالات کی وجہ سے عیسیٰ بن مریم یا موسیٰ بن عمران بھی کہہ سکتے ہیں اور دونوں قسم کی استعدادیں اس اُمت میں موجود ہیں۔ می تواند شد یہودی می تواند شد مسیح۔ واضح ہو کہ

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ بھی اسی کام کے لئے آئے تھے اور اُس زمانہ میں آئے تھے جسکو یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت فرقتے ہو گئے تھے اور تورات کے صرف ظاہر الفاظ کو انہوں نے پکڑ لیا تھا اور روح اور حقیقت اس کی چھوڑ دی تھی اور نکستی نکستی باتوں پر جھگڑے برپا ہو گئے تھے اور باہم کینگی اور کم مصلحتی کی وجہ سے بغض اور حسد اور کینہ الی متفرق فرقوں میں پھیل گیا تھا۔ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا اور شیر اور بکری کی عداوت کی طرح ذاتی عداوتوں تک نو بہت پہنچ گئی تھی اور باعث اختلاف عقیدہ اپنے بھائیوں سے محبت نہیں ہی تھی بلکہ درندگی پھیل گئی تھی اور اخلاقی حالت بغایت درجہ بگڑا گئی تھی اور باہمی رسم اور ہمدردی بجتی دور ہو گئی تھی۔ اور وہ لوگ ایسے حیوانات کی طرح ہو گئے تھے کہ حقیقی نیکی کو ہرگز شناخت نہیں کر سکتے تھے اور تباہی و تباہی کا بازار گرم ہو گیا تھا اور صرف چند رسوم اور عادات کو مذہب سمجھا گیا تھا۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کو بشار دی تھی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے اور بہت سے متضاد خیالات پیدا ہو جائیں گے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو یہودیوں کی طرح کافر سمجھے گا اور اگر نفاق سے وجوہ اسلام کے موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کو کفر کی جہ سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔ سو باہمی تکفیر — کی وجہ سے سخت نفرت اور بغض اور عداوت باہم پیدا ہو جائے گی۔ اور پوچھا اختلاف رائے کے کینہ اور حسد اور درندوں کی سی خصلتیں پھیل جائیں گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پُر ہوتی ہے بجلی تم میں سے دور ہو جائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا کہ جس سے مذہبی رشتہ کا بجلی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش کرے گا جیسا کہ مسیح ابن مریم کی بعثت کے وقت یہی حال یہود کا ہو رہا تھا اور اس اندرونِ تفرقہ اور بغض اور حسد اور عداوت کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں نہایت درجہ کے خفیہ اور ذلیل اور کمزور ہو جائیں گی اور اس محکوس ترقی کی

۵۹۵

وجہ سے جو اندرونی جھگڑوں کی طفیل سے کمال کو پہنچنے کی فنا کے قریب ہو جائیں گی اور کیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کو کھا جلنے کا قصد کریں گے اور یہی سرفنی حملوں کو اپنے پر وار د ہونے کے لئے موقعہ دیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں یہودیوں کے ساتھ ہوا جو اندرونی نفاقوں کی وجہ سے ان کی ریاست بھی گئی اور قیصر کے تحت میں غلاموں کی طرح بسر کرنے لگے۔ سو خدا یتحالیٰ نے اپنے نبی کریم کی معرفت فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسا ہی تمہارا حال ہو گا۔ تمہاری مذہبی عداوتیں اپنے ہی بھائیوں سے انتہاء تک پہنچ جائیں گی بغض و حسد اور کینہ سے بھر جاؤ گے۔ اس شامت سے نہ تمہاری دنیا کی حالت ابھی رہے گی نہ دین کی نہ انسانی اخلاق کی۔ نہ خدا ترسی باقی رہے گی نہ حق شناسی۔ اور پورے وحشی اور ظالم اور جاہل ہو جاؤ گے اور وہ علم یہودوں پر نیک اثر ڈالتا ہے تم میں باقی نہیں رہیگا۔ اور یہ تمام بے دینی اور نا خدا ترسی اور بے ہمدی پہلے ممالک مشرقیہ میں ہی پیدا ہوئی اور دجال اور یاجوج ماجوج انہیں ممالک سے خروج کریں گے یعنی اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ دکھلائی دیں گے۔ ممالک مشرقیہ سے مراد ملک فارس اور نجد اور ملک ہندوستان پر کیونکہ یہ سب ممالک زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہی واقع ہیں اور ضرور تھا کہ حسب اشارہ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر اور کافری انہیں جگہوں سے قوت کے ساتھ اپنا جلوہ دکھاوے ۵۹۶ انہیں ممالک میں سے کسی جگہ دجال خسرو جگہ کرے اور انہیں میں سچ بھی نازل ہو کیونکہ جو جگہ محل کفر اور فتن ہو جائے وہی جگہ صلاح اور ایمان کی بناء ڈالنے کے لئے مقرر ہونی چاہیے سو ان ممالک مشرقیہ میں سے ملک ہند جیسا زیادہ تر محل کفر اور فتن اور نفاق اور بغض اور کینہ ہو گیا ہے۔ ایسا ہی وہ زیادہ تر اس بات کے لائق تھا کہ سچ بھی اسی ملک میں ظہور کرے اور جیسا کہ سب سے ازل آدم کے خروج کے بعد اسی ملک پر نظر رحم ہوئی تھی ایسا ہی آخری زمانہ میں بھی اسی ملک پر نظر رحم ہو۔ اور ہم اور یہاں کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر اپنی امت کے حق میں فرمادیا تھا کہ تم آخری زمانہ میں بکلی یہودیوں کے

۵۹۵

قدم پر قدم رکھ کر یہودی بن جاؤ گے اور یہ بلائیں آخری زمانہ میں سب سے زیادہ مشرقی ملکوں میں پھیلیں گی یعنی ہندوستان و خراسان وغیرہ میں۔ تب اس یہودیت کی بیخ کنی کے لئے مسیح ابن مریم نازل ہوگا یعنی مامور ہو کر آئے گا۔ اور فرمایا کہ جیسا کہ یہ اُمت یہودی بن جائے گی ایسا ہی آج ^{۱۹۴۷} مریم بھی اپنی صورت مثالی میں اسی اُمت میں پیدا ہوگا نہ یہ کہ یہودی تو یہ اُمت بنی اور ابن مریم بنی اسرائیل میں سے آئے۔ ایسا خیال کرنے میں سراسر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر شان ہے اور نیز ایت ثلثۃ من الاولین و ثلثۃ من الآخرین کے برخلاف۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مصوفین کے مذاق کے موافق صعود اور نزول کے ایک خاص معنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب انسان خلیق اللہ سے بکلی انقطاع کر کے خدایتحاطے کی طرف جاتا ہے تو اس حالت کا نام مصوفین کے نزدیک صعود ہے اور جب مامور ہو کر نیچے کو اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے تو اس حالت کا نام نزول ہے۔ اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے نزول کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ بالحق انزلنہ و بالحق نزل۔ اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مریم سے مراد وہ ابن مریم ہرگز نہیں لیا جو رسول اللہ تھے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اول استعارہ کے طور پر آخری زمانہ کے لوگوں کو یہودی قرار دے کر اور ان یہودیوں کا ہر ایک باب میں شیل ٹھہرا کر جو حضرت مسیح ^{۱۹۴۷} ابن مریم کے وقت میں تھے پھر پہلے استعارہ کے مناسب حال ایک دوسری پیشگوئی بطور استعارہ کے فرمادی کہ جب تم ایسے یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہے کہ ایک مسیح تم سے ہی تمہیں دیا جائے گا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے کینہ اور بغض کو دور کر دے گا۔ شیر اور بکری کو ایک جگہ بٹھا دے گا اور سانپوں کی زہر نکال دے گا اور بچے تمہارے سلبہ بول اور بچھوؤں سے کھیلیں گے اور ان کی زہر سے ضرر نہیں اٹھائیں گے۔ یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ حرب مذہبی اختلاف

دور ہو جاویں گے تو یک دفعہ فلسفی محبت کا چشمہ بوش مارے گا اور تباغض اور تحاسن دور ہو جائے گا اور تعصب کی زہریں نکل جائیں گی اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک عمل پیدا کرے گا تب اسلام کے دن پھر سعادت اور اقبال کی طرف پھریں گے اور سب مل کر اس کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کر دیا جائے اور بددشست مولویوں کے حکم اور فتویٰ سے دین اسلام سے خارج کر دئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کر کے ایک یہود اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ان کو ایسا کافر ٹھہرا دیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں اور نہ صرف شرع کی بدستھی سے یہ بدو و جہد شروع ہے۔ بلکہ ایسے مادہ کے لوگوں کو الہام بھی ہو رہے ہیں کہ فلاں مسلم کافر ہو اور فلاں مسلم جتنی ہے اور فلاں ایسا کفر میں غرق ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔ اور زندگی کے بوشوں کی وجہ سے لعنتوں پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور لعنت بازی کے لئے باہم مسلمانوں کے کے مباہلہ کے فتوے مئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب تلایا یوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانیا والے کیڑے اس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے کہ مسلمانوں کے تمام مذاہب میں علم طور پر اختلافات مجتہدہ جاری و ساری ہیں اور کسی بات میں کوئی خطا پر ہے اور کسی بات میں کوئی۔ اب کیا یہ انسایت ہے یا ہمدردی اور رحم میں داخل ہے کہ طریق تصفیہ یہ ٹھہرایا جاسکے کہ تمام مسلمان کیا ائمہ اربعہ کے پیرو اور کیا محدثین کے پیرو اور کیا متصوفین۔ ان ادنیٰ ادنیٰ اختلافات کی وجہ سے مباہلہ کے میدان میں آکر ایک دوسرے پر لعنت کرنا شروع کر دیں۔ اب عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر مباہلہ اور لاعنہ کے بعد صاعقہ قہر الہی فرقہ مخطفین پر ضروری وقوع ہے تو کیا اس کا بجز اس کے کوئی اور نتیجہ ہو گا کہ یک دفعہ خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا اور اپنے اپنے اجتماعی خطا کی وجہ سے سب ہلاک کئے جائیں گے۔ یہ نادان کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے جو مباہلہ کی درخواست کی تھی اس سے نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا باہم مباہلہ

جائز ہے مگر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے اس قول سے رجوع نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مباہلہ ہو کر خطیبوں پر یہ عذاب نازل ہوا تھا۔ حتی بات یہ ہو کہ ابن مسعودؓ ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا۔ اُس نے جو شس میں اگر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو ان ہوا الا وحی یوحی لیس داخل کیا جائے۔ صحابہ کے مشاہرات اور اختلافات پر نظر ڈالو جن کی بعض اوقات سیف و سنان تک فو بت پہنچ گئی تھی حضرت معاویہؓ بھی تو صحابی ہی تھے جنہوں نے خطاہر جم کر ہزاروں آدمیوں کے خون کرائے۔ اگر ابن مسعودؓ نے خطا کی تو کونسا غضب آگیا۔ اور بے شک اُس نے اگر جزئی اختلافات میں مباہلہ کی درخواست کی تو سخت خطا کی جبکہ صحابیؓ سے اور باتوں میں خطا ممکن ہے تو کیا پھر مباہلہ کی درخواست میں خطا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ میں کس قدر اختلافات واقع تھے۔ کوئی جیسا سر والے دجال کو دجال محمود سمجھتا تھا اور کوئی قسم کھا کر کہتا تھا کہ ابن علیؓ ہی دجال ہے۔ کوئی جہانی معراج کا قائل تھا اور کوئی اس کو خواب بناتا تھا اور بعض سورتوں کو جیسے موزتین قرآن شریف کی جزو سمجھتا تھا اور کوئی اس سے باہر خیال کرتا تھا۔ اب کیا یہ سارے سچ پر تھے اور جب ایک قسم کی کسی سے غلطی ہوئی تو دوسری قسم کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کیا جہالت ہے کہ صحابی کو بکلی غلطی اور خطا سے پاک سمجھا جائے اور اس کے مجرّد اپنے ہی قول کو ایسا قبول کیا جائے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قبول کرنا چاہیے

مسلمانو! اؤ خدا سے شش ماؤ اور یہ نمونہ اپنی مولویت اور تفقہ کا مست
دکھلاؤ۔ مسلمان تو آگے ہی تھوڑے ہیں تم ان تھوڑوں کو اور نہ گھٹاؤ
اور کافروں کی تعداد بڑھاؤ۔ اور اگر ہمارے کہنے کا
کچھ اثر نہیں تو اپنی تحریرات مطبوعہ کو شرم
سے دیکھو اور فتنہ انگیز تقریریں ہی باز آؤ۔

قرآن شریف کی وہ سلسل تین

جن سے حج ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہو چکا ہے

(۱) پہلی آیت مدیانیہ یعنی انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک من الذین کفہوا
وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفہوا الی یوم القیامۃ۔ یعنی اے عیسیٰ میں
تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا اور کافروں کی
تمتوں سے پاک کر دینا والا ہوں اور تیرے قہقین کو تیرے منکر وں پر قیامت تک قلبہ
دینے والا ہوں۔

(۲) دوسری آیت جو حج ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے یہ ہے بل دفعہ
اللہ الیہ یعنی حج ابن مریم مقتول اور مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت
سے نہیں مرا۔ جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا خیال ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت
کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ جانا چاہیے کہ اس جگہ دفع سے مراد وہ موت ہی
جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے ورفعه مکانا
عالیہ تیرت حضرت اوریس کے حق میں ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کے یہی
معنی ہیں کہ ہم نے اوریس کو موت دے کر مکان بلند میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اگر وہ بغیر
ہمت کے آسمان پر چڑھ گئے تو پھر وہ نہ عزت موت جو ایک انسان کے لئے ایک لازمی
امر ہے نہ جوئے نہ نہارے گا کہ یا تو وہ کسی وقت اور ہی فوت ہو جائیں اور یا زمین پر گر
فوت ہوں۔ مگر یہ دونوں شق متنع ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثبات ہے کہ جسم خلکی
موت کے بعد پھر خاک ہی میں داخل کیا جاتا ہے اور خاک ہی کی طرف عود کرتا ہے۔
اور خاک ہی سے اس کا حشر ہو گا۔ اور اوریس کا پھر زمین پر آنا اور دوبارہ آسمان کو

نازل ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے بلکہ ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ مقررین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت اُن کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں فقط عند صدق عند ملیک مقتدر (۳) تیسری آیت جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے یہ ہے

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ یعنی جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی اُن پر نگہبان تھا۔ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں توفی کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ قُلْ يَتُوقِعْكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اور پھر فرماتا ہے وَلَكِنْ اَعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي يَتُوقِعْكُمْ اور پھر فرماتا ہے كَحَتَّى يَتُوقِعَ لَكُمُ الْمَوْتَ اور پھر فرماتا ہے حَتَّى اِذَا جَاءَ تَهُمْ رُسُلُنَا يَتُوفُونَهُمْ (البقرہ سورہ الاعراف) اور پھر فرماتا ہے تَوَفَّيْتَهُمْ رُسُلُنَا اِیسا ہی قرآن شریف کے تیسریس مقام میں برابر توفی کے معنی امانت اور قبض روح ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی رو سے اس جگہ توفیتی سے مراد رفعتی لیا ہے اور اس طیف ذرہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں۔ پس یہی تو الحاد ہے کہ جن خاص محضوں کا قرآن کریم نے اول سے آخر تک التزام کیا ہے اُن کو بغیر کسی قریبہ قویہ کے ترک کر دیا گیا ہے۔ توفی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جہاں جہاں احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے محضوں پر ہی آتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے غور سے صحاح ستہ کو دیکھا تو ہر ایک جگہ جو توفی کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے منہ سے تو انہیں محضوں میں محضو پایا گیا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی کوئی ایسا توفی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اور معنی ہوں۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ اسلام میں

بطور اصطلاح کے قبض روح کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہو تاہم کی بقا پر دلالت کرے۔

افسوس کہ بعض علماء جب دیکھتے ہیں کہ توفی کے معنی حقیقت میں وفات دینے کے ہیں تو پھر یہ دوسری تاویل پیش کرتے ہیں کہ آیت فلما توفیتنی میں جس توفی کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد واقع ہوگی لیکن تعجب کہ وہ اس قدر تلویحات رکیکہ کرنے سے ذرہ بھی شرم نہیں کرتے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے واذ قال اللہ یعیسیٰ آءنت قلت للناس انا اور ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اقل اذ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا۔ اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی فلما توفیتنی وہ بھی بصیغہ ماضی ہے اور اس قصہ سے پہلے جو بعض دوسرے قصے قرآن کریم میں اسی سلسلے سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی انہیں معنوں کے موید ہیں مثلاً یہ قصہ واذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفه۔ کیا اس کے یہ معنی کرنے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کسی استقبال کے زمانہ میں ملائکہ سے ایسا سوال کرے گا ماسوا اس کے قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے اور حدیثیں بھی اس کی مصدق ہیں کہ موت کے بعد قبل از قیامت بھی بطور باز پرس سوالات ہوا کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته اور ہم اسی رسالہ میں اسکی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔

(۵) پانچویں آیت ہے ما اهل السج ابن مریم قد خلت من قبله الرسل و اقمہ صدیقہ کاٹا یا کلان الطعام (الحجہ و ذی الحجہ ۱۲۴۰) یعنی مسیح صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے۔ یہ آیت بھی مرثعہ نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں

بصرف بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے
 ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو ال کو
 چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام
 کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہو گئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تشبیہ کا
 صیغہ ہے حضرت عیسیٰ بھی حضرت مریم کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں بایک ہی حکم کے
 نیچے داخل ہیں لہذا حضرت مریم کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی ماننی پڑی کیونکہ آیت
 مونسوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم تو بوجہ موت طعام کھانے سے
 روکے گئے لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔ اور جب ہم اس آیت مذکورہ بالا کو اس
 دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں کہ مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ
 جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔
 تو اس تفسیر اور قطعی نتیجہ تک ہم پہنچ جائیں گے کہ فی الواقعہ حضرت مسیح فوت ہو گئے کیونکہ
 پہلی آیت سے ثابت ہو گیا کہ اب وہ کھانا نہیں کھاتے اور دوسری آیت بتا رہی ہے
 کہ جب تک یہ جسم خاکی زندہ ہے طعام کھاتا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس کے قطعی
 طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔

(۶) چھٹی آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ۔ اس آیت کی پہلی آیت
 کے ساتھ ابھی بیان ہو چکا ہے اور درحقیقت یہی کیسی آیت کافی طور پر مسیح کی موت پر
 دلالت کر رہی ہے کیونکہ جبکہ کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا ہی سنتِ خدا
 ہے تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ اور اشدّ مبتلائے فرمانا
 ہے وَلَوْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔ اور اگر کوئی کہے کہ اصحاب کف بغیر طعام
 کے زندہ موجود ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ ان کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی
 حدیث سو بس والی ان کو بھی ماری چکی ہے۔ بیشک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ

صحاب کف بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی بھی کامل زندگی ہے۔ مگر وہ دنیا کی ایک ناقصہ کیفیت زندگی سے نجات پا گئے ہیں۔ دنیا کی زندگی کیا چیز ہے اور کیا حقیقت۔ ایک جاہل اسی کو بڑی چیز سمجھتا ہے اور ہر ایک قسم کی زندگی کو جو قرآن شریف میں مذکور و مندرج ہے اسی کی طرف گھسیٹا ہوا چلا جاتا ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ دنیوی زندگی تو ایک کوئی درجہ کی زندگی جو جس کے آرزو ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے اور جس کے ساتھ نہایت غلیظ اور مکروہ لوازم لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایک انسان کو اس کی زندگی سے ایک بہتر زندگی ماحصل ہو جائے اور سنت اللہ میں فرق نہ ہو تو اس سے زیادہ اور کونسی خوبی ہے۔

(۷) ساتویں آیت یہ ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہیں ان سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سحر پھر جاؤ۔ اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کیلئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کر دیا اب تک زندہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی۔

(۸) آٹھویں آیت یہ ہے وما حملنا النضر من قبلک الخلد افان مت فہم الخلد یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ زندہ اور ایک حالت پر رہنے نہیں بنایا پس کیا اگر تو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے بچا نہیں اور نہ آئندہ بچے گا۔ اور لغت کے رُوسے خلود کی مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہے۔ کیونکہ تغیر موت اور زوال کی تمہید ہے پس نفی خلود جو ثابت ہوا

بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ازل عمر کی طرف رو کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔ بیائیت بھی سچ ابن مریم کی موت پر ولادت کرتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پاوے تو دن بدن ازل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہو اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۳) تیرھویں یہ آیت ہے وَلَكُمْ فِي الارضِ مَسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اَلْحَيْنِ يَعْنِي تَمِ اِنْتُمْ اَجْسَمُ خَلْقِي كَسَا تَحْذَرُ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکھ جو اس جگہ فائدہ تقصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت ولایت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔

(۱۴) چودھویں یہ آیت ہے وَمِنْ نَعْمَاتِهِ نَنْكَسُهُ فَاِذَا خَلَقْتُمْ مَعْنٰی جَسَدٍ زَاوِدٍ عَمْرٍ دِیْتُمْ ہیں تو اس کی پیدائش کو اُلٹا دیتے ہیں یعنی انسانیت کی طاقتیں اور قوتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ سو اس میں اس کے فرق آجاتا ہے عقل اس کی زائل ہو جاتی ہے۔ اب اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے اُن کی انسانیت کے قوی میں بکلی فرق آگیا ہو گا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے اور یقینی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ مدت سے وہ مر گئے ہوں گے۔

(۱۵) پندرھویں آیت یہ ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِیْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعِیْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعِیْفًا وَشِیْبَةً۔ یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے تمہیں ضعیف سے پیدا کیا پھر ضعیف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعیف اور پیرانہ سالی دی بیائیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے

کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں اور ہر کچھ مخلوق اس محیط قانون میں داخل ہے کہ زمانہ اس کی عمر پر اثر کر رہا ہے یہاں تک کہ تاشیر زمانہ کی سے وہ پیر فروت ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے

(۱۶) سولھویں آیت یہ ہے۔ انما مثل الحیوة الدنیا کما یرزقہ من السماء فاختلط به نبات الارض حکایا کل الناس والا نعام الخ یعنی اس دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کاٹی جاتی ہے۔ یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے اول کمال کی طرف رُخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا جاتا ہے کیا اس قانون قدرت سے سیح باہر رکھا گیا ہے۔

(۱۷) سترھویں آیت ثم انکم بعد ذالک لمیتون (الحمد و فہم سورۃ المؤمنون) یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ تم کو کھال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کھال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مر جاتے ہو یعنی تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی قانون قدرت ہے کوئی بشر اس سے باہر نہیں۔ اے خداوند قدیر اپنے اس قانون قدرت کے سمجھنے کے لئے ان لوگوں کو بھی آنکھ بخش مہیج ابن مریم کو اس سے باہر سمجھتے ہیں۔

(۱۸) اٹھارھویں آیت السر تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینا بیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعاً مختلفاً الوانہ ثم یھیج فتراہ مصفرّاً ثم یجعلہ حطاً ما ان فی ذالک لذرکری لادلی الالباب (الحمد و فہم سورۃ الزمر) ان آیات میں بھی مثال کے طور پر یہ ظاہر کیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۹) اُنیسویں آیت یہ ہے وما ارسلنا قبلك من المرسلین الا انهم لیاكلون الطعام ویمشون فلیسوا قدام ربك یعلمون (سورۃ الفرقان) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔ اور پچھلے ہم پلص قرآنی ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کے لوازم میں سے طعام کا کھانا ہے سو چونکہ وہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صفت ہو چکے ہیں جن میں بوجہ کلمہ صریح بھی داخل ہے۔

(۲۰) بیسویں آیت یہ ہے والذین یلحدون من دون الله لایخلقون شیئاً وہم یخلقون اموات غیر احواء وما یشعرون ایمان یبعثون (سورۃ النحل) یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مرنے کے بعد بھی تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ دیکھو یہ آیتیں کس قدر صراحت سے صبح اور آں سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے اور آں سے دعائیں مانگتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ صبح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن کریم کے ماننے میں کلام ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں سنکر پھر وہیں ٹھہر نہ جانا کیا ایسا اندازوں کا کام ہے۔

(۲۱) اکیسویں آیت یہ ہے ما کان محمد اباً احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا پس اس سے بھی بخمال وضاحت ثابت ہے کہ صبح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں سکتا کیونکہ

سچ ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سچ ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔ اور یہ خیال کہ پھر وہ موت کے بعد زندہ ہو گیا مخالف کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ بھی ہو گیا تاہم اس کی رسالت جو اس کے لئے لازم غیب منہک ہے اُسے دنیائیں آنے سے روکتی ہے۔ ماسوا اس کے ہم بیان کر آئے ہیں کہ سچ کا مرنے کے بعد زندہ ہونا اس قسم کا نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے بلکہ شہداء کی زندگی کے موافق ہو جس میں مراتب قرب و مکمل حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی حیات کا تہران کیم میں جا بجا بیان کیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے یہ آیت قرآن شریف میں درج ہے۔ والذی یمیتخی ثم یحییہ یعنی وہ خدایو مجھے مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ اس موت اور حیات سے مراد صرف جسمانی موت اور حیات نہیں بلکہ اس موت اور حیات کی طرف اشارہ ہے جو سالک کو اپنے مقامات و منازل سلوک میں پیش آتی ہے چنانچہ وہ خصلت کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور خالق حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے رفقاء کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے رفیق اعلیٰ کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر اپنے نفس کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی موتیں اس پر وارد ہوتی رہتی ہیں اور کئی حیاتیں۔ یہاں تک کہ کامل حیات کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے سو وہ کامل حیات جو اس سفلی دنیا کے چھوڑنے کے بعد ملتی ہے وہ جسم خاکی کی حیات نہیں بلکہ اور رنگ اور شان کی حیات ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وان الدار الاخرۃ لھما الحیوان لو کانوا یعلمون (الحجۃ نمبر ۲۱)

۶۱۵

۶۱۶

(۲۲) بایسویں آیت یہ ہے فاستلکوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جاوے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم [ؑ] ہی فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین و کتاب ملاکی نبی اور انجیل بواہلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا کس طور سے حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے۔

(۲۳) بیسویں آیت آیا ایتمھما النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر اس کے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی بسوط طور پر اپنے صحیح میں لکھا ہے ثبات ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے لہذا حسب ولایت ^{۷۱۸} صریح اس نص کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔ امانہ کتاب القرآن الکریم و کفرنا بل ما یخالف ایما الناس اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء قد جاءکم موعظة من ربکم وشفاء لهما فی الصدور۔ فاتبعوه۔ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلکم۔

بے حضرات مولوی صاحبان کہاں گئی تمہاری توحید اور کہاں گئے وہ جسے چوڑے
دعوے اطاعت قرآن کریم کے۔ هل منكم رجل في قلبه عظمة القرآن
مشقال ذرہ؟

(۲۶) چھ بیسویں آیت ان المتقين فی جنّٰت و نصرا فی مقعد صدق عند مليك
مقتدر۔ الحجرات ۲۷، سورۃ القمر یعنی متقی لوگ جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہر ایک
قسم کی سکرشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنّات اور نہر میں ہیں
صدق کی نشست گاہ میں یا اقتدار بادشاہ کے پاس۔ اب ان آیات کی رو سے
صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے
یعنی خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم
ٹھہرایا گیا ہے۔ سو اگر رافعک الی کے یہی معنی ہیں جو سبح خدا تعالیٰ کی طرف
اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت یعنی ارجی
الی ربك جو رافعک الی کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے۔
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھنے جانا اور گزشتہ مقربوں
کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک
ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی سچ ابن مریم کا فوت
ہونا ہی ثابت ہوا۔ فالحمد لله الذی احق الحق وابطل الباطل و نصرا
عبده و ایتدا مامورہ۔

(۲۷) ستائیسویں آیت یہ ہے ان الذین سبقتم لهم منّا الحسنیٰ اولئک عنہا
مبعدون لا یسمعون حسیسہا و ہم فی ما اشتہت انفسہم خلد و ن۔
یعنی جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے۔ وہ
دورخ سے دور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں اس آیت کے مراد

حضرت عزیز اور حضرت سچ ہیں اور اُن کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثبات ہوتا ہی جس سے اُن کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے۔

(۲۸) اٹھائیسویں آیت ابن ماکونوا یدر حکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ۔ (الجود نہرہ) یعنی جس جگہ تم ہو اُسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں ہو دو باش اختیار کرو۔ اس آیت سے بھی صریح ثبات ہوتا ہی کہ موت اور لوازم موت یک جگہ جسم خالی پر وارد ہو جاتے ہیں۔ یہی اُمت اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثنائے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے سچ باہر رہ جاتا۔ پس بلاشبہ یہ اشارۃ النص بھی سچ ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں۔ موت کے تعاقب سے مراز مانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا امراض و آفات منجر الی الموت تک پہنچا لے ہے اس کو کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔

(۲۹) اٹھیسویں آیت مَا اَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخَذُوْهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ یعنی رسول ہو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لہذا اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔ سو پہلے وہ حدیث سنو جو مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے۔

وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعمار امتي ما بين المستين الى السبعين واقلهم من يجوز ذلك رواه الترمذی وابن ماجہ۔ یعنی اکثر عمریں میری امت کی ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی۔ اور ایسے لوگ کمتر ہونگے جو ان سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت سچ ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آئے ہیں۔ پھر اتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اور لوگ ستر برس تک مشکل سے پہنچیں اور اُن کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گزر گئے اور اب تک مرنے میں

نہیں آتے۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں آکر پھر چالیس پینتالیس برس زندہ رہیں گے پھر دوسری حدیث مسلم کی ہے جو جابر سے روایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔
 وعن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشہر
 تستلونی عن الساعۃ وانما علمہا عند اللہ فاقسم باللہ ما علی الارض
 من نفیس منفوسۃ یا قی علیہا مائۃ سنۃ وہی حیتہ رواہ مسلم اور
 روایت ہے جابر سے کہا سنائیں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وہ قسم
 کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسی زمین پر مخلوق نہیں جو اس پر سو برس گزرے اور
 وہ زندہ رہے۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص زمین کی مخلوقات میں سے جو
 وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہے گا اور ارض کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا
 ۶۲۵
 آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت سحاح ابن مریم
 آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ماعلی الارض میں داخل
 ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی جسم خاکی زمین پر رہے تو فوت ہو جائیگا اور
 اگر آسمان پر چلا جائے تو فوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا تو خود
 بموجب نص قرآن کریم کے ممتنع ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا
 ہوا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

(۴۴) تیسویں آیت یہ ہے او تترقی فی السماء... قل سبحان ربی هل کنت الالبشرا
 رسولاً یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آویں گے۔
 ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الالبشرا میں ایسے کھلے
 کھلے نشان دکھاوے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت
 سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے
 کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اشد نہیں کہ کسی جسم خاکی کو

آسمان پر لے جائے۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ان مریم کا آسمان پر جانا ہی مان لیا جائے تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے کلائق ٹھہر جائیگا اور کلام انہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا لہذا قطعی اور یقینی ہی امر یہ کہ حضرت یحییٰ جبکہ انصاری آسمان پر نہیں گئے بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں۔ بھلا ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا موت کے بعد حضرت یحییٰ اور حضرت آدم اور حضرت ادریس اور حضرت ایلاہیم اور حضرت یوسف وغیرہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا نہیں اگر نہیں اٹھائے گئے تو میرا کون سا معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آسمان میں دیکھا اور اگر اٹھائے گئے تھے تو پھر باقی مسیح ان مریم کو رفع کے کیوں اور طور پر مرنے کے جلتے ہیں تعجب کہ توفی کا لفظ جو صحیح و خاتم برذات کرتا ہے جابجائے حق میں موجود ہے اور اٹھائے جانے کا نونہ بھی بدیہی طور پر کھلا ہے کیونکہ وہ انہیں قوت شدہ لوگوں میں جلتے جوائیں پہلے اٹھائے گئے تھے اور اگر کہو کہ وہ لوگ اٹھائے نہیں گئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ پھر آسمان میں کیونکر پہنچ گئے آخر اٹھائے گئے تھے تو آسمان میں پہنچے کیا تم قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھتے ورفعتہ مکانا علیہا کیا یہ وہی رفع نہیں ہے جو مسیح کے بارہ میں آیا ہے؟ کیا اس کے اٹھائے جانے کے معنی نہیں ہیں فانی تصرفون ؟

۲۳۹

حضرات غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب

الہامات کے بارے میں کچھ مختصر تحریر

میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب لکھنؤ والے اس عاجز کے حق میں لکھتے ہیں کہ میں الہام ہوا ہے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ چنانچہ عبدالحق صاحب کے الہام میں تو صریح سیصلیٰ تاراً ذات الہیٰ موجود ہے اور محی الدین صاحب کو یہ الہام ہوا ہے

۲۴۰

کہ یہ شخص ایسا لحد اور کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ جس کافر کا مآل کار کفر ہی ہو وہ بھی جہنمی ہی ہوتا ہے۔ غرض ان دونوں صاحبوں نے کہ خدا انہیں بہشت نصیب کرے اس عاجز کی نسبت بہتم اور کفر کا فتوے دے دیا اور بڑے زور سے اپنے الہامات کو شائع کر دیا۔ ہم اس جگہ ان صاحبوں کے الہامات کی نسبت کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے کہ الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ یا استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یقیناً غنی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بڑا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا ان یقتلوا النبی الشیطان فی امنیہم الخ ایسا ہی انجیل میں بھی لکھا ہے کہ شیطان اپنی شکل نوری فرشتوں کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آ جاتا ہے دیکھو خط دوم قرنصیاں باب آیت ۱۲۔ اور مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب بائیس آیت ایس میں لکھا ہے کہ ایک بلو شاہ کے وقت میں چار سونی نے اس کی فتح کے بارے میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے ٹکے اور بادشاہ کو شکست آئی بلکہ وہ اُسی میدان میں مر گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا نوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا اور ان نبیوں نے دھوکا کھا کر بتائی سمجھ لیا تھا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ جس حالت میں قرآن کریم کی رو سے الہام اور وحی میں دخل شیطان ممکن ہے اور پہلی کتابیں توریت اور انجیل اس دخل کی مصدق ہیں اور اسی بناء پر

الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت و مطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں
تو پھر ناظرین کے لئے غور کا مقام ہے کہ کیونکر اور کن حالات تینہ سے میاں عبدالحق
صاحب اور میاں محی الدین صاحب نے اپنے الہامات کو حسانی الہامات سمجھ لیا ہے۔ ان کے
الہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص عیسیٰ بن مریم کی وفات کا قائل ہو اور دنیا میں انہیں
کا دوبارہ آنا تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے۔ لیکن ناظرین اب اس رسالہ کو پڑھ کر بطور
حق الیقین سمجھ جائیں گے کہ درحقیقت واقعی امر جو قرآن شریف سے ظاہر ہو رہا ہے
یہی ہے کہ سچ محض حضرت مسیح ابن مریم فوت ہی ہو گئے اور فوت شدہ جماعت میں صد ہا
سال سے داخل ہیں۔ سو بڑی اور بھاری نشانی میاں محی الدین اور میاں عبدالحق صاحب
کے شیطانی الہام کی یہ نکل آئی کہ ان کے اس خیال کا قرآن شریف مکتب ہے۔ اور
شمشیر بر منہ لے کر مقابلہ کر رہا ہے۔ اب اس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ ابلیس و کفار
نے کسی اندرونی مناسبت کی وجہ سے ان دونوں صاحبوں کو استخارہ کے وقت جاپاکڑا
اور قرآن کریم کے منشاء کے خلاف ان کو تعلیم دی۔ بھلا ان صاحبوں کے یہ الہامات
سچے ہیں تو اب قرآن کریم کی رو سے مسیح ابن مریم کا زندہ ہونا ثابت کر کے دکھلا دیں اور ہم
دش یا بیشش آیتوں کا مطالعہ نہیں کرتے صرف ایک آیت ہی زندہ ہونے کے بارے
میں پیش کریں۔ اور جس فرشتہ نے اس عاجز کے جہنمی یا کافر ہونے کے بارے میں
بھٹ پٹ ان کے کانوں تک دو تین فقرے پہنچا دیئے تھے اب اُسی سے درخواست کریں
کہ ہماری مدد کر۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کم از کم
تیس آیت حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کے بارے میں فی الفور القاء ہو جائیں گی
کیونکہ ہم نے بھی تو تیس آیت ان کے مرنے کے ثبوت میں پیش کی ہیں لیکن یاد رکھنا
چاہیئے کہ یہ لوگ ایک بھی آیت نہیں پیش کر سکیں گے۔ کیونکہ ان کے الہامات شیطانی
ہیں اور حزب شیطان ہمیشہ مغلوب ہے۔ وہ بے چارہ لعنتوں کا مارا خود مرنے والا ہے

پھر دوسرے دل کی کیا مدد کرے گا۔

۶۳۲ باسوا اس کے یہ بھی یلو رہے کہ رحمانی الہامات اپنے بابرکت نشاۃل سے شناخت کئے جلتے ہیں۔ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے قبول کرنے کے لائق نہیں ہوتا خداوند عظیم و حکیم اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس عاجز نے صرف ایسی صورت میں اپنے الہامات کو منجانب اللہ سمجھا کہ جب صدا الہامی پیش گوئیاں روز روشن کی طرح پوری ہو گئیں سو جو شخص اس عاجز کے مقابل پر کھڑا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے الہامات منجانب اللہ ہونے کے اثبات میں میسر ہی طرح کسی قدر پیش گوئیاں بیان کرے۔ بالخصوص ایسی پیش گوئیاں جو فضل اور احسان باریہ تعالیٰ پر دلالت کرتی ہوں۔ کیونکہ مقبولین کی شناخت کے لئے ایسی ہی پیش گوئیاں عمدہ دلیل ہیں جو کسی آئندہ عنایات دینہ کا وعدہ دیتی ہوں۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ انہیں پر فضل و احسان کرتا ہے جن کو نظر عنایت دیکھتا ہے۔

۶۳۳ جن پیش گوئیوں کی سچائی پر میسر ہی سچائی کا حصر ہے وہ یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو مغلوب ہو کر یعنی بظاہر مغلوبوں کی طرح حقیر ہو کر پھر آخر غالب ہو جائے گا اور انجام تیرے لئے ہو گا۔ اور ہم وہ تمام پوچھ چھوے اتار لیں گے جس نے تیری مکر توڑ دی۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تیری توحید تیری عظمت تیری کمالیت پیدائے خدا تعالیٰ تیرے چہرہ کو ظاہر کرے گا اور تیرے سایہ کو لمبا کر دے گا۔ دنیا میں ایک تذیبرا یا پردیانی نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے نور اور حلوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ عقوبت اسے ایک ملک عظیم دیا جائے گا یعنی اُس کو قبولیت بخشی جائے گی اور خلق کثیر کے دل اس کی طرف مائل کئے جائیں گے۔ اور خزان اُن پر کھولے جائیں گے یعنی خزان معارف و حقائق کھولے جائیں گے کہ وہ کمالی مال جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو ملتا ہے جس کو وہ دنیا میں تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کا درہم و دینار نہیں بلکہ حکمت و معرفت ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا ہے کہ یوقی الحکمة من يشاء ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا۔ خیر مال کو کہتے ہیں سو پاک مال حکمت ہی ہے جس کی طرف حدیث نبوی میں بھی اشارہ ہے کہ انما انا قاسم واللہ ہوا المعطی۔ یہی مال ہے کچھ موعود کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب ہم عنقریب تم میں ہی اور تمہارے ارد گرد نشان دکھلا دیں گے حجت قائم ہو جائے گی اور فتح کھلی کھلی ہوگی۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بھاری جماعت ہیں یہ سب بھاگ جائیں گے اور بیٹھ پھریں گے اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں گے پر میں نہیں چھوڑو گا اور اگر لوگ تجھے نہیں بچائیں گے پر میں تجھے بچاؤں گا میں اپنی جہاد دکھاؤں گا اور قدرت نمائی سے تجھے اٹھاؤں گا اے ابراہیم تجھ پر سلام ہم نے تجھے خالص دوستی کے ساتھ چن لیا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تعزید۔ خدا ایسا نہیں جو تجھے چھوڑ دے۔ جب تک وہ غیث کو طیب سے جدا نہ کرے۔ وہ تیرے مجد کو زیادہ کرے گا اور تیری ذریت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائیگا میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند کروں گا اور تیری محبت دلوں میں ڈال دوں گا۔ جہلناک آج ابن مریم دہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) ابن کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔ یہ کہیں گے کہ ہم نے پہلوں سے ایسا نہیں سنا۔ سو تو ان کو جواب دے کہ تمہارے معلومات کچھ نہیں خدا بہتر جانتا ہے۔ تم ظاہر لفظ اور الامام پر قائل ہو اور اصل حقیقت تم پر کشف نہیں۔ جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو اسرار ملکوتی سے حصہ ہے۔ ایک اولوالعزم پیدا ہوگا۔ وہ حسن اور احسان میں تیسرا نظیر ہوگا وہ تیری ہی نسل سے ہوگا۔ فرزند و بلند گرامی ارجمند

۶۳۴

۶۳۵

مظهر الحق والعلاء كان الشد نزل من السماء-

یاتی علیک زمان مختلف بازواج مختلفہ و تروی نسلابعدا و تخمیناً
حیوۃ طیبۃ ثمانین حولاً او قریباً من ذلک - انک باعیننا سمیتک المتوکل
یحمدک اللہ من عرشہ - کذبوا بآیتنا و کانوا بہا یستہزنون فسیکفیکہم
اللہ و یردہا الیک لا تبدیل لکلمات اللہ ان سربک فعاک لسا یرید یر عبات
اشتمار دم جولائی ۱۸۸۸ء کی پیشگوئی ہے۔

اب جس قدر میں نے بطور نمونہ کے پیشگوئیاں بیان کی ہیں۔ و حقیقت میرے صدق
یا کذب کے آزمانے کے لئے یہی کافی ہے اور جو شخص اپنے تئیں ملہم قرار دیکر مجھے کاؤب
اور جہنمی خیال کرتا ہے اُس کے لئے فیصلہ کا طریق یہ ہے کہ وہ بھی اپنی نسبت چند
اپنے اپنے الہامات کسی اخبار وغیرہ کے ذریعہ سے شائع کرے جس میں ایسی ہی صاف اور
میرج پیشگوئیاں ہوں۔ تب خود لوگ ظہور کے وقت اندازہ کر لیں گے کہ کون شخص مقبول آہی
ہے اور کون مردود الہی۔ ورنہ صرف دعویوں سے کچھ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور خدا تعالیٰ
کی عنایات خاصہ میں سے ایک یہ بھی مجھ پر ہے کہ اُس نے علم حقائق و معارف قرآنی مجھ کو
عطا کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مطہرین کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم اعلانِ علامت ہو
کہ علم معارف قرآن حاصل ہو کیونکہ اشد جلسائے فرماتا ہے لایمستہ الا المطفہرون
سو مخالف پر بھی لازم ہے کہ جس قدر میں اب تک معارف قرآن کریم اپنی متفرق کتابوں
میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے مقابل پر کچھ اپنے معارف کا نمونہ دکھلاؤں اور کئی رسالہ
چھاپ کر شہر کریں تا لوگ دیکھ لیں کہ جو دقائق علم و معرفت اہل اشد کو ملتے ہیں۔ وہ
کہاں تک اُن کو حاصل ہیں مگر بشرطیکہ کتابوں کی نقل نہ ہو۔

ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبدالحق نے مبارک کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن
اب تک میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فرق کا فرما یا ظالم

نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہیے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے۔ یعنی عداً سچائی سے روگردان ہے مخفی نہیں ہے۔ تاہر یک فریق لعنت اللہ علی الکاذبین کہ سکے۔ اب اگر میاں عبدالحق اپنے تصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ خطی جانتا ہوں اور خطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔ کیا بجائے لعنت اللہ علی الکاذبین یہ کہنا جائز ہے کہ لعنت اللہ علی الخطیئین۔ کوئی مجھے سمجھا دے کہ اگر میں مباہلہ میں فریق مخالف حق پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ اگر میں لعنت اللہ علی الکاذبین کہوں تو صحیح نہیں کیونکہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا بلکہ ماول خطی سمجھتا ہوں جو نصوص کو انکے ظاہر سے پھیر کر ملاقیم قرینہ ماطن کی طرف لے جاتے ہیں اور کذب اس شے کا نام ہے جو عمداً اپنے بیان میں اس یقین کی مخالفت کی جائے جو دل میں حاصل ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ آج مجھے روزہ ہے اور خوب جانتا ہے کہ محمد میں روٹی کھا کے آیا ہوں سو یہ شخص کاذب ہے۔ غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اور چیز۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو یہ تو نہیں فرماتا کہ خطیوں پر لعنت کرو۔ اگر خطی سے مباہلہ اور ملاءنہ جائز ہوتا تو اسلام کے تمام فرقے جو باہم اختلاف سے بھرے ہوئے ہیں۔ بے شک باہم مباہلہ و ملاءنہ کر سکتے تھے اور بلاشبہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کا روئے زمین سے خاتمہ ہو جاتا۔ اور مباہلہ میں جماعت کا ہونا بھی ضروری ہر نفس قرآن کریم جماعت کو ضروری ٹھہرتی ہے۔ لیکن میاں عبدالحق نے اب تک ظاہر نہیں کیا کہ مشاہیر علماء کی جماعت اس قدر میرے ساتھ ہے جو مباہلہ کے لئے تیار ہے اور نسا و ابناء بھی ہیں۔ پھر جب شرائط مباہلہ متحقق نہیں تو مباہلہ کیونکر ہو۔ اور مباہلہ میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اول ازالہ شبہات کیا جائے۔ بجز اس صورت کے کہ کاذب قرار دینے میں کوئی تاثر اور شبہ کی جگہ باقی نہ ہو۔ لیکن میاں عبدالحق بحث مباحثہ کا تو نام تک بھی نہیں لیتے

ایک پُرانا خیال جو دل میں جما ہوا ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہو گئے اسی خیال کو اس طرح پر سمجھ لیا ہے کہ گویا مسیحؑ حضرت مسیحؑ ابن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے حالانکہ یہ ایک بھاری غلطی ہے۔ جو شخص فوت ہو چکا اھ جس کا فوت ہونا قرآن کریم کی تینس آیات سے پایہ ثبوت پہنچ گیا وہ کہاں سے اب زمین پر آجائے گا۔ قرآن شریف کی آیات، بینات، محکمات کو کونسی حدیث منسوخ کر دے گی۔ فیاتی حدیث بعد اللہ وایتہ یومنون ط سچ ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ کرنے پر قادر ہے مگر یہ قدرت اس کی وعدہ کے مخالف ہے۔ اُس نے صریح اور صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جو لوگ مر گئے پھر دنیا میں نہیں آیا کرتے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فیمسک الی قضی علیہا الموت اور جیسا کہ فرماتا ہے ثمانکم یوم القیمة تبعثون الجود نمبر ۱۸ یعنی تم مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور جیسا کہ فرماتا ہے حرام علی قریۃ اھلکھما انھم لا یرجعون اور جیسا کہ فرماتا ہے وما ہم منها بمخرجین۔ اور اگر یہ کہو کہ مجروحہ کے طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی موت نہیں ہوگی بلکہ غشی یا نیند وغیرہ کی قسم سے ہوگی۔ کیونکہ مات کے معنی لغت میں نام کے بھی ہیں دیکھو قاموس۔ غرض وہ موٹی بوائیک دم کے لئے زندہ ہو گئے ہوں وہ حقیقی موت ہی باہر ہیں۔ اور کوئی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ کبھی حقیقی اور واقعی طور پر کوئی مردہ زندہ ہو گیا اور دنیا میں واپس آیا اور اپنا ترکہ مقسومہ واپس لیا اور پھر دنیا میں رہنے لگا اور خود موت کا لفظ قرآن کریم میں ذوالجود ہے۔ کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے۔ اور ہوا و ہوس سے مرنا بھی ایک قسم کی موت ہے اور قریب الموت کا نام بھی میت ہی۔ اور یہی تینوں وجوہ استعمال حیات میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی حیات بھی تین قسم کی ہیں۔ لیکن آیت فیمسک الی قضی علیہا الموت بینات محکمات میں سے ہے اور نہ صرف ایک کیت

بلکہ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں کہ جو مرگیا وہ ہرگز پھر دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہو چکا کہ حضرت مسیحؑ فی الواقعہ فوت ہو چکے ہیں۔ پھر باوجود اس قرینہ صریحہ تینہ کے اگر حدیثوں میں ابن مریم کے نزول کا ذکر آیا ہے تو کیا یہ نقل شدی ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ ابن مریم رسول اللہ آسمان سے اتر آئے گا۔ مثلاً دیکھئے کہ اللہ جل شانہ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل ہماری اس نعمت کو یاد کرو کہ ہم نے آل فرعون سے تمہیں چھڑایا تھا جب وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو رکھ لیتے تھے۔ اور وہ زمانہ یاد کرو جب رہبانے تمہیں راہ دیا تھا اور فرعون اس کے لشکر کے سمیت غرق کیا گیا تھا اور وہ زمانہ یاد کرو جب تم نے موسیٰ کو کہا تھا کہ ہم بغیر دیکھے خدا پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تمہیں بدلی کا سایہ دیا اور تمہارے لئے من و سلویٰ اتارا اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کہہ طور تمہارے سر کے اوپر ہم نے رکھا تھا پھر تم نے سرکشی اختیار کی۔ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم نے خون نہ کرنا اور اپنے عزیزوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالنا اور تم نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم اس عہد پر قائم رہیں گے لیکن تم پھر بھی ناحق کا خون کرتے اور اپنے عزیزوں کو ان کے گھروں سے نکالتے رہے۔ تمہاری یہی عادت رہی کہ جب کوئی نبی تمہاری طرف بھیجا گیا تو بعض کو تم نے بھٹلایا اور بعض کے درپے قتل ہوئے یا قتل ہی کر دیا۔

اب فرمائیے کہ اگر یہ کلمات بطور استعارہ نہیں ہیں اور ان تمام آیات کو ظاہر پر حمل کرنا چاہیئے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو لوگ درحقیقت ان آیات کے مخاطب ہیں جن کو آل فرعون سے نجات دی گئی تھی اور جن کو دریا نے راہ دیا تھا اور جن پر من و سلویٰ اتارے گئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ ہی تھے

یا مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر آگئے تھے۔ کیا آپ لوگ جب مسجدوں میں بیٹھ کر قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاتے ہیں تو ان آیات کے معنی یہ سمجھایا کرتے ہیں کہ ان آیات کے مخاطبین ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک بقید حیات تھے یا قبروں سے زندہ ہو کر پھر دنیا میں آگئے تھے۔ اگر کوئی طالب العلم آپ سے سوال کرے کہ ان آیات کے ظاہر مفہوم سے تو یہی معنی نکلتے ہیں کہ مخاطب وہی لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ اور دوسرے نبیوں کے وقت موجود تھے کیا اب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ تھے یا زندہ ہو کر پھر دنیا میں آگئے تھے۔ تو کیا آپ کا یہی جواب نہیں کہ بھائی وہ تو سب فوت ہو گئے اور اب مجازی طور پر مخاطب اُن کی نسل ہی ہے جو اُن کے کاموں پر راضی ہے گویا انہیں کا وجود ہے یا یوں کہو کہ گویا وہی ہیں۔ قواب سمجھ لو کہ یہی مثال ابن مریم کے نزول کی ہے۔ سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ مراتب وجود و دعویٰ ہیں اور بعض کے ارواح بعض کی صورت مثالی لے کر اس عالم میں آتے ہیں اور روحانیت ان کی بجلی ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہے۔ آیت تشابہت قلوبہم کو غور سے پڑھو اس بات کو خوب غور سے سوچنا چاہیے کہ ابن مریم کے آنے کی اس آیت میں کیا ضرورت تھی اور یہ بات کس حکمت اور سر مخفی پر مبنی ہے کہ ابن مریم کے آنے کی خبر دی گئی داؤد یا موسیٰ یا سلیمان کے آنے کی خبر نہیں دی گئی۔ اس کی کیا حقیقت ہے اور کیا اصل ہے اور کیا بھید ہے۔ موجب ہم عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سطحی خیال کو چھوڑ کر غور کرتے کرتے بحر تدبیر اور تفکر میں بہت نیچے چلے جاتے ہیں تو اس گہرا غوطہ مارنے سے گہرا معرفت ہمارے ہاتھ آتا ہے کہ اس پیش گوئی کے بیان کرنے سے اصل مطلب یہ ہے کہ تا محمد مصطفیٰ حبیب اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ میں جو عند اللہ ماثلت نامہ ہے اور اُن کی امتوں پر جو احسانات حضرت احدیت تشابہ اور تشاکل طور پر واقع ہیں اُن کو بتصریح ہمایہ ثبوت پہنچایا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ موسوی شریعت کے آخری زمانہ میں امت کو کچھ

۶۴۳

۶۴۴

فساد یہودیوں میں واقع ہو گیا تھا اور انواع و اقسام کے فرقے اُن میں پیدا ہو گئے تھے اور باہمی ہمدردی اور محبت اور حقوق اخوت سب دور ہو کر بجائے اس کے تباہی و تباہی اور کینہ اور عداوت باہمی پیدا ہو گئے تھے اور خدا تعالیٰ کی پرستش اور خوفِ الہی بھی اُن کے دلوں میں سے اُٹھ گیا تھا اور جھگڑے اور فساد اور دنیا پرستی کے خیالات اور انواع و اقسام کے ممکنہ بدول اور مولویوں اور دنیا داروں میں اپنے اپنے طرز کے موافق پیدا ہو گئے تھے اور اُن کے ہاتھ میں بجائے مذہب کے صرف رسم اور عادت رہ گئی تھی۔ اور حقیقی نیکی سے بکلی بے خبر ہو گئے تھے اور دلوں میں از حد سختی بڑھ گئی تھی۔ ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو نبی اسرائیل کے نبیوں کا خاتم الانبیاء کر کے بھیجا۔ مسیح ابن مریم تلوار یا نیزہ کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ اس کو جساد کا حکم تھا بلکہ صرف محبت اور بیان کی تلوار اس کو دی گئی تھی تا یہودیوں کی اندرونی حالت درست کرے اور قوریت کے احکام پر دوبارہ اُن کو قائم کر دے۔ ایسا ہی شریعت محمدیہ کے آخری زمانہ میں جو یہ زمانہ ہے اکثر مسلمانوں نے سراسر یہودیوں کا رنگ قبول کر لیا اور اپنے باطن کی رو سے اُسی طرز کے یہودی ہو گئے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے تجدید احکام فرقان کریم کے لئے ایک شخص کو بعینہ مسیح ابن مریم کے رنگ پر بھیج دیا اور استعارہ کے طور پر اس کا نام بھی عیسیٰ ابن مریم رکھا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا پورا نام فرقان کریم میں یہی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اسلمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم وجہا فلان نیا والاخرۃ ومن المقربین۔ سو چونکہ اس بات کا ظہر کرنا منظور تھا کہ جب آخری زمانہ میں اس اُمت میں فساد واقع ہو تو اس اُمت کو بھی ایک مسیح ابن مریم دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کی اُمت کو دیا گیا تھا۔ لہذا یہ ضروری تھا کہ اس آنے والے کا نام بھی ابن مریم ہی رکھا جائے تا یہ احسان باری تعالیٰ کا ہر ایک آنکھ کے سامنے آجائے اور تا اُمت موسویہ اور اُمت محمدیہ میں الزوئے

۲۲۵

۲۲۳

مورد اس حالت حضرت عزت ہونے کے پوری پوری مماثلت ثابت ہو جائے کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب القیامت لوگوں کا نام یہودی رکھا ہے پھر اگر اسی نبی نے ایسے شخص کا نام بن مریم رکھ دیا ہو جو بن یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہو تو اس میں کوئی تعجب اور قباحیت اور استبعاد کی بات ہے۔ بلاغت میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک فقرہ کے مناسب حال دوسرا فقرہ بیان کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی کہے کہ تمام دنیا فرعون بنی گئی ہے تو اس فقرہ کے مناسب حال یہی ہے کہ اب کوئی موسیٰ ان کی اصلاح کے لئے آنا چاہیے۔ لیکن اگر اس طرح کہا جائے کہ تمام دنیا فرعون بنی گئی ہے ان کی اصلاح کے لئے عیسیٰ آنا چاہیے تو کیسا بڑا اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ موسیٰ کا جوڑ ہے نہ عیسیٰ کا باسی طرح جب آخری زمانہ کی اُمت محمدیہ کو یہودی قرار دیا اور یہودی بھی وہ یہودی جو شریعت موسوی کے آخری مہم میں تھے جن کے لئے حضرت مسیح بھیجے گئے تھے اور تمام خصلتیں ان کی بیان کر دی گئیں اور بعینہ ان کو یہودی بنادیا تو کیا اس کے مقابل پر یہ موزون نہ تھا کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے لئے عیسیٰ بن مریم بھیجا جائے گا جو قیامت حقیقت میں یہودیوں کا ہی ورثہ تھا اور ان سے نصاریٰ کو پہنچا۔ اور دجال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذاب ہو۔ اور زمین کو جس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا دے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجہ پر تھی پھر نصاریٰ نے ان سے لی۔ سو سچ ایسی دجالی صفت کے معدوم کر لئے کہ لے آسمانی حربہ لیکر اُترا ہے وہ حربہ دنیا کے کاریگروں نے نہیں بنایا بلکہ وہ آسمانی حربہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مثیل موسیٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ سے افضل ہیں تو پھر مثیل مسیح کیوں ایک اُمتی آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثیل موسیٰ کی شان نبوت ثابت کرنے کے لئے اور خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے

کے لئے اگر کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاء کی شان عظیم میں رخنہ پڑتا۔ اور یہ قیامت ہے کہ اس مسیح کو اسرائیلی مسیح پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس کی دعوت عام ہے اور اس کی خاص تھی اور اس کو طفیلی طور پر تمام مخالف فرقوں کے اوہام دور کرنے کیلئے ضروری طور پر حکمت اور معرفت سکھلائی گئی ہے جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھلائی تھی کیونکہ بغیر ضرورت کے کوئی علم عطا نہیں ہوتا۔ او مانفزلہ الا بعد معلوم۔

قرآن کریم کے دو سے شیل مسیح کا آخری زمانہ میں اس اُمت میں آنا اس طور سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسرے آن کریم اپنے کئی مقالات میں فرماتا ہے کہ اس اُمت کو اسی طرز سے خلافت دی جائے گی اور اسی طرز سے اس اُمت میں طیفے آئیں گے جو اہل کتاب میں آئے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے خلفاء کا خاتمہ مسیح ابن مریم پر ہوا تھا جو بغیر سیف و سنان کے آیا تھا۔ مسیح درحقیقت آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ لہذا حسب وعدہ قرآن کریم ضرور تھا کہ اس اُمت کے خلفاء کا خاتمہ بھی مسیح پر ہی ہوتا اور جیسے موسیٰ شریعت کا ارتداد موسیٰ سے ہوا اور انتہا مسیح ابن مریم پر۔ ایسا ہی اس اُمت کے لئے ہو۔ فطوبی لہذا الامت۔

اور احادیث میں جو نزول مسیح ابن مریم کا لفظ ہے ہم اس میں یہ بسط تمام لکھ آئے ہیں کہ نزول کا لفظ سے درحقیقت آسمان سے نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کھلے کھلے طور پر قرآن شریف میں آیا ہے قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً۔ تو کیا اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہی اترے تھے۔ بلکہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم یعنی دنیا کی تمام چیزیں نزول کے ہمارے پاس خزانے میں ہیں مگر بقدر ضرورت و مقتضائے مصلحت و حکمت ہم ان کو اتارتے ہیں۔ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر ایک چیز جو دنیا میں پائی جاتی

ہے وہ آسمان سے ہی اُتری ہے۔ اس طرح پر کہ ان جیسزطل کے علل موجب سبب خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ انہی کے الہام اور اقتاد اور سبھلنے اور عقل اور فہم بخشنے سے ہر ایک منحت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتے اور ہر ایک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا تقیاس قرآن کریم کے وقائق و معارف و حقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔ مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارف و فرقانہ کے بمقابلہ جہالی فرقوں کے ہیں اس وقت ضرورت کہڑی ہے وہ ضرورت ان لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے ان و جہالی فسوق کا زمانہ نہیں پایا۔ سو وہ باتیں ان پر غرضی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔ مثلاً اس بات کی انتظار میں بہت لوگ گذر گئے کہ مسیح مسیح ابن مریم ہی دوبارہ دنیا آجائے گا اور خدائے تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے قبل از وقت ان پر یہ راز نہ کھولا۔ کہ مسیح کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہے۔ اب جو یہودیت کی صفیوں کا عام و بار پھیل گیا اور مسیح کے زندہ ماننے سے نصاریٰ کو اپنے مشرک کا خیالات میں بہت سی کامیابی ہوئی۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اب اصل حقیقت ظاہر کرے۔ سو اس نے ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا مسیح مسلمانوں میں سے ہی ہوگا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کا مسیح بنی اسرائیل میں سے ہی تھا۔ اسی طرح مسیح کھل دیا کہ اسرائیلی مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی بیان کر دیا کہ فوت شدہ پھر دنیا میں آ نہیں سکتا۔ جیسا کہ جابرؓ کی حدیث میں بھی مشکوٰۃ کے باب مناقب میں اسی کے مطابق لکھا ہے اور وہ یہ ہے قال قد سبق القول متی انہم لا يرجعون رواہ الترمذی یعنی جو لوگ دنیا سے گذر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے ۛ

قرآن کریم کی شان بلند ہو اسی کے بیان

سے ظاہر ہوتی ہے

وکل العلم فی القلوب لیکن

تقاصر منه افہام الرجال

جاننا چاہیے کہ اس زمانہ میں اسباب ضلالت میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی نظر میں غفلت قرآن شریف کی باقی نہیں رہی۔ ایک گروہ مسلمانوں کا خلا سفسہ ضلالت کا مقابلہ ہو گیا کہ وہ ہر ایک امر کا عقل سے ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اعلیٰ درجہ کا حکم جو تصفیہ تنازعات کے لئے انسان کو ملتا ہے وہ عقل ہی ہے۔ ایسے ہی لوگ جب دیکھتے ہیں کہ وجود جبرائیل اور عزرائیل اور دیگر ملائکہ کرام جیسا کہ شریعت کی کتابوں میں لکھا ہے اور وجود جنت و جہنم جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے وہ تمام صدائیں عقلی طور پر بیاہیہ ثبوت نہیں پہنچتیں تو فی الفور ان سے منکر ہو جاتے ہیں اور تاویلات کر کے شمع کر دیتے ہیں کہ ملائکہ سے صرف توہمیں مراد ہیں اور وحی رسالت صرف ایک ملک ہے اور جنت اور جہنم صرف ایک روحانی راحت یا رنج کا نام ہے۔ ان بے چاروں کو خبر نہیں کہ آئہ دریافت مجہولات صرف عقل نہیں ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی صدائیں اور انتہائی مقام کے معارف تو وہی ہیں جو مبلغ عقل سے صد بار درجہ بلند تر ہیں جو پیر یہ مکاشفات صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر صدائقوں کا محکم صرف عقل کو ہی ٹھہرایا جائے تو بڑے بڑے عجائبات کا رخاۃ الوہیت کے درپردہ مستوری و محجوبی رہیں گے اور سلسلہ معرفت کا محض ناتمام اور ناقص ^{۲۵۳} اور احوال وارہ جائے گا اور کسی حالت میں انسان شکوک اور شبہات سے غلطی نہیں پاسکے گا اور اس کی طرف معرفت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا

۲۵۳

۲۵۴

۶۵۵

فہا کتب قیمۃ لا یتہ الباطل من بین یدیدہ ولا من خلفہ۔ ۶۵۵
 بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یوقنون۔ فباتی حدیث بعد اللہ و
 ایتہ یومنون۔ قل بفضل اللہ وبرحمۃ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر
 مما یجمعون۔ یعنی یہ قرآن اس راوی کی طرف ہدایت کرتا ہے جو نہایت سیدھی ہے
 اس میں اُن لوگوں کے لئے جو پرستار ہیں حقیقی پرستش کی تعلیم ہے اور یہ اُن کیلئے
 جو متقی ہیں کمالات تقویٰ کے یاد دلانے والا ہے یہ حکمت ہے جو کمال کو پہنچی ہوئی ہے
 اور یہ یقینی سچائی ہے اور اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے یہ نور علی نور اور سینوں کو
 شفا بخشنے والا ہے رحمن نے قرآن کو سکھایا۔ ایسی کتاب نازل کی جو اپنی ذات میں
 حق ہے اور حق کے وزن کرنے کے لئے ایک ترازو ہے وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہو
 اور اجمالی ہدایتوں کی اس میں تشریح ہے اور وہ اپنے دلائل کے ساتھ حق اور باطل
 میں فرق کرتا ہے اور وہ قول فصل ہے اور شک و شبہ سے خالی ہی ہم نے اس کو اس
 لئے تجھ پر اتارا ہے کہ تا موڑت نازعہ فیہ کا اس سے فیصلہ کر دیں اور مومنوں کیلئے ہدایت
 اور رحمت کا سامان طیار کر دیں۔ اس میں وہ تمام صداقتیں موجود ہیں جو پہلی کتابوں
 میں متفرق اور پرانہ طور پر موجود تھیں ایک ذرہ باطل کا اس میں دخل نہیں نہ آگے
 سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ لوگوں کے لئے خوشی و لیلیں ہیں اور جو یقین لانے والے
 ہوں اُن کے لئے ہدایت و رحمت ہے سو ایسی کوئی حدیث ہے جس پر تم اشد اور اُس کی
 آیات کو چھوڑ کر ایمان لاؤ گے یعنی اگر کوئی حدیث قرآن کریم سے مخالف ہو تو ہرگز
 نہیں ماننی چاہئے بلکہ ذکر دینی چاہئے اُن اگر کوئی حدیث بذریعہ تاویل قرآن کریم کے
 بیان سے مطابق آسکے مان لیتا چاہئے۔ پھر بعد اس کے ترجمہ بقیہ آیات کا یہ ہے کہ
 اُن کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت سے یہ قرآن ایک مہش قیمت مال ہے
 سو اس کو تم خوشی سے قبل کرو۔ یہ اُن مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو یہ اس کا

۶۵۸

۶۵۹

کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کی مانند کوئی مال نہیں۔ یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح ^{۱۴۵۰} درم و دینار کو جو مصداق آیت انما اموالکم و اولادکم فتنۃ ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کمال کثیر روئے گرفتہ میں ڈال دیگا مسیح کی پہلی فطرت کو بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں۔ وہ خود آجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مومن کا مال درم و دینار نہیں بلکہ جو اہر حقائق و معارف اُس کا مال ہیں۔ یہی مال انبیاء و خلائعائے سے پاتے ہیں اور اسی کو تقسیم کرتے ہیں۔ اسی مال کی طوٹ اشارہ ہے کہ انما انا قاسم و اللہ ہوا المعطی۔ حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اُس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائے گا اور جہل شیوع پا جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے لو کان الایمان معتقاً عند الثریا لئلا رجل من فارس۔ یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طفیان اس کا اس سن بھری میں شروع ہوگا جو آیت وانا علی ذہاب بہ نقد سونے میں بحساب جمل مخفی رہی یعنی ^{۱۴۵۰}۔

۶۵۵ اس مقام کو غور سے دیکھو اور جلدی سے محفل نہ جاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ تمہارے سینوں کو کھول دے۔ آپ لوگ تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن زمین سے اٹھایا جائیگا اور علم قرآن مغفوق ہو جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور زمانی ذوق اور حلاوت دلوں سے دور ہو جائے گی۔ پھر ان حدیثوں پر حدیث بھی ہے کہ اگر ایمان خریا کے پاس بھی جا ٹھہرے گا یعنی زمیں پر اس کا نام و نشان نہیں رہے گا تو ایک آدمی فارسیوں میں سے لہنا تھ پھیلائے گا اور وہیں خریا کے پاس سے اس کو لے لیگا

اب تم خوب سمجھ سکتے ہو کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب جہل اور بے ایمانی اور ضلالت جو دوسری حدیثوں میں دشخان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے دنیا میں پھیل جانے لگی اور زمین میں حقیقی ایمان نڈائی ایسی کم ہو جائے گی کہ گویا وہ آسمان پر اٹھ گئی ہوگی اور قرآن کریم ایسا متروک ہو جائے گا کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ہوگا۔ تب ضرور ہے کہ فارس کی اصل سے ایک شخص پیدا ہو اور ایمان کو ثریا سے لے کر پھر زمین پر نازل ہو۔ سو قیامت آجھو کہ نازل ہونے والا لکھ مریم ہی ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرے۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا۔ اور تربیت کی کتاب میں لیا اور اس اپنے بند کے کا نام لکھ مریم رکھا۔ کیونکہ اس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا تو منہ دیکھا جس کے ذریعہ سے اس نے قالبِ سلام کاپایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوئی تب وہ وجود روحانی پا کر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھایا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنسائی پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن نور آبلو کرنے کے فکر میں لگ گیا۔ پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں کوئی سلسلہ میں یہ داخل ہو۔ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے؟ اور اگر اب بھی تمہیں شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ جزئی اختلافات کی وجہ سے لعنت ہلائی حدیثوں کا کام نہیں۔ مومن لعان نہیں ہوتا۔ لیکن ایک طریق بہت آسان ہے اور وہ حقیقت قائم مقام مباہلہ ہی ہے جس سے کاذب اور صادق اور قبول اور مردود کی تفریق ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے جو قبل میں موعی قلم سے لکھتا ہوں۔

اے حضرات مولوی صاحبان! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہیں اور یہ شخص کا فرار اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کاذب اور ہم متبع اسلام ہیں اور یہ شخص ملحد اور ہم مقبول آہی ہیں اور یہ شخص مردود اور ہم جنتی ہیں اور یہ شخص جہنمی۔ اگرچہ خود کرنیوالوں کی نظر میں قرآن کریم کی کسے بخوبی فیصلہ پا چکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ لیکن ایک اور بھی طریق فیصلہ ہے جس کی روش سے صادقوں اور کاذبوں اور مقبولوں اور مردودوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر مقبول اور مردود اپنی اپنی جگہ پر خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی مدد چاہیں تو وہ مقبول کی ضرورت مند کرتا ہے اور کسی ایسے علم سے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اس مقبول کی قبولیت ہر کر دیتا ہے۔ سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپکی جماعت میں وہ لوگ بھی ہیں جو ملہم ہو نیچے ملے ہیں جیسے مولوی محی الدین و عبد الرحمن صاحب لکھنؤ والہ و میاں عبد الحق متا غزنوی جو اس عاجز کو کافر اور جہنمی ٹھہرتے ہیں لہذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعے سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر مقبول کس کا نام ہے اور مردود کس کا نام

میں اس بات کو منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اس بات کے فیصلہ
 کیلئے اعظم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تا اگر آپ سمجھتے ہیں تو آپ کی سچائی
 کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیشگوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے
 آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے
 خداوند کریم و تدبیر کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور
 سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔ میں اس مقابلہ میں کسی پرہیز
 کرنا نہیں چاہتا اور نہ کروں گا اور آپ کا اختیار ہے جو چاہیں کریں۔
 لیکن اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا۔ میری
 اس تحریر کے مخاطب مولوی محی الدین۔ عبدالرحمن صاحب لکھنؤ والے اور
 میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی
 اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی عبدالباقی صاحب
 غزنوی اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہیں کے
 زیر اثر آجائیں گے ۴

آج ہم دہلی کے اور دہلی ہمارا ہو گیا
 کیا ہو اگر قوم کا دل سب غار ہو گیا

جو ہلا تھا وہ اب دہلی کا سا ہو گیا
 شکر ملنا مل گیا ہکو وہ بھل بے بدل

مسیح موعود ہونے کا ثبوت

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اور قرآن کریم انہم لا یوحیون کہ ہمکے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے اُن کو رخصت کرتا ہے۔ اور قصہ عزیرؑ وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم اور غشی بھی آیا ہے۔ دیکھو قاموس۔ اور جو عزیرؑ کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت پڑ چکا ہے ^{۳۶۶} کا ذکر یہود حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ جتنا منظور ہے کہ رحم میں خدا تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت پڑھا تا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیرؑ دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیرؑ کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ بعد اس کے ضرور کہیں اس کی موت کا بھی ذکر ہوتا۔ ایسا ہی قتل کریم میں جو بعض لوگوں کی دوبارہ زندگی لکھی ہے وہ بھی دنیوی زندگی نہیں۔

اب حدیثوں پر نظر فرما کر نے سے بخوبی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں ابن مریم اُترنے والا ہے جس کی تعریفیں لکھی ہیں کہ وہ گندم گوی ہو گا اور بال اس کے سیدھے ہوں گے اور مسلمان کہلے گا اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات دُور کرنے کے لئے آئے گا اور مغرور بعت جس کو وہ بھول گئے ہوں گے انہیں یاد دلانے کا اور ضرور ہے کہ وہ اس وقت نازل ہو جس وقت انتہاء تک شر اور فتن پہنچ جائیں اور مسلمانوں پر

وہ تنہا کا زمانہ ہو جو ہر ویوں پر ان کے آخری دنوں میں آیا تھا۔

اس زمانہ کے بعض نو قیام یافتہ ایسے شخص کے آنے سے ہی شک میں ہیں جو ہر مہم کے نام پر آئے گا وہ کہتے ہیں کہ عظیم الشان شخص جو حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے اگر واقعی طور پر ایسا آدمی آنے والا تھا تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر ہوتا جیسا کہ واپہ الارض اور دغاب اور یا جوج اور ما جوج کا ذکر ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ سراسر غلطی پر ہیں خدا تعالیٰ نے اپنے کشف مروج سے اس عاجز پرغا ہر کیا ہے کہ قرآن کریم میں مثالی طور پر ابن مہم کے آنے کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اِنَّا ارسلنا الیہ حکم رسولاً شاہداً علیہ کہ کما ارسلنا الیٰ فرعون و سولاً اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ کی طرح اور کفار کو فرعون کی طرح ٹھہرایا پس پھر دیکھو جگہ فرمایا و وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیست خلفکم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیست کن لہم دینہم الذی اوتقن لہم ولیبدلہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشراکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاو لئک ہم الفاسقون (الحج و نمبر ۱۸ سورۃ التوبہ) یعنی خدا تعالیٰ نے اس امت کے مومنوں اور نیکو کاروں کے لئے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے پہلوں کو بنایا تھا یعنی اسی طرز اور طریق کے موافق ماہ نمبر اسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اسی صورت جسمانی اور جمالی کی مانند جو بنی اسرائیل میں سنت اللہ گذر چکی ہے اس امت میں بھی خلیفہ بنائے جائیں گے اور ان کا سلسلہ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہوگا۔ جو بنی اسرائیل کے خلفاء کے لئے مقرر کیا گیا تھا اور ان کی طرز خلافت اس طرز سے مبائن و مخالف ہوگی جو بنی اسرائیل کے خلیفوں کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ ان خلیفوں کے داریے سے زمین پر رہیں

۱۶۵

۱۶۵

جمادیہ اجائے گا اور خدا خوف کے دلوں کے بعد امن کے دلوں لائے گا۔ خلاصاً اسی کی
 ہمت دگی کوں گے اور کوئی اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد پھر
 کفر پھیل جائے گا۔ مخالفت نامہ کا اشارہ جو کمالاً متخلف الامین من قبلہم سے سمجھا جاتا ہے۔
 صاف دلائل کر رہا ہے کہ یہ مخالفت مدت ایام خلافت اور غلیفوں کی طرز اصلاح اور
 طرز طور سے متعلق ہے سو چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں خلیفۃ اللہ بنی کا منصب
 حضرت موسیٰ کے شروع ہوا اور ایک مدت دراز تک نوبت بہ نوبت انبیاء بنی اسرائیل
 میں رہ کر آخر مکہ (سورہ بکس کے پورے جوتے تک حضرت عیسیٰ ابن مریم پر یہ سلسلہ ختم ہوا
 حضرت عیسیٰ ابن مریم ایسے خلیفۃ اللہ تھے کہ ظاہری عثمان حکومت ان کے ہاتھ میں نہیں آئی
 تھی اور سیاست ملکی اور اس دیوبی بادشاہ سے ان کو کچھ علاقہ نہیں تھا اور دنیا کے متسیاروں
 وہ کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اس ہتھیار سے کام لیتے تھے جو ان کے انفاں طیبہ میں تھا۔
 یعنی اس موجد بیان سے جو ان کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں
 تھیں اور جس کے ذریعہ سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے اور ہرے کانوں کو
 کھولتے تھے اور مایوس زادانہ صول کو سچائی کی رکشائی دکھاتے تھے ان کا وہ دم ازلی کافر کو مارتا
 تھا اور اس پر پوری محبت کرتا تھا لیکن مومن کو زندگی بخشتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے پیدا
 کئے گئے تھے اور ظاہری اسباب ان کے پاس نہیں تھے اور ہر بات میں خدا یتعالیٰ ان
 کا متوتی تھا۔ وہ اس وقت آئے تھے کہ جبکہ یہودیوں نے نہ صرف دین کو بلکہ انسانیت کی
 خصلتیں بھی چھوڑ دی تھیں اور بے رحمی اور خود غرضی اور کینہ اور بغض ظالم اور حسد اور
 بے جا جوش نفس امارہ کے ان میں ترقی کر گئے تھے۔ اور نہ صرف بنی نوح کے حقوق کو انہوں
 نے چھوڑ دیا تھا بلکہ غلبہ شقاوت کی وجہ سے حضرت محسن حقیقی سے عبودیت اور اطاعت
 اور سچے اخلاص کا رشتہ بھی توڑ بیٹھے تھے۔ صرف بے مغز استخوان کی طرح تو ریت کے
 پھندہ الفاظ ان کے پاس تھے جو قبر الہی کی وجہ سے ان کی حقیقت تک وہ نہیں پہنچ سکتے تھے

کیونکہ ایمانی فرست اور زیرکی باطل اُن میں سے اُٹھ گئی تھی اور اُن کے نفوس مظلمہ پر
جمل غالب آگیا تھا اور غلی مکاریاں اور کراہت کے کام اُن سے سرزد ہوتے تھے۔
اور جھوٹ اور ریا کاری اور غداری اُن میں انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ ایسے وقت میں اُن کی
طوف سح ابن مریم بھیجا گیا تھا جو بنی اسرائیل کے مسیحوں اور خلیفوں میں سے آخری
مسح اور آخری خلیفہ اللہ تھا جو برخلاف سنت اکثر نبیوں کے بغیر تلوار اور نیزہ کے آیا تھا
یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت موسیٰ میں خلیفہ اللہ کو مسیح کہتے تھے اور حضرت داؤد کے
وقت اور یا اُن سے کچھ عرصہ پہلے یہ لفظ بنی اسرائیل میں شائع ہو گیا تھا بہر حال اگرچہ
بنی اسرائیل میں کئی مسیح آئے لیکن سب کے پیچھے آنے والا مسیح وہی ہے جس کا نام قرآن کریم
میں مسیح عیسیٰ ابن مریم بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل میں مریمیں بھی کئی تھیں اور ان کے
بیٹے بھی کئی تھے لیکن مسیح عیسیٰ بن مریم ان تینوں ناموں سے ایک مرکب نام بنی اسرائیل
میں اُس وقت اور کوئی نہیں پایا گیا۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم یہودیوں کی اس خراب حالت
میں آیا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ آیات موصوفہ بالا میں ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ
خدا تعالیٰ کا اس اُمت کے لئے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفے پیدا
ہوں گے۔ اب ہم جب اس طرز کو نظر کے سامنے لاتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور
تھا کہ آخری خلیفہ اس اُمت کا مسیح ابن مریم کی صورت مثالی پر آوے اور اس زمانہ میں آوے
کہ جو اُس وقت کے مشابہ ہو جس وقت میں بعد حضرت موسیٰ کے مسیح ابن مریم آئے تھے یعنی
جو دسویں صدی میں یا اس کے قریب اُس کا ظہور ہوا اور ایسا ہی یحییٰ بنیسیف و سنان کے بعد بغیر آلات حرب کے آوے
جیسا کہ حضرت سح ابن مریم آئے تھے اور نیز ایسے ہی لوگوں کی اصلاح کیلئے آئے جیسا کہ مسیح ابن مریم اُس وقت کا خواہاں مژدن
یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اور جب آیات ممدوحہ بالا کو غور سے دیکھتے ہیں تو
ہمیں ان کے اندر سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ضرور آخری خلیفہ اس اُمت کا جو چودھویں
صدی کے سر پر ظہور کرے گا حضرت مسیح کی صورت مثالی پر آجیگا اور بغیر آلات حرب ظہور کرے گا

۴۶۳

۴۶۴

دو سلسلوں کی مماثلت میں یہی قاعدہ ہے کہ اول اور آخر میں باشندہ درجہ کی مشابہت میں
 میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک سلسلہ اور ایک طولانی مدت میں تمام درمیانی افراد کا
 مفصل حال معلوم کرنا طول بلاطائل ہے پس جبکہ قرآن کریم نے صاف صاف بتلا
 دیا کہ خلافت اسلامی کا سلسلہ اپنی ترقی اور منتہی اپنی جلالی اور جمالی حالت کی رو سے
 خلافت اسلامی سے کئی مطابق و مشابہ و مماثل ہوگا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نبی عربیؐ
 ثبیل موسیٰ ہے تو اس ضمن میں قطعی اور یقینی طور پر بتلایا گیا کہ جیسے اسلام میں سو فخر
 انہی خلیفوں کا ثبیل موسیٰ ہے جو اس سلسلہ اسلامیہ کا سپہ سالار اور بادشاہ اور تخت
 عزت کے اول درجہ پر بیٹھنے والا اور تمام کا مصدر اور اپنی روحانی اطاعت کا مورث اعلیٰ
 ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔ ایسا ہی اس سلسلہ کا خاتم باقربا نسبت تادمہ مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ
 جو اس امت کے لوگوں میں سے حکم رکنی۔ مسیحی صفات رنگین ہو گیا ہے اور فرمان بختناک
 انیسویں ابن مزیں نے اُس کو درحقیقت وہی بتلایا ہے وکان اللہ علی کل شیء قدیدر اور
 اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ
 ہے کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی۔ اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کی رو
 سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف یہ اشارہ ہے و مبشر بروسول یا آتی من بعدی
 اسمہ احمد۔ مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں اپنی
 جامع جلال و جمال میں۔ لیکن آخری زمانہ میں بر طبق پیشگوئی محمد و احمد جو اپنے اللہ
 حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ وہ مسیحی و قیوم خدا جو اس بات پر قادر ہے جو انسان
 کو حیوان بلکہ شر الحیوانات بنا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے جعل منهم القرادۃ
 والحنازیر اور فرمایا ہے کونوا قرادۃ خاسئین کیا وہ ایک انسان کو دوسرے
 انسان کی صورت مثالی پر نہیں بنا سکتا۔ بلی۔ وہو بکل خلق علیہم۔ پھر جب کہ
 انسانیت کی حقیقت پر فنا طاری ہونے کے وقت میں ایک ایسے ہی انسان کی ضرورت تھی

جس کا محض خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے تولد ہوتا۔ جس کا آسمان پر ابن مریم نام ہے تو کیوں خدا تعالیٰ کی طوریت اس ابن مریم کے پیدا کرنے سے مجبور نہ ہو سکتی۔ سو اس نے محض اپنے فضل سے بغیر وسیلہ کسی زمینی مالک کے اس ابن مریم کو روحانی پیدائش اور مافیٰ زندگی بخشی جیسا کہ اس نے نوح اس کو اپنے المام میں فرمایا اَمِ حَبِيبِنَا كَ بَعْدَ مَا اَهْلَحْنَا الْقُرُونِ الْاُولٰی وَجَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔ یعنی پھر ہم نے تجھے زندہ کیا بعد اس کے جو پہلے قرون کو ہم نے ہلاک کر دیا اور تجھے ہم نے مسیح ابن مریم بنایا یعنی بعد اس کے جو عالم طور پر مثلِ آخ اور علماء میں موت و روحانی پیدائش ہوئی۔ انجیل میں بعد اسی کی طرف اشارہ ہو کر کہ مسیح ستاروں کے گرنے کے بعد آئے گا۔

اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریفین میں پیش گوئی موجود ہے۔ قرآن شریفین نے جو مسیح کے نکلنے کی ۲۰۰ سو برس تک مدت ٹھہرائی ہے۔ مدت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رُو سے اس مدت کو ملتے ہیں اور آیت وانا علی ذہاب بہ لقادرون جس کے بحساب حمل مسئلہ مدد میں اسلامی ہاند کی سلاخ کی راقول کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چمچی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے مددوں میں بحساب حمل پائی جاتی ہے اور یہ آیت کہ هو الذی ارسل رسولہ بالهدی وادی الحق لیظہرہ علی الدین مسئلہ درحقیقت اسی مسیح ابن مریم کے زمانہ سے متعلق ہے کیونکہ تمام ادیان پر روحانی غلبہ بجز اس زمانہ کے کسی اور زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں تھا وچہ یہ کہ یہی زمانہ ہے کہ جس میں ہزار ہا قسم کے اعتراضات و تشبیہات پیدا ہو گئے ہیں اور انواع اقسام کے عقلی حملے اسلام پر کئے گئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم ^{۱۶۷} یعنی ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر معلوم اور بقدر ضرورت ہم ان کو اتارتے ہیں۔ سو جس قدر معارف و حقائق بطور قرآن میں

چھپے ہوئے ہیں جو ہر ایک قسم کے ادیان فلسفہ وغیرہ کا مقہور و مغلوب کرتے ہیں
 اُن کے ظہور کا زمانہ ہی تھا کیونکہ وہ بحرِ تحریکِ بیشِ آمدہ کے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے
 سو اب مخالفانہ حملے ہوئے فلسفہ کی طرف سے ہوئے تو اُن معارف کے ظاہر ہونے
 کا وقت آگیا اور ممکن نہیں تھا کہ بغیر اس کے کہ وہ معارف ظاہر ہوں اسلام تمام
 ادیان باطلہ پر فتح پائے کیونکہ سیفی فتح کچھ چیز نہیں اور چند روزہ اقبال کے دور ہونے
 سے وہ فتح بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ سچی اور حقیقی فتح وہ ہے جو معارف اور حقائق اور کمال
 صدائقوں کے لشکر کے ساتھ حاصل ہو۔ سو وہ یہ فتح ہے جو اب اسلام کو نصیب ہو رہی
 ہے۔ بلاشبہ یہ پیشگوئی اسی زمانہ کے حق میں ہے اور سلفِ صلح بھی ایسا ہی سمجھتے
 آئے ہیں۔ یہ زمانہ حقیقت ایسا زمانہ ہے جو باطیج تقاضا کر رہا ہے جو قرآنی شریف
 اُن تمام بطون کو ظاہر کرے جو اُس کے اندر مخفی چلے آئے ہیں کیونکہ لطفی معارفِ قلوب کو
 کہ جس کا وجود احادیث صحیحہ اور آیاتِ تینہ سے ثابت ہے مفہول طور پر بھی ظہور نہیں کرتے
 بلکہ یہ معجزہ فرقانی ایسے ہی وقت میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے جس کے اس روحانی معجزہ کے
 ظہور کی اشد ضرورت پیش آتی ہے۔ سو اس زمانہ میں کامل طور پر یہ ضرورتیں پیش
 آگئی ہیں۔ انسانوں نے مخالفانہ علوم میں بہت ترقی کر لی ہے اور کچھ شک نہیں کہ
 اگر اس نازک وقت میں بطنی علوم قرآن کریم کے ظاہر نہ ہوں گے اور مونی تعلیم جس پر
 حال کے علماء قائم ہیں کبھی اور کسی صورت میں مقابلہ مخالفین کا نہیں کر سکتے اور ان کو مغلوب
 کرنا تو کیا خود مغلوب ہو جانے کے قوی خطرہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہر ایک فہیم
 کو جلدی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اشد جلالت کی کوئی مصنوعہ دقائق و غرائب خواص سے خالی
 نہیں۔ اور اگر ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش و تحقیقات کرتے
 کرتے جائیں تو بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ کیا خواص و عجائبات
 قرآن کریم کے اپنے قدر و انداز میں مکھی جلتے نہیں۔ بلاشبہ وہ عجائبات تمام مخلوقات کے

مجموعی عجائبات سے بہت بڑھ کر ہیں اور ان کا انکار درحقیقت قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا انکار ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے صادر ہو اور اس میں بے انتہاء عجائبات نہ پائے جائیں۔ اب یہ عذر کہ اگر ہم قرآن کریم کے ایسے دقائق و معارف بھی مان لیں جو پہلوں نے دریافت نہیں کئے تو اس میں اجماع کی کسر شان ہے۔ گویا ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو پہلے اماموں کو معلوم نہیں ہوا تھا وہ ہم نے معلوم کر لیا۔ یہ خیال ان مثلاً لوگوں کا بالکل فاسد ہے۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ جبکہ یہ ممکن ہے کہ بعض نباتات و غیرہ میں زمانہ و حال میں کوئی ایسی خاصیت ثابت ہو جائے جو پہلوں پر نہیں کھلی تو کیا ممکن نہیں کہ قرآن کریم کے بعض عجیب حقائق و معارف اب ایسے کھل جائیں جو پہلوں پر کھل نہیں سکے کیونکہ اس وقت ان کے کھلنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہاں ایمان اور عقائد کے متعلق جو ضروری باتیں جو شریعت سے علاقہ رکھتے ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ تو ہر ایک کی اطلاع کئے کھلے کھلے بیان کے ساتھ قرآن شریف میں درج ہیں لیکن وہ نکات و حقائق جو معرفت کو زیادہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ حسب ضرورت کھلتے رہتے ہیں اور نئے نئے فسادات کی وقت نئے نئے پر حکمت معانی بمنصہ ظہور آتے رہتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بذات خود معجزہ ہے اور بڑی بھاری وجہ اعجاز کی اس میں یہ ہے کہ وہ جامع حقائق غیر متناہیہ ہو۔ مگر بغیر وقت کے وہ ظاہر نہیں ہوتے۔ جیسے جیسے وقت کے مشکلات تقاضا کرتے ہیں وہ معارف خفیہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو دنیوی علوم جو اکثر مخالف قرآن کریم اور غفلت میں ڈالنے والے ہیں کیسے آج کل ایک زور سے ترقی کر رہے ہیں اور زمانہ نچلتے علوم ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں کیسی ایک عجیب طرز کی تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ کیا ان کا وقت میں ضرور نہ تھا کہ ایمانی اور عرفانی ترقیات کیلئے بھی دروازہ کھولا جاتا۔ تا شہر و محدثہ کی مداخلت کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی ہو یقیناً سمجھو کہ وہ

وروا زہ کھولا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تاقراآن کریم کے عجائبات مخفیہ
 اس دنیا کے حکیم فلسفہ پہلے بظاہر کرے۔ اب نیم ٹال دشمن اسلام اس ارادہ کو روکت نہیں
 ۲۸۵
 سکتے۔ اگر اپنی شہرارتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے اور قہری طمانچہ
 حضرت قہار کا ایسا لگے گا کہ خاک میں مل جائیں گے۔ ان نادانوں کو حالت موجودہ پر بالکل نظر
 نہیں چاہتے ہیں کہ قرآن کریم مغلوب اور کمزور اور ضعیف اور حقیر سا نظر آوے لیکن اب وہ
 ایک جنگی بہادر کی طرح نکلے گا۔ اس وہ ایک شیر کی طرح میدان میں آئے گا اور دنیا کے تمام
 فلسفہ کو کھا جائے گا اور اپنا غلبہ دکھائے گا اور لفظ علی الدین کلمہ کی پیشگوئی کو پوری کرے گا
 اور پیشگوئی دیکھنکم ام دینم کو روحانی طور سے کمال تک پہنچائے گا۔ کیونکہ دین کا زمین پر
 بوجہ کمال قائم ہو جانا محض جسم و اکراہ سے ممکن نہیں۔ دین اُس وقت زمین پر قائم ہوتا ہے
 کہ جب اس کے مقابل پر کوئی دین کھڑا نہ رہے اور تمام مخالف سپر ڈال دیں۔ سواب و ہی
 وقت آگیا۔ اب وہ وقت نادان مولویوں کے روکنے سے رک نہیں سکتا اب وہ ابن مریم
 جس کا روحانی باپ زمین پر سچے معتمد حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم بھی مشابہت
 ۲۸۶
 رکھتا ہے بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا یہاں تک کہ لوگ قبول
 کرتے کرتے تھک جائیں گے اور لایق بلہ احد کا مصداق بن جائیں گے اور ہر یک طبیعت
 اپنے ظرف کے مطابق پُر ہو جائے گی۔ وہ خلافت جو آدم سے شروع ہوئی تھی خدا تعالیٰ
 کی کامل اور بے تغیر حکمت نے آخر کار آدم پہ ہی ختم کر دی یہی حکمت اس الہام میں ہے کہ
 اودت ان استخلف فخلقت آدم یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے
 آدم کو پیدا کر دیا۔ چونکہ استدارت زمانہ کا یہی وقت ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر
 ناظر ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے آخر اور اول کے لفظ کو ایک ہی کرنے کے لئے آخری خلیفہ
 کا نام آدم رکھا اور آدم اور عیسیٰ میں کسی وجہ سے روحانی مہانت نہیں بلکہ مشابہت ہے
 ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خدا تعالیٰ نے اگرچہ ایک طرزِ جدید سے قرآن کریم میں صاف طور پر بیان کر دیا کہ آخری خلیفہ اسلام کے آئیں خلیفوں کا روحانی طور پر ایسے خلیفہ کا روپ اور رنگ لے کر آئے گا جو اس آئیں خلیفوں میں سے آخری خلیفہ تھا یعنی مسیح مہدیؑ لیکن کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں مسیح بن مریم کا بصرِ صحت نام لیا۔ گو مطلب وہی نکل آیا

اس کا جواب یہ ہے کہ تاوگ غلط فہمی سے بلا میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ صاف طور پر نام لے کر بیان کر دیتا کہ اس امت کا آخری خلیفہ یہی مسیح ابن مریم ہی ہوگا تو نادان مولویوں کے لئے پلا پلا پیدا ہو جاتی اور غلط فہمی کی آفت ترقی کر جاتی، سو خدا تعالیٰ نے اپنے بیان میں دو مسلک اختیار کرنا پسند رکھا۔ ایک وہ مسلک جو حدیثوں میں ہے جس میں ابن مریم کا لفظ موجود ہے۔ اور دوسرا وہ مسلک جو قرآن کریم میں ہے جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اب ثبوت اس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے۔ ان تمام دلائل اور علامات اور قرآن ہی جو ذیل میں لکھتا ہوں ہر ایک طالب حق پر بخوبی کھل جائے گا۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ یہ عاجز ایسے وقت میں آیا ہے جس وقت میں مسیح موعود آنا چاہتے تھا کیونکہ حدیث اللہیات بعد المائتین جس کے یہ متنبیٰ ہیں کہ آیات کبریٰ تیرہویں صدی میں ظہور پذیر ہوں گی اسی قطعی اور یقینی دلائل کرتی ہے کہ مسیح موعود کا تیرہویں صدی میں ظہور یا پیدا ہونا واقع ہو۔ بات یہ ہے کہ آیات صغریٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک سے ہی ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ پس بلاشبہ آیات سے آیات کبریٰ مراد ہیں جو کسی طرح سے دو سو برس کے اندر ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں لہذا علماء کا اسی پر اتفاق ہو گیا ہے کہ بعد المائتین سے مراد تیرہویں صدی ہے اور آیات سے مراد آیات کبریٰ ہیں جو ظہور مسیح موعود اور دجال اور یا ہوج ماجوج وغیرہ میں اور ہر ایک شخص

سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بحر اس عاجز کے دعوے
 نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس تمت تیسرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے
 ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود
 ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح جان برہ
 ہونے کا دم مارا تھا۔ لیکن ان مشرک عیسائیوں کے دعوے کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ ہاں
 ضرور تھا کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے تا انجیل کی وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی کہ تیسرے میرے نام پر
 آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں۔ پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح
 نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا میرے آنے کا یعنی میرے ظہور
 پر جو آئے گا اس کا نشان یہ ہے کہ اُس وقت سورج اور چاند تاریک ہو جائے گا۔ اور
 ستارے زمین پر گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں سُست ہو جائیں گی تب تم آسمان
 پر ابن آدم کا نشان دیکھو گے۔ یہ تمام اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اس وقت نور علم
 کا اٹھ جائے گا اور بانی علماء فوت ہو جائیں گے اور جمالت کی تاریکی پھیل جائے گی۔
 تب ابن مریم آسمانی حکم سے ظاہر ہو گا یہی اشارہ سورۃ الزلزال میں ہے کہ اُس وقت
 زمین پر سخت زلزلہ آئے گا اور زمین اپنے تمام خزان اور دفائن باہر نکال دے گی یعنی علوم انبیاء
 کی خوب ترقی ہوگی مگر آسمانی علوم کی نہیں یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ
 از انجملہ ایک یہ ہے کہ مکاشفات اکابر اولیاء بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ مسیح موعود
 کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے چودھویں صدی کے سپر ہو گا اور اس سے تجاوز نہیں
 کرے گا چنانچہ ہم فونڈ کے طور پر کسی قدر اس رسالہ میں لکھ بھی آئے ہیں۔ اور ظاہر ہو کہ اس
 وقت میں بحر اس عاجز کے اور کوئی شخص دعوے دار اس منصب کا نہیں ہوا۔
 از انجملہ ایک یہ ہے کہ مدت ہوئی کہ گروہ دجال ظاہر ہو گیا ہے اور بڑے زور
 سے اس کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کا گدھا بھی جو حقیقت اسی کا بنایا ہوا ہے جیسا کہ

احادیث صحیحہ کا منشاء ہے مشرق و مغرب کا سیر کر رہا ہو اور وہ گدھا و جال کا بتایا ہوا ہو تو کوئی حدیث کے منشاء کے موافق ہے اس دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسا گدھا معمولی طور پر کسی گدھی کے شکم سے پیدا ہوتا تو اس قسم کے ست سے گدھے اب بھی موجود ہونے چاہیئے تھے کیونکہ بچے کی شدت و قدامت اور سیر و سیاحت اور قوت و طاقت میں اس کے والدین سے ضروری ہے۔ لہذا احادیث صحیحہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ گدھا و جال کا لپٹا ہوا بنایا ہوا ہو گا پھر اگر وہ ریل نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسا ہی یا تو جوج یا جوج کی قوتیں بھی بڑے زور سے خروج کر رہی ہیں۔ دابہ الارض بھی جا بجا نظر آتا ہے۔ ایک تارک دفعان نے بھی آسمان سے نازل ہو کر دنیا کو ڈھانک لیا ہے۔ پھر اگر ایسے وقت میں مسیح ظاہر نہ ہوتا تو پیشگوئی میں کذب لازم آتا سو مسیح موعود جس نے اپنے تئیں ظاہر کیا وہ ہی عاجز ہے۔

اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ دجال کی علامتیں کامل طور پر ان انگریز بادریوں کے فرقوں میں کہاں پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کامل طور پر اسی رسالہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ درحقیقت یہی لوگ دجال مہود ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام علامات ان پر صادق آ رہی ہیں۔ اور ان لوگوں نے باعث اپنی صنعتیں اور تدبیریں اور ہر گمانہ یہ بطونی اور وسعت مالی کے ہر ایک چیز کو اپنے قابو میں کر رکھی ہے۔ اور یہ علامت کہ دجال صرف چالیس دن رہے گا اور بعض دن برس کی طرح ہوں گے یہ حقیقت پر تحمل نہیں ہو سکتی کیونکہ بعض حدیثوں میں بجائے چالیس دن کے چالیس سال بلکہ پینتالیس برس بھی آیا ہے پھر اگر بعض دن برس کے برابر ہوں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت بھی ہو جائے اور دجال ہنوز باقی رہے۔ لہذا اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب الفاظ قابل تاویل ہیں دجال کے فوت ہونے سے مراد اس قوم کا استیصال نہیں بلکہ اس مذہب کے دلائل اور حجج کا استیصال ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو مذہب دلائل یقینیہ کے رو سے جلی غلوب ہو جائے

اور اس کی ذلت اور رسوائی ظاہر ہو جائے وہ بلاشبہ میت کے ہی حکم میں ہوتا ہے۔
 بعض یہ شبہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ایک سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے یہ فرمایا تھا کہ جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے معنی برس کی مانند یا اس سے کم
 تو تم نے نماز کا اندازہ کر لیا کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ظاہری
 معنوں پر یقین تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف فرضی طور پر ایک سوال کا جواب حسب
 فشاء مسائل دیا گیا تھا اور اہلی واقعہ کا بیان کرنا مدعا نہ تھا بلکہ اپنے خصائص فرمادیا تھا
 تھا کہ ساثر آیا مہ کا یا مکم۔ ماسوا اس کے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسے امور میں
 جو عملی طور پر سکھائے نہیں جاتے اور نہ ان کی جزئیات مخفیہ سمجھائی جاتی ہیں۔ انبیاء سے
 بھی اجتماع کے وقت امکان سمود خطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بنا پر جس کا قرآن کریم
 میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لئے موجب ابتلاء کا ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کر کے اس
 بلوہ مبارکہ تک پہنچے مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس روایا
 کی تعبیر طور میں نہ آئی۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی امید
 پر یہ سفر کیا تھا کہ اب کے سفر میں ہی طواف میسر آجائے گا اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 خواب وحی میں داخل ہے لیکن اس وحی کے اصل معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی اس پر متنبہ
 نہیں کیا گیا تھا تبھی تو خدا جانے کئی روز تک مصائب سفر اٹھا کر مکہ معظمہ میں پہنچے۔
 اگر راہ میں متنبہ کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مدینہ منورہ میں واپس آجاتے
 پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کئے
 تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور بظاہر معلوم
 ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ حقیقت جس بیوی کے لمبے ہاتھ ہیں وہی سب سے پہلے
 فوت ہوگی۔ اسی وجہ سے بلوہ دیکھ آپ کے روبرو باہم ہاتھ ناپنے گئے مگر آپ نے منع نہ فرمایا

کہ یہ حرکت تو خلاف منشاء پیشگوئی ہے۔ اسی طرح ابن صیام کی نسبت صاف طور پر
 وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت کا قول اول ہی خیال تھا کہ ابن صیام ہی دجال ہے۔ مگر آخر
 میں راستے بدل گئی تھی۔ ایسا ہی سورہ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
 نے شرط لگائی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ صنع کا لفظ لغت عرب
 میں ویرس تک ملتا ہے۔ اور میں نبوی مصلح نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس
 سال یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ ایسا ہی وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں فذهب وھلی
 الی انھا الیامۃ او ھجر فاکذاھی المدینۃ یشرب۔ صاف صاف ظاہر کر رہی
 ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصلق سمجھا
 تھا وہ غلط نکلا۔ اور حضرت علیؓ کی پیشگوئیوں کا سب سے عجیب تر حال ہے۔ بار بار انہوں نے
 کسی پیشگوئی کے معنی کچھ سمجھے اور آخر کچھ اور ہی ظہور میں آیا یہود اس کے پوطی کو ایک
 پیشگوئی میں بہشت کا بارہواں تخت دیا لیکن وہ بکلی بہشت کے محسوس رہا۔ اور پطرس کو
 کبھی بہشت کی گنجیاں دیں اور کبھی اُس کو شیطان بنایا۔ اسی طرح انجیل کے معلوم ہوتا ہے
 کہ حضرت مسیح کا مکا شفق کچھ بہت صاف نہیں تھا اور کئی پیشگوئیاں ان کی بسبب غلطی تھی
 کہ پوری نہیں ہو سکیں مگر اپنے اصلی معنوں پر پوری ہو گئیں۔ بہر حال ان تمام باتوں سے
 یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام
 کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے
 سمجھے ہوتے ہیں مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف سے اُن کی
 کسی قدر تفصیل کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ انسان ہیں اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا
 سوتا ہے۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ انکی تبلیغ
 میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھاتی جاتی ہیں چنانچہ
 ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات تواتر و محکمہ تفسیر

جنت اور نار کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے
 غلطی کا احتمال صرف ایسی پیش گوئیاں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی کسی مصلحت
 کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے اُن کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔
 یہ ایک نہایت دقیق راز ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے
 اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت
 کا طرہ وجود نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موافق منکشف نہ ہوتی ہو اور نہ دجال کے شریاع کے
 گدھے کی اس کیفیت کھلی ہو اور نہ یا جوج ماجوج کی عمیق نہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو
 اور نہ دابة الارض کی ماہیت کما ہی ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریب اور مجبور متشابہ
 اور امور متشاکک کے طرز بیان میں نہ سمجھنا تک فیض محض کی نفیس بلکہ انسانی قوی کے ممکن ہر اجمالی طور
 پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت طور کچھ جزئیات غیر معلومہ
 ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت پر کچھ جائے حریف نہیں مگر قرآن اور حدیث پر غور کر نیسے یہ بخوبی
 ثابت ہو گیا ہو کہ ہمارے سینہ و عقل صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا کہ وہ
 ابن مریم جو رسول اللہ نبی نامری صاحب نخل، جو وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ
 اس کا کوئی قسمی آئے گا جو جو بد ماثلت روحانی اس کے نام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہائیگا۔

اور معجزہ اُن علامات کے جو اس عاجز کے سچ ہو خود ہونے کے بارے میں ہائی جاتی
 ہیں وہ خدمات خاصہ ہیں جو اس عاجز کو سچ ابن مریم کی خدمات کے رنگ پر سپرد کی گئی ہیں۔
 کیونکہ سچ اُس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور یطین یہودیوں کے دلوں پر
 سے اٹھایا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد تھا کہ جب سچ ابن مریم
 یہودیوں کی اسلحہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کریم
 کا مغز اور یطین مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے
 وقت سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزرتا تھا جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔

ازالہ حلقہ ایک یہ کہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الفتح شمس کے آخر میں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ظلمت عامہ اور تادمہ کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسان پر ایک فنا طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابو البشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے اور بڑے علامات اور نشان اُس کے وقت ظہور کے تجلّیل اور فرقان میں یہ لکھے ہیں کہ اس سے پہلے روحانی طور پر عالم کون میں ایک فساد پیدا ہو جائے گا۔ آسمانی نور کی جگہ دھنسنے لے لیا اور ایک عالم پر دھان کی تاریکی طاری ہو جائے گی۔ ستارے گر جائیں گے زمین پر ایک سخت زلزلہ آجائے گا۔ مرد و حقیقت کے طالب ہوتے ہیں تھوڑے رہ جائیں گے۔ اور دنیا

میں کثرت سے عورتیں پھیل جائیں گی یعنی سفلی لذات کے طالب بہت ہو جائیں گے جو سفلی خزان اور دفائن کو زمین سے باہر نکالیں گے مگر آسمانی خزانوں سے بے بہرہ ہو جائیں گے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم بھی ہے بغیر وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو برائیلین^{۱۹۵۰} میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے ادرت ان استخلف خلقت آدم یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ بنائوں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ آدم اور ابن مریم درحقیقت ایک ہی مفہوم پر مشتمل ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ آدم کا لفظ قطر الجبال کے زمانہ پر ایک دلالت تامہ رکھتا ہے اور ابن مریم کا لفظ دلالت ناقصہ مگر دونوں لفظوں کے استعمال سے حضرت باری کا مدعا اور مراد ایک ہی ہے۔ اسی کی طرف اس الہام کا بھی اشارہ ہے جو برائیلین میں درج ہے اور وہ یہ ہے ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناهما کنت کنزاً مخفياً فاحسبت ان اعرف۔ یعنی زمین و آسمان بند تھے اور حقائق و معارف پوشیدہ ہو گئے تھے سو ہم نے اُن کو اس شخص کے بھیجے سو کھول دیا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا سو میں نے چاہا کہ شناخت کیا جاؤں۔ اب جبکہ اس تمام تقریر سے ظاہر ہوا کہ ضرور ہے کہ آخر الخلفاء آدم کے نام پر آتا۔

۶۹۵

اور ظاہر ہے کہ آدم کے ظہور کا وقت روز ششم قریب عصر ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور تورات سے بھی ثابت ^{۶۹۵} ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک منصف کو ماننا پڑے گا کہ وہ آدم اور ابن مریم ہی عاجز نہ ہے۔ کیونکہ اول تو ایسا دعویٰ اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعویٰ دس برس سے شائع ہو رہا ہے اور ہر ایک احمدیہ میں مدت سے یہ الہام پھپھ چکا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ آدم ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی ایک باریک اور کامل حکمت ہے کہ اس طوفان نزاع کے وقت سے دس برس پہلے ہی اُس نے اس عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ رکھ دیا تا غور کرنے والوں کے لئے نشان ہو اور تا اس تکلف اور تاویل کا خیال دور ہو جاوے جو خام طبع لوگوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے سو اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر اور انی جاعل فی الارض خلیفہ کی کھلے کھلے طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھاویں اور من شدّ شدّ فی النار کی تہدید سے بچیں اور اپنے الہاموں کی حقیقت کو سمجھیں لیکن انہوں نے کورانہ تکبر کا نام جماعت ^{۶۹۶} رکھا اور حقیقی جماعت جو نظر ظاہری میں ایک فہ قلیلہ اور قلیلک ماہم میں داخل ہے اس سے منہ پھیر لیا اور اس عاجز کو جو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدّون۔ اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا تجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے وہ آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا۔ سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا ہی عاجز ہے۔ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے

۶۹۶

سودہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ قال حمد لله على ذلك۔

از ایچکلمہ ایک یہ ہے کہ سچ کے نزول کی علامت یہ لکھی ہو کہ وہ فرشتوں کے پیروں پر
اس نے اپنی تفصیلات لکھی ہوئی ہوں گی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیاں اور دیاں
ہاتھ جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے آسمانی لوگوں کے سامنے پر ہو گا اور وہ مکتب اور
کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی پائے گا اور اس کی ضروریات زندگی کا
بھی خدای متعالیٰ اور متکفل ہو گا جیسا کہ عرصہ دس سال سے برائین احمدیہ میں اس عاجز کی نسبت
یہ الام چھپ چکا ہے کہ انک باعیننا سمیتک المتوکل وعلمنه من لدنا علما
یعنی تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ہم نے تیرا نام متوکل رکھا اپنی طرف سے علم سکھایا یا بلو ہے
کہ اجتر سے مراد جو حدیث میں ہے صفات اور قونی علیہ میں جیسا کہ صاحب لمعات شراح مشکوٰۃ
نے حدیث مسند رحمہ فریل کی شرح میں یہی معنی لکھے ہیں عن لیلید ابن ثابت قال قال
رسول الله صلی الله علیہ وسلم طوفی للشام قلنا لای ذلک یا رسول الله قال لان
ملائکة الرحمن باسطه اجفعتها علیها رواہ احمد والترمذی۔ یہ بات بہت سی
حدیثوں اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو شخص کامل انقطاع اور کامل توکل کا مرتبہ پیدا کر لیتا
ہے تو فرشتے اس کے خادم کئے جاتے ہیں اور ہر ایک فرشتہ اپنے منصب کے موافق اس کی
خدمت کرتا ہے وقال الله تعالیٰ ان الذین قالوا ائینا الله شراستقاموا تنزل
علیہم الملائکة الاتخافوا ولا تحزنوا وایمشوا بالجنة التي کنتم توعدون
ایسا ہی خدا تعالیٰ فرماتا ہے وحملناہم فی البتداء البحر یعنی اٹھایا ہم نے ان کو جنگلوں
میں اور دریاؤں میں۔ اب کیا اس کے یہ معنی کرنے چاہئیں کہ حقیقت میں خدا تعالیٰ اپنی گود
میں لے کر اٹھائے پھر سو اسی طرح ملائکہ کے بہوں پر ہاتھ رکھنا حقیقت پر محمول نہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عاجز ایسی علامت متذکرہ بالا کے ساتھ آیا ہو اور اجتر طائفہ
پر اس عاجز کے دونوں ہاتھ ہیں اور غیبی قوتوں کے سہارے سے علوم لدنی کھل رہے ہیں۔ اگر کوئی

شخص مذہبنا نہیں تو صریح اس علامت سے دیکھ لیا اور دوسرے میں اس کی نظیر نہیں پائیگا۔

۶۹۲

ازرا بخلمہ ایک یہ ہے کہ مسیح کی علامت یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس کے دلائل کاملہ کے سامنے مرجائیں گے۔ سو غریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں مخالف حجت اور دلیل یسین کی رو سے مر گئے۔

ازرا بخلمہ ایک یہ ہے کہ مسیح جب آئے گا تو لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا جیسا کہ بخاری میں یہی حدیث لکھی ہے کہ مسیح ابن مریم ^{علیہ السلام} حکم اور عدل ہونے کی حالت میں نازل ہوگا۔ پس حکم اور عدل کے لفظ سے ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ مسیح بہتوں کے فہم اور سمجھ کے مخالف حق اور عدل کے ساتھ حکم کرے گا اور جیسے حکم عدل سے ناکام لوگ ناراض ہو جاتے ہیں ایسا ہی اس سے بھی ہوں گے۔ سو یہ عاجز حکم ہو کر آیا اور امت مسلم غلط اوہام کا غلط اوہام ہونا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ لوگ اول یہ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح ابن مریم نبی ماضی جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آجائے گا۔ سو پہلے ہی غلطی ان کی ہو کر دی گئی اور ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا جیسے عیسائیوں میں تھے یونی ٹیرین فرقہ جو اسی بات کا قائل ہے کہ مسیح مر گیا اور پھر دنیا میں نہیں آئے گا اور ظاہر کر دیا گیا کہ قرآن کریم کی تیس آیتوں سے مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی نبی کی وفات ایسی عراستہ قرآن کریم میں نہیں لکھی جیسی مسیح ابن مریم کی۔ اور یہ وہ امر ہے جسکو ہم مشرطی طور پر قرآن کریم کی رو سے پیش کر سکتے ہیں۔ اور ہم نے مسیح کی موت کا ثبوت دینے کے بعد بھی ثابت کر دیا کہ وعدہ صرف یہ تھا کہ جب چودھویں صدی تک اس امت کے ایام پہنچ جائیں گے تو خدا تعالیٰ اس لطف و احسان کی طرح جو حضرت موسیٰ کی امت سے اس امت کے آخری زمانہ میں کیا تھا۔ ثبیل موسیٰ کی ایک غافل امت پر بھی ان کے آخری زمانہ میں وہی احسان کرے گا

اور اسی امت میں سے ایک کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجے گا سو وہ مسلمانوں میں سے ہی آوے گا۔
جیسا کہ اسرائیلی ابن مریم بنی اسرائیل میں سے ہی آیا۔

ایسا ہی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائے گا۔ لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کو کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھودیں گے۔ اور یہ کس قدر نفور کرتے ہیں کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں بلکہ پیچھے روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی بدست ہی غلطیاں ہیں جو عمل رہی ہیں۔

ازرا بمحکمہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ منجی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت تامر کا طرہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامر کا طرہ ہر گاہ سچی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے جو مشکوۃ نبوت محمدیہ سے فوراً حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے اور اگرچہ ہر ایک کو رؤیا بھیجھ اور مکاشفات میں سے کسی قدر حصہ ہے۔ مگر مخالفین کے دل میں اگر گمان اور شک ہو تو وہ مقابلہ کر کے آزما سکتے ہیں کہ جو کچھ اس عاجز کو رؤیا صالحہ اور مکاشفہ اور استجاب دعا اور الہامات بھیجھ صادقہ سے حصہ وافرہ نبیوں کے قریب قریب دیا گیا ہے وہ دوسروں کو تمام حال کے مسلمانوں میں سے ہرگز نہیں دیا گیا اور یہ ایک بڑا محکم آزمائش ہے کیونکہ آسمانی تائید کی مانند صادق کے صدق پر اور کوئی گواہ نہیں جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے بے شک خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک خاص طور پر مقابلہ کے میدانوں میں اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ چونکہ میں حق پر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ خدا میرے ساتھ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے میں بڑے اطمینان اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ اگر میری ساری قوم کیا پنجاب کے رہنے والے اور کیا ہندوستان کے باشندے اور کیا عرب کے مسلمان اور کیا روم اور فارس کے کلمہ گو اور کیا افریقہ اور دیگر بلاد کے اہل اسلام

اور اُن کے علماء اور اُن کے فقراء اور اُن کے مشائخ اور اُن کے صلحاء اور اُن کے مردِ اور اُن کی عورتیں مجھے کاؤب خیال کر کے پھر میرے مقابل پر دیکھنا چاہیں کہ قبولیت کے نشانی مجھ میں ہیں یا اُن میں۔ اور آسمانی دروازے مجھ پر کھلتے ہیں یا اُن پر۔ اور وہ محبوبِ حقیقی یعنی خاصِ عنایات اور پسے علوم لدنیہ اور معارف روحانیہ کے انوار کی وجہ سے میرے ساتھ ہے یا اُن کے ساتھ۔ تو بہت جلد اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خاصِ فضل اور خاصِ رحمت جس سے دلِ موردِ فیوض کیا جاتا ہے اسی عاجزِ پیراس کی قوم سے زیادہ ہے۔ کوئی شخص اس بیان کو تکبر کے رنگ میں نہ سمجھے بلکہ یہ تحدیثِ نعمت کی قسم میں سے ہے وذلک فضل اللہ ہو تیہ من یشاء۔ اسی کی طرف اشارہ ان الہامات میں ہے قل انی امرت وانا اول المؤمنین۔ الحمد للہ الذی اذہب عنی الحزن وانا تانی مالکِ یوئت احد من العلمین۔ احمد من العلمین سے مراد زمانہ حال کے لوگ یا آئندہ زمانہ کے ہیں واللہ اعلم بالصواب

از الجملہ بعض مکاشفات مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم کے ہیں جو اس عاجز کے زمانہ ظہور سے پہلے گزر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ آج کی تاریخ ۱۷ جون ۱۳۵۲ء سے عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب جو ایک مردِ صالح بے ریاستی اور متبعِ سنت اور اول درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی ہیں وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلہ میں بیان کیا کہ مولوی عبد اللہ صاحب جو م نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف سے ایک پیش گوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔ فقط ایک صاحب غلام نبی نارووالے نام اپنے اشتہارِ مرقومہ دوم ذیقعدہ میں لکھتے ہیں کہ یہ افتراء ہے اگر افتراء نہیں تو اُس راوی کا نام لینا چاہیے جس کے روبرو مولوی صاحب مرحوم نے بیان کیا۔ سواب ہم نے بیان کر دیا کہ وہ راوی کون ہے اور کس درجہ کا آدمی ہے۔ چاہیے کہ حافظ صاحب دریافت کریں کہ افتراء ہر یا بھی با شک و من اظلم ممن افتری او کذب وانی

ایسا ہی فروری ۱۸۸۷ء میں مقام ہوشیار پور منشی محمد یعقوب صاحب بلور حافظ محمد یوسف نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے ایک دن میں نے سنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائیں گے۔ مگر مجھے یاد نہیں رہا کہ منشی محمد یعقوب صاحب کے منہ سے یہی الفاظ نکلے تھے یا انہیں کے ہم معنے اور الفاظ تھے۔ بہر حال انہوں نے بعض آدمیوں کے روبرو جن میں سے ایک میاں عبداللہ سنوری پٹیالہ کی ریاست کے رہنے والے ہیں اس مطلب کو انہیں الفاظ یا اونٹنوں میں بیان کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت منشی آٹمی بخش صاحب اکوٹھ اور کئی اور صاحب میرے مکان پر ہوشیار پور علی صاحب رئیس کا مکان تھا موجود تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ اس جلسہ میں کون کون موجود تھا جب یہ ذکر کیا گیا مگر میاں عبداللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرہ کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا۔

ازالہ نمبر ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جو اس زمانہ سے تیس یا اکتیس برس پہلے اس عالم بے بقا سے گذر چکا ہے۔ جس شخص کی زبان سے میں نے یہ کشف سنا ہو وہ ایک معتمد سفید ریش آدمی ہے۔ جس کے چہرہ پر آثار صلاحیت و تقویٰ ظاہر ہیں جس کی نسبت اس کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ یہ درحقیقت راستگو اور نیک بخت اور صالح آدمی ہیں۔ یہاں تک کہ مولوی عبدالقادر دہس جمالی پور ضلع لدھیانہ نے جو ایک صالح آدمی ہے اس پر سفید ریش کی بہت تعریف کی کہ درحقیقت یہ شخص متقی اور متبع سنت اور راستگو ہے۔ اور نہ صرف انہوں نے آپ ہی تعریف کی بلکہ اپنی ایک تحریر میں یہ بھی لکھا کہ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کہ جو کہ وہ موحیدین میں سے ایک منتخب اور شریف اور غایت درجہ کے خلیق اور مجدد بار اور تقہ ہیں جن کے والد صاحب مرحوم کا جو ایک ہاکمل بزرگ تھے یہ سفید ریش ہذا قادیان دوست اور ہم قوم اور پرانے زمانہ سے تعارف

رکھنے والا اور اُن کی پُرفیض صحبتوں کے رنگ سے رنگین ہے بیان فرماتے تھے کہ حقیقت میں میاں کریم بخش یعنی یہ بزرگ سفید پیش بہت اچھا آدمی ہے اور اعتبار کے لائق ہے مجھ کو اس پر کسی طور سے شک نہیں ہے۔

اب وہ کشف جس طور سے میاں کریم بخش صاحب موصوف نے اپنے تحریری اظہار میں بیان کیا ہے اس اظہار کی نقل معاً تمام شہادتوں کے جو اس کا غنہ پر ثبت ہیں اُن میں ہم لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

میرا نام کریم بخش والد کا نام غلام رسول قوم اعوان ساکن جمالیپور اچھوئے تحصیل لودھیانہ پیشہ زمینداری عمر تھیں پونے ۱۸ سال مذہب موصوفی اہلحدیث حلفاً بیان کرتا ہوں کہ عمر تھیں ۳۱ یا ۳۲ سال کا گذرا ہو گا یعنی سن ۱۹ میں جبکہ سن سترہ کا ایک شہور قحط پڑا تھا ایک بزرگ گلاب شاہ نام جس نے مجھے توحید کا راہ سکھلایا اور جو باعث اپنے کمالات فقر کے بہت مشہور ہو گیا تھا اور اصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا ہمارے گاؤں جمالیپور میں آکر رہا تھا اور استاد میں ایک فقیر سالک اور زہاد عابد تھا اور اسرار توحید اس کے منہ سے نکلتے تھے لیکن آخر اس پر ایک ربودگی اور بیہوشی طاری ہو کر مجذوب ہو گیا اور بعض اوقات قبل از ظہور بعض غیب کی باتیں اس کی زبان پر جاری ہوتیں اور جس طرح وہ بیان کرتا آخر اُسی طرح پوری ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے سمت سترو کے قحط سے پہلے ایک قحط شدید کے آنے کی پیش گوئی کی تھی اور پیش از وقوع مجھے بھی خبر دی تھی۔ سو قحطوں کے دنوں کے بعد سترو کا قحط پڑ گیا تھا۔ اور ایک دفعہ اُس نے بتلایا تھا کہ موضع رام پور ریاست پٹیالہ تحصیل پائیلی کے قریب جہاں اب نہر چلتی ہے ہم نے وہاں نشان لگایا ہے کہ یہاں دریا چلیگا۔ پھر بعد ایک مدت کے وہاں اُسی نشان کی جگہ پر نہر جاری ہو گئی جو درحقیقت دریا کی ہی ایک شاخ ہے۔ یہ پیش گوئی اُن کی سارے جمالیپور مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک دفعہ انہوں نے سمت سترو کے قحط سے پہلے کہا تھا کہ اب بیوپاریوں کو

بہت فائدہ ہوگا چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد قحط پڑا اور یہ بپاری لوگوں کو اس قحط میں بہت فائدہ ہوا۔ ایسی ہی ان کی اور بھی کئی پیشگوئیاں تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔

اس بزرگ نے ایک دفعہ جس بات کو عرصہ تیس سال کا گذر ہو گا مجھ کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رو فیصلہ کرے گا اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کریں گے پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے تب میں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہو گئیں اور شاعری زبان پھیل گئی یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا جیسے شاعر مبالغات پر زور دیکر اس حقیقت کو چھپا دیتا ہے پھر کہا کہ جب وہ عیسیٰ آئے گا تو فیصلہ قرآن سے کرے گا پھر اس مجذوب نے بات کو دوہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کر جائیں گے۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ انکار کریں گے اور جب وہ عیسیٰ لدھیانہ میں آئے گا تو قحط بہت پڑے گا۔ پھر میں نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بیچ قادیان کے یعنی قادیان میں تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسیٰ کہاں ہے (لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے) اس کا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ضلع گورداسپورہ میں بھی کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ آسمان پر اٹھائے گئے اور کعبہ پر اتریں گے۔ تب انہوں نے جواب دیا۔ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا ہے اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ مر گیا ہے ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے اور کہا کہ جو آسمانوں والے صاحب ہیں وہ کسی کے پاس چل کر نہیں آیا کرتے۔

الفاظ

میاں کریم بخش بمقام لدھیانہ محلہ اقبال گنج ۱۴ جون ۱۸۹۱ء روز شنبہ

نام اُن صاحبوں کے جنہوں نے اپنے کانوں سے اس بیان کو سنکر میاں کریم بخش کے اظہار تحریر کی پر اسی وقت اُن کے روبرو اپنی اپنی گواہیاں لکھیں۔

میرے سامنے میاں کریم بخش صاحب نے یہ بیان تحریر کرایا
جو اور لکھا گیا ہے۔

عاجو کے روبرو میاں کریم بخش نے یہ بیان تحریر کرایا
اور یہ مضمون بلا کی بیشی حرف بحرف لکھا گیا۔

میرے سامنے میاں کریم بخش نے یہ
بیان حرف بحرف تحریر کرایا
الہ بخش بقلم خود سکند لہانہ

میرے سامنے میاں کریم بخش نے مضمون
مذکورہ صدر حرف بحرف لکھوایا۔

میر عباس علی بقلم خود

اس عاجو کے روبرو میاں کریم بخش نے یہ بیان تحریر کرایا
اور یہ مضمون بلا کی بیشی حرف بحرف لکھا گیا۔
عبد اللہ پٹواری غوث گدہ

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا میاں
کریم بخش نے حرف بحرف لکھوایا۔
عطاء الرحمن ساکن دہلی

میرے سامنے میاں کریم بخش نے مضمون
مذکورہ صدر حرف بحرف لکھوایا
غلام محمد از بچو حال بقلم خود

میرے روبرو میاں کریم بخش نے حرف بحرف بیان مذکورہ بالا تحریر کرایا۔
عبد الحق خلف عبدالسمیع ساکن لدھیانہ

اس عاجو کے روبرو میاں کریم بخش نے
اظہار مذکورہ بالا حلقا لکھوایا
سید فضل شاہ ساکن ریاست جہول

یہ بیان میاں کریم بخش نے حلقا میرے
رو برو لکھوایا ہے۔
عبد القادر مدرس جالپورہ بقلم خود

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا حرف
بہ حرف میاں کریم بخش نے حلقا لکھوایا ہے
سید عنایت علی سکند لدھیانہ محلہ صوفیاں

بیان بالا میری موجودگی میں حلقاً
میاں کریم بخش سکند جالپور نے لکھوایا ہے
کنہیا لال سکند گڑج سکند در ریاست
چیتہ سکند لدھیانہ

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا کی میاں کریم بخش
نے تصدیق کی۔ ناصر ثواب

میاں کریم بخش نے حلفاً بیان مذکورہ بالا کھدایا ہے
مولوی تاج محمد

میاں کریم بخش نے وہ تمام بیان جو اسکی زبان سے
لکھا گیا حلفاً تصدیق کیا۔ مولوی نصیر الدین واعظ
ساکن بہاولریاست بہاولپور۔ حال وار دلاہستان

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے روک گیا۔
اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلادیا تھا کہ اُس عیسیٰ کا نام غلام احمد ہے۔
اب وہ گواہیاں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ جنہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ درحقیقت
میاں کریم بخش ایک مرد صالح اور نیک چلن آدمی ہے جس کا کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا
یہ گواہ اسی گاؤں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے ہیں۔

ہم حلفاً بیان کرتے ہیں کہ میاں کریم بخش ایک راست باز آدمی ہے اور صوم و صلوة
کا اعلیٰ درجہ کا پابند ہے اور ہم نے اپنی تمام عمر میں اس کی نسبت کوئی جھوٹ بات بولنے اور
خلاف واقعہ بیان کرنے میں اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ آج تک ایک گنا یا چلتی تک کسی شخص کی نہیں
توڑی۔ اور میاں گلاب شاہ بھی اس دیہہ میں ایک مشہور مجذوب گذرا اور اس مجذوب کے
انتقال کو عرصہ تین سو پچیس سال کا ہوا ہے اس مجذوب کی اکثر پیش گوئی وقوع باتیں بتلائی

ہوئی ہمارے روبرو پوری ہوئی ہیں۔
الحسبہ
نصیر الدین صاحب دار جمالیوز

ہم جو سب سے پہلے اس کے بارے میں سنا تھا وہی میں نے میاں
کریم بخش کا کوئی جھوٹا جملہ نہیں سنا اور یہ شخص
اصل درجہ کا پابند صوم و صلوة اور راست باز آدمی ہے۔ اور
موجودہ۔ الع۔

عبد القادر مدرس جمالیوز بقلم خود

میرے روبرو میاں کریم بخش نے بیان مذکورہ بالا
کی تصدیق کی۔ قاضی خواجہ علی بقلم خود

میرے روبرو معتمد سنی کریم بخش کو سنا یا گیا اور اس نے
تصدیق کیا۔ مراری لال کلرک نہر ہندوستانی لکھنؤ

بیان مذکورہ بالا کو میاں کریم بخش نے میرے روبرو
تصدیق کیا۔ محمد نجیب خاں
دفتر نہر ہندوستانی لکھنؤ

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے روک گیا۔
اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلادیا تھا کہ اُس عیسیٰ کا نام غلام احمد ہے۔
اب وہ گواہیاں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ جنہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ درحقیقت
میاں کریم بخش ایک مرد صالح اور نیک چلن آدمی ہے جس کا کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا
یہ گواہ اسی گاؤں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے ہیں۔

ہم حلفاً بیان کرتے ہیں کہ میاں کریم بخش ایک راست باز آدمی ہے اور صوم و صلوة
کا اعلیٰ درجہ کا پابند ہے اور ہم نے اپنی تمام عمر میں اس کی نسبت کوئی جھوٹ بات بولنے اور
خلاف واقعہ بیان کرنے میں اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ آج تک ایک گنا یا چلتی تک کسی شخص کی نہیں
توڑی۔ اور میاں گلاب شاہ بھی اس دیہہ میں ایک مشہور مجذوب گذرا اور اس مجذوب کے
انتقال کو عرصہ تین سو پچیس سال کا ہوا ہے اس مجذوب کی اکثر پیش گوئی وقوع باتیں بتلائی

الحسبہ
نور الدین ولد داتا ساکن جمالیوز

میاں کریم بخش نیک آدمی ہے اور پکا نمازی۔ میں نے اپنی
تمام عمر میں اس کا کوئی جھوٹ نہیں سنا حلفاً بیان کیا ہے
اور میاں گلاب شاہ بہت اچھا تھا۔ یہاں گلاب شاہ کو
تمام زن و مرد اس دیہہ کے جانتے ہیں

نئی بخش ارکس جمالیوز

میان کریم بخش سچا آدمی ہے اور پختہ نمازی کا
اور نماز جمعہ کا سخت پابند اور کم گو ہے۔
الحمد

بیر محمد نمبر دار بقلم خود سکند جہا پور

اوپر کا لکھا ہوا نہایت صحیح ہے اور کریم بخش
نہایت سچا آدمی ہے اور نماز روزہ اور جمعہ
کبھی قصا نہیں کیا اور کوئی جھوٹ اور آفرات کی بات نہ کی
نسبت ثابت نہیں ہوئی اور بہت کم گو آدمی ہے
الحمد

نور محمد ولد مادا سکند جہا پور

میان کریم بخش بہت سچا آدمی ہے اور کبھی اس
شخص نے جھوٹ نہیں دیا اور نہ
جھوٹ کی تمت اس کو کسی نے ہمیشہ ہوش میں لگائی۔
الحمد

خیالی ولد گورکھ ترکان سکند جہا پور

کریم بخش سچا آدمی ہے اور نیک بخت ہے اور
نمازی ہر وقت اور میان گلاب بہت اچھا بخیر تھا
الحمد

بوٹا ولد احمد بقلم بیر محمد نمبر دار

میان کریم بخش بہت سچا اور بہت نیک اور نمازی
ہے اور میں نے اپنی ہوش میں اس کو کوئی جھوٹ نہیں
الحمد

گلزار شاہ بقلم خود

کریم بخش نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے۔
الد ونا سکند جہا پور

کریم بخش نہایت سچا اور نیک بخت اور کم گو اور
پرہیز گار اور نمازی آدمی ہے اور سب عادتیں
اس کی بہت اچھی ہیں۔
الحمد

روشن لال ولد قاسم نمبر دار جمال پور عمرہ سال

کریم بخش غلام رسول کا بیٹا بہت نیک آدمی ہے
اور سچا ہے اور ہمیشہ جمعہ بڑھتا ہے اور کبھی اس
نے جھوٹ نہیں بولا۔
الحمد

کا کا ولد چوہدر سکند جہا پور

میان کریم بخش بہت سچا اور نیک پلن آدمی اور اس
شخص نے کبھی جھوٹی شہادت نہیں دی اور نہ سنی۔
الحمد

بیر لال ولد دوسندھی سکند جہا پور بقلم خود

میان کریم بخش کو میں بخوبی جانتا ہوں کہ شخص نیک بخت
ہے اور بہت سچا آدمی ہے اور اس کو وقف ہوں اور
اس شخص کا جھوٹ کوئی بیٹے نہیں سنا اور نہ کوئی بد طبعی
اس کی سنی گئی ہے اور شخص نمازی ہے اور جمعہ
پڑھنے بھی لڑھکانہ آیا کرتا ہے۔
الحمد

بیر علی ولد کریم بخش اولان سکند جہا پور بقلم خود

کریم بخش پکا نمازی ہے اور سچا اور نیک بخت اور کبھی جو مٹی شہادت اس نے نہیں دی۔

بقلم خود امان علی ولد چامن شاہ ٹھیکیدار

۱۷۱

مسی کریم بخش بہت سچا اور پکا نمازی اور نیک چلن آدمی اور پختہ نمازی ہر رمضان کے روزے ہمیشہ رکھتا ہے اور کبھی جمعہ تھا نہیں کرتا اور کبھی اس کا جھوٹ ثابت نہیں ہوا اور نہایت نیک چلن ہے۔

بقلم غلام محمد بے روشن ذات آوان ساکن جمالیپور

مسی کریم بخش بہت سچا اور پکا نمازی اور نیک چلن آدمی ہے اور کبھی اس کا کوئی جھوٹ بولنا ثابت نہیں ہوا۔ اور غلاب شاہ بہت اچھا فقیر تھا۔ اور اس ہمارے دیہ میں مدت تک رہے ہیں۔

اکبر ولد محمد پناہ سکنا جمالیپور

میاں کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن نمازی ہے اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔

نظام الدین سکنا جمالیپور بقلم خود نظام الدین

میں مسی کریم بخش کو بہت نیک بخت جانتا ہوں۔ اور سچا ہے اور شخص پکا نمازی ہے۔

غلام محمد نائب درویش جمالیپور بقلم خود

میاں کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن آدمی ہے اور اس شخص نے کبھی جھوٹی شہادت نہیں دی اور نہ گھسی۔

گوگل ولد متا یا سود از جمالیپور

میاں کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن اور نمازی اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔

شیرا ولد روشن گوہر از جمالیپور

کریم بخش بہت اچھا نیک بخت آدمی ہے اور سچا اور نمازی اور پختہ نمازی ہے۔

لکھا ولد سونڈا اراٹیں جمالیپور

میاں کریم بخش آدمی نمازی ہے اور بہت سچا ہے

کریم بخش ولد غلام غوث آوان از جمالیپور

کریم بخش پکا نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے اور کبھی اس نے جھوٹی گواہی نہیں دی۔

گاندھی ولد عالم گوہر چکیدار جمالیپور

کریم بخش بہت نیک بخت ہے اور سچا ہے اور اس میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔

گنیش شال سود جمالیپور بقلم خود

لا بد انشاء اللہ ان میں نزل عیسیٰ علیہ السلام فی حیاتہ وانظرہ بعینی یعنی میں محمد بن احمد بنی رہنے والا خاص مکہ معظمہ محلہ شعب عامر کا ہوں کہتا ہوں کہ میں نے ۱۳۰۵ ہجری میں خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ میرا باپ کھڑا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں اس وقت جو میں نے مشرق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آیا اور میں ارادہ کر رہا ہوں کہ وضو کر دوں سو میں نے دریا کی طرف رخ کیا۔ پھر وضو کر کے اپنے باپ کی طرف چلا آیا۔ میں نے باپ کو کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو نازل ہو گیا اب میں کس طور سے نماز پڑھوں سو میرے باپ نے مجھے کہا کہ وہ دین اسلام پر اتر رہا ہے اور اس کا دین کوئی الگ دین نہیں بلکہ وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین رکھتا ہے۔ سو تو اسی طرح نماز پڑھ جیسے پہلے پڑھا کرتا تھا۔ تب میں نے نماز پڑھ لی پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ عیسیٰ علیہ السلام میری زندگی میں اتر آئے گا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا۔

ازاجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجال معبود کے خروج کے بعد نازل ہو کیونکہ یہ ایک واقعہ مسلمہ ہے کہ دجال معبود کے خروج کے بعد نازل والا وہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موعوم ہے جس کا مسلم کی حدیث میں وجہ تمییز مسیح ہونے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی شدت اور محنت اور استقامت کا غبار جو دجال کی وجہ سے ان کے طاری حال ہوگا ان کے چہرہ سے پونچھ دے گا یعنی دلیل اور حجت سے ان کو غالب کر دکھائے گا۔ سو اس لئے وہ مسیح کہلائے گا کیونکہ مسیح پونچھنے کو کہتے ہیں جس کے مسیح مشتق ہے۔ اور ضرور ہے کہ وہ دجال معبود کے بعد نازل ہو۔ سو یہ عاجز دجال معبود کے خروج کے بعد آیا ہے پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دجال معبود ہی با دیروں اور عیسائی متکلموں کا گروہ ہے جس نے زمین کو اپنے ساحرانہ کاموں سے تہ و بالا کر دیا کہ وہاں سے اور جھٹک جھٹک اس وقت سے

زور کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور جو اعداد و ایت انا علیٰ ذہاب بہ لفظ دونوں سے سمجھا جاتا ہے یعنی ۷۵۰ سال کا زمانہ۔ تو ساتھ ہی اس عاجز کا سچ موعود ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور ہم پہلے بھی تحریر کرتے ہیں کہ عیسائی دانشوروں کا گروہ بلاشبہ جہاں محدود ہے۔ اگرچہ حدیثوں کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک خاص آدمی ہے جو ایک آنکھ سے کانا اور دوسری بھی عیب دار ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں جو پیشگوئوں کی قسم سے ہیں مکاشفات کی نوع میں سے ہیں جن پر موافق سنت اللہ کے استعارہ اور مجاز غالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ملاحظہ قاری نے بھی لکھا ہے اور جن کے معنی سلف صلح ہمیشہ استعارہ کے طور پر لیتے رہے ہیں۔ اس لئے بوجہ قرآن تو یہ ہم وہاں کے لفظ سے صرف ایک شخص ہی مراد نہیں لے سکتے۔ رویا اور مکاشفہ میں اسی طرح سنت اللہ واقع ہے کہ بعض اوقات ایک شخص نظر آتا ہے اور اس سے مراد ایک گروہ ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے ایک عرب کے بادشاہ کو خواب میں دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد ملک عرب ہے جو ایک گروہ ہے۔ اور اس ہمارے بیان پر یہ قرینہ شاہد ناطق ہے کہ وہاں درحقیقت لغت کی رو سے اسم جنس ہو

✽ آیت انا علیٰ ذہاب بہ لفظ دونوں میں ۷۵۰ سال کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسد عظیم ہو کر آثارِ باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہندوستان پر دھڑکے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب حمل ۱۲۷۴ھ اور ۱۲۷۴ھ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۷۵۰ سال ہوتا ہے۔ یہ یقیناً حقیقت منصف اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۷۵۰ سال ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا۔ جو ایسا ہی ۷۵۰ سال میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی کہ بھڑید پلینی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سرکار اور گمراہی کو باموجود ٹھکانا اور رحمت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ اس مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعاً جائز نہ تھا

جس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو کذاب ہوں۔ چنانچہ قاموس میں یہی معنی لکھے ہیں کہ دجال اس گروہ کو کہتے ہیں کہ جو باطل کو حق کے ساتھ ملانے والا اور زمین کو نجس کرنے والا ہو۔ اور مشکوٰۃ کتاب الفتن میں مسلم کی ایک حدیث لکھی ہے جس میں دجال کے ایک گروہ ہونے کی طرف صریح اشارہ کیا گیا ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ دجال محدود کی ٹہری علامتیں حدیثوں میں یہ لکھی ہیں۔
 (۱) آدم کی پیدائش سے قیامت کے دن تک کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑھ کر نہیں یعنی جس قدر دین اسلام کے تخریب کے لئے فتنہ اندازی اس سے ظہور میں آنے والی ہے اور کسی سے ابتداء دنیا سے قیامت کے وقت تک ظہور میں نہیں آئیگی۔ صحیح مسلم۔
 (۲) دجال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف اور روایا میں دیکھا کہ دہنی آنکھ سے وہ کانہ ہے اور دوسری آنکھ بھی عیب سے خالی نہیں یعنی دینی بھیرت اُن کو بجلی نہیں دی گئی اور تحصیل دنیا کی وجہ بھی حلال اور طیب نہیں۔ بخاری اور مسلم۔

۴: کیونکہ وہ اس گونٹ کی رعیت اور ان کے زیر سایہ تھے اور رعیت کا اس گونٹ کے مقابل پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور مہمیت کبر اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے جب ہم ۷۷۷ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتوے نظر دلاتے ہیں جنہوں نے عام طور پر جس لگا دی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیے تو ہم بجز مذمت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا نہ عقل نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے پوروں اور قزاقوں اور عوامیوں کی طرح اپنی محسن گونٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ ننھے ننھے بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور مذمت یہ جی سے انہیں پانی تک نہ دیا۔ کیا جتنی اسلام تھا یا یہودیوں کی خصلت تھی۔ کیا کوئی تلاسل کتاب کے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے جہاد کا کسی جگہ حکم دیا ہے پس اس حکیم و عظیم و عظیم تر ان کی ہم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کام مسلمان پر اٹھایا جائے گا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ

(۳) دجال کے ساتھ بعض اسباب تنعم اور آسائش رحمت کی طرح ہوں گے اور بعض اسباب محنت اور بلا کے آگے یعنی دوزخ کی طرح ہوں گے (دخاری و سلم) جس قدر عیسائی قوم نے تنعم کے اسباب نئے سے نئے ایجاد کئے ہیں اور جو دوسری راہوں کو محنت اور بلا اور فقر اور فاقہ بھی اُن کے بعض انتظامات کی وجہ سے واپس کے لوگوں کو پکڑتا جاتا ہے اگر یہ دو دلوں حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں ہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) دجال کے بعض دلی برس کی طرح ہوں گے اور بعض دلی جہنہ کی طرح اور بعض دلی بہشت کی طرح مگر یہ نہیں کہ دلوں میں فرق ہوگا بلکہ اُس کے دلی اپنی مقدار میں ایسے ہی ہوں گے جیسے تمہارے۔ مسلم۔

(۵) دجال کے گدھے کا اس قدر جسم ہوگا کہ اس کے ایک کان سے دوسرے کان تک شرباب کا فاصلہ ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس جسامت کی گدھی خدا تعالیٰ نے پیدا نہیں کی تا امید کی جائے کہ انکی اولاد سے یہ گدھا ہوگا۔

۴۹۰

مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ پر یہ الزام لگانا کہ ایسے جہاد اور ایسی لڑائیاں اس کے حکم سے کی گئیں یہ دوسرا گناہ ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نہیں ہی شریعت سکھاتا ہے کہ ہم نیکی کی جگہ بدی کریں۔ اور اپنی محسن گورنمنٹ کے احسانات کا اس کو یہ صلہ دیں کہ اُن کی قوم کے صغر سن بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کریں اور ان کی محسوبہ بیویوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ بلاشبہ ہم یہ داغ مسلمانوں خاص کر اپنے اکثر مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے کہ وہ مشن میں مذہب کے پڑھوئیں ایسے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے جس کی ہم کسی قوم کی تواریخ میں نظیر نہیں دیکھتے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اور بھی ایسے بڑے کام کئے جو صرف وحشی حیوانات کی عادات ہیں نہ انسانوں کی خصلتیں۔ انہوں نے نہ سمجھا کہ اگر اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے کہ ایک مومنوں منت اُن کا اُن کے بچوں کو مار دے اور ان کی عورتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے تو اُس وقت اُن کے دل میں کیا کیا خیال پیدا ہوگا۔ بلوچوں اور

۴۹۱

(۶) وجمال جب گدھے پر سوار ہوگا تو گدھا جس جلدی سے چلیگا اس کی یہ مثال ہے کہ جیسے بادل اس حالت میں چلتا ہے جب کہ پیچھے اس کے ہوا ہو۔ یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وجمال کا گدھا کوئی جاندار محسوس نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی ہوائی مادہ کے زور سے چلے گا۔

(۷) زمین اور آسمان دونوں وجمال کے فرمانبردار ہوں گے یعنی خدا تعالیٰ اس تدبیر کے ساتھ تقدیر موافق کر دے گا اور اس کے ہاتھ پر زمین کو ان کی مرضی کے موافق آباد کرے گا۔

(۸) وجمال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا یعنی ملک ہند کے کیونکہ یہ ملک زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہے۔ متفق علیہ۔

(۹) وجمال جس ویرانہ پر گزرے گا اُسے کیسے گا تو اپنے خزانے باہر نکال دے گا۔ تمام خزانے باہر نکل آئیں گے اور وجمال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وجمال زمین سے ہر نعمت فائدہ اٹھائے گا۔ اور اپنی تدبیروں سے زمین کو آباد کرے گا اور ویرانے کو خزانے کر کے دکھائے گا پھر آذرباب لہ پر قتل کیا جائیگا لہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بے جا جھگڑنے والے ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے

۴۳۵

بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ کتاب الہی کی غلط تفسیروں نے انہیں بہت خراب کیا جو لوہانکے دلی اور دماغی قوی پر بہت برا اثر ان سے پڑا ہے۔ اس زمانہ میں بلاشبہ کتاب الہی کے نئے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کی مزاحم ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اپنے اکثر نفاذ کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم نہیں ہے قرآنی تعلیم ایسے لوگوں کے دلوں سے مٹ گئی ہے کہ گویا قرآن آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ وہ ایمان جو قرآن نے سکھایا تھا اس سے لوگ بے خبر ہیں وہ عرفان جو قرآن نے بخشا تھا اس سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے دلوں سے نیچے نہیں اترتا۔ انہیں معنوں سے

۴۳۶

کہ جب دجال کے بے جا جھگڑے کمال تک پہنچ جائیں گے تب سچ موعود ظہور کرے گا اور اس کے تمام جھگڑیل کا خاتمہ کر دے گا۔

(۱۰) دجال خدا نہیں کہلائے گا بلکہ خدا تعالیٰ کا قائل ہوگا بلکہ بعض انبیاء کا بھی۔ مسلم۔
ان دشمنوں علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجال محمود کی یہ تکھی ہے کہ اُس کا فتنہ تمام اُن قتنوں سے بڑھ کر ہوگا کہ جو ربانی دین کے مٹانے کے لئے ابتدا سے لوگ کرتے آئے ہیں اور ہم اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ علامت عیسائی مشنوں میں بخوبی ظاہر ہو پیدا ہے۔

از اجماع ایک بڑی بھاری علامت دجال کی اُس کا گدھا ہے جس کے بین الاذنین کا اندازہ ستر ہج کیا گیا ہے اور ریل کی گاڑیوں کا اکثر اسی کے موافق سلسلہ طولانی ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ دخان کے زور سے چلتی ہیں جیسے بادل ہوا کے زور سے تیز حرکت کرتا ہے۔ اس جگہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر مدینہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ یہ عیسائی قہقہہ سجاد ہے جن کا امام و مقتدا ہی دجال ہے اس لئے ان گاڑیوں کو دجال کا گدھا قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ علامت خاصہ دجال کے انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے مکروں اور فریبوں کا اپنے وجود پر خاتمہ کر دیا ہے اور دین اسلام کو وہ ضرر پہنچا یا ہے جس کی نظیر دنیا کے ابتداء سے نہیں پائی جاتی اور انہیں لوگوں کے متبعین کے پاس وہ گدھا بھی ہے جو دشمن کے زور سے چلتا ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے۔ اور انہیں لوگوں کے متبعین زمین کو

کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن آسمان پر اُٹھایا جائے گا۔ پھر انہیں مدینوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ایک مرد قاری اوصل ہوگا جیسا کہ فرمایا گئو کان الایمان محلثاً
لب عند الشریا لنا لدرجل من فارس۔ یہ حدیث و حقیقت اسی زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو آیت انا علی دھاب بہ لقادرون میں اشارۃ بیان کیا گیا ہے۔ منہ

آباد کرتے جاتے ہیں اور جس ملک ویران پر قبضہ کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے خزانے باہر نکال۔ تب ہزار ہا وجوہ تحصیل مال کی اسی ملک سے نکال لیتے ہیں۔ زمین کو آباد کر دیتے ہیں امن کو قائم کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ تمام خزانے انہیں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور انہیں کے ملک کی طرف وہ تمام روپیہ کھینچا ہوا جھلا جاتا ہے۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ مثلاً ملک ہند کے خزانے یورپ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یورپ کے لوگ آپ ہی ان خزانے کو نکالتے ہیں اور پھر اپنے ملک کی طرف روانہ کرتے ہیں۔

۴۳

غرض ان تمام احادیث پر عمیق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے لئے یہ پیش گوئی فرمائی ہے اور انہی لوگوں کا نام دجال رکھا ہے اور قرآن کریم میں اگرچہ تبصریح کسی جگہ دجال کے نکلنے کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن کچھ شک نہیں کہ قرآن کریم نے دجال کا ذکر کر کے اسی کے ضمن میں دجال کو داخل کر دیا ہے اور پھر اس زمانہ کا بیان بھی قرآن میں ہے کہ جب دنیا میں دجال کے بعد نور اللہ پھیلے گا اور اس فوجانی زمانہ سے مراد وہی زمانہ ہے کہ جب سچ موعود کے ظہور کے بعد پھر دنیا نیکی کی طرف رخ کرے گی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو ہنوز دجالی زمانہ ہے سچائی کی حقیقت کو مست دور چھوڑ گیا ہے اور دجالی ظلمت نے دلوں پر ایک سخت اثر ڈالا ہے۔ اور کروڑ ہا مخلوقات شیاطین الانس کے اغوا سے توحید اور راستی اور ایمان سے باہر ہو گئی ہے۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دجال کی جو عیسائی پادریوں کا گروہ ہے خبر نہیں دی جس کی نظیر دنیا کی ابتداء سے آج تک نہیں پائی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کشفیہ پر سخت اعتراض ہو گا کہ ایسا بڑا فتنہ جو ان کی امت کے لئے وریشیں تھا جس میں نہ تہہ نہ زار بلکہ ستر لاکھ سے زیادہ متفرق ملکوں میں لوگ اسلام سے انحراف کر چکے ہیں اس کی آنحضرت نے خبر نہیں دی لیکن اگر جیسا کہ شرط انصاف ہے ہم تسلیم کر لیں کہ آنجناب نے اس دجال کی خبر دی ہے اور

۴۴

اس کے گدھے کی بھی خبر دی ہے جو خشکی اور تری دونوں کو چسپاں ہوتا ہے اور دور دور ملکوں تک انہیں پہنچاتا ہے اور اُن کے یک چشم ہونے سے بھی اطلاع بخشی ہے اور اُن کی بہشت اور دوزخ اور روٹیوں کے پہاڑ اور خزاؤں سے بھی مطلع فرمایا ہے۔ تو پھر ان حدیثوں کے سوا جو دجال کے حق میں ہیں اور کونسی حدیثیں ہمارے پاس ہیں جو اس دعوٰی کی تائید میں ہم پیش کریں۔ اور اگر ہم موجودہ حدیثوں کو اُن پر وارد نہ کریں بلکہ وہی اور فرضی طور پر کوئی اور دجال اپنے دل میں تراش رکھیں جو کسی اور زمانہ میں ظاہر ہوگا تو پھر ان کے لئے حدیثیں کہاں سے لائیں۔ اور ظاہر ہے کہ موجود کو چھوڑ کر ہم اور خیال کی طرف دھڑنا بلاشبہ غلطی پوشی ہے۔ کیونکہ جو موجود ہو گیا ہے اور جس کو ہم نے کچشم خود دیکھ لیا ہے اور اس کے بے مثل فتنوں کو مشاہدہ کر لیا ہے اور تمام پیشگوئیوں کا اس کو مصداق بھی سمجھ لیا ہے۔ اگر پھر بھی ہم اس کو ان پیشگوئیوں کا حقیقی مورد نہ ٹھہرائیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہمیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہو۔ حالانکہ سلف صلح کا یہ طریق تھا کہ اس بات پر سخت حریص تھے کہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی نسبت کہ حرم کعبہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے گا وہ لوگ مینڈھے کے ذبح ہونے کے منتظر نہ رہے بلکہ جب حضرت عبید اللہ ابن زبیر شہید ہوئے تو انہوں نے یقیناً سمجھ لیا کہ یہی مینڈھا ہے حالانکہ حدیث میں انسان کا نام نہیں وہاں تو صاف مینڈھا لکھا ہے اور اس پیشگوئی کے متعلق بھی جو بخاری و مسلم میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے پہلے وہ فوت ہوگی جس کے لیے ہاتھ ہوں گے انہوں نے زینب کی وفات کے وقت یقین کر لیا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ حالانکہ یہ بات اجماعی طور پر تسلیم ہو چکی تھی کہ سوڈہ کے لیے ہاتھ ہیں وہی پہلے فوت ہوگی۔ اُن جرگوں نے جب دیکھا کہ پیشگوئی کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنے سے پیشگوئی ہی ہاتھ سے جاتی ہے تو بے ہاتھوں سے ایثار اور صدقہ کی صفت مراد لے لی۔ لیکن ہمارے زمانہ علماء کو اس بات سے

۲۹۵

۲۹۵

شرم آتی ہے کہ باوجود قرآنِ قویہ بھی کسی حدیث کے ظاہری معنی کو چھوڑ سکیں اور قرآن اور حدیث کو باہم تطبیق دے کر ابنِ مریم سے روحانی طور پر ابنِ مریم کا مصداق مراد لے لیں اور دجال یک چشم سے روحانی یک چشمی کی تعبیر کر لیں اور قرآن کے انکار سے اپنے متنبس بچا لیں۔ ہمیں سوچتے کہ ابنِ مریم یا ایک چشم کا لفظ بھی اُسی پاک مُنہ سے نکلا ہے جس سے لمبے ہاتھ کا لفظ نکلا تھا بلکہ ہاتھ کے حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہوئے تو تصدیق نبوی بھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہی سرکندہ کے ساتھ ہاتھ ناپے گئے تھے اور سووہ کے ہاتھ سب سے لمبے تھے اور یہی قرار پا تھا۔ کہ سب سے پہلے سووہ فوت ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو ناپتے دیکھ کر بھی منع نہیں فرمایا تھا جس سے اجماعی طور پر سووہ کی وفات تمام بیویوں سے پہلے یقین کی گئی۔ لیکن آخر کار ظاہری معنی صحیح نہ نکلے جس سے ثابت ہوا کہ اس پیشگوئی کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھی۔

اگر حال کے علماء خدا سوچیں اور تواریخ کے صفحہ صفحہ پر نظر ڈالیں اور آدم کے وقت سے آج تک جو قریب چھ ہزار برس کے گزرا ہے جس قدر دینِ حق کے مقابلہ پر فتنہ اندازیا ہوئی ہیں ان کا حال کی فتنہ اندازیوں اور کوششوں سے موازنہ کریں تو خود انہیں اقرار کرنا پڑے گا جو باطل کو حق کے ساتھ ملانے کے لئے جس قدر منصوبے اس عیسائی قوم سے ظہور میں آئے اور آرہے ہیں اس کا کروڑم حصہ بھی کسی دوسری قوم سے ہرگز ظہور میں نہیں آیا۔ اگرچہ ناحق کے خون کرنے والے، کتابوں کے جلانے والے، راستبانوں کو قید کرنے والے مت گذرے ہیں مگر ان کے فتنے دہل کو تہ دیا لا کرنے والے نہیں تھے بلکہ مومن لوگ دکھ اٹھا کر اور بھی زیادہ استقامت میں ترقی کرتے تھے۔ لیکن ان لوگوں کا فتنہ دلوں پر ہاتھ ڈالنے والا اور ایمان کو شبہات سے ناپاک کرنے والا ہے جو اعتقادوں کے بگاڑنے کیلئے زہرِ مہلک کا اثر رکھتا ہے۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس قوم نے

۴۳۷

۴۳۷

چھ کر ڈ کتاب و ساویں اور شہادت کے پھیلانے کے لئے اب تک تقسیم کر دی اور اس سے بھی
 بڑی سرگرمی سے یہ کارروائی جاری ہے۔ اس قوم کے مقابل پر کس زمانہ میں کوئی نظیر مل
 سکتی ہے۔ بلکہ چھ ہزار برس کی مدت پر نظر ڈالنے سے کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی تو پھر کیا
 ابھی تک منشاء حدیث کے موافق ثابت نہیں ہوا کہ ان لوگوں کی فتنہ اندازی بے مثل و
 مانند ہے۔ زمانہ نے آخر کار جس فتنہ عظیم کو ظاہر کیا وہ یہی فتنہ ہے جس نے لاکھوں
 مسلمانوں کو گر جائل میں بٹھا دیا۔ کہ وڑ ہا کتابیں رد اسلام میں تالیف ہو گئیں سو اس
 موجودہ فتنہ کو کافق لم یکن سمجھنا انہیں مولویوں کا کام ہے جن کے دل میں ہرگز یہ خیال
 نہیں کہ اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دیکھ لیں۔
 بعض نا فہم مولوی بطور سچ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ سچ ابن مریم کی یہ علامت کبھی
 ہے کہ دجال مہمود کو قتل کرے گا اور تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں گے اور
 اس خیال کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وان من اهل الکتاب الا
 لیو منن بہ قبل موتہؑ میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ سچ
 کے نزول کے وقت تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے تو پھر ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے
 کہ دجال کفر کی حالت میں ہی قتل کیا جائے گا۔ ماسوا اس کے مسلم کی حدیث میں صاف
 لکھا ہے کہ دجال کے ساتھ ستر ہزار اہل کتاب شامل ہو جائیں گے اور اکثری ان میں
 سے کفر پر موت ہوگی اور سچ کی وفات کے بعد بھی اکثر لوگ کافر اور بے دین باقی
 رہ جائیں گے جن پر قیامت آئے گی اور قرآن کریم بھی صریح اور صاف طور پر اس پر شہاد
 دیتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے یا عیسٰی اذ متوفیک وادفعک الی ومطہرک
 من الذین کفروادجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروادالی
 یوم القیامۃ یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے عنکرین پر یعنی یہود پر قیامت تک
 غلبہ دوں گا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن تک یہود کی نسل تھوڑی بہت

باقی رہ جائے گی اور پھر فرماتا ہے اغربنا بینہم العداۃ والبغضاء الی یوم
القیامۃ یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ میں قیامت کے دن تک عداوت اور بغض ٹال
دیا ہے۔ اس آیت سے بھی صاف طور پر ثابت ہے کہ یہودی قیامت کے دن تک رہیں گے
کیونکہ اگر وہ پہلے ہی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سلسلہ عداوت اور بغض کا
قیامت تک کیونکر متد ہوگا۔ لہذا ماننا پڑا کہ ربا خیال کہ حضرت مسیح کے نزول کی یہ علامت
ہے کہ تمام اہل کتاب اُس پر ایمان لے آویں گے صریح نص قرآن اور حدیث کے مخالف ہے۔

خلاصہ فیصلہ

ہمارا دعویٰ جو الہام الہی کی رُو سے پیدا ہوا اور قرآن کریم کی شہادتوں سے چمکا
اور احادیث صحیحہ کی مسلسل تائیدوں سے ہر یک دیکھنے والی آنکھ کو نظر آنے لگا وہ یہ ہے
کہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ عالم سفلی سے انتقال
کر گئے اور اس جہان فانی کو چھوڑ کر جہان جہادوانی کے لوگوں میں جملے۔ اور اس
جہان غفیری کے خواص اور لوازم کو ترک کر کے ان خواص اور لوازم سے متمتع ہو گئے جو موت
اُن لوگوں کو ملتے ہیں جو فوت ہو جاتے ہیں۔ اور ان لذات سے بہرہ یاب ہو گئے جو محض
اُن لوگوں کو دی جاتی ہیں جو موت کے پل سے گذر کر محسوب حقیقی کو جاتے ہیں اور کچھ
شک نہیں کہ جو شخص اس عالم کے لوگوں کو چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوگوں سے جاملتا
ہے اور اس عالم کے لوازم اور خواص چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوازم اور خواص قبول
کر لیتا ہے اور اس عالم کے لذات قطعاً چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لذات پالیتا ہے
اور اس عالم کے مونرات ارضی و سماوی چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کی غیر متبدل زندگی حاصل
کر لیتا ہے اور اس عالم سے کچل گم اور ناپدید ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ظہور فرما ہوتا ہے۔

وہی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ مر گیا۔ اور اس بات میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ یہ تبدیلی جو تفسیر الفاظ موت کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت مسیح کی دنیوی زندگی پر وارد ہو چکی ہے اور اس تبدیلی کے ضروری لوازم میں وہ اپنے اُن دوسرے بھائیوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں جو دنیا و مافیہا کو چھوڑ گئے۔ اس عالم کے لوگ جو مرنے کے بعد اُس جگہ پہنچتے ہیں اُن کی یہ علامات خاصہ ہیں کہ وہ نہ سوتے ہیں اور نہ اس عالم کی روٹی کھاتے ہیں اور نہ پانی پیتے ہیں اور نہ وہ بیمار ہوتے ہیں اور انہیں پاخانہ اور پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے نہ بالوں اور ناخنوں کے کٹانے کی انہیں حاجت پڑتی ہے اور نہ روشنی کے لئے وہ سورج اور چاند کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ اُن پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ ہوا کے ذریعے وہ دم لیتے ہیں اور نہ کسی روشنی کے ذریعے وہ دیکھتے ہیں۔ ایسا ہی وہ ہوا کے ذریعے سنتے بھی نہیں اور نہ سونگھتے ہیں اور نہ قوالد و تناسل پر قادر ہوتے ہیں۔ غرض ایک پورا انقلاب اُن کی ہستی پر وارد ہو جاتا ہے جس کا نام موت رکھا گیا ہے۔ اُن کو جسم قویا جاتا ہے مگر وہ جسم اس عالم کے خواص اور لوازم نہیں رکھتا۔ ہاں وہ بہشت میں کھاتے پیتے بھی ہیں مگر وہ اس عالم کا طعام اور شراب نہیں جس کا جسم منصری محتاج ہے بلکہ وہ ایسی نعمتیں ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح مرنے نہیں اور اسی دنیوی زندگی کے ساتھ کسی آسمان پر بیٹھے ہیں تو کیا تمام لوازم جسم خاکی کے اُن میں خصوصیت کے ساتھ موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔ کیا وہ کبھی سوتے اور کبھی جاگتے ہیں اور کبھی اُٹھتے ہیں اور کبھی بیٹھتے ہیں اور کبھی دنیوی شراب اور طعام کھاتے پیتے ہیں اور کیا وہ اوقات ضروریہ میں پاخانہ پھرتے اور پیشاب بھی کرتے ہیں اور کیا وہ ضرورتوں کے وقت ناخنوں کو کٹاتے اور بالوں کو منڈواتے یا قصر شعر کرتے ہیں۔ کیا اُن کے لیٹنے کے لئے کوئی چار پائی اور کوئی بستر بھی ہے۔ کیا وہ ہوا کے ساتھ دم لیتے

اور ہوا کے ذریعے سو گتے اور ہوا ہی کے ذریعے سنتے اور روشنی کے ذریعے دیکھتے ہیں۔ اور کیا زمانہ کے اثر سے اب بڑھے ہو گئے ہیں؟ تو بلاشبہ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ذیوی ہستی کے لوازم اور خواص اُن میں باقی نہیں رہے بلکہ وہ ہر ایک حالت میں اُن لوگوں کے ہم رنگ ہیں جو اس دُنیا کو فوت ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے ہیں اور نہ صرف ہم رنگ بلکہ اس فوت شدہ جماعت میں داخل ہیں۔ سو اس جواب سے تو اُن کی موت ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جبکہ انہوں نے فوت شدہ لوگوں کی طرح عالم ثانی کی زندگی کے تمام لوازم اختیار کر لئے جو فوت شدہ لوگوں کی علامات میں سے ہیں اور نہ صرف اختیار ہی کئے بلکہ اس جماعت میں جا ملے اور فرمانِ ارجحی الٰہی سے بے باک قبول کر کے فسادِ خلقی فی عبادِ ربی کا مصداق ہو گئے۔ تو اب بھی اگر اُن کو فوت شدہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاوے۔ ظاہر ہے کہ عالمِ دوہی ہیں۔

۴۷

ایک یہ دنیا کا عالم۔ جب تک انسان اس عالم میں ہوتا ہے اور اس عالم کے لوازم جیسے کھانا پینا پہننا دم لینا جاگنا سونا اور بدنی نشوونما یا تحلیل کی وجہ سے مرض تغیر میں ہونا اس کے شامل حال ہوتے ہیں اُس وقت تک اُس کو زندہ کہا جاتا ہے اور جب یہ لوازم بکلی اس سے دور ہو جاتے ہیں تب سب بول اُٹھتے ہیں کہ مر گیا اور پھر ہجرتِ موت کے عالمِ ثانی کے لوازم اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ جس عہد میں انسان داخل ہوتا ہے اسی جماعت کے حالات پر اس کے حالات کا قیاس کیا جاتا ہے جو شخص اس دنیا کے لوگوں میں داخل ہے وہ اسی دنیا میں سے سمجھائے گا اور جو شخص اس دُنیا کو چھوڑ گیا اور عالمِ ثانی کی جماعت میں داخل وہ اسی جماعت میں سے خیال کیا جائے گا۔ اب دیکھ لینا چاہیے کہ مسیح کس جماعت میں داخل ہے جس جماعت میں داخل ہو گا اسی جماعت کے احکام اس پر وارد ہوں گے۔ خدا تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی شخص فوت شدہ جماعت میں بغیر فوت ہونے کے داخل نہیں ہو سکتا

لیکن یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہو چکی ہے کہ مسیح ابن مریم فوت شدہ جماعت میں داخل ہے اور یحییٰ بن زکریا کے ساتھ دوسرے آسمان میں موجود ہے۔ اور خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ کوئی شخص میری طرف بغیر مرنے کے نہیں سکتا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ مسیح اس کی طرف اٹھایا گیا سو وہ ضرور مر گیا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں اس کو انی متوفیک ورافعلک الی سے پکارا ہے۔ سو لفظ متوفی جن عام معنوں سے تمام قرآن اور حدیثوں میں متعل ہے وہ یہی ہے کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو محض چھوڑ دینا۔ یہ بڑے تعصب کی بات ہے کہ تمام جہان کے لئے توفیق کے یہی معنی روح قبض کرنے کے ہوں لیکن مسیح ابن مریم کے لئے جسم قبض کرنے کے معنی لئے جاویں۔ کیا ہم خاص عیسیٰ کے لئے کوئی نئی لغت بنا سکتے ہیں جو بھی اللہ اور رسول کے کلام میں مستعمل نہیں ہوئی اور نہ عرب کے شعراء اور زبان دان کبھی اس کو استعمال میں لائے۔ پھر جس حالت میں توفی کے یہی شائع متعارف معنی ہیں کہ روح قبض کی جائے خواہ بطور ناقص یا بطور تام۔ تو پھر رفع سے رفع جسم کیوں مراد لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز پر قبضہ کیا جائے گا رفع بھی اسی کا ہوگا۔ نہ یہ کہ قبض تو روح کا ہو اور جسم کا رفع کیا جائے۔ غرض برخلاف اس متباد اور مسلسل معنوں کے جو قرآن شریف سے توفی کے لفظ کی نسبت اول سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑنا یہی تو الحاد اور تحریف ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچا دے اگر یہ کہا جائے کہ توفی کے معنی تفسیروں میں کئی طور سے کئے گئے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ وہ مختلف اور متضاد اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے نہیں لئے گئے ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ بیان جو چشمہ وحی سے نکلا ہے اس میں اختلاف اور تناقض راہ پاسکتا بلکہ وہ مفسرین کے صرف اپنے اپنے بیانات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی ان کا کسی خاص معنی پر اجماع نہیں ہوا۔ اگر ان میں سے کسی کو وہ بصیرت دی جاتی جو اس

عاجز کو دی گئی تو ضرور اسی ایک بات پر اُن کا اجماع ہو جاتا لیکن خدا تعالیٰ نے اس قطعی اور یقینی علم سے اُن کو محسوس رکھانا اپنے ایک بندہ کو کامل طور پر علم دیکر آدم صغی اللہ کی طرح اس کی علمی فضیلت کا ایک نشان ظاہر کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اکثر مفسرین مسیح ابن مریم کی موت کے وقت اُن ہیں لیکن یہ بھی تو کہتے ہیں کہ بعد اس کے زندہ ہو گئے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ جن بزرگوں کو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے کے بعد اُس کے زندہ ہو جانے کا اعتقاد ہے وہ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد دنیوی زندگی ملی تھی۔

بلکہ وہ خود مانتے ہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد ایسی زندگی ملی تھی جو دنیوی زندگی سے بالکل مسائن اور مختار اور عالم ثانی کی زندگی کی قسم میں سے تھی اور اس زندگی کی قسم میں تھی جو فوت ہونے کے بعد حضرت یحییٰ کو ملی۔ حضرت ادریس کو ملی۔ حضرت یوسف کو ملی حضرت ابراہیم کو ملی۔ حضرت موسیٰ کو ملی۔ حضرت آدم کو ملی اور جو سب سے زیادہ تر ہمارے سید و مولیٰ نبی موعودؑ یا مسیحی اُمّی کو ملی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وَاٰخِرُہٗ اَیُّہِیْنَ۔

اور اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب وہ زندگی جو مسیح کو مرنے کے بعد ملی وہ حقیقت میں دنیوی زندگی تھی تو ایسے قائل کو اس بات کا مان لینا لازم ہو گا کہ مسیح میں دنیوی زندگی کے لوازم موجود ہیں اور وہ اس عالم کے زندوں کی طرح ہوا کے ذریعہ دم لیتا ہے اور ہوا کے ذریعہ سونگھتا ہے اور ہوا کے ذریعہ آوازیں سُنتا اور کھا پیتا اور تمام مکروہات پریشان و پاخانہ وغیرہ کے اس کو لگے ہوئے ہیں لیکن قرآن شریف تو ان سب کی اس کی ذات سے نفی کرتا ہے۔ اور حدیثیں صاف اور بلند آواز سے کہہ رہی ہیں کہ مسیح کی زندگی تمام گزشتہ اور فوت شدہ نبیوں کی زندگی سے بالکل ہمزگ ہے چنانچہ معراج کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور عیسائی لوگ بھی باوجود اس کے

کہ اُن کو مسیح کے فوت ہونیکے بعد زندہ اٹھائے جانے پر بڑا اصرار ہے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ آسمانوں میں دنیوی زندگی سے عمر بسر کرتے ہیں بلکہ محض موسیٰ اور داؤد اور دوسرے نبیوں کی زندگی کی مانند مسیح کی زندگی خیال کرتے ہیں کیونکہ مسیح کو خود اس بات کا اقرار ہے۔ اس جگہ یہ بھی غلط ہے کہ توفی کے معنی وفات دینے کے صرف اجتماعی طور پر ہم نے معلوم نہیں کئے بلکہ مشکوٰۃ کے باب الحشر میں بخاری اور مسلم کی حدیث جو ان احساس سے ہے صریح اور صاف طور پر اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت فلنأتوفیتنی کی یہی تفسیر فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس سے وفات ہی مراد ہے۔ بلکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال حضرت مسیح سے عالم رزخ میں اُن کی وفات کے بعد کیا گیا تھا نہ یہ کہ قیامت میں کیا جائے گا۔ پس جس آیت کی تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کھل دیا پھر اگر کوئی تفسیر نبوی کو بھی سنگرشک میں رہے تو اس کے ایمان اور اسلام پر افسوس اور تعجب نہ کریں تو اور کیا کریں۔ دیکھو اس حدیث کو امام بخاری انہیں محض کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ دیکھو صفحہ ۶۶۵ بخاری۔ بعض صاحبان سب دلائل شافیہ کو سن کر حضرت مسیح کی وفات کے قائل تو ہو جاتے ہیں مگر پھر وہ دوبارہ یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس کو زندہ کر کے پھر قبر میں سے اُٹھا دے۔ ہم اس وہم کے جواب میں کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں وعدہ کر چکا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مر چکا اور واقعی موت جو اس کے لئے معتد رہی اس پر وار د ہو چکی پھر دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور نہ دنیا میں دو موتیں اُس پر وار د کی جائیں گی۔ اس جواب کے سننے کے بعد پھر وہ ایک اور وہم پیش کرتے ہیں کہ تسران کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض مردے زندہ ہو گئے۔ جیسے وہ مُردہ جس کا خون بنی اسرائیل نے پھپھالیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے وَاذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَاذْرَءْتُمْ فِيْهَا وَاَللّٰهُ مَخْرُجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پرگئی تھی۔ بلکہ اس آیت پر نظر فرمائیے کہ جس نے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر خون کی نعمت لگاتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے کو ذبح کر کے اس کی یوٹیاں اس لاش پر مارو۔ اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان یوٹیوں کو نوبت بہ نوبت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ماتھے سے جب لاش پر یوٹی لگیگی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا۔

اب اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دھمکی تھی کہ تلچور بیدل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا عجظہ ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے حشر نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ جیوتنا میں ایک حرکت مشابہ ہجرت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبه اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں اور ہر ایک وہ حقیقت یا صحت جو عین صداقت ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔ علم عمل الترب ایک عظیم الشان علم ہے جو طبیعی کا ایک روحانی حصہ ہے جس میں بڑے بڑے خواص اور عجائبات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ انسان جس طرح باعث بار اپنے مجموعی وجود کے تمام چیزوں پر خلیفۃ اللہ ہے اور سب چیزیں اس کے تابع کر دی گئی ہیں اسی طرح انسان جس قدر اپنے اندر انسانی قومی رکھتا ہے تمام چیزیں ان قومی کی اس طرح پر تابع ہیں کہ شرائط مناسبہ کے ساتھ ان کا اثر قبول کر لیتی ہیں۔ انسان قوت فاعلہ کے ساتھ

ذیہ میں بھیجا گیا ہے اور دوسری چیزیں قوت منفعلہ رکھتی ہیں۔ ادنیٰ اثر انسان کی قوت فاعلہ کا یہ ہے کہ ہر ایک جاندار اس سے ایسا بل سکتا ہے کہ اس کے غلاموں میں اپنے شیئیں شمار کر لیتا ہے اور اس کا مسخر ہو جاتا ہے۔ فطرت نے جن انسانوں کو قوت فاعلہ کا بہت سا حصہ دیا ہے ان سے عمل الترب کے عجیب عجیب خواص نکال سہر ہوتے ہیں۔

درحقیقت انسان ایک ایسا جانور ہے کہ اس کے نکل ہری و باطنی قوی ترقی دینے متقی پذیر ہو سکتے ہیں اور انکی قوت فاعلی کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً جن لوگوں کو ہمارے ملک میں ڈاٹن کہتے ہیں ان کی صرف اس قدر حقیقت ہے کہ ان کی زہریلی نظر سے ضعیف الخلقیت لوگ بچے وغیرہ کسی قدر متاثر ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی زہریلی نظر سے درندوں کو مغلوب اور متاثر کر کے آسانی سے ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ بعض اپنے تصورات ترقی مشق کی وجہ سے دوسرے کے دل میں اثر ڈال دیتے ہیں۔ بعض اپنی کیفیت ذوقی کا اثر اسی عمل کے زور سے دوسرے کے دل تک پہنچا سکتے ہیں۔ بعض بے جان چیزیں بل پر اثر ڈال کر ان میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ زمانہ حال میں بھی ان باتوں میں مشق رکھنے والے بہت نظر آتے ہیں۔ بعض کٹے ہوئے سر بکری وغیرہ کے عمل الترب کے زور سے ایسی حرکت میں لاتے ہیں کہ وہ ناچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض عمل الترب کے زور سے چوروں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ قرآن شریف یا لوٹے کو حرکت دے کر جو چور کا پتہ نکالتے ہیں حقیقت میں عمل الترب کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ اس کی شرائط منور کی نہ پائے جانے کی وجہ سے غلطی واقع ہو چنانچہ اسی وجہ سے بکثرت غلطی واقع ہوتی بھی ہے لیکن یہ غلطی اس عمل کی عزت اور عظمت کو گھٹا نہیں سکتی۔ کیونکہ بہت سے تجارب صحیحہ سے اس کی اصلیت ثابت ہو چکی ہے۔ بے شک انسانی حیات اور شعور کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑ سکتا ہے اور انسان کی قوت کشفی کا پر توہ جمادات یا کسی مردہ حیوان پر پڑ کر اس کو بعض جمہولات کے استکشاف کا آلہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ قضیہ مذکورہ بالا جس کا

آیت مذکورہ بالا میں ذکر ہے اسی قسم میں سے ہے اور بعد میں جو آیت ہے کذالک
یحيٰ اللہ الموتيٰ یہ حیات حقیقی کا ثبوت نہیں بلکہ ایک اعجوبہ قدرت کے ثابت ہونے
سے دوسری قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جابجا قرآن شریف میں یہی طریق
ہے یہاں تک کہ نباتات کے اُگنے کو احیاء موتيٰ پر دلیل ٹھہرائی گئی ہے اور یہی آیت
کذالک یحيٰ اللہ الموتيٰ ان مقامات میں بھی لکھی گئی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ
کہ جو قرآن کریم میں چاہے نہ دلوں کا ذکر لکھا ہے کہ اُن کو اجزا متفرقہ یعنی جدا جدا کر کے
چار پہاڑیوں پر چھوڑا گیا تھا اور پھر وہ بلا نے سے اُگنے تھے یہ بھی عمل الترب کی
طرف اشارہ ہے کیونکہ عمل الترب کے تجارب بتلا رہے ہیں کہ انسان میں جمیع کائنات الارض
کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایک قوت مقناطیسی ہے اور ممکن ہے کہ انسان کی قوت
مقناطیسی اس حد تک ترقی کرے کہ کسی پرند یا چمند کو صرف توجہ سے اپنی طرف
کھینچ لے۔ فتدبر ولا تغفل۔

اب پھر ہم اصل بحث کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ تمام مقدس لوگ جو اس دنیا
سے رخصت ہو گئے وہ دوسرے جہان میں زندہ ہیں۔ چنانچہ جب مسیح سے قیامت کے
منکروں نے سوال کیا کہ مُردوں کے جی اُٹھنے پر کیا دلیل ہے تو مسیح نے یہی جواب دیا کہ
خدا تعالیٰ تو ریت میں فرماتا ہے کہ ابراہیم کا خدا اسحق کا خدا یعقوب کا خدا۔ سو خدا
زندوں کا خدا ہوتا ہے نہ مُردوں کا۔ اس مسیح نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ ابراہیم
اور اسحق اور یعقوب سب زندہ ہیں۔ اور لحاظ کے قصہ میں بھی مسیح نے ابراہیم کا زندہ
ہونا مان لیا ہے اور اب تک عیسائی لوگ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکے کہ مسیح کی
زندگی کو ابراہیم کی زندگی پر کیا ترجیح ہے اور مسیح کی زندگی میں وہ کون سے خاص لوازم
ہیں جو ابراہیم کی زندگی میں نہیں نظر آ رہے کہ اگر ابراہیم کو ایک جسم نہ ملتا تو لحاظ
اس کی گود میں کیونکر بیٹھتا۔ مسیح نے انجیل میں خود اقرار کر لیا کہ ابراہیم جسم میراثی ہیں

موجود ہے پھر مسیح کے جسم میں کوئی انوکھی بات ہے تاکہ تو فی منصف یقین کر لیں کہ مسیح تو جسم خاکی عنصری رکھتا ہے مگر ابراہیم کا فوری جسم ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کے جسم میں خاکی جسم کے لوازم موجود ہیں۔ جیسے روٹی کھانا۔ پانی پینا پیشاب کرنا پاخانہ پھرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ابراہیم کے جسم میں یہ لوازم موجود نہیں تو بھلا پھر کون ہے کہ اس ثبوت کے بعد پھر برسرِ انکار رہے۔ لیکن اب تک یہ ثبوت نہ عیسائی لوگ پیش کر سکے اور نہ مسلمانوں میں سے کسی نے پیش کیا بلکہ دونوں فریق کو صاف اقرار ہے کہ مسیح کی زندگی دوسرے نبیوں کی زندگی سے صاف اور متحد الحقیقت اور ہر رنگ اور ایک ذرہ ماہ الامتیاز درمیان نہیں۔ پھر بھلا ہم کیونکر مان لیں کہ مسیح کسی زلے جسم کے ساتھ آسمان پر بیٹھا ہے اور دوسرے سب بغیر جسم کے ہیں۔ ہم کو محض جبر و تکلم کی راہ سے یہ سنایا جاتا ہے کہ اسی بات پر تمام امت کا اجماع ہے۔ لیکن جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلف اور خلف کا تو کسی ایک بات پر اتفاق ہی نہیں تو ہم کیونکر قبول کر لیں کہ ہاں اجماع ہی ہے۔ بھلا اگر مسیح کی زندگی پر کسی کا اجماع ہے تو ایک قول تو دکھلاؤ جس میں سلف کے لوگوں نے مسیح کی زندگی ایک دنیوی زندگی قرار دی ہو اور دنیوی زندگی کے لوازم اس میں قبول کر لئے ہوں اور دوسروں کو اس سے باہر رکھا ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس بات پر تمام خلف و سلف کا اجماع معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اس عالم کو چھوڑ کر دوسرے عالم کے لوگوں میں جا ملا ہے اور بلا کم و بیش انہیں کی زندگی کے موافق اس کی زندگی ہے گو بعض نے نادانی سے مسیح کی موت سے انکار کیا ہے مگر باوجود اس کے قبول کر لیا ہے کہ وہ مرنے والے لوگوں کی طرح اس عالم کو چھوڑ گیا ہے اور اس جماعت میں جا ملا جو مر گئے ہیں اور بچے ان کے رنگ میں ہو گیا۔ بھلا کوئی دانشمند ان سے پوچھے کہ اگر یہ موت نہیں تو اور کیا ہے جس نے دنیا کے عالم کو چھوڑ دیا اور دوسرے عالم میں جا پہنچا اور دنیا کے لوگوں کو چھوڑ دیا اور دوسرے جہان کے لوگوں میں سے

ایک ہو گیا۔ اگر اس کو فوت شدہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔

اور ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمان کریم مسیح ابن مریم کو اپنی آیات کے تیس مقامات میں مار چکا ہے اور کیا عبارت انص کے طور پر اور کیا اشارۃ انص کے طور پر کیا فوائے میں جو ان کی موت پر شہادت دے رہا ہے۔ اور ایک بھی ایسی آیت نہیں پائی جاتی جو ان کے زندہ ہونے اور زندہ اٹھائے جانے پر ایک ذرہ بھی اشارہ کرتی ہو۔ ہاں بعض بے اصل اور بے ہودہ اقوال تفسیروں میں پائے جاتے ہیں جن کی تائید میں نہ کوئی آیت قرآن کریم کی پیش کی گئی ہے اور نہ کوئی حدیث معروض بیان میں لائی گئی ہو اور یا اینہم ان اقوال کی بنا یقین پر نہیں۔ کیوں کہ انہیں تفسیروں میں بعض اقوال کے مخالف بعض دوسرے اقوال بھی لکھے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم جسد منصری کے ساتھ زندہ ہی اٹھایا گیا تو ساتھ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کا یہ بھی مذہب ہے کہ مسیح فوت ہو گیا ہے۔ بلکہ ثقات صحابہ کی روایت کو فوت ہو جانے کے قول کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔

رہی حدیثیں سو ان میں کسی جگہ بیان نہیں کیا گیا کہ مسیح ابن مریم جو رسول اللہ تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جو فوت ہو چکا ہے درحقیقت وہی عالم آخرت کے لوگوں میں سے نکل کر پھر اس دنیا کے لوگوں میں آجائے گا بلکہ حدیثوں میں ایک ایسی طرز اختیار کی گئی ہے جس سے ایک دانا انسان مرتجیح سمجھ سکتا ہے کہ مسیح ابن مریم سے مراد مسیح ابن حاریم نہیں ہے بلکہ اس کی صفات خاصہ میں کوئی اس کا ثبیل مراد ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں دو پہلویت قائم کر کے ایک پہلو میں یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اسلام سنقل کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اس وقت کے مسلمان ان یہودیوں کے مشابہ بلکہ بعینہ وہی ہو جائیں گے جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت یہود تھے

پھر دوسرے پہلو میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اس تنزیل کے زمانہ میں کہ جب مسلمان لوگ ایسے یہودی بن جائیں گے کہ عیسیٰ بن مریم کے وقت میں تھے تو اُس وقت اُن کی اصلاح کے لئے ایک سیح ابن مریم بھیجا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اس پیش گوئی کو وہ دونوں ٹکڑے اکٹھے کر کے پڑھے جائیں جو ایک طرف اس اُمت میں یہودیت کو قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مسیحیت کو۔ تو پھر اس بات کے سمجھنے کے لئے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ یہ دونوں صفتیں اسی اُمت کے افراد کی طرف منسوب ہیں اور ان حدیثوں کی قرآن کریم کے منشاء سے اسی صورت میں تطبیق ہوگی کہ جب یہ دونوں صفتیں اسی اُمت کے متعلق کی جائیں کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف وعدہ فرما چکا ہے کہ خلافت محمدیہ کا سلسلہ باعث بار اول و آخر کے بعینہ خلافت موسویہ کے سلسلہ سے مماثل و مشابہ ہے یعنی اس اُمت کے اعلیٰ و ادنیٰ افراد کا بنی اس سلسلہ کی اُمت سے تشابہ قلوب ہے اعلیٰ کی اعلیٰ سے اور ادنیٰ کی ادنیٰ سے۔ اور یہ دونوں سلسلے اپنی ترقی اور تنزیل کی حالت میں بالکل باہم مماثل اور مشابہ ہیں اور جیسا کہ موسوی شریعت پر وہ موسو برس کے قریب عمر پاکر اس مدت کے آخری ایام میں اوج اقبال سے گر گئی تھی اور ہر یک بات میں تنزل راہ پا گیا تھا کیا نوی حکومت و سلطنت میں اور کیا دینی تقویٰ اور طہارت میں یہی تنزیل اسی مدت کے موافق اسلامی شریعت میں بھی راہ پا گیا۔ اور موسوی شریعت میں تنزیل کے ایام کا مصلح جو منجانب اللہ آیا وہ سیح ابن مریم تھا۔ پس ضرور تھا کہ دونوں سلسلہ میں پوری مماثلت دکھانے کی غرض سے اسلامی تنزیل کے زمانہ میں بھی کوئی مصلح سیح ابن مریم کے رنگ پر آتا اور اسی زمانہ کے قریب قریب آتا جو موسوی شریعت کے تنزیل کا زمانہ تھا۔ یہ وہ تمام باتیں ہیں جو قرآن کریم کی تشریح ہوتی ہیں۔ جب ہم قرآن شریف پر غور کریں تو گویا وہ دونوں ہاتھ پھیل کر ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہی سیح ہے تم اس کو مقبول کرو۔ لیکن انھوں نے کہ ہمارے علماء سچائی کو دیکھ کر پھر اُسکو

قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا پہلے علماء میں یہ سمجھ اور قسم نہیں تھا جو تمہیں دیا گیا اور آپ ہی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ جب سچ ابن مریم آئے گا تو وہ ایسے ایسے استنباط قرآن کریم سے کرے گا جو علماء وقت کی نظر میں اجنبی معلوم ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ آمادہ مخالفت ہو جائیں گے۔ دیکھو جلد ثانی مکتوبات امام ربانی صفحہ ۱۰۷۔ اور کتاب اشارات لقیامۃ مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم۔ اب کیا ضرورت تھا کہ ایسا ہی ہوتا اور وہ قرآن جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ سچ ابن مریم کو نبی اسرائیلی صاحب انجیل مراد ہے یہ تفصیل ذیل میں۔

اول؎ یہی جو اوپر لکھا گیا ہے کہ ایسا خیال مسلمان کریم کی ان پیشگوئیوں کے مخالف ہے جن میں خلافت موسویہ اور خلافت محمدیہ کی ترقی اور تنزیل کا سلسلہ مع اس کے تمام لوازم کے ایک ہی طرز پر واقع ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور صریح بلند آواز سے بتلایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے تنزیل کے زمانہ کا تدارک ایسی طرز اور نہج سے اور اسی رنگ کے مصلح سے کیا جائے گا جیسا کہ موسوی شریعت کے تنزیل کے زمانہ کے وقت کیا گیا تھا یعنی اشد جلتانہ کا قرآن کریم میں منشاء یہ ہے کہ اسی شریعت کے مصلح جو اس دین میں پیدا ہوں گے شریعت موسوی کے مصلحین ہی منشاء اور مماثل ہوں گے اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے موسوی شریعت کی ترقی اور تنزیل کے زمانہ میں کارروائیاں کی تھیں وہی کارروائیاں اس امت کی ترقی اور تنزیل کے زمانہ میں کرنے کا اور جو اس کی مشیت نے تنزیل کے زمانہ میں یہودیوں پر کسل اور ضلالت اور تفرقہ وغیرہ کا اثر ڈالا تھا اور پھر اس کی اصلاح کے لئے ایک برد بار اور دقیقہ رس روح سے تائید یافتہ مصلح دیا تھا یہی سنت اشد اسلام کے تنزیل کی حالت میں جمود میں آئے گی۔ اب اگر اس منشاء کے مخالف اصل مسیحؑ ابن مریم کو ہی دوبارہ زمین پر اتارا جائے تو قرآن شریف کی تعلیم سے صریح مخالفت ہے۔

۵۱۱

۵۱۲

دوم قرآن شریف قطعی طور پر عیسیٰ ابن مریم کی موت ثابت و ظاہر کر چکا ہر صحیح بخاری جو بعد کتاب الشرح الکتب سمجھی گئی ہے۔ اس میں قطعاً تو فیتنی کے معنی وفات ہی لکھے ہیں یہی وجہ کہ امام بخاری اس آیت کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔

سوم قرآن کریم کئی آیتوں میں تصریح فرما چکا ہے کہ جو شخص مر گیا وہ پھر دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔ لیکن نبیوں کے ہمنام اس اُمت میں آئیں گے۔

چہارم قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پہلا نا ہو۔ کیونکہ رسول کو علم دین توسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔

پنجم یہ کہ احادیث صحیحہ بصرحت بیان کر رہی ہیں کہ آنے والا مسیح ابن مریم اُمیوں کے رنگ میں آئے گا۔ چنانچہ اس کو امی کر کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث امام مکہ عنکم سے ظاہر ہے اور نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ جو کچھ طاعت اور پیروی اُمت پر لازم ہے وہ سب اس کے لازم حال ٹھہرائی گئی۔

ششم یہ کہ بخاری میں جو اُصح الکتب بعد کتاب الشرح ہے اصل مسیح ابن مریم کا اور حلیمہ بتایا گیا ہے اور آنے والے مسیح ابن مریم کا اور حلیمہ ہر کیا گیا ہے۔ اب ان قرآن ستہ کے رو سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہے کہ آنے والا مسیح ہرگز وہ مسیح نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی بلکہ اس کا مثیل ہے اور اس وقت اُس کے آنے کا وعدہ تھا کہ جب کروڑوں افراد مسلمانوں میں سے یہودیوں کے مثیل ہو جائینگے تا خدا تعالیٰ اس اُمت کی دونوں قسموں کی استعدادیں ظاہر کرے نہ یہ کہ اس اُمت میں صرف یہودیوں کی نخس صورت قبول کرنے کی استعداد ہو اور مسیح بنی اسرائیل میں سے آئے۔ بلاشبہ ایسی صورت میں اس مقدس اور روحانی معلم اور پاک نبی کی

بڑی ہنس ہے جس نے یہ خوشخبر بھی دی تھی کہ اس اُمت میں مثیل انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ جس حالت میں اصل عیسیٰ ابن مریم آنے والا نہیں تھا بلکہ اس کا مثیل آنے والا تھا تو یہ کننا چاہیے تھا کہ مثیل آنے والا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عام محاورہ ہے کہ جب متکلم کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مماثلت تامہ ہے تو مشبہ کا مشبہ بہ پر حمل کر دیتا ہے تا انطباق ملے ہو جیسے امام بخاری کی نسبت ایک جلسہ میں کہا گیا کہ دیکھو یہ احمد حنبل آیا ہے اٹھ اور جیسے کہتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور یہ نو شیرواں ہے یہ حاتم ہے۔ یا مثلاً جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ تو گدھا ہے یا بندر ہے۔ اور نہیں کہتا کہ تو گدھے کی مانند ہے یا بندر کی مانند۔ کیونکہ وہ مطلب مماثلت تامہ کا جو اس کے دل میں ہوتا ہو مانند کہنے سے فوت ہو جاتا ہے اور جس کیفیت کو وہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ان لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتی۔ قند بزم

اُمت احمد نماں دارد دو ضد را در وجود مے تواند شد سیحانے تواند شد یہود
زمرہ نیشاں ہمد بدین تالاجائے تنگ زمرہ دیگر بجائے انبیاء وار وجود
بعض نہایت سادگی سے کہتے ہیں کہ سلاطین کی کتاب میں جو لکھا ہے کہ
ایلیا جسم کے سمیت آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو پھر کیا سح ابن مریم کے اٹھانے
جانے میں کچھ جائے اشکال ہے تو ان کو واضح ہو کہ درحقیقت ایلیا بھی خاکی جسم کے
ساتھ نہیں اٹھایا گیا تھا چنانچہ سح نے اس کی وفات کی طرف اشارہ کر دیا
جبکہ اس نے یہودیوں کی وہ امید توڑ دی جو وہ اپنی خام خیالی سے باندھے ہوئے
تھے اور کہہ دیا کہ وہ ہرگز نہیں آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر وہ جسم خاکی کے ساتھ
اٹھایا جاتا تو پھر خاک کی طرف اس کا رجوع کرنا ضروری تھا کیونکہ لکھا ہے کہ خاکی جسم

خاک کی طرف عود کرتا ہے منها خلقناکم و فیہا نعیدکم کیا ایلیا آسمان
پس ہی فوت ہو گیا کل من علیہا فان سے باہر رہے گا۔ اگر سوچ کر دیکھو تو لیلیا
کی چادر گرنے والی وہی اس کا وجود تھا جو اس نے چھوڑ دیا اور نیا چولہا پہن لیا :

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
ابن مریم مر گیا حق کی قسم

مارتا ہے اُس کو فرقاں سربسہر | اِس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

وہ نہیں پائے رزموات سے ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے

کوئی مردوں سے کبھی آیا نہیں یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں

عہد شد از کردگار بے چگون | غور کرد انہم لایرجعون ۳۷

اے عزیز و سوچ کر دیکھو ذرا موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

یہ تو رہنے کا نہیں پیار و مکمل | چل بے سب انبیاء و راستاں

ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات

کیوں تمہیں انکار یہ اصرار ہے

بر خلاف نص یہ کیا جوش ہے سوچ کر دیکھو اگر کچھ ہوش ہے

کیوں بنا یا ابن مریم کو خدا

کیوں بنایا اس کو باستان کبیر

مر گئے سب روہ مرنے سے بجا اب تلک آئی نہیں اس پر فنا

سے وہی اکثر یہ مندوں کا خدا اس خدا وانی یہ تیرے مرجبا

مولوی صاحب یہی تو جہدے

کس پہ تو صد حق کا راز تھا جس پہ برسوں سے ہمیں اک ناز تھا

کیا یہی تو میری کارزار ہے
 کاشفِ میرے خدائی کائنات

دل میں اٹھتا ہے مرے سوسو آبال

داخل جنت ہوا وہ محترم

اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے

یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں

غور کر در انہم لایرجعون^۳

موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

چلے سب انبیاء و راستاں

یونہی باتیں ہیں بنائیں واپسیات

ہے یہ دس پاسیرت کفارہ ہے

سوچ کر دیکھو اگر کچھ ہوش ہے

سنتِ اشرے وہ کچھ نہیں ہے

غیب دان، خالق و حتم و قدر

[illegible]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو تیرے لیے چاہیے۔

سچ کہہ کر، دلوں کی نقلیں

جس سے اس کی ساری امیدیں وابستہ تھیں

سپہ برہمنوں کے ایسے اہل مارا

۷۶۳ ہے تعجب آپ کے اس جوش پر
کیوں نظر آتا نہیں راہ صواب
کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
دے چکے دل اب تن جن کی رہا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
سخت شورے اوقات اندر زمیں
کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا

فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر
پر گئے کیسے یہ آنکھوں پر حجاب
کچھ تو آخر چاہیے خوف خدا
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشان
دل سے ہیں ختم ختم المرسلین
خاک راہ احمد معمار ہیں
جان و دل اس راہ پتہ بان ہے
ہے یہی خواہش کہ ہودہ بھی فدا
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب
رحم کن بر خلق اے جاں آفریں
تجھ کو سب قدرت کے اے رب الورا

۷۶۴ بعض مبایعین کا ذکر اور نیز اس سلسلہ کے معاونین کا ذکر اسلام کو
یورپ امریکہ میں پھیلانے کی حسن تجویز

۷۶۵ میں رسالہ فتح اسلام میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور
تہنائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں
جو اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں اور روحانی
امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کر دوں۔ یہیں

یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف اُیت لفظہ علی الدین کلمۃ میں اشارہ ہے سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ حضراتِ معارف و دقائق اُسی قدر ظاہر کئے جلتے ہیں جس قدر اُن کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزار اعلیٰ مفاسد کو ترقی دے کر اور بے شمار معقولی شبہات کو بمنصہ طور لا کر بالسطح اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام و اعتراضات کے رفع دفع کے لئے فرمائی حقائق و محارف کا خزانہ کھولا جائے۔ بے شک یہ بات یقینی طور پر مانی پڑے گی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلول میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانہ میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ و کافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بجلی استیصال کر کے تمام اربابان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا کیونکہ شیش از طور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ اُن کے اظہار کا وقت آ گیا۔ بل اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو اُیت ہواللذی ارسل رسولہ بالہدیٰ میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔ سواب و ہی وقت ہے اور ہر یک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدا تعالیٰ نے اس روشنی کو دیکر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بول رہا ہے۔ رسالۃ اسلام میں یہ امر مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ایسے عظیم الشان کاموں کے لئے قوم کے ذی قدرت لوگوں کی امداد ضروری ہوتی ہے اور اس سے زیادہ اور کون سی سخت محصیت ہوگی کہ ساری قوم مددگار رہی ہے کہ اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں

اور وہ وبا پھیل رہی ہے جو کسی آنکھ نے پہلے اس سے نہیں دیکھی تھی۔ اس نازک وقت میں ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر فہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے لیکن قوم اس کی امداد سے دستکش ہے اور سوءظن اور دنیا پرستی کی راہ سے بنگی قطع تعلقات کر کے چپ چاپ بیٹھی ہے۔ افسوس کہ ہماری قوم میں جسے بہتوں نے سوءظن کی راہ سے ہر ایک شخص کو ایک ہی مد مکر اور فریب میں داخل کر دیا ہے اور کوئی ایسا شخص جو روحانی سرگرمی اور دیانتداری کا اثر اپنے اندر رکھتا ہو شاید ان کے نزدیک ممنوع الوجود ہے۔ بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ وہ صرف دنیوی زندگی کی شکروں میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ میں وہ لوگ سخت بے وقوف ہیں جو کبھی آخرت کا بھی نام لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ دین سے بھی کچھ دلچسپی رکھتے ہیں مگر صرف بیرونی صورت اور مذہب کی بے اصل باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ نبیوں کی تعلیم کا اعلیٰ مقصد کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے جس سے ہم اپنے مولیٰ کی دائمی رضا مندی میں داخل ہو جائیں۔

میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سچا بوشن آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان و عرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذریت کو نہایت ضرورت ہے۔ سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہؑ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر ایک شخص جہاں تک خدایتعالیٰ نے اس کو وسعت و طاقت و مقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ تالیفات کے ذریعے سے اُن علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ امریکہ اور یورپ میں

تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ بعض انگریزی خزان مسلمانوں میں سے یورپ اور امریکہ میں جائیں اور وعظ اور منادی کے ذریعہ سے مقاصد اسلام ان لوگوں پر ظاہر کریں۔ لیکن میں عموماً اس کا جواب ہاں کے ساتھ کبھی نہیں دوں گا۔ میں ہرگز مناسب نہیں جانتا کہ ایسے لوگ جو اسلامی تعلیم سے پورے طور پر واقف نہیں اور اس کی اعلیٰ درجہ کی خوبوں سے بکلی بے خبر اور نیز زمانہ حال کی نکتہ چینیوں کے جوابات پر کامل طور پر علوی نہیں ہیں اور نہ روح القدس سے تعلیم پانے والے ہیں وہ ہماری طرف سے وکیل ہو کر جائیں۔ میرے خیال میں ایسی کارروائی کا ضرر اس کے نفع سے اقرب اور اسرر وقوع ہے اِلا ماشاء اللہ۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔ میں نے دریافت کیا ہے کہ تین ہزار کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں حالانکہ اگر مسلمانوں کی لاپرواہی کوئی بد نتیجہ پیدا نہ کرے تو ان اعتراضات کا پیدا ہونا اسلام کے لئے کچھ خوف کا مقام نہیں۔ بلکہ ضرور تھا کہ وہ پیدا ہوتے۔ تا اسلام اپنے ہر ایک پہلو سے چمکتا ہوا نظر آتا۔ لیکن ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کام ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے جن کی سماجی طور پر بھی نظر محیط نہیں اور ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ میں جائیں تو کس کام کو انجام دیں گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ ان کے جاہلانہ جوابات کا اثر محکوس ہو جس سے وہ تھوڑا سا دلولہ اور شوق بھی محال میں امریکہ اور یورپ کے بعض منصف دلوں میں

پیدا ہوا ہے جاتا رہے اور ایک بھاری شکست اور ناحق کی سبکی اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوں۔ سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان غظوظ کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کر کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو گا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ ہی میں داخل ہے۔ ہاں اس قدر میں پسند کرتا ہوں کہ ان کتابوں کے تقسیم کرنے کے لئے یا ان لوگوں کے خیالات اور اعتراضات کو ہم تک پہنچانے کی غرض سے چند آدمی ان ملکوں میں بھیجے جائیں جو امامت اور مولویت کا دعویٰ نہ کریں بلکہ ظاہر کر دیں کہ ہم اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تا کتابوں کو تقسیم کریں اور اپنے معلومات کی حد تک سمجھاویں اور مشکلات اور مباحث دقیقہ کا حل ان اماموں سے چاہیں جو اس کام کے لئے ملک ہند میں موجود ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام میں اس قدر صداقت کی روشنی چمک رہی ہے اور اس قدر اس کی سچائی پر نورانی دلائل موجود ہیں کہ اگر وہ اہل تحقیق کے زیر توجہ لائی جاویں تو یقیناً وہ ہر یک سلیم العقل کے دل میں گھر کر جا دیں لیکن افسوس کہ ابھی وہ دلائل اندرونی طور پر بھی اپنی قوم میں شائع نہیں ہو چکے ہیں کہ مخالفوں کے مختلف فرقوں میں شائع ہوں۔ سو انہیں براہین اور دلائل اور حقائق اور معارف کے شائع کرنے کے لئے قوم کی مالی امداد کی حاجت ہے کیا قوم میں کوئی ہے جو اس بات کو سنے؟ جب سے میں نے رسالہ فتح اسلام کو تالیف کیا ہے ہمیشہ میرا اسی طرف خیال لگا رہا کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینی چندہ کے لئے رسالہ مذکور میں لکھی ہے دلوں میں حرکت پیدا ہوگی۔ اسی خیال سے میں نے چار سو کے قریب

وہ رسالہ مفت بھی تقسیم کر دیا۔ تاہم اس کو پڑھیں اور اپنے پیارے دین کی امداد کے لئے اپنے گزشتہ گزشتہ مالوں میں سے کچھ حق مقرر کریں مگر افسوس کہ بجز چند میرے مخلصوں کے جن کا ذکر میں عنقریب کر دوں گا کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ میں حیران ہوں کہ کن الفاظ کو استعمال کر رہا تھا میری قوم پر وہ موثر ہوں۔ میں بھیج رہا ہوں کہ وہ کون سی نصیر رہے جس سے وہ میرے غم سے بھرے ہوئے دل کی کیفیت سمجھ سکیں۔ اے قادر خدا ان کے دلوں میں آپ الہام کر اور غفلت اور بدظنی کی رنگ آمیزی سے ان کو باہر نکال اور حق کی روشنی دکھلا۔

پیارے یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراہم نہیں کرتا بلکہ تادیبی کے زمانہ میں اس کی مدد فرماتا ہے مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے۔ سو اسی نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کی کلام کا جملہ خطا ہر کر رہا ہوں۔ میرے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پرہیز۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ ہاں میں اس میں لذت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کر دوں اور یہ میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ دوسروں کو بھی دوں۔ اور دعوت مولیٰ میں ان سب کو شریک کر لوں جو ازل سے بلائے گئے ہیں۔ میں اس مطلب کے پورا کرنے کے لئے قربانیاں کچھ کر نیکی کے لئے مستعد ہوں اور جانفشانی کے لئے راہ پر گھڑا ہوں۔ لیکن جو امر میرے اختیار میں نہیں میں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں کہ وہ آپ اس کو انجام دیوے۔ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایک دست غیبی مجھے مدد دے رہا ہے۔ اور اگرچہ میں تمام خانی انسانوں کی طرح ناتوان اور ضعیف البنیان ہوں تاہم میں دیکھتا ہوں کہ مجھے غیبی قوت ملتی ہے

اور نفسانی فسلق کو دبانے والا ایک صبر بھی عطا ہوتا ہے اور میں جو کتا ہوں کہ ان الہی کاموں میں قوم کے ہمدرد مدد کریں وہ بے صبری سے نہیں بلکہ صرف ظاہر کے لحاظ اور اسباب کی رعایت سے کتا ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل پر میرا دل مطمئن ہے اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا اور میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کر دے گا۔ اب میں اُن مخلصوں کا نام لکھتا ہوں جنہوں نے حتی الوسع میرے دینی کاموں میں مدد دی یا جن پر مدد کی امید ہے یا جن کو اسباب میسر آنے پر طیار دیکھتا ہوں۔

(۱) جتنی فی اللہ مولوی حکیم نور دین صاحب بھیرومی۔ مولوی صاحب ممدوح کا حال کسی قدر رسالہ فتح اسلام میں لکھ آیا ہوں۔ لیکن ان کی تازہ ہمدردیوں نے پھر مجھے اس وقت ذکر کرنے کا موقعہ دیا۔ اُن کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے میں کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کر سکوں۔ میں نے انکو طبی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے دینی خدمتوں میں جان نثار پایا۔ اگرچہ ان کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے کہ وہ ہر ایک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے نامہ بین میں سے وہ اول درجہ کے نکلے۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ کے مصداق ہیں کہ قرار در کف آزادگان مگیر د مال لیکن پھر بھی انہوں نے بارہ السور و پیہ نقد متفرق حاجتوں کے وقت اس سلسلہ کی تائید میں دیا۔ اور اب۔ عیسٰی روپے ماہواری دینا اپنے نفس پر واجب کر دیا اور ان کے سوا اور بھی ان کی مالی خدمات ہیں جو طرح طرح کے رنگوں میں ان کا سلسلہ جاری ہو رہا ہے یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محب کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے اپنے قوی ہاتھ سے اپنی طرف مہینج لیا ہے اور طاقت بالائے عارق عادت اثر اُن پر کیا ہے۔

انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا کہ جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں اور بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سست اور متذبذب ہو گئے تھے تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق میں کہ میں ابھی سچ موعود ہوں قادیان میں میسے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے۔ اَمَّا وَصَدَقْنَا فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّهَدِیْنَ
مولوی صاحب موصوف کے اعتقاد اور اعلیٰ درجہ کی قوتِ ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں مولوی صاحب کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام جگن ناتھ ہے اس عاجز کی نسبت کچھ تذکرہ ہو کر مولوی صاحب نے بڑی قوت اور استقامت سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خدا تعالیٰ اُن کے یعنی اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے انکار پر مولوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبول کی کہ اگر وہ یعنی یہ عاجز کسی مدت مسلمہ فریقین پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پانچ ہزار روپیہ بطور جرمانہ دیں گے اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے اور ان تحریری اقراروں پر مندرجہ ذیل گواہیاں ثبت ہوئیں۔

خلان بہادر جنرل ممبر کونسل ریاست جموں غلام محی الدین خاں
سراج الدین احمد سپرنٹنڈنٹ و افسر ڈاکٹر انجمن ریاست جموں
سیرکار سنگھ سیکرٹری راجا مرگھنا بہادر سپرنٹنڈنٹ کونسل

مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب ناقابل قبول اعجازی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گریز کر گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک آسمانی نشان یہ مانگا کہ کوئی مرا ہوا

پر زندہ کر دیا جائے حالانکہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ ہمارے اصولوں سے یہ مخالف ہے۔ ہمارا یہی اصول ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی عاوت نہیں اور وہ آپ فرماتا ہے حَوَامٌّ عَلَىٰ قَرِيْبَةٍ اَهْلِكْنَاهَا اَنْتُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ یعنی ہم نے یہ واجب کر دیا ہے کہ جو مر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کہا تھا کہ آسمانی نشان کی اپنی طرف سے کوئی تعین ضروری نہیں بلکہ جو امر انسانی طاقتوں سے بالاتر ثابت ہو خواہ وہ کوئی امر ہو اسی کو آسمانی نشان سمجھ لینا چاہیے۔ اور اگر اس میں شک ہو تو بالمقابل ایسا ہی کوئی دوسرا امر دکھلا کر یہ ثبوت دینا چاہیے کہ وہ امر الہی قدرتوں سے مخصوص نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس سے کنارہ کر گئے اور مولوی صاحب نے وہ صدق قدم دکھلایا جو مولوی صاحب کی عظمت ایمان پر ایک محکم دلیل ہے۔ حل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔ جزا ہم اللہ خیرہ الجزاء و احسن الیہم فی الدنیا و العقی۔

(۲) جتنی فی اللہ حکیم فضلہ بن صاحب بھیروی حکیم صاحب انجم مولوی حکیم نور دین صاحب کے دوستوں میں سے اور ان کے رنگ اخلاق سے رنگین اور بہت با اخلاص آدمی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان کو اللہ اور رسول سے سچی محبت ہے اور اسی وجہ سے وہ اس عاجز کو خادم دین دیکھ کر حب اللہ کی شرط کو بجالا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین اسلام کی حقانیت کے بھیلانے میں اُسی عشق کا وافر حصہ ملا ہے جو تقسیم ازلی سے میرے پیارے بھائی مولوی حکیم نور دین صاحب کو دیا گیا ہے۔ وہ اس سلسلہ کے دینی اخراجات کو بنظر غور دیکھ کر ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ چند کی صورت پر کوئی ان کا احسن انتظام ہو جائے۔ چنانچہ رسالہ فتح اسلام میں جس میں مصارفِ دینیہ کی بیخ شاخوں کا بیان ہے انہیں کی تحریک اور مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ اچھی

فراست نہایت صحیح ہے وہ بات کی تہ تک پہنچتے ہیں اور اُن کا خیال ظنونِ فاسد سے مصفیٰ اور مزکی ہے۔ رسالہ ازالہ اوہام کے طبع کے ایام میں دو سٹوروپسہ اُن کی طرف سے پہنچا اور اُن کے گھر کے آدمی بھی اُن کے اس اختلاس سے متاثر ہیں اور وہ بھی اپنے کئی زیورات اس راہ میں محض شہ خرچ کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب موصوف نے باوجود ان سب خدمات کے جو اُن کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں خاص طور پر بیچ روپے ماہواری اس سلسلہ کی تائید میں دینا مقرر کیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء و احسن الیہم فی الدنیا و الاٰخری۔

(۳) جی فی اللہ مولوی عبدالکَریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی صاحب اس عاجز کے یکرنگ دوست ہیں اور مجھ سے ایک سچی اور زندہ محبت رکھتے ہیں اور اپنے اوقات عزیز کا اکثر حصہ انہوں نے تائید دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اُن کے بیان میں ایک اثر ڈالنے والا جوش ہے۔ اخلاص کی برکت اور نورانیت اُن کے چہرہ سرِ ظاہر ہے میری تعلیم کی اکثر باتوں سے وہ متفق الرائے ہیں بیکسر خیال میں ہے کہ شاید بعض سے نہیں۔ لیکن انوریم مولوی عجم نور دین صاحب کے انوارِ صحبت نے بہت سا نورانی اثر اُن کے دل پر ڈالا ہے اور نیچریت کی اکثر خشک باتوں سے وہ بیزار ہوتے جاتے ہیں۔ پورہ حقیقت میں بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ الہی کتاب کے واقعی اور سچے منشاء کے مخالف نیچر کے ایسے تاج ہو جائیں کہ گویا کامل ہادی ہمارا وہی ہے۔ میں اسے حصہ نیچریت کو قبول کرتا ہوں جس کو میں دیکھتا ہوں کہ میرے مولیٰ اور ہادی نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کو قبول کر لیا ہے اور سنت اللہ کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔ میں اپنے خداوند کو کامل طور پر قادر مطلق سمجھتا ہوں اور اسی بات پر ایمان لایچکا ہوں کہ وہ جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے اور اسی ایمان کی برکت سے میری معرفت زیادت میں ہے اور محبت ترقی میں۔ مجھے بچوں کا ایمان پسند آتا ہے اور فلسفیوں کے بودے ایمان سے میں متنفر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب اپنی محبت کے پاک جذبات کی وجہ سے

اور بھی ہمرنگی میں ترقی کریں گے اور اپنے بعض معلومات میں نظر ثانی فرمائیں گے۔

(۴) جی فی اللہ مولوی غلام قادر صاحب فصیح جوان صلح خوش شکل اور اس عاجز کی بیعت میں داخل ہیں۔ باہمت اور ہمدرد اسلام ہیں۔ قول فصیح جو مولوی عبدالکیم صاحب کی تالیف ہے اسی مرزا باہمت نے اپنے مصارف سے چھاپی اور مفت تقسیم کی۔ قوت بیانی نئی طرز کے موافق امت عمدہ رکھتے ہیں۔ اب ایک ماہواری رسالہ انکی طرف سے نکلنے والا ہے جس کا نام الحق ہوگا۔ یہ رسالہ محض اس غرض سے جاری کیا جائے گا کہ اس میں وقتاً فوقتاً ان مخالفوں کا جواب دیا جائے جو دین اسلام پر حملہ کرتے ہیں خدا تعالیٰ اس کام میں اُن کی مدد کرے۔

(۵) سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ یہ سید صاحب محب صادق اور اس عاجز کے ایک نہایت مخلص دوست کے بیٹے ہیں جس قدر خدا تعالیٰ نے شعر اور سخن میں اُن کو قوت بیان دی ہے وہ رسالہ قول فصیح کے دیکھنے سے ظاہر ہوگی۔ میر حامد شاہ کے بشرہ سے علامات صدق و اخلاص و محبت ظاہر ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اسلام کی تائید میں اپنی نظم و نشر سے عمدہ عمدہ خدمتیں بجالائیں گے۔ اُن کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ وہ میرے پرانے دوست میر سہام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ کے خلیفہ رشید ہیں۔

(۶) جی فی اللہ مولوی سید محمد احسن صاحب امر وہی، متہم مصارف ریاست بھوپال۔ مولوی صاحب موصوف اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص و محبت اور تعلق روحانی رکھتے ہیں۔ اُن کی تالیف کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ لیاقت کے آدمی اور علوم عربیہ میں فاضل ہیں بالخصوص علم حدیث میں ان کی نظریات محیط اور عمیق معلوم ہوتی ہے۔ حال میں انہوں نے ایک رسالہ اعلیٰ مر الناس

اس عاجز کے تائید و دعویٰ میں بحکال ممانت و خوش اسلوبی لکھا ہے جس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ مولوی صاحب موصوف علوم دینیہ میں کس قدر محقق اور وسیع نظر اور دقیق آدمی ہیں انہوں نے نہایت تحقیق اور خوش بیانی سے اپنے رسالہ میں کئی قسم کے معارف بھر دئے ہیں۔ ناظرین اس کو ضرور دیکھیں۔

(۶) جنی فی اللہ مولوی عبدالغنی صاحب معروف مولوی غلام بی خوشابی دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بہ تازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف آکر لائے تھے۔ جب ان کو اس بات کی خبر پہنچی کہ یہ عاجز مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور سچ ابن مریم کی نسبت وفات کا قائل ہے تب مولوی صاحب میں پورانے خیالات کے جذبہ سے ایک جوش پیدا ہوا اور ایک عام اشتہار دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد اس شخص کے رد میں ہم وعظ کریں گے۔ شہر لودھیانہ کے صدر آدمی وعظ کے وقت موجود ہو گئے تب مولوی صاحب اپنے علمی زور سے بخاری اور مسلم کی حدیثیں بارش کی طرح لوگوں پر برسانے لگے اور صحاح مرتہ کا نقشہ پرائی لکیر کے موافق آگے رکھ دیا۔ ان کے وعظ سے سخت جوش مخالفت کا تمام شہر میں پھیل گیا۔ کیونکہ ان کی علمیت اور فضیلت ولہیں مسلم تھی لیکن آخر محادثہ لڑی کشاں کشاں ان کو اس عاجز کے پاس لے آئی اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اب ان کے پرانے دوست ان سے سخت ناراض ہیں۔ مگر وہ نہایت استقامت کے اس شعر کے مضمون کا ورد کر رہے ہیں ۵

حضرت ناصح جو آپ دیدہ و دل فرس راہ پر کوئی مجھ کو تو سمجھاوے کہ سمجھائینگے کیا
(۸) جنی فی اللہ نواب محمد علی خان صاحب کسب خاندان ریاست لیر کوٹہ۔ یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جمال ایک باخدا بزرگ تھے جو اہل باشندہ جلال آباد و رانی قوم کے

پٹھان تھے ۱۶۹۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے
 شاہ وقت کا اُن پر اس قدر اعتقاد ہو گیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا
 اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے۔ چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے
 آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل
 قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۷۷۷ء میں آباد کیا۔ جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔
 بایزید خاں کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خان تھا اور فیروز خان کے بیٹے
 کا نام شیر محمد خاں اور شیر محمد خاں کے بیٹے کا نام بہمال خان تھا۔ بہمال خان کے پانچ بیٹے تھے۔
 مگر ان میں سے صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خان اور عطاء اللہ خان۔
 بہادر خان کی نسل میں شے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد خاں صاحب جو ہم
 ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے خدا تعالیٰ اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے
 اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہان کے رنگ میں لاوے۔ سردار محمد علی خاں صاحب
 نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی جس کا اثر
 اُن کے دماغی اور دلی قوی پر نمایاں ہے۔ اُن کی خدا داد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے
 اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدت اور تیسہری اور جذبات نفسانی اُن کے
 نزدیک آئی معلوم نہیں ہوتی۔ میں قادیان میں جب وہ ملنے کے لئے آئے تھے اور کئی
 دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام ادائے نماز میں اُن کو خوب اہتمام
 ہے اور صلاح کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلی
 مجتنب ہیں۔ مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صلح بیٹا ہو کہ باوجود
 ہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے غفلان جوانی میں ایسا
 پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بتوفیقہ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر زور
 دے کر رہنمائی کے بے جا طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کر لی ہے اور نہ صرف

اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں
 ملائی گئی ہیں اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف ان کا
 عملدرآمد ہے ان سب باتوں سے بھی اپنے نور قلب سے فیصلہ کر کے انہوں نے
 علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں مجھ کو لکھتے ہیں کہ ابتداء میں گو
 میں آپ کی نسبت نیک ظن ہی تھا لیکن صرف اس قدر کہ آپ اور علماء اور مشائخ ظاہری
 کی طرح مسلمانوں کے تفرقہ کے مؤید نہیں ہیں۔ بلکہ مخالفان اسلام کے مقابل پر کھڑے
 ہیں۔ مگر الہامات کے بارے میں مجھ کو نہ اقرار تھا اور نہ انکار۔ پھر جب میں محلی
 سے بہت تنگ آیا اور اُن پر غالب نہ ہو سکا تو میں نے سوچا کہ آپ نے بڑے مجھے
 کئے ہیں یہ سب بھوٹے نہیں ہو سکتے۔ تب میں نے بطور آزمائش آپ کی طرف
 خط و کتابت شروع کی جس سے مجھ کو تسکین ہوتی رہی اور جب قریباً اگست میں
 آپ سے لودیانہ ملنے گیا تو اُس وقت میری تسکین خوب ہو گئی اور آپ کو ایک
 باخدا بزرگ پایا اور بقیہ شکوک کا پھر بعد کی خط و کتابت میں میرے دل کی سچی دھویا
 گیا۔ اور جب مجھے یہ اطمینان دی گئی کہ ایک ایسا شیعہ جو غلفائے ثلاثہ کی کسرِ شان
 نہ کرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو سکتا ہے تب میں نے آپ سے بیعت کر لی۔
 اب میں اپنے آپ کو نسبتاً بہت اچھا پاتا ہوں۔ اور آپ گواہ رہیں کہ میں نے تمام
 گناہوں سے آئندہ کھلنے کو یہ کی ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق اور طرزِ معاشرت
 سے کافی اطمینان ہے کہ آپ ایک سچے مجدد اور دنیا کے لئے رحمت ہیں۔

(۹) جتنی فی اللہ میرے عباس علی لودیانہ لوی۔ یہ میرے وہ اقل دوست ہیں
 جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے
 تکلیف سفر اٹھا کر ابرارِ خیار کی سنت پر بقدم تجرید محض شد قادیان میں میرے
 ملنے کے لئے آئے وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے

سچے ہوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے مُنہ سے ہر ایک قسم کی باتیں سُنیں۔ میرا صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور اُن کے مرتبہ اعلیٰ کے ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو اُن کے حق میں الہام ہوا تھا اصلہ ثابت و خرعہ فی السماء۔ وہ اس مسافر خانہ میں محض متوکلانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے اوّل ایام میں وہ بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر باعث غربت و درویشی کے اُن کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں مگر بالائینہ سادہ بہت ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مٹووسین کے وساوس اُن کے دل کو غم میں ڈال دیتے ہیں لیکن انہی قوت ایمانی جلد انکو دفع کر دیتی ہے۔

(۱۰) جتنی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم۔ اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے دل کے ساتھ یہ پُر درد قصہ مجھے لکھنا پڑا۔ کہ اب یہ ہمارا پیارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے اور خداوند کریم و رحیم نے بہشت بریں کی طرف بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وانا بفراقہ لمحزونون۔ حاجی صاحب مغفور مرحوم ایک جماعت کثیر کے پیشوا تھے اور اُن کے مریدوں میں آثارِ رشد و سجاوت و اُتباعِ سنت نمایاں ہیں۔ اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اس عاجز کو ایک خط ایسے انگسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اس میں سیرۃ صالحین پر اپنا توبہ کا اظہار کیا اور اپنی مغفرت کے لئے دعا چاہی اور لکھا کہ میں تپ کی لہمی ربط کے زیر سایہ اپنے تئیں سمجھتا ہوں اور پھر لکھا کہ میری زندگی کا

نہایت عمدہ حصہ یہی ہے کہ میں آپ کی جماعت میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور پھر کسر نفسی کے طور پر اپنے گزشتہ ایام کا شکوہ لکھا اور بہت سے رقت آمیز ایسے کلمات لکھے جن سے رونا آتا تھا۔ اس دوست کا وہ آخری خط ہوا ایک دردناک بیان سے بھرا ہے اب تک موجود ہے مگر افسوس کہ حج بیت اللہ سے واپس آتے وقت پھر اس مخدوم پر بیماری کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس دورافتادہ کو ملاقات کا اتفاق نہ ہوا بلکہ چند روز کے بعد ہی وفات کی خبر سنی گئی اور خبر سننے ہی ایک جماعت کے ساتھ قادیان میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ حاجی صاحب مرحوم اظہار حق میں بہادر آدمی تھے۔ بعض نا اہل لوگوں نے حاجی صاحب موصوف کو اس عاجز کے ساتھ تعلق ارادت رکھنے سے منع کیا کہ اس میں آپ کی کسر شان ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے کسی شان کی پرواہ نہیں اور نہ مریدوں کی حاجت۔ آپ کا صاحبزادہ کلاں حاجی افتخار احمد صاحب آپ کے قدم پر اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثارِ رشد و اصلاح و تقویٰ اُن کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ وہ باوجود متوکلانہ گذارہ کے اول درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور وہ جہان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں خدا تعالیٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے۔

(۱۱) جتنی فی اللہ قاضی خواجہ علی صاحب قاضی صاحب موصوف اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں میں سے ہیں۔ محبت و خلوص و وفا و صدق و صفائے انار اُن کے چہرہ پر نمایاں ہیں۔ خدمت گزاری میں ہر وقت کھڑے ہیں۔ وہ اُن اولین و سابقین میں سے ہیں جن میں اخویہ میر عباس علی صاحب ہیں۔ وہ ہمیشہ خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ایام سکونت و ودعیان میں جو چھ ماہ تک بھی اتفاق ہوتا ہے ایک بلا حصہ ممانداری کا خوشی کے ساتھ وہ اپنے ذمے لیتے ہیں اور جہاں تک اُن کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہمدردی اور خدمت اور ہر ایک قسم کی غمخواری میں کسی بات کو فرق

نہیں کرتے۔ اور اگرچہ وہ پہلے ہی سے مخلص باصفائیں لیں میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زیادہ تر قریب کھینچے گئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ حقانیت کی لکڑی ایک بے غرضانہ خلوص اور لہی محبت میں دبسم اُن کو ترقی دے رہی ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ترقیات کی وجہ سے اپنے حسن ظن کے حالات میں زیادہ سے زیادہ پاکیزگی حاصل کرتے جاتے ہیں اور روحانی کمزوری پر غالب ہوتے جاتے ہیں میسر اول انکی نسبت یہ بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ دنیوی طور سے ایک صحیح اور باریک فراست رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل نے اس عاجز کی روحانی شناسائی کا بھی ایک قابل قدر حصہ انہیں بخشا ہے اور آداب ارادت میں وہ صفائی حاصل کرتے جاتے ہیں اور قلت اعتراض اور حسن ظن کی طرف ان کا تہم بڑھتا جاتا ہے اور میری دانست میں وہ ان مراحل کو طے کر چکے ہیں جن میں کسی خطرناک لغزش کا اندیشہ ہے۔

۶۹۵

(۱۲) جتنی فی اللہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب سامانوی۔ مرزا صاحب مرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم کے حقیقی بھائی ہیں جن کا حال رسالہ فتح اسلام میں لکھا گیا ہے اور وہ تمام الفاظ اخلاص کے جو میں نے انویم مرزا عظیم بیگ صاحب مغفور و مرحوم کے بارے میں فتح اسلام میں لکھے ہیں اُن سب کا مصداق میرزا محمد یوسف بیگ صاحب بھی ہیں۔ ان دونوں بزرگوار بھائیوں کی نسبت میں ہمیشہ حیران رہا کہ اخلاق اور محبت کے میدانوں میں زیادہ کس کو قرار دوں۔ میرزا صاحب موصوف ایک اعلیٰ درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور اعلیٰ درجہ کا حسن ظن اس عاجز سے رکھتے ہیں اور میرے پاس وہ الفاظ انہیں جن کے ذریعے میں اُن کے خلوص کے مراتب بیان کر سکوں یہ کافی ہے کہ اشارہ کے طور پر میں اسی قدر کہوں کہ ہو رجل یحبنا و نجبه و نسل الله خیره فی الدنیا و الاخرۃ۔ میرزا صاحب نے اپنی زبان اپنا مال اپنی عزت اس لہی محبت میں وقف کر رکھی ہے اور اُن کا مریدانہ اور محبتانہ اعتقاد اس حد تک

بڑھا ہوا ہے کہ اب ترقی کے لئے کوئی مرتبہ باقی نہیں معلوم ہوتا۔ وذاک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

(۱۳) جتنی فی اللہ میاں عبداللہ سنوری۔ یہ جوان صلح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اُن وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلا جنبش نہیں لاسکتا۔ وہ متفرق وقتوں میں دو دو تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا اور میں ہمیشہ بنظر احسان اس کی اندرونی حالت پر نظر ڈالتا رہا ہوں سو میری فراست نے اس کی تہ تک پہنچنے سے جو کچھ معلوم کیا وہ یہ ہی کہ یہ نوجوان درحقیقت اللہ اور رسول کی محبت میں ایک خاص بخش رکھتا ہے۔ اور میرے ساتھ اس کے اس قدر تعلق محبت کے بحر اسبات کے اور کوئی بھی وہ نہیں جو اس کے دل میں یقین ہو گیا ہے کہ یہ شخص محبوب خدا اور رسول میں سے ہے۔ اور اس جوان نے بعض خوارق اور آسمانی نشان جو اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے بحشم خود دیکھے ہیں جن کی وجہ سے اس کے ایمان کو بہت فائدہ پہنچا۔ الغرض یہاں عبداللہ نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبوبوں میں سے ہے اور یاد ہو دھوڑے سے گزرا رہے ملازمت پتوار کے ہمیشہ حسب مقدرت اپنی مالی خدمت میں بھی حاضر ہے اور اب بھی بارہ روپیہ سالانہ چندہ کے طور پر مقرر کر دیا ہے۔ بہت بڑا موجب میاں عبد اللہ کے زیادہ خلوص و محبت و اعتقاد کا یہ ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی کر کے ایک عرصہ تک میری محبت میں آکر رہتا رہا اور کچھ آیات ربانی دیکھتا رہا۔ سو اس تقریب سے روحانی امور میں ترقی پا گیا۔ کیا اچھا ہو کہ میرے دوست مخلص ہی اس علوت کی پیروی کریں۔

(۱۴) جتنی فی اللہ مولوی حکیم غلام احمد صاحب انجینئر ریاست جتوں ملوٹی صاحب موصوف نہایت سادہ و ضحیک رنگ صاف باطن دوست ہیں اور عطر محبت اور اخلاص سے اُن کا دل معطر ہے۔ دینی امدادات میں پورے پورے صدق سے حاضر ہیں مولوی صاحب

اکثر علوم و فنون میں کامل میاقت رکھتے ہیں اور ان کے چہرے پر استقامت و شجاعت کے انوار پائے جاتے ہیں اس سلسلہ کے چندہ میں دو روپیہ ماہواری انہوں نے اپنی مرضی سے معسر کیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱۵) جتبی فی اللہ سید فضل شاہ صاحب لاہوری اصل سکندر ریاست جموں نہایت صاف باطن اور محبت اور اخلاص سے بھرے ہوئے اور کامل، عقائد کے نوے منور ہیں۔ اور مال و جان سے حاضر ہیں اور اب اور حسن ظن جو اس راہ میں ضروریات کے ہر ایک عجیب انگسار کے ساتھ ان میں پایا جاتا ہے۔ وہ تہ دل سے سچی اور پاک اور کامل بارادت اس عاجز سے رکھتے ہیں اور قلبی تعلق اور حب میں اعلیٰ درجہ انہیں حاصل ہے اور یک رنگی اور وفاداری کی صفت ان میں صاف طور پر نمایاں ہے اور ان کے برابر حقیقی نادر شاہ بھی اس عاجز سے حقوق بیعت رکھتے ہیں اور ان کے مامول منشی کرم الہی صاحب بھی اس عاجز کے یک رنگ دوست ہیں۔

(۱۶) جتبی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسری۔ منشی صاحب محبت اور اخلاص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں خدمات کو نہایت نشاط سے بجالاتے ہیں۔ بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ مجسری صاحب اور جان نثار آدمی ہے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اس عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔ شاید ان کو اس سے بڑھ کر اور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے ملے ہوئے ہر ایک توفیق سے کوئی خدمت بجالا دیں وہ مل و جان کو فلوار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ آمین

(۱۷) جتبی فی اللہ میاں محمد خاں صاحب ریاست کیوڑ تھلہ میں نوکر ہیں۔ نہایت درجہ کے غریب طبع صاف باطن و دقیق فہم حق پسند ہیں اور جس قدر انہیں سیری نسبت انہیں عقیدت اور اتد و محبت و نیک ظن ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی نسبت یہ تردد نہیں کہ ان کے اس درجہ ارادت میں کبھی کبھ طعن پیدا ہو بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ حدیث زیادہ نہ بڑھ جائے وہ سچے و سادہ اور جان نثار اور مستقیم الاحوال ہیں۔ خدا ان کے ساتھ ہو ان کا نوجوان بھائی سردار علی خاں بھی میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہے۔ یہ لڑکا بھی اپنے بھائی کی طرح بہت عید و رشید ہے۔ خدا تعالیٰ ان کا محافظ ہو۔

(۱۸) جتبی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں نمایاں ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور

اُن سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور اب جس پر تمام مہار حصول فیض کا ہے اور حُسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱۹) جتنی فی اللہ سید عبدالمادی صاحب اور سیر۔ یہ سید صاحب انکسار اور ایمان اور حُسن ظن اور ایثار اور سخاوت کی صفت میں حصہ وافر رکھتے ہیں۔ وفادار اور متانت شعار ہیں۔ ابتلاء کے وقت استقامت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وعدہ اور عہد میں پختہ ہیں۔ حیا کی قابل تعریف صفت اُن پر غالب ہے۔ اس عاجز کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی وہی لوب ملحوظ رکھتے تھے جو اب ہے۔ اللہ طشانہ کا اُن پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ نیک کاموں کے کرنے کے لئے منجانب اللہ توفیق پاتے ہیں۔ ان کی طبیعت فقر کے مناسب حل ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ کے لئے دو روپے ہواہاری چندہ مقرر کیا ہے۔ مگر اس چندہ پر کچھ موقوف نہیں وہ بڑی سرگرمی سے خدمت کرتے رہتے ہیں اور اُن کی مالی خدمات کی اس جگہ تصریح مناسب نہیں۔ کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی مالی خدمات کے اظہار سے ان کو رنج ہوگا۔ وجہ یہ کہ وہ اس سہولت پر ہمیشہ کرتے ہیں کہ اُن کے اعمال میں کوئی شعبہ ریا کا دخل کرے اور ان کو یہ وہم ہو کہ اجر کسی عمل کا اس کے اظہار سے ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲۰) جتنی فی اللہ مولوی محمد یوسف سنوری میاں عبد اللہ صاحب سنوری کے ماموں ہیں۔ بہت راست طبع نیک ظن پاک خیال آدمی ہیں۔ اس عاجز سے استقلال اور وفا کے ساتھ خلوص اور محبت رکھتے ہیں۔

(۲۱) فشی حشمت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سنور اور فشی ہاشم علی صاحب پٹواری تحصیل برنالہ اس عاجز کے یکرنگ مخلصین میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا مددگار ہو۔

(۲۲) جی فی اللہ صاحب جزاؤہ سراج الحق صاحب ابوالمخاض محمد سران الحق جلالی انجانی
ابن شاہ حبیب الرحمن ساکن سرساوہ ضلع سہارنپور ازاولاد قطب الاقطاب شیخ جمال الدین
ہانسوی اکابر مخلصین اس عاجز سے ہیں۔ صاف باطن یکرنگ اور قلبی کاموں میں جوش
رکھنے والے اور اعلائے کلمہ حق کے لئے بل و جان سامی و سرگرم ہیں۔ اس سلسلہ میں
داخل ہونے کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ان کے لئے اقرب پیدا کی وہ ایک نے پچھپ حال
ہے جو ان کے ایک خط سے ظہر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں اس زمانہ کو ایک
آخری زمانہ سمجھ کر اور علماء اور فقراء سے ظہور حضرت مسیح ابن مریم موعود اور حضرت ہمدی
کی بشارتیں سنکر ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ خداوند کریم مجھ کو ان میں سے کسی کی زیارت
کراوے خواہ حالت جوانی میں ہی یا حین فی میں۔ سو جب میسری دعائیں اتمام کو پہنچیں
تو ان کا یہ اثر ہوا کہ مجھے عالم رویا میں وقتاً فوقتاً مقصد مذکورہ بالا کے لئے کچھ کچھ
بشارتیں معلوم ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ میں سفر کی حالت میں شہر حیدر میں تھا
تو عالم رویا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مسجد میں وضو کر رہا ہوں اور اس مسجد کے
متصل ایک کوچہ ہے وہاں سے ہر قسم کے آدمی ہندو مسلمان نصاریٰ آتے جاتے ہیں
میں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم حضرت رسول مقبول کی خدمت
میں گئے تھے۔ تب میں نے بھی جلد وضو کر کے اس کوچہ کی راہ لی۔ ایک مکان میں دیکھا کہ
کثرت سے آدمی موجود ہیں اور حضرت رسول مقبول خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ سفید پوشاک پہنے ہوئے اور ایک شخص دو زانو اُن کے سامنے
باوب بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھا چاہا کہ مرشد کے قدم چومنے میں علماء و فقراء کو اختلاف
ہے۔ اصل بات کیا ہے۔ تب ایک شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا
نود و نحوہ بول اٹھا کہ نہیں نہیں۔ اس وقت میں بے تکلف اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے نزدیک جا بیٹھا۔ تب حضرت نبی کریم نے مجھ کو دیکھا اور اپنا داہنا ہاتھ مبارک

میسری طرف لیا کہ دیا۔ میں نے حضرت کے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا
 اُس وقت حضرت نے ایک بوراب سُوتی اپنے پائے مبارک سے اُتار کر مجھ کو عنایت فرمائی
 اس رُویا صادقہ سے میں بہت متلذذ رہا۔ پھر دو برس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ میں بودھیا
 میں آیا اور میں نے آپ کا یعنی اس عاجز کا شہرہ سنا اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر
 ہوا اور وہی جلسہ دیکھا اور وہی کثرتِ محلق دیکھی جو میں نے حضرت نبی کریم کی خواب میں
 دیکھی تھی۔ اور جب میں نے آپ کی صورت دیکھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی صورت ہے
 کہ جس صورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا تب مجھے یقین ہو
 گیا کہ میں نے آپ ہی کو خواب میں دیکھا تھا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی کریم کے
 پیسرایہ میں میرے پر ظاہر کیا۔ تا وہ عینیت ہو برکت متابعت پیدا ہو جاتی ہے
 میرے پر منکشف ہو جائے۔ پھر جب میں پانچ چھ ماہ کے بعد آپ کو قادیان میں ملا تو
 میسری حالت اعتقاد بہت ترقی کر گئی اور مجھ کو کامل و مکمل یقین کہ عین الیقین کا مرتبہ
 حاصل ہو گیا کہ بلاشبہ آپ مجدد الوقت اور طوٹ الوقت ہیں اور میرے پر پورے عرفان
 کے ساتھ کھل گیا کہ میرے خواب کے مصداق آپ ہی ہیں۔ پھر اس کے بعد اور بھی حالات
 نوم اور غیسر نوم میں میرے پر کھلتے رہے۔ ایک دفعہ استخارہ کے وقت آپ کی نسبت
 یہ آیت نکلی معہ ربیون کثیر۔ تب میں بیعت سے بصدق دل مشرف ہوا اور
 وہ حالات جو میرے پر کھلے اور میرے دیکھنے میں آئے وہ انشاء اللہ ایک سالہ میں کھونگا۔
 (۲۳) جی فی اللہ میرا ناصر و اب صاحب میر صاحب موصوف علاوہ رشتہ
 روحانی کے رشتہ جسمانی بھی اس عاجز سے رکھتے ہیں کہ اس عاجز کے خسر ہیں۔ ہدایت
 یکرنگ اور صاف باطن اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کی
 اتباع کو سب چیز سے مقدم سمجھتے ہیں اور کسی سچائی کے کھلنے سے پھر اسکو شجاعت قلبی
 کے ساتھ بلا توقف قبول کر لیتے ہیں۔ حُب اللہ اور بغض اللہ کا مومنانہ شیوہ اُن پر

غالب ہے کسی کے راستباز ثابت ہونے سے وہ جان تک بھی فرق نہیں کر سکتے تو کسی کو ناراستی پر دیکھ کر اُس سے ملا مہنت کے طور پر کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اوائل میں وہ اس عاجز کی نسبت نہایت نیک گمان تھے مگر درمیان میں استلاء کے طور پر اُن کے حُسن ظن میں فرق آگیا۔ چونکہ سعید تھے اس لئے عنایت الہی نے پھر دستگیری کی اور اپنے خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اُن کا ایک دفعہ نیک ظنی گی طرقت پٹا کھانا اور جوش سے بھرے ہوئے اخلاص کے ساتھ حق کو قبول کر لینا غیبی جذبہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے اشتہار ۱۲ اپریل ۱۹۸۸ء میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں اُن کے حق میں بدگمان تھا لہذا وقتاً فوقتاً نفس و شیطان نے خدا جانے کیا کیا مجھ سے اُن کے حق میں کہوایا جس پر آج مجھ کو افسوس ہو اگرچہ اس عرصہ میں کئی بار میرے دل نے مجھے شرمندہ کیا لیکن اس کے اظہار کا یہ وقت مقتدر تھا۔ میں نے جو کچھ مرزا صاحب کو فقط اپنی غلط فہمیوں کے سبب سے کہا نہایت بُرا کیا۔ اب میں توبہ کرتا ہوں اور اس توبہ کا اعلان اس لئے دیتا ہوں کہ میری پیری وی کے سبب سے کوئی وبال میں نہ پڑے۔ اس سے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تفسیر کو پھپھوایے اور اس کو قائم اٹھانا چاہے تو میں عند اللہ بری ہوں اور اگر کبھی میں نے مرزا صاحب کی نسبت اپنے کسی دوست سے کچھ کہا ہو یا شکایت کی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی مانگتا ہوں۔

(۲۴) جی فی اللہ منشی رستم علی ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریوے۔ یہ ایک جوان صالح اخلاص سے بھرا ہوا میرے اول درجہ کے دوستوں میں سے ہے۔ اُن کے پھرے پر ہی علامات غربت و بے نفسی و اخلاص ظاہر ہیں۔ کسی استلاء کے وقت میں نے اس دوست کو مستزائل نہیں پایا۔ اور جس روز سے ارادت کے ساتھ انہوں نے میری طرف رجوع کیا اس ارادت میں قبض اور افسردگی نہیں بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ دو دو پیسہ چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں۔ جزا نام اللہ خیر الجراء

(۲۵) جتنی فی اللہ میاں عبدالحق خلف عبد المسیح۔ یہ ایک اول درجہ کا مخلص اور سچا ہمدرد اور محض شہ محبت رکھنے والا دوست اور غریب مزاج ہے۔ دین کو ابتدا سے غریبوں سے مناسبت ہے کیونکہ غریب لوگ تکبر نہیں کرتے اور پوری تواضع کے ساتھ حق کو قبول کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ اس سعادت کا عشر بھی حاصل کر سکیں جس کو غریب لوگ کامل طور پر حاصل کر لیتے ہیں غلطیوں للغیر میاں عبدالحق باوجود اپنے افلاس اور کمی قدرت کے ایک عاشق صادق کی طرح محض شہ خدمت کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ خدمات اس آیت کا مصداق اس کو ٹھہرا رہی ہیں یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة۔

ش

(۲۶) جتنی فی اللہ شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی۔ شیخ رحمت اللہ جوان صالح یک رنگ آدمی ہے۔ ان میں فطرتی طور پر مادہ اطاعت اور اخلاص اور حسن ظن اس قدر جو جس کی برکت سے وہ بہت سی ترقیات اس راہ میں کر سکتے ہیں۔ ان کی مزاج میں غربت اور ادب بھی اذ حد ہے اور ان کے بشرہ سے علامات سعادت ظاہر ہیں۔ حتی الوسع وہ خدمات میں لگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کشاکش مکروہات سے انہیں بچا کر اپنی محبت کی صلاوت سے حصہ وافر بخشے۔ آمین ثم آمین

(۲۷) جتنی فی اللہ عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علامات رشد و صلوات اُس کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہے۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کئی خدمات اسلام اُن کے ہاتھ سے پوری کرے۔ وہ باوجود زمانہ طالب علمی اور تفرقہ کی حالت کے ایک روپیہ ماہواری بطور چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں اور ایسا ہی اُن کا دوست خلیفہ رشید الدین صاحب حج ایک اہل آدمی اور انہیں کے ہم رنگ ہیں اسی قدر چندہ محض لٹھی محبت کے جوش سے ماہ بساہ ادا کرتے ہیں۔ جزا اہم اللہ خیر العباد۔

(۲۸) جتنی فی اللہ یا لو کرم الہی صاحب بیکارڈ کلرک راجپورہ ریاست پٹیالہ بابو صاحب متانت شعار خالص آدمی ہیں وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے رسالوں کے پڑھنے کے بعد بعض علماء طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہو گئے ہیں مگر احمد شہ میرے دل میں ایک ذرہ بھی شک راہ نہیں پایا۔ سو میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے طوفان کے وقت میں شکوک اور شبہات سے بچنا بشر کے اختیار میں نہیں میری تنخواہ بہت کم ہے مگر تاہم کم سے کم ایک روپیہ ماہواری آپ کے سلسلہ کی امداد کے لئے بھیجا کروں گا کیونکہ تھوڑی خدمت میں بھی شریک ہو جانا بالکل محروم رہنے سے بہتر ہے۔ فقط۔ سو بابو صاحب نہایت اخلاص اور محبت سے ایک روپیہ ماہواری بھیجتے رہتے ہیں۔ جنزائم اللہ خیر الجزاء۔

(۲۹) جتنی فی اللہ مولوی عبدالقادر جمالی پوری۔ مولوی عبدالقادر جوان صالح متقی مستقیم الاحوال ہے۔ اس ابتلاء کے وقت جو علماء میں باعث ناہمی اور غلبہ سوء ظن ایک طوفان کی طرح اٹھا مولوی صاحب کی بہت استقامت ظاہر ہوئی اور اول المؤمنین میں وہ داخل رہے بلکہ دعوت حق کرتے رہے۔ ان کا گزارہ ایک تھوڑی سی تنخواہ پر ہے تاہم اس سلسلہ کی امداد کے لئے ۲/۶ پائی وہ ماہواری دیتے ہیں۔

(۳۰) جتنی فی اللہ محمد ابن احمد مکی سن حارہ شعب عامریہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں۔ صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہیں اپنے وطن خاص مکہ معظمہ سے زادہ اللہ مجدداً و شرفاً بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے اور ان دنوں میں بعض بداندیش لوگوں نے خلاف واقعہ باتیں بلکہ تمہتیں پنی طرف سے اس عاجز کی نسبت ان کو سنائیں اور کہا کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ مسیح جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ ان باتوں سے عربی صاحب کے دل میں بہ مقتضائے غیرت اسلامی ایک اشتعال پیدا ہوا تب انہوں نے عربی زبان میں اس عاجز کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ فقرات بھی درج تھے

۵۱۱

۵۱۱

ان کنت عیسیٰ ابن مریم فانزل علینا مائدۃ ایتھا الکذاب۔ ان کنت عیسیٰ ابن مریم فانزل علینا مائدۃ ایتھا الدجال۔ یعنی اگر تو عیسیٰ بن مریم ہے تو اے کذاب اے دجال ہم پر مائدہ نازل کر۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ کس وقت کی دعا تھی کہ جو منظور ہو گئی اور جس مائدہ کو دے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے آخر وہ قادر خدا نہیں اس طرف کھینچ لایا۔ لودھیانہ میں آئے اور اس عاجز کی ملاقات کی اور سلسلہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ فالحمد لله الذی نجاہ من الناس وانزل علیہ مائدۃ من السماء۔ اُن کا بیان ہے کہ جب میں آپ کی نسبت بُرے اور فاسد ظنون میں مبتلا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ یا محمد انت کذاب۔ یعنی اے محمد کذاب تو ہی ہے۔ اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ تین برس ہوئے کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ عیسیٰ آسمان سے نازل ہو گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انشاء اللہ القیامہ میں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔

۴۴

۴۵

(۳۱) جی فی اللہ صاحبزادہ افتخار احمد۔ یہ جوان صالح میرے مخلص اور محب صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلف ارشید ہیں۔ اور بمقتضائے الولد سر لا بیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور وہ مادہ اُن میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ روحانی غذاؤں سے ان کو حصہ وافر بخشے اور اپنے عاشقانہ ذوق و شوق سے سرمست کرے۔ آمین ثم آمین۔

(۳۲) جی فی اللہ مولوی سید محمد عسکری خاں اکثر اسسٹنٹ حال پیشتر سید صاحب موصوف الذہاب کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ اس عاجز نے فی محبت رکھتے ہیں بلکہ اُن کا دل عطر کے شیشہ کی طرح محبت سے بھرا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ صاف باطن بیک رنگ دوست ہیں معلومات وسیع رکھتے ہیں۔ ایک جید عالم قابل قدر ہیں۔ ان دنوں میں

بیمار ہیں خدا تعالیٰ اُن کو جلد شفا بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۳۳) جی فی اللہ مولوی غلام حسن صاحب پشاور می اس وقت نودھیاں میں میرے پاس موجود ہیں محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لائے ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وفادار مخلص ہیں اور لایخنا خونِ نوحۃ لائتم میں داخل ہیں جوشِ ہمدردی کی راہ سے دور پیہر ماحولاری چندہ دیتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد لکھی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرت نورانی رکھتے ہیں۔

(۳۴) جی فی اللہ شیخ حامد علی۔ یہ جوان صالح اور ایک صالح خاندان کا ہے اور قریباً ست آٹھ سال سے میری خدمت میں ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھ سے اخلاص اور محبت رکھتا ہے۔ اگرچہ دقائقِ تقویٰ تک پہنچنا بڑے عرصہ اور صلاح کا کام ہے مگر جہاں تک سمجھ ہے اتباعِ سنت اور رعایتِ تقویٰ میں مصروف ہے میں نے اس کو دیکھا ہے کہ ایسی بیماری میں جو نہایت شدید اور مرضِ الموت معلوم ہوتی تھی اور ضعف اور لاغری سے میت کی طرح ہو گیا تھا۔ التزامِ ادائے نماز پہنچا نہ میں ایسا سرگرم تھا کہ اس بے ہوشی اور نازک حالت میں جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لیتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ انسان کی خدا ترسی کا اندازہ کرنے کے لئے اس کے التزامِ نماز کو دیکھنا کافی ہے کہ کس قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص پورے پورے اہتمام سے نماز ادا کرتا ہے اور خوف اور بیماری اور فتنہ کی حالتیں اس کو نماز سے روک نہیں سکتیں وہ بے شک خدا تعالیٰ پر ایک سچا ایمان رکھتا ہے مگر یہ ایمان غریبوں کو دیالیا دو لہذا اس نعمت کو پانے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ شیخ حامد علی نے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عاجز کے کئی نشان دیکھے ہیں اور چونکہ وہ مفردِ حضرت میں ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ اس کے لئے ایسے اسباب پیدا کرتا رہا اور وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا رہا کہ کیونکر خدا تعالیٰ کی عنایتیں اس طرف رجوع کر رہی ہیں

اور کیونکر دعاؤں کے قبل ہونے سے خارق عادت نشان طور میں آئے شیخ مر علی صاحب رئیس ہوشیار پوری کے ابتلاء اور نزول بلا کی خبر جو پورے چھ مہینے پہلے شیخ صاحب کو بذریعہ خط دی گئی تھی اور پھر لکھا انجام بخیر ہونے کی بشارت جو حکم نہ لائے موت کی حالت میں ان کو پہنچائی گئی تھی۔ یہ سب باتیں حامد علی کی چشم دید ہیں۔ بلکہ اس پیش گوئی پر بعض نادان اس سے ڈرتے اور جھگڑتے رہے کہ اس کا پورا ہونا غیر ممکن ہو۔ ایسا ہی دلیپ سنگھ کے روکے جانے کی پیش گوئی اور کئی دوسری پیش گوئیاں اور نشان جو صبح صادق کی طرح ظاہر ہو گئیں اس شخص کو معلوم ہیں جن کا خدا تعالیٰ نے اس کو گواہ بنا دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس کو نشان دکھائے گئے وہ ایک طالب حق کا ایمان مضبوط کرنے کے لئے ایسے کافی ہیں کہ اس سے بڑھ کر حاجت نہیں۔ حامد علی بے شک ایک مخلص ہے مگر فطرتی طور پر اشتعال طبع اس میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ صبر اور ضبط کی عادت ابھی اس میں کم ہے۔ ایک غریب اور ادنیٰ مزدور کی سخت بات پر برداشت کرنا ہنوز اس کی طاقت سے باہر ہے۔ غصہ کے وقت کسی قدر جبارہ کارگ و ریشہ نو دور ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور کسل بھی بہت ہے مگر متین اور متقی اور وفادار ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کرے۔ آمین۔ حامد علی صرف تین روپے مجھ سے منخواہ پاتا ہے اور اس میں سے اس سلسلہ کے چندہ کے لئے ۴۰ بلیب خاطر محض لقمی شوق سے ادا کرتا ہے اور حتیٰ فی اللہ شیخ پیر غلام علی چچا اس کا اس کی تمام خوبیوں میں اس کا شریک ہے اور یکے نہنگ اور بہادر ہے۔

(۳۵) حتیٰ فی اللہ شیخ شہاب الدین موحّد شیخ شہاب الدین غریب طبع اور مخلص اور نیک خیال آدمی ہے۔ نہایت تنگ دستی اور عسے اس مسافر خانہ کے دن پورے کر رہا ہے۔ افسوس کہ اکثر دولت مند مسلمانوں نے زکوٰۃ دینا بھی چھوڑ دیا اور شریعت اسلامی کا یہ پر حکمت مسئلہ کہ یؤخذ من الاغنیاء ویرد الى الفقراء یومی محل

پڑا ہے۔ اگر دولت مند لوگ کسی پر احسان نہ کریں صرف فریضہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں تاہم ہزار ہا روپیہ اسلامی اور قومی بہمدی کے لئے جمع ہو سکتا ہے لیکن مال بخیل آنکھ از خاک برآید۔ کہ بخیل در خاک رود۔

(۳۶) جتی فی اللہ میرا بخش ولد بہادر خان کیروی ایک مخلص اور پختہ اعتقاد آدمی ہے اس کے زیادت اعتقاد کا موجب اس نے یہ بیان کیا کہ ایک مجذوب نے اس کو خبر دی تھی کہ عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ یہی ہے۔ یعنی یہ عاجز۔ اور یہ خبر اس عاجز کے اظہار و دعویٰ سے کئی سال پیشتر وہ سن چکا تھا اور صد ہا آدمیوں میں شہرت پانچے تھے۔ (۳۷) جتی فی اللہ حافظ نور احمد صاحب لودھیا نوی۔ حافظ صاحب جوان صالح بڑے محب اور مخلص اور اقل درجہ کے اخلاص رکھنے والے ہیں۔ ہمیشہ اپنے مال سے خدمت کرتے رہتے ہیں۔ بڑا ہم اللہ خیر البراء۔

(۳۸) جتی فی اللہ مولوی محمد مبارک علی صاحب۔ یہ مولوی صاحب اس عاجز کے استاد زادہ ہیں۔ ان کے والد صاحب حضرت مولوی فضل احمد صاحب مرحوم ایک بزرگوار عالم باعمل تھے مجھ کو ان سے از حد محبت تھی۔ کیونکہ علاوہ استاد ہونے کے وہ ایک باخدا اور صاف باطن اور زندہ دل اور متقی اور پرہیزگار تھے۔ عین نماز کی حالت میں ہی اپنے محبوب حقیقی کو جملے۔ اور چونکہ نماز کی حالت میں ایک تہمت اور انقطاع کا وقت ہوتا ہے اس لئے ان کا واقعہ ایک قابل رشک واقعہ ہے۔ خدا تعالیٰ ایسی موت سب مومنوں کیلئے نصیب کرے۔ مولوی مبارک علی صاحب ان کے خلف رشید اور فرزند گلاں ہیں۔ بیعت اور صورت میں حضرت مولوی صاحب مرحوم سے بہت مشابہ ہیں۔ اس عاجز کے بکرنگ اور پرجوش دوست ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کے ابتلاء کی برداشت کر رہے ہیں حضرت عیسیٰ ابن مریم کی وفات کے بارے میں ایک رسالہ انہوں نے تالیف کیا ہے جو چھپرک شائع ہو گیا ہے جس کا نام قل جلیل ہے۔ اس عاجز کا ذکر بھی اس میں کئی جگہ کیا گیا ہے

چونکہ مولوی صاحب موصوف کی حدیث اور تفسیر پر نظر وسیع ہے اس لئے انہوں نے محدثین کی طرز پر نہایت خوبی اور متانت سے اس رسالہ کو انجام دیا ہے۔ مخالفانہ مولوی صاحب جن کو غور اور فکر کرنے کی عادت نہیں اور جو آنکھ بند کر کے فتوے پر فتویٰ لکھ رہے ہیں انہیں مناسب ہے کہ علاوہ اس عاجز کی کتاب ازالہ اوہام کے میرے دوست عزیز مولوی مبارک علی صاحب کے رسالہ کو بھی دیکھیں اور نیز میرے دوست رفیق سید محمد حسن صاحب امر وہی کے رسالہ اعلام الناس کو بھی ذرہ غور سے پڑھیں اور خدا تعالیٰ کی ہدایت کے نامہ امید نہ ہوں گو ان کی حالت بہت خطرناک اور قریب قریب یاس کے ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ مولویوں کا حجاب کفار کے حجاب سے کچھ زیادہ نہیں پھر کہوں اس سلسلہ رحمت سے نوید ہوتے ہیں۔ وہو علیٰ کل شیء قادیو۔

۸۱۹

(۳۹) جتنی فی اللہ مولوی محمد توفیق حسین صاحب مولوی صاحب ممدوح میرے ساتھ سچے دل سے اخلاص و محبت رکھتے ہیں میں نے ان کے دل کی طرف توجہ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ درحقیقت نیک فطرت آدمی اور سعیدوں میں سے ہیں اور قابل ترقی اور اپنے اندر رکھتے ہیں اگر وہ بشریت کی کمزوری کی وجہ سے کسی غلجانی میں پڑیں تو میں امید نہیں رکھتا کہ اسی میں وہ بند رہ جائیں۔ کیونکہ ان کی طینت صاف اور فراست ایمانی اور اسلامی نور کا ان کو حصہ ہے اور کسی امر کے مشتبہ ہونے کے وقت قوت فیصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس لائق ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ صحبت میں رہیں تو علمی اور عملی طریقوں میں بہت ترقی کر جائیں۔ مولوی صاحب موصوف ایک بزرگ عارف باللہ کے خلف الرشید ہیں اور پدروی نور اپنے اندر مخفی رکھتے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ کسی وقت وہ روحانیت ان پر غالب ہو جائے۔ یہ عاجز جب علیگڑھ میں گیا تھا تو درحقیقت مولوی صاحب ہی میرے جانے کے باعث ہوئے تھے اور اس قدر انہوں نے خدمت کی کہ میں اس کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ کے چندہ میں بھی انہوں نے دور و پیہما ہوازی مقرر

۸۲۰

کر رکھے ہیں۔ مولوی صاحب مولوی موصوف اگرچہ تحصیلداری کے عہدے پر ہیں مگر ایک بھاری بوجھ عیال کا ان کے سر پر ہے اور وہ دور و نزدیک کے نویشوں کو قلاب بلکہ دوستوں کی بھی اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور بڑے مسلمان نوازیں اور درویشوں اور فقیروں اور غریبوں سے باطسج اُنس رکھتے ہیں اور سادہ طسج اور صاف باطن اور خیر اندیش آدمی ہیں۔ بایں ہمہ مہمدی اسلام کا جوش پورے طور پر اُن میں پایا جاتا ہے جو امام اللہ خیر۔ باقی اسماء بعض مبایعین کے یہ ہیں۔

جی فی اللہ منشی محمد جلال الدین صاحب میرنشی
جی فی اللہ منشی اللہ بخش صاحب
جی فی اللہ مولوی عنایت علی صاحب
جی فی اللہ عبد المجید خاں اورنگ آبادی
جی فی اللہ منشی فیاض علی صاحب
جی فی اللہ میاں علی گوہر صاحب
جی فی اللہ میاں عبد الکیم خاں صاحب
جی فی اللہ منشی حبیب الرحمن صاحب
جی فی اللہ مولوی حکیم محی الدین صاحب عربی
جی فی اللہ سردار خاں برادر خیم محمد خاں
جی فی اللہ سید خصلت علی صاحب
جی فی اللہ میر عنایت علی صاحب
جی فی اللہ میاں عطا الرحمن صاحب ہندی
جی فی اللہ مولوی تاج محمد صاحب میرمنڈی
جی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب غلام علی صاحب

جی فی اللہ میر محمود شاہ صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ شیخ فتح محمد صاحب جمونی
جی فی اللہ شیخ برکت علی صاحب
جی فی اللہ منشی احمد شاہ صاحب نور پوری
جی فی اللہ مولوی ثیر محمد صاحب ججینی
جی فی اللہ منشی محمد حسین مراد آبادی
جی فی اللہ منشی ہاشم علی صاحب
جی فی اللہ مولوی محمد حسن خاں صاحب
جی فی اللہ مولوی غلام جیلانی صاحب
جی فی اللہ سید امیر علی صاحب
جی فی اللہ مرزا خدا بخش صاحب
جی فی اللہ منشی غلام محمد صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ مولوی محمد دین صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ مولوی فہدین صاحب پلوکری
جی فی اللہ مفتی محمد صادق صاحب بھیروی

جی فی اللہ شیخ چراغ علی صاحب تہوی جی فی اللہ مولوی محی الدین صاحب بہوہری
 جی فی اللہ شیخ احمد شاہ صاحب منصوبہ بہری جی فی اللہ میاں عبدالحق صاحب توطن پٹیالہ
 جی فی اللہ مولوی نور محمد صاحب مانگٹی۔ یہ سب صاحب علی حسب مراتب اس عاجز کے مخلص
 دوست ہیں۔ بعض ان میں سے اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اسی اخلاص کے موافق جو اس
 عاجز کے مخلص دوستوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر مجھ کو طویل کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جداگانہ
 ان کے مخلصانہ حالات لکھتا۔ انشاء اللہ تقدیر کسی دوسرے مقام میں لکھوں گا۔ اب میں
 اس تذکرہ کو دو عا پر ختم کرتا ہوں۔ اے قادر خدا میرے اس ظن کو جو میں اپنے ان تمام دوستوں
 کی نسبت رکھتا ہوں سچا کر کے مجھے دکھا اور ان کے دلوں میں تقویٰ کی بستر شاخیں جو اعمال
 صالحہ کے میوؤں سے لدی ہوئی ہیں پیدا کر۔ ان کی کمزوری کو دور فرما اور ان کا سب کسل
 دور کر دے اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دُوری
 ڈال۔ اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں۔ اور تجھ میں ہو کر سنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں
 اور تجھ میں ہو کر ہر ایک حرکت سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش توتیری محبت
 کی طرف جھک جائے اور ان کو ایک ایسی معرفت عطا کر توتیری طرف کھینچ لیوے
 اے بار خدا۔ یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں
 ڈال کہ سب قدرت تیری ہی ہے۔ آمین

اور چند دہندوں کے نام یہ تفصیل چندہ یہ ہیں :-

۱	میاں عبداللہ پٹواری موضع غوث گدہ	۶	منشی عبدالرحمن صاحب پٹواری تحصیل سننام	ع
۲	مولوی محمد یوسف صاحب مدرسہ سنسکرت	۷	منشی احمد بخش صاحب پٹواری تحصیل بانگر	ع
۳	منشی شمس اللہ صاحب مدرسہ سنسکرت	۸	منشی ابراہیم ثانی پٹواری تحصیل سرہند	ع
۴	منشی ہاشم علی صاحب پٹواری تحصیل برنالہ	۹	منشی غلام قادر صاحب پٹواری تحصیل	ع
۵	منشی ابراہیم صاحب پٹواری تحصیل بانگر	۱۰	منشی محمد فاضل صاحب کنہ سنسکرت	ع

۱۱	انجیم حکیم فضل دین صاحب بھیروی	۱۹	انجیم شمش ظفر احمد صاحب	۱۰	چندہ ابھارا
۱۲	میاں انند دین صاحب عرفی نویس محرف	۲۰	انجیم میاں محمد خاں صاحب	۱۱	عمر
	خکیم فضل دین صاحب	۲۱	منشی عبدالرحمن صاحب	۱۲	عمر
۱۳	میاں نجم الدین عبدالرحمان سکھ بھیروی	۲۲	منشی حبیب الرحمن صاحب	۱۳	عمر
	امام مسجد دہر کماناوالی	۲۳	منشی فیاض علی صاحب	۱۴	عمر
۱۴	انجیم مولوی حکیم غلام محمد صاحب بھیروی	۲۴	مولوی عبدالقادر صاحب مدرس جالپور ضلع لودیانہ	۱۵	۷۲ پائی
۱۵	انجیم کرم مولوی حکیم نور الدین صاحب	۲۵	منشی محمد بخش صاحب	۱۶	۲
	معالج ریاست جموں	۲۶	شیخ چراغ علی صاحب سکھ تھہ غلام نبی	۱۷	۴
۱۶	انجیم سید عبداللہ صاحب دودھ پورہ	۲۷	منشی محمد کرم الہی صاحب بھیروی	۱۸	عمر
۱۷	مولوی سید فضل حسین صاحب بھیروی	۲۸	مولوی غلام حسن صاحب مدرس بھیروی	۱۹	عمر
۱۸	انجیم منشی اتم علی صاحب بھیروی		قاضی محمد اکبر خان صاحب تاج پور بھیروی	۲۰	عمر

خاتمہ

ان دوستوں کیلئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں نصیحت کی باتیں

عزیزانِ بے غلوں! مہدق کشائیں! اے اوصافِ قطرہ باید کہ تاگوہر شود پیدا

اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔ خدا ہمیں اور تمہیں اُن باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور حقیر کی تسکین دیکھ گئے ہو اور ایک ابتلاؤ کا وقت تم پر ہے اسی سنتِ اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک

۸۲۶

طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کہے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فحش اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک مطلق سے کام لویا تمہارے مقابل پر تمہارے تسخیر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی پس اختیار کریں تو تمہارے دل بخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

۸۲۷

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چہ نہ نہیں اگر خدا ہمیں نالود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نالود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اُس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ ہے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ تعیسیل کے سب باتیں بیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ ہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچکر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچے دلوں کے حلیم اوسلم اور غریب بن جاؤ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء ہر ایک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا

اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کو مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملک کو ردی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور بہت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضا اور تمہارے تمام قوی کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور مکمل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں۔ کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک فراموش دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجایز اختیار کرو اور مسکنی سے قرآن کریم کا جو اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شیر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گر آیا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکانا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا دن پیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہیے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی رہتی ہو جائے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال کرے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیز و ا خدا متعالے کے حکموں کو بے قدی سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچے کی طرح بن کر اس کے کھجوں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہر وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو۔ اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور روزانہ اگر گزانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو۔ سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں نہایت بد بخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔

عزیزو! اس دنیا کی مجرّد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور یہاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریت کے پہنچاتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ابسادل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر حق چرائے کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھو اور ان کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محل شہوت ہو سکتی ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ مشاعرہ ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت۔

بلکہ چاہیے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاؤے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے۔ سو تم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تو اپنے کالوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچاؤ اور ایسا ہی ہر ایک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناسحق کے خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ نا انصافی پر فصد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کر لو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہراؤ اور سچی گواہی دو۔ ہمیں کہ اللہ علشانہ فرماتا ہے فَلَجْتَنبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنَبُوا قَوْلَ السَّوَءِ یعنی بُتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلہ حق سے تمہارا اُمنہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چلپیے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف کے ملاح نہ ہو۔

ہا ہم نخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ قرآن شریف کے بڑے حکم دوہی ہیں۔ ایک تو حید و محبت و اطاعت باری عز اسمہ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔ اور ان جھگوں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے۔ جیسا کہ استحدایں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاسْأَلُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِتَيْنَا بِذِي الْقُرْبٰی۔ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق فرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے

ہر ایک حق اُسی کا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اُس کی پرستش میں اور اُس کی محبت میں اور اُس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اُس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ اور اُس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت اور جلال اور اُس کے حُسن لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایسا ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے اور تم اُسکو ایسے جگر ہی تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اُس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس نسبت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ اُن سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اُس کی آزار کی عوض میں تو اس کو راحت پہنچا دے اور موت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے ایسا ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجالا دے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے ہوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ

نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلاق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشو و نما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پوشش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گزاری یا مدعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطری جوش سے صادر ہو۔

۴۴

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثناء اس شخص کے کہ بعد اس کے خدا تعالیٰ اس کو رد کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ کی مخالفتانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو۔ لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بد عہدیوں یا کسی قسم کے بور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وسوس و حرکات مخالف عہدیت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثرِ سجدہ نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی بندگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ تو جبر پر قائم ہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھاؤ۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

بیرونی شہادتیں

بعد ختم کتاب بعض شہادتیں ہم کو ملیں مناسب سمجھ کر انکو کتاب کے ساتھ شامل کر دیا (۱) یہ کہ کوہ نور یکم اگست ۱۸۸۷ء اور نور افشاں ۳۰ جولائی ۱۸۸۷ء میں کوالہ انبارام لکھا ہے کہ حال میں امریکہ کے ایک بڑے پادری صاحب پر وہاں کے لوگوں نے کفر کا الزام لگایا ہے۔ وجہ کفر یہ ہے کہ مسیح کے معجزات اور جسمانی طور پر زندہ ہونے مسیح کا اعتقاد نہیں ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک بڑا پادری اسی فرقہ میں سے ہے کہ جو عیسائیوں کے اس عقیدہ سے پھر گیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور پھر دوبارہ دنیا میں ٹیگا سو یہ ایک بیرونی شہادت ہے جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے دعویٰ پر قائم کی اور عیسائیوں کے ایک محقق پادری سے جو درجہ کی رو سے ایک بڑا پادری ہے وہی اقرار کر لیا جس کی نسبت اس عاجز کو الہامی خبر دی گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک :

(۲) دوسری یہ کہ ایک بزرگ حاجی حرمین شریفین عبدالرحمن نام جنہوں نے دوحہ کئے ہیں مرید خاص حضرت حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور ساکن لودھیانہ جو مرد پیر بعمر قریب انہی سال کے ہیں اپنی ایک رو یا میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جس روز مولوی محمد حسین صاحب کی آپ سے یعنی اس عاجز سے بحث ہوئی تھی رات کو خواب میں دیکھا کہ میں صاحب مرحوم یعنی حاجی احمد جان صاحب نے مجھے اپنے مکان پر بلایا ہے۔ چنانچہ میں گیا اور ہم پانچ آدمی ہو گئے اور سب مل کر حضرت خواجہ اویس قرنی کے پاس گئے۔ اُس وقت حضرت اویس قرنی خرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے ہم سب اور اویس قرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے اور اویس قرنی نے وہ خرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور عرض کی کہ آج

اس خرقہ کی توہین ہوئی اور اس کی حرمت آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ ہی کی طرف سے تھا میں صرف اپنی تھا۔ تب میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنی طرف حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ اور بائیں طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے اور سامنے آپ یعنی یہ عاجز کھڑا ہے اور ایک طرف مولوی محمد حسین کھڑا ہے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہوتی کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجتا اور میں بھیجا جاتا تو مجھ سے بھی دنیا کے لوگ یونہی پیش آتے جیسا کہ ان کے ساتھ آئے (یعنی اس عاجز کے ساتھ) پھر میاں صاحب مرحوم نے مجھے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بالوں کو دیکھ۔ تب میں نے ان کے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھے ہو گئے اور جب ہاتھ اٹھایا تو گنڈا پڑ گئے۔ پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ دیکھو ان کی آنکھوں کی طرف۔ جب میں نے دیکھا تو آنکھیں شربت تھیں اور رنگ نہایت سفید ہو نہیں دیکھا جاتا تھا۔ پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہی صلیہ ہے مگر وہ مسیح موعود جس کے آنے کا وعدہ تھا اُس کا صلیہ وہی ہے جو تم دیکھتے ہو اور آپ کی طرف اشارہ کیا یعنی اس عاجز کی طرف۔ پھر میں بیدار ہو گیا اور دل پر اس رویا کا اثر تار برقی کی طرح پایا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جتنی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں صاحب اپنے رسالہ ذکر الحکیم کے صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں کہ میں ماہ ستمبر ۱۸۹۷ء میں بوقرۃ تعطیلات موسمی تراوڑی میں مقیم تھا۔ اُس جگہ میں نے متواتر تین یا چار دفعہ عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ایک فدا ایسا ہو گیا کہ میں نے خواب میں سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ہیں میں یہ خبر سنا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نیات کی واسطے چلا جب آپ کی محفل میں پہنچا تو میں نے سب پر سلام کیا اور پوچھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کس جگہ تشریف رکھتے ہیں وہاں مرزا یوسف سنگ صاحب مانوی جو مرزا صاحب کے مرید ہیں وہ ہیں جو ہوتے تھے انہوں نے مجھے بتلایا میں ادب سے مسیح علیہ السلام کی طرف چلا۔ مگر جب دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھا

تو مرزا غلام احمد صاحب ایک عجیب جیسے سن اور شاندار صورت میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ خواب میں نے حافظ عبدالغنی صاحب سے جو تراویحی میں ایک مسجد کا امام ہر بیان کی تھی اور میرزا صاحب نے ابھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر نہیں کیا تھا۔

یہ شہادتیں ہیں جو رسالہ کے ختم ہونے کے بعد ہم کو ملیں۔ ایسا ہی ایک اعتراض بھی اس رسالہ کے ختم ہونے کے بعد پیش کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح دجال کے گدھے سے مراد ہی ریل گاڑی ہے تو اس ریل پر تو نیک و بد دونوں سوار ہوتے ہیں بلکہ جس کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے وہ بھی سوار ہوتا ہے پھر یہ دجال کا گدھا کیونکر ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ پوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرف تام اور ایجاد و تجالی گروہ کے یہ دجال کا گدھا کہلاتا ہے۔ اگر عارضی طور پر کوئی اس سے نفع اٹھاوے تو اس گروہ اس کا مالک یا موجد ٹھہر نہیں سکتا۔ خبر دجال کی اضافت ملکی ہے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ دجال کے مملوکات و مصنوعات میں سے بھی مومنوں کو نفع پہنچاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیا انبیاء کفار کی مملوکات و مصنوعات سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خچر کی سواری کرتے تھے حالانکہ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ گدھے سے گھوڑی ٹالنا ممنوع ہے۔ ایسے ہی امت نمونے پائے جاتے ہیں۔ ماسوا اس کے جبکہ مسیح موعود قاتل دجال ہے یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث من قتل قتیل کے جو کچھ دجال کا ہے وہ مسیح کا ہے۔ علاوہ اس کے مسلم کی حدیث میں جو ابوہریرہؓ مروی ہے عیسیٰ کے آنے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں لیسنزلون اس مرہم حکماً عدلاً علیکم سن الصلیب و لیقتلن الخنزیر و لیضنھن الجنۃ و لیترکن القلاص فلا یسبحن علیہا یعنی عیسیٰ حکم اور عدل ہونے کی حالت میں اترے گا اس طرح پر کہ مسلمانوں کے اختلافات پر حق کے ساتھ حکم کرے گا اور عدل کو زمین پر قائم کرے گا صلیب کو توڑے گا خنزیروں کو قتل کرے گا اور جزیہ کو اٹھاوے گا اور اس کے آنے کا ایک نشان ہوگا

کہ جوان اوثنیاں ہویا برداری اور سواری کا بخوبی کام دیتی ہیں پھوڑ دی جائیں گی پھر
اُن پر سواری نہیں کی جائے گی۔ اب واضح ہو کہ یہ ریل گاڑی کی طرف اشارہ ہے جس نے تمام
سواروں سے قریباً نوع انسان کو فارغ کر دیا اور جو تمام دنیا کے ستر ہزار میل میں پھری
ہے اور ہندوستان کے سولہ ہزار میل میں۔ چونکہ عرب میں اعلیٰ درجہ کی سواری جو ایک
عربی کے تمام گھر کو اٹھا سکتی ہے اوثنی کی سواری ہے ہویا برداری اور مسافت کے طے
کرنے میں تمام سواروں سے بڑھ کر ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا
تا اعلیٰ کے ذکر کرنے سے ادنیٰ خود اس کے ضمن میں آجائے۔ پس فرمایا کہ سچ موعود کے
ظہور کے وقت میں یہ سب سواریاں بے قدر ہو جائیں گی اور کوئی اُن کی طرف التفات نہیں
کرے گا یعنی ایک نئی سواری دنیا میں پیدا ہو جائے گی جو دوسری تمام سواروں کی
وقت کھو دے گی۔ اب اگر عموماً تمام گاہک اس ریل گاڑی پر سوار نہ ہوں تو یہ پیشگوئی ناقص رہتی ہے۔
اس جگہ یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلم کی حدیث سے جو فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے
ثابت ہوتا ہے جو دجال ہندوستان سے نکلنے والا ہے جس کا گدھا دھان کے زور سے
چلے گا جیسے بادل جس کے پیچھے ہوا ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی سچ بھی اسی ملک میں اول ظہور
کرے گا گو بعد میں مسافر کے طور پر کسی اور ملک دمشق وغیرہ میں نزول کرے۔ نزول کا
لفظ جو دمشق کے ساتھ لگایا گیا ہے خود دلالت کر رہا ہے جو دمشق میں اس کا آنا مسافرانہ
طور پر ہو گا اور اصل ظہور کسی اور ملک میں۔ اور ظاہر ہے کہ جس جگہ دجال ظہور کرے اُسی جگہ
سچ کا آنا ضروری ہے کیونکہ مسیح و دجال کے لئے بھیجا گیا ہے اور یہ بھی اسی حدیث سے
ثابت ہوتا ہے کہ دجال خود نہیں نکلے گا بلکہ اس کا کوئی ٹیل نکلے گا اور حدیث کے لفظ
یہ ہیں **الا انه في بحرالسام و بحراليمن لابل من قبل المشرق ما هو و**
اومني بيده الى المشرق رواه مسلم۔ یعنی خبردار ہو کیا دجال بحر شام میں ہے یا
بحر یمین میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا۔ نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا

مثیل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری کا خیال تو یہ تھا کہ وہاں بحیرہ شام میں ہے یعنی اس طرف کسی جزیرہ میں۔ کیونکہ تمیم نصرانی ہونے کے زمانہ میں اکثر ملک شام کی طرف جاتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو رد کر دیا اور نہر مایاکہ وہ مشرق کی کسی خاص طرف سے نکلے گا اور ممالک مشرقیہ میں ہندوستان داخل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمیم داری کے دجال کا وجود یقین کر لیا تھا بلکہ اس بات کی تصدیق پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوگا۔ ماسوا اس کے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تصدیق وحی کی رو سے ہے۔ اور جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اخبار و حکایات بیان کردہ تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضرور نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رو سے ہو۔ بلکہ بسا اوقات محض خبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ یہ اتفاق ہوا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خبر کی خبر کو صحیح سمجھا اور بعد ازاں وہ خبر غلط نکلی بلکہ بعض وقت ایک خبر کے اعتبار پر یہ خیال کیا گیا کہ دشمن چڑھائی کرنے والا ہے اور پیش قدمی کے طور پر اس پر چڑھائی کر دی گئی لیکن آخر کار وہ خبر غلط نکلی۔ انبیاء و اہل ایمان بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے۔ ہاں وحی الہی کے پہنچانے میں محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وہ قصہ تمیم داری والا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا کہ وحی کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ کی تصدیق کی اور حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ اس خیال پر دلالت کر سکے پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے جس قدر تصدیق اس قصہ کی پائی جاتی تھی وہ تصدیق وحی کی رو سے ہرگز نہیں۔ بلکہ محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ تمیم داری اس قصہ کے بیان کرنے کے

وقت سلمان ہو چکا تھا اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب و هذا الخیر ما اردنا فی هذا الباب والحمد لله اولاً و آخراً والیہ المرجع والمآب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

گزارش ضروری بنجہر میں صابجوں کے جو بیعت کیلئے مستعد ہیں

اے اخوان مومنین! ایدکم اللہ بروح منہ۔ آپ سب صابجوں پر جو اس عاجز و خالصاً لطلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں و اناج ہو کہ بالحقائے رب کریم و جلیل رحیم کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع و اقسام کے اختلافات اور غل اور حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بغض سے جس نے ان کو بے برکت و تکوا و کمزور کر دیا ہے نجات دے کر فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا مصداق بنا دے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد و منافع بیعت کے جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب صابجوں کے اسماء مبارکہ ایک کتاب میں

تاریخ ہذا سے جو ہر مارچ ۱۸۸۹ء ہے ۲۵ مارچ تک یہ عاجز نو دیہان محلہ جدید میں مقیم ہے اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہے تو نو دیہان میں ۲۰ تاریخ کے بعد آجائیں اور اگر اس بلکہ آنا موجب حج و وقت ہو تو ۲۵ مارچ کے بعد جس وقت کوئی چاہے قاریان میں بعد اطلاع دی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہو جاوے۔ مگر جس مدعا کے لئے بیعت ہے یعنی حقیقی تقویٰ اختیار کرنا اور سچا مسلمان بننے کیلئے کوشش کرنا۔ اس مدعا کو خوب یاد رکھے۔ اور اس دہم میں لیں پڑنا چاہیے کہ اگر تقویٰ پورا مسلمان بننا پہلے ہی سے شرط ہے تو بعد اس کے بیعت کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیعت اس غرض سے ہے کہ تا وہ تقویٰ کی جو اول حالت میں تکلف اور تصنع سے اختیار کی جاتی ہے دوسرا رنگ پکڑے اور برکت توحید صادقین و جذہ کا ملین طبیعت میں داخل ہو جائے اور اس کا جز بن جائے

بقید ولایت و سکونت مستقل و عارضی طور سے کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پائیں اور پھر جب وہ اسماء مستحجرہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپو اگر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک محتدبہ برگردہ ہو جاوے تو ایسا ہی ان کے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبایعین یعنی داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے جب تک ارادہ الہی اپنے اندازہ مقدار تک پہنچ جائے۔ یہ انتظام جس کے ذریعہ سے راستبازوں کا گردہ کثیر ایک ہی سلک میں منسلک ہو کر وحدت مجموعی کے پیرایہ میں خسلق اللہ پر جلوہ نما ہو گا اور اپنی سچائی کے مختلف الخرج شعاعوں کو ایک ہی خط امت میں ظاہر کرے گا۔ خداوند عز و جل کو بہت پسند آیا ہے۔ مگر چونکہ یہ کارروائی بجز اس کے بآسانی و صحت انجام پذیر نہیں ہو سکتی کہ خود مبایعین اپنے ہاتھ سے نو خط قلم سے لکھ کر اپنا تمام پتہ و نشان تفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں۔ اس لئے ہر ایک صاحب کو جو صدق دل اور خلوص تام سے بیعت کرنے کے لئے

اور وہ مشکوٰۃ نور دل میں پیدا ہو جاوے کہ جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید برسی پیدا ہو تا ہے جس کو متصفین دوسرے لفظوں میں روح قدس بھی کہتے ہیں جس کے پیدا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کی نافرمانی ایسی بالطبع بری معلوم ہوتی ہے جیسی وہ خود خدا تعالیٰ کی نظر میں بری و لکھ مکروہ ہے اور نہ صرف نطق اللہ سے انقطاع میسر آتا ہے بلکہ بجز خالق و مالک حقیقی ہر ایک موجود کو کا لعدم سمجھ کر فناء نظری کا درجہ حاصل ہو تا ہے سو اس نور کے پیدا ہونے کے لئے ابتدائی اتفاق کا طالب صادق اپنے ساتھ لاتا ہے شرط ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ملت غائی بیان کرنے میں فرمایا ہے ھدی للمتقین یہ نہیں فرمایا کہ ھدی للفا سقین یا ھدی للکافرین ابتدائی تقویٰ جس کے حصول سے متقی کا فضا انسا پر صادق آ سکتا ہے۔ وہ ایک فطرتی حصہ ہے کہ جو سیدوں کی خلقت میں رکھا گیا ہے اور ربوبیت اولیٰ اس کی مربی اور وجود بخش ہے جس سے متقی کا

مستعد ہیں تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ بتدریج خاص اپنے پورے پورے نام و ولایت و سکونت
مستقل و عارضی سے اطلاق بخشیں یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرادیں۔
اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کا مرتب و شائع ہونا جس میں تمام بیعت کرنے والوں کے نام و
دیگر پتہ و نشان درج ہو انشاء اللہ القدر بہت سی خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ از مجموعہ
ایک بڑی عظیم الشان بات یہ ہے کہ اس ذریعے سے بیعت کرنے والوں کا بہت جلد باہم تعارف
ہو جائے گا اور باہم خط و کتابت کرنے اور افادہ و استفادہ کے وسائل نکل آئیں گے اور غائبانہ
ایک دوسرے کو دعائے خیر یاد کریں گے۔ اور نیز اس باہمی شناسائی کی رو سے ہر ایک
محل و موقع پر ایک دوسرے کی ہمدردی کر سکیں گے۔ اور ایک دوسرے کی غمخواری میں بان بانی
و دوستانہ صادق کی طرح مشغول ہو جائیں گے اور ہر ایک کو ان میں سے اپنے ہم اراد
لوگوں کے ناموں پر اطلاع پانے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے روحانی بھائی دنیا میں
کس قدر پھیلے ہوئے ہیں اور کن کن خدا داد فضائل سے متصف ہیں۔ سو یہ علم اُن پر ظاہر
کرے گا کہ خدا تعالیٰ نے کس خارق عادت طور پر اس جماعت کو تیار کیا ہے اور کس
سرعت اور جلدی سے دنیا میں پھیلا یا ہے۔ اور اس بلکہ اس وصیت کا لکھنا بھی موزون معلوم
ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے بھائی سے بکمال ہمدردی و محبت پیش آوے اور حقیقی بھائیوں
سے بڑھ کر اُن کا قدر کرے۔ اُن سے جلد صلح کر لیوے اور دلی غبار کو دور کر دیوے اور
صاف باطن ہو جاوے اور ہرگز ایک ذرا کینہ اور بغض اُن سے نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی محمدؐ

پسلا تو دل ہے مگر وہ اندرونی نور و روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے وہ عبودیت خالصہ تامہ اور ربوبیت
کاملہ مستجمعہ کے پورے جوڑ و اتصال سے بطرز شم انشانہ خلقاً آخر کے پیدا ہوتا ہے اور یہ
ربوبیت ثانیہ ہے جس سے متقی تولد ثانی پاتا ہے اور ملکوتی مقام پر پہنچتا ہے اور اس کے بعد
ربوبیت ثالثہ کا درجہ ہے جو موصوفہ خدیدہ سے موسوم ہے جس سے متقی لاہوتی مقام پر پہنچتا
ہے اور تولد ثالث پاتا ہے۔ فتدبر منہ

ان شرائط کی خلاف ورزی کرے جو اشتہار ۱۲ جنوری ۱۸۵۹ء میں مندرج ہیں اور اپنی بے باکانہ حرکات سے باز نہ آوے تو وہ اس سلسلہ سے خارج شمار کیا جاویگا۔ یہ سلسلہ بیعت محض بملفوظِ اہم ہی طائفہ متقیین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کیلئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے۔ اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور نجیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ ان نا لائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و اتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور اپنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ ہوش نہیں۔ بلکہ وہ ایسے قوم کے مصلح ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح

اس جماعت کے نیک اثر سے جیسے عامہ خلایق منتفع ہوں گی۔ ایسا ہی اس پاک باطنی جماعت کے وجود سے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے انواع و اقسام کے فوائد منظور ہوں گے جن سے اس گورنمنٹ کو خداوند عز و جل کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ از انجملہ ایک یہ کہ یہ لوگ سچے ہوش اور دلی خلوص سے اس گورنمنٹ کے خیر خواہ اور دعا گو ہوں گے کیونکہ بموجب تعلیم اسلام جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے حقوقِ عباد کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات اور خبیث اور ظلم اور ظیور راہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ باطن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی حمایت سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں بار آور و کوشش کر سکے اسی کا بدخواہ و بداندیش ہو۔ بلا جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکر گزار نہ ہو تب تک خدا تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں۔ پھر دوسرے فائدہ اس بابرکت گروہ کی ترقی سے گورنمنٹ کو یہ ہے کہ ان کا کلی طریق موجب اسلوبِ جرائم ہے۔ فتفکروا و تا منوا د منہ

فدا ہونے کو طیار ہوں اور تمام ترکوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک محل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناپسیندگی کو جو کوئی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے۔ اور اُس قدوس عظیم الذات مجھے جو شش بخشا ہے تاکہ میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور اُن کی آلودگی کے ازالہ کے لئے رات دن کوشش کرتا رہوں اور اُن کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور باطبع خدا تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور اُن کے لئے وہ روح قدس طلب کرول جو ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے بوڑھے پیدا ہوتی ہے اور روح غیبیہ کی تکفیر سے اُن کی نجات چاہوں کہ جو نفس امارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے۔ سو میں توفیقہ تعالیٰ کا ہل بولرست نہیں رہونگا اور اپنے دوستوں کی مصلحت طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں دخل ہونا بصدق قدم اختیار کر لیا ہے غافل نہیں ہوں گا۔ بلکہ اُن کی زندگی کے لئے موت تک دینے نہیں کرول گا اور اُن کے لئے خدا تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادہ کی طرح اُن کے تمام وجود میں دوڑ جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اُن کے لئے کہ جو داخل سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیائیں محبت الہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن و صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلاوے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہوگا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زلیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشنے لگا۔ وہ جیسا کہ اُنہوں نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے

اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا وہ خود اس کی
آپہاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ اُن کی کثرت اور برکت نظر میں
عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں
طرف اپنی روشنی کو پھیلائے گا اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے
وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر ایک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ
دے گا اور ہمیشہ قیامت تک اُن میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت
اور نصرت دی جائے گی۔ اس رب جلیل نے ہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے
ہر ایک طاقت اور قدرت اُسی کو ہے۔ فالحمد لله اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اسلمنا
لہ ہو مولانا فی الدنیا والاخر نعم المولی ونعم النصیر

خ

غلام احمد - لودھیانہ - محلہ جدید متصل مکان اخئی مکرئی منشی حاجی احمد جان صاحب موم منو

۴- پانچ ۱۸۸۹ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی

تکمیل تبلیغ

مضمون تبلیغ جو اس مجلس نے اُمتِ پاک و ممبر ۱۸۸۸ء میں شائع کیا ہے جس میں بیعت کے لئے
حق کے طالبوں کو بلایا ہے اس کی کجی شراٹ کی تشریح یہ ہے۔ اول بیعت کنندہ پہلے
دل سے حمد اس بات کا کر لے کہ آئندہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے
مجتنب رہے دوم یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم اور خیانت

اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی ہوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ سووم یہ کہ بلاناغہ بنجو قہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تہریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔ چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی ہوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ پنجم یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور غم اور غم اور نصرت اور نصرت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری رکھے گا اور بھلائی راضی بقضاء ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں طیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔ ششم یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو سبکی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔ ہفتم یہ کہ تکبر اور نخوت کو بھگی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔ ہشتم یہ کہ دینوں کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔ نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض اللہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خدا داد طاقتوں اور نعمتوں سے ہنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔ وہم یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض اللہ باقرار طاعت و معروف باندھ کر اس پر تاق و مرگ قائم ہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلیقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں کہ جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں جن کی تفصیل حکم و مہم ہے

کے اشرہ میں نہیں لکھی گئی۔ اور الہامات جو اس بارہ میں آج تک ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۵۵۹
اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَاصْنَعِ الْفَلَكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا الَّذِي يَبْيِضُ وَنُفُوسَ
انمائیابیعون اللہ ید اللہ فوق اید یہم یعنی جب تو نے اس خدمت کے لئے قصد
کر لیا تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر اور یہ کشتی ہماری آنکھوں کے رو بہ اور ہماری وحی سے بنا۔
جو لوگ تجھ سے بیعت کریں گے وہ تجھ سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کریں گے۔ خدا کا ہاتھ ہوگا
جو ان کے ہاتھوں پر ہوگا۔ پھر ان دنوں کے بعد جب لوگ سچ موعود کے دعویٰ سے سخت اجلاء
میں پڑ گئے یہ الہامات ہوئے۔ الذین تابوا واصلحوا اولئک اتوب علیہم وانا التواب
الرحیم۔ اُم یسرنا لہم المہدیٰ و اُم حق علیہم العذاب و یمکرون و یمکر اللہ
واللہ خیر الماکرین و لکید اللہ اکبر و ان یتخذ و نک الاھن و اھذ الذی
بعث اللہ قل ایہا الکفار انی من الصادقین فانتظروا لیاتی حتیٰ حین سنریہم
الیتنائی الافاق۔ و فی انفسہم حجتہ قائمۃ و فتح مبین۔ ان اللہ یفصل بینکم ان
اللہ لا یمہدی من ہو مسرف کذاب۔ یریدون ان یطغیوا نور اللہ بانواھم
واللہ متم نورہم ولو کفرہ الکفر۔ و نرید ان ننزل علیک اسراراً من السماء
و نمزق الاعداء کل ممزق و نری فرعون و ہامان و جنودھما ما کانوا یحذرون
سلطانا کلابا علیک و غیظنا سباعاً من قولک و فتناک فتونا فلا تحزن علی
الذی قالوا ان ربک لبالمرصاد۔ حکم اللہ الرحمن لخلیفۃ اللہ السلطان یوقی
لہ الملک العظیم و یفتح علی یدہ الخزائن و تشرق الارض بنور ربھا خالک
فضل اللہ و فی اعینکم عجیب ۵۶۰ یعنی جو لوگ توبہ کریں گے اور اپنی حالت کو درست
کریں گے تب میں بھی ان کی طرف رجوع کروں گا اور میں تو اب اور رحیم ہوں۔ بعض
گر وہ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے ہدایت کو آسان کر دیا اور بعض وہ ہیں جن پر عذاب ثابت
ہوا۔ وہ مکر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی مکر کر رہا ہے اور وہ خیر الما کرین ہے اور اس کا

مکہ بہت بڑا ہے۔ اور تجھے ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔ کیا یہی ہے جو مبعوث ہو کر آیا ہے
ان کو کہہ دے کہ اے منکر و ایمیں صادقوں میں سے ہوں۔ اور کچھ عرصے کے بعد تم میرے
نشان دیکھو گے۔ ہم انہیں کے ارد گرد اور خود انہیں میں اپنے نشان دکھائیں گے۔
حجت قائم کی جائے گی اور فسخ کھلی کھلی ہوگی۔ خدا تم میں فیصلہ کر دے گا۔ وہ کسی جھوٹے
حد سے بڑھنے والے کار ہنما نہیں ہوتا۔ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں
مگر خدا اسے پورا کرے گا اگرچہ منکر لوگ کہتا ہست ہی کریں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ کچھ
اسرار تیرے پر آسمان سے نازل کریں اور دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اور
فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر وں کو وہ باتیں دکھا دیں جن سے وہ ڈرتے ہیں۔
ہم نے کتوں کو تیرے پر مسلط کیا۔ اور درندوں کو تیر سی بات سے غصہ دلایا۔ اور سخت
آزائش میں تجھے ڈال دیا۔ سو تو اُن کی باتوں سے کچھ غم نہ کر۔ تیرا رب گھات میں ہے
وہ خدا جو رحمن ہے وہ اپنے خلیفہ سلطان کے لئے مندرجہ ذیل حکم صادر کرتا ہے
کہ اس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور خزانوں علوم و معارف اس کے ہاتھ پر کھولے
جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے

اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔ اس جگہ بادشاہت سے مراد دنیا

کی بادشاہت نہیں اور نہ خلافت سے مراد دنیا کی

خلافت۔ بلکہ جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے

ملک کی بادشاہت اور معارف الہی کے

خزانے ہیں جنکو بفضلہ تعالیٰ ہر قدر

دیکھا کہ لوگ لیتے لیتے

تھک جاتیں گے

اکیس جولائی ۱۸۹۱ء کا بمقام لودھیانہ جشن

اور

حضرت مولوی ابوسعید محمد بن صاحب بٹالوی کا افتتاحیہ خطاب

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا اشتہار مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میری نظر سے گذرا۔ جس کے دیکھنے سے مجھے سخت تعجب ہوا کہ مولوی صاحب نے کیسی بے باکی سے اپنے اس اشتہار کو سراسر افتراء اور اکاذیب سے بھر دیا ہے۔ وہ نہایت چالاک سے شرانگہ فحش کا الزام میرے ذمہ لگاتے ہیں لیکن اصل حقیقت جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ ہے کہ وہ ایک دن بھی شرانگہ مقررہ پر قائم نہیں رہ سکے۔ چنانچہ وہ اکثر برخلاف شرط قرار یافتہ کے اول مضمون مباحثہ اپنے ساتھ لکھ کر پھر دوسرے سے لکھوا کر اور جا بجا کمیشن کر کے تحریہ ثانی کو دیتے رہے ہیں اور اگر ان کی اہل تحریر اور ثانی کا مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ تحریہ ثانی میں بہت کچھ تصرف ہے جو طریق دیانت اور امانت سے بالکل بعید تھا۔ یہ ان کی پہلی عہد شکنی ہے جو اخیر تک ان سے ظہور میں آئی گئی۔ پھر دوسری عہد شکنی یہ کہ انہوں نے پہلے ہی سے یہ عادت ٹھہرائی کہ سنانے کے وقت تحریر سے تجاوز کر کے بہت کچھ وعظ کے طور پر صرف زبانی کہتے رہے جس کا کوئی نام و نشان تحریر میں نہیں تھا۔ جب انہوں نے اپنی وہ تحریر جو ۷ صفحہ کی تھی سنانی تو کئی شرطوں کو توڑ کر زبانی وعظ شروع کر دیا۔ اور ان زبانی کلمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میں حدیثوں کے تعارض کو ایک نام میں رفع کر سکتا ہوں۔ ابھی رفع کر سکتا ہوں اور ساتھ اس کے بہت سی تیسری اور خلاف تہذیب اور چالاک کی باتیں تھیں جن میں بار بار یہ جتلا نا انہیں منظور تھا کہ یہ شخص نافرمان ہے۔ نادان ہے۔ جاہل ہے۔ لیکن اس عاجز نے ان کی ان تمام دل آزار باتوں پر صبر کیا اور ان کی

اس عہد شکنی پر بھی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تاگرہز اور التوا و بحث کے لئے انکو کوئی حیلہ
 ہاتھ نہ آجاوے۔ وہ قسم کھا کر بیان کریں میں قبول کر لوں گا کہ کیا اُن کی اس عہد شکنی سے
 پہلے کوئی ایک ذرہ خلاف عہد بات مجھ سے بھی ظہور میں آئی۔ اور اگر مجھے خوب معلوم تھا کہ
 ایک ٹیسرے ضروری بحث طول پکڑتی جاتی ہے اور باوجودیکہ امور متفسرہ کا جواب شافی کافی
 دیا گیا ہے پھر بھی مولوی صاحب صرف اصل بحث کو ٹلنے کی غرض سے تمبیدی امور کی بے حدود
 دُم کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہی رہا کہ اگر میں نے کچھ بھی بات کی تو
 اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مولوی صاحب ایک بہانہ تراش کر اپنے گھر کی طرف سدھاریں گے
 حاضرین مجلس جو میرے اور مولوی صاحب کے مباحثات کو دیکھتے رہے محض شد شہادت
 دے سکتے ہیں کہ میں نے اُن کی سخت زبانی مولوی جو میرے بالمواہد اُن سے ظہور میں آتی
 رہیں بہت صبر کیا اور ہر ایک وقت جو انہوں نے میسا نام جاہل یا نادان رکھا تو میں نے اپنے
 دل کو سمجھایا کہ سچ تو ہے مجسز خداوند عظیم مطلق کے کون ہے جو دانا کلا سکتا ہے اور اگر انہوں
 نے مجھے مفتری کہا تو میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ پہلے بھی خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو
 یہی کہا گیا ہے۔ اور اگر انہوں نے مجھے کاذب کاذب کر کے پکارا تو دل پر قرآن کریم کی آیتیں
 عرض کیں کہ دیکھ پہلے راست باز بھی کاذب کاذب کر کے پکارے گئے ہیں۔ غرض اسی طرح میں
 نے صبر سے گیاراں روز گزارے اور شہر میں اُن کی بد زبانی کا شور مچا دیا اور جس روز انہوں
 نے چھترہ صفر کا جواب سُنا یا اور بہت کچھ بد زبانی اور چالاک کی باتیں خارج از تحریر
 بیان کیں تو اُس وقت میں نے ایک مجمع کثیر کمر و جہد میں اُن کے خاص دوست مولوی
 محمد حسن صاحب رئیس لودھیانہ بھی تھے انہیں کہہ دیا کہ آج پھر آپ نے عہد شکنی کی اور
 خارج از تحریر بد زبانی و عطا کرنا شروع کر دیا۔ اب مجھے بھی حق حاصل ہے کہ میں بھی اپنے مضمون
 سُنانے کے وقت کچھ بد زبانی و عطا بھی کروں۔ لیکن باوجودیکہ مجھے یہ حق حاصل ہو گیا تھا پھر بھی
 میں نے جواب سُنانے کے وقت اس حق سے بھر ایک دو کلمہ کے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا

اسپر جولائی ۱۸۹۱ء کو جب میں جواب سنانے کے لئے گیا تو جاتے ہی مولوی محمد حسین صاحب کے طور بدلے ہوئے نظر آئے۔ اُن کی ہر ایک بات میں کچی معلوم ہوتی تھی اور بد اخلاقی کا کچھ انتہاء نہ تھا۔ جب میں مضمون حاضرین کے روبرو پڑھنے لگا تو انہوں نے دخل بے جا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خواہ مخواہ فضولی کے طور پر بول اُٹھے کہ تم نے کسی کتاب کا نام غلط پڑھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس عاجزانے کوئی نام غلط نہیں پڑھا تھا۔ مولوی صاحب کو صرف اپنی شیخی اور علمیت ظاہر کرنا منظور تھا جس کے جوش میں اگر انہوں نے ترک گفت گویا بانی کا حمار کٹی بار توڑا۔ اور جیسے پل ٹوٹنے سے پانی زور سے بہ نکلتا ہے ایسا ہی اُن کا صبر ٹوٹ کر نفسانی جذبات کا سیلاب جاری ہوا۔ ہر چند کہا گیا کہ حضرت مولوی صاحب آپ سے یہ شرط ہے کہ آپ میسری تقریر کے وقت خاموش رہیں جیسا میں خاموش رہا۔ لیکن انہوں نے صبر نہ کیا کیونکہ سچائی کے رعب سے اُن پر حق پوشی کے لئے ایک قلق طاری ہو رہا تھا۔ آخر دیکھتے دیکھتے اُن کی حالت خوفناک ہو گئی۔ مگر شکرِ خدا کہ اس عرصہ میں تمام مضمون سنایا گیا۔ اور اسخبری مضمون یہ تھا کہ اب یہ تمہیدی بحث ختم کی گئی کیونکہ امور مستفسرہ کا یہ بسط تمام جواب ہو چکا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر مولوی صاحب کے دل میں اور بھی خیالات باقی ہیں تو بذریعہ اپنے رسالہ کے شائع کریں۔ اس تمہیدی بحث کے ختم کرنے کی وجہ یہی تھی کہ فریقین کے بیانات نہایت طول تک بلکہ دس جزو تک پہنچ چکے تھے اور برابر بارانِ دل اس ادنیٰ اور تمہیدی مباحث میں خسچ ہوئے تھے۔ اور اس تمام بحث میں مولوی صاحب کا صرف ایک ہی سوال بار بار تھا کہ کتاب اللہ اور حدیث کو ملانے ہو یا نہیں جیس کا کئی دفعہ مولوی صاحب کو کھول کھول کر جواب دیا گیا کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو بشرط مانتا ہوں اور مکرر استفسار پر اصل منشاء ظاہر کر دیا گیا کہ حدیث کا وہ حصہ جو اخبار اور مواعید اور قصص اور واقعات گزشتہ سے متعلق ہے اس شرط سے قبول کیا جائے گا کہ قرآن کریم کے

اخبار وغیرہ سے محارض نہ ہو۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب بار بار اپنے پرچہ میں یہی لکھتے رہے کہ ابھی میسر جواب نہیں آیا۔ ابھی جواب نہیں آیا۔ حالانکہ اُن کا حق صرف اتنا تھا کہ میرا مذہب دریافت کریں۔ اور جب میں اپنا مذہب بیان کر چکا تو پھر اُن کا ہرگز استحقاق نہ تھا کہ ناحق وہی بات بار بار پوچھیں جس کا میں پہلے جواب دے چکا ہوں اور اس طرف لوگ بہت تنگ آگئے تھے اور بعض لوگ جو دُور سے اصل بحث سننے کے لئے آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ بار بار دن تک اصل بحث کا نام و نشان ظاہر نہیں ہوا تو وہ نہایت دل شکستہ ہو گئے تھے کہ ہم نے یونہی دن ضائع کئے لہذا بطبق حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یغنیہ سخت لاپچار ہو کر اس فضول بحث کو بند کرنا پڑا۔ اگرچہ مولوی صاحب کسی طرح نہیں چلاہٹتے تھے کہ اصل بحث کی طرف آویں اور اس فضول بحث کو ختم کریں بلکہ دُراتے تھے کہ ابھی تو میرے اصول موضوعہ اور بھی ہیں جن کو میں بعد اس کے معرض بحث میں ڈالوں گا۔ اور لوگ جلتے تھے کہ خدا آپ کے اصول موضوعہ کا ستیاناس کرے آپ کیوں اصل بحث کی طرف نہیں آتے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب کی یہ شکایت کس قدر ہیچ ہے کہ مجھے جواب لکھنے کے لئے اپنا مضمون نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ عاجز حسب رائے عام یہ بحث تمہیدی ختم کر چکا تھا تو پھر مولوی صاحب کو تحریری جواب کا کیوں موقعہ دیا جاتا۔ اگر وہ جواب تحریر کرتے تو پھر میری طرف سے بھی جواب الجواب چاہیئے تھا۔ اس صورت میں یہ تسلسل کب اور کیوں نہ ختم ہو سکتا تھا میں نے وقت اس تمہیدی بحث کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ بار بار دن ضائع کر کے اور مضمون بحث کو دس جزو تک پہنچا کر اور اکثر لوگوں کا دایلا اور شکایت سنکر بدرجہ ناچاری ہباحثہ کو ختم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اب اصل بحث شروع کریں میں حاضر ہوں۔ لیکن وہ اصل بحث سے تو ایسا ڈرتے تھے جیسا کہ ایک پیکر شیر سے۔ اور چونکہ پہلا سوال مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے تھا اس لئے میرا یہ حق بھی تھا کہ میرے جواب پر ہی بحث ختم ہوتی ناچھ پرچے

میرے بھی ہو جاتے۔ چونکہ مولوی صاحب کی نیت ٹریک نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس بحث کا خاتمہ سنکر جس قدر جوش دکھلایا اور جس قدر خشونت و حشیانہ ظاہر کی اور جس قدر غلاف تہذیب کلمات اس جوش کی حالت میں اُن کے مُنہ سے نکلے وہ اُن سب پُرلہر ہیں جو اُس وقت حاضر تھے۔ انہوں نے ایک یہ بھی چالاکी اختیار کی کہ اپنی جماعت کے لوگوں کے نام بطور گواہوں کے اپنے اشتہار پر لکھ دئے تاکہ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ وہ فی الحقیقت سچے ہیں۔ تبھی تو اتنے گواہ اُن کے بیان کے مصدق ہیں۔ لیکن یہ کس قدر بددیانتی ہے کہ اپنی ہی جماعت کو جو اپنے حامی اور انصار اور ایک ہی مدعا میں شریک ہوں بطور گواہوں کے پیش کیا جائے۔ آخر اس جلسہ میں ثالث آدمی بھی تو موجود تھے جن کو فریقین سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ جیسے حضرت خواجہ احسن شاہ صاحب آئمری محسٹریٹ و رئیس اعظم لودھیانہ جو اس شہر کے ایک نامی محسز اور منتخب رئیس اور صادق اور راستباز آدمی ہیں۔ اور ایسا ہی منشی میراں بخش صاحب اکوٹنٹ جو ایک معزز عمدہ دار اور متانت شعار اور اپنے عمدہ اور تنخواہ کے رُو سے اکثر اسسٹنٹوں کے ہم رتبہ ہیں۔ ایسا ہی حاجی شہزادہ عبدالحی خان صاحب ڈاکٹر مصطفیٰ علی صاحب خواجہ محمد مختار شاہ صاحب رئیس اعظم لودھیانہ۔ خواجہ عبدالقادر شاہ صاحب۔ مارٹر جراح الدین صاحب۔ منشی محمد قاسم صاحب۔ مارٹر قادر بخش صاحب۔ میاں شیر محمد خاں صاحب۔ تھجر والہ اور کٹی اور بھی محسز موجود تھے۔ ان تمام معزز رئیسوں اور عمدہ داروں اور بزرگوں کو کیوں گواہی سے باہر رکھا گیا اور کیوں اُن کی شہادتیں درج نہ ہوئیں۔ حالانکہ فقط جناب خواجہ احسن شاہ صاحب رئیس اعظم کی گواہی ہزار عوام الناس کی گواہی کے برابر تھی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ ان بزرگوں کے بیان سے اصل حقیقت کھلتی تھی۔ افسوس کہ مولوی محمد حسین صاحب نے علاوہ ان کا ذہب کے جو بحث کے متعلق بیان کئے ایک بازاری جھوٹ جو بحث سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا نا حق اپنے اشتہار میں لکھ دیا۔ چنانچہ وہ اس عاجز کی نسبت اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ مجلس

اُٹھ کھڑے ہوئے اور گاڑی میں کہ جو چوکی دروازہ پر کھڑی تھی ایسے جلدی ہوا ہو کر بھاگے کہ آپ کے ہمراہی چلتی گاڑی پر دوڑ کر سوار ہوئے۔ اس اشتراک میں کیا جواب دوں۔

بجز اس کے کہ علی الکلاہین کہوں یا آپ ہی کا قول مندرجہ اشتہار آپ کی خدمت میں آپس میں کہ جسوٹے پر اگر سوار رخصت نہیں تو پانچ سو سی۔ حضرت وہ گاڑی منشی میراں بخش صاحب اکونٹ کی تھی جو دروازے پر کھڑی تھی اور وہ خود جلسہ بحث میں تشریف رکھتے تھے اور وہی اس پر سوار ہو کر آئے تھے۔ تمام بازاری اس بات کے گواہ ہیں۔ منشی صاحب موصوف سے دریافت کیجئے کہ برخاست جلسہ بحث کے وقت اس پر کون سوار ہوا تھا اور کہا میں اپنے مکان تک آہستہ چال سے پیادہ آیا تھا یا اُس گاڑی پر ایک قدم بھی رکھا تھا۔ میرے ساتھ اُس وقت شاید قریب تیس آدمی کے ہوں گے جو سب پیادہ آئے تھے اور جب ہم اپنے مکان کے قریب پہنچ گئے تو منشی میراں بخش صاحب گاڑی پر سوار اپنے اور غدر کیا کہ میں سوار آیا اور آپ پیادہ آئے۔ اس قدر اشتراک کیا اندھیر کی بات ہے کیا جھوٹ مولو لوں کے ہی حصہ میں آگیا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آپ کی عہد شکنی نہایت قابلِ غصہ ہے۔

آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ آپ سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ زبانی گفتگو ایک کلمہ تک نہ ہو جو کچھ ہو بذریعہ تحریر ہو۔ جیسا کہ آپ نے اپنے اشتہار میں بھی لکھ دیا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے عہد اس شرط کو توڑ دیا اور جب آپ توڑ چکے اور عہد شکنی کے طور پر مضمون لکھانے کے محل میں زبانی وعظ بھی کر چکے تب میں نے آپ کو کہا کہ اب زبانی وعظ کرنا میرا بھی حق ہوگا۔ پس اگر میں نے مضمون لکھانے کے وقت میں چند کلمے زبانی بھی کہے تو کیا یہ عہد شکنی تھی یا آپ کی عہد شکنی کا عوض معاوضہ تھا جس کی نسبت میں وعدہ کر چکا تھا۔ حضرت مولوی محمد حسن صاحب جو رئیس اور آپ کے دوست ہیں جن کے مکان پر آپ نے یہ عہد شکنی کی تھی اگر قسم کھا کر میرے روبرو میرے اس بیان کا انکار کریں تو پھر میں اس الزام سے دست بردار ہو جاؤں گا ورنہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ بلاشبہ جرم عہد شکنی کے کئی دفعہ

۷۶

۷۷

مرتکب ہوئے اور سخت سے بھرا ہوا جوش آپ کو اس جرم کا مرتکب بنانا تار بہ آخری روز میں بھی آپ سے یہی حرکت صادر ہوئی اور وحشیانہ غیظ و غضب اس کے علاوہ ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ سے حکم آیتہ کریمہ اعراض یحییٰ اعراض لازم آیا۔ اور آپ کو نقل جواب نہ دی گئی۔ حضرت آپ کے لفظ لفظ میں سخت اور تکبر بھرا ہوا ہے اور فقرہ فقرہ سے انا خیر منہ کی بددعا آ رہی ہے۔ بھلا ایک کتاب کے نام کی غلطی کا الزام دینا کیا یہی تہذیب تھی۔ اور وہ بھی سفہ طبع ملاؤں کی طرح سراسر دروغ۔ اگر میں چاہتا تو آپ کی صرف نحو بھی اسی وقت لوگوں کو دکھلا دیتا۔ لیکن یہ کیسنگی کی خصلت مجھ سے صادر نہیں ہو سکتی تھی۔ میں دیکھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ اپنے اس تعصب اور پست خیالی سے تائب نہیں ہوں گے تو خدا تعالیٰ جیسا کہ قریم سے اس کی سنت ہے آپ کے علم کی بھی پردہ دری کرے گا اور آپ کو آپ کا اصلی چہرہ دکھلا دے گا۔ جس وقت آپ اس عاجز کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص بے علم اور نادان اور جاہل اور مفتری ہے تو آپ کا ایسی چالاکیوں سے صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ تا لوگوں کے ذہن نشین کریں کہ میں بڑا عالم اور دانا اور صاحب علم اور معرفت اور نیز صادق آدمی ہوں۔ لیکن اپنے منہ سے کوئی مرتبہ انسان کو نہیں مل سکتا جب تک آسمانی نور اس کے ساتھ نہ ہو۔ اور جس علم کے ساتھ آسمانی نور نہیں وہ علم ہمیں وہ جمل ہے۔ وہ روشنی نہیں وہ ظلمت ہے۔ وہ مخمّر نہیں وہ استخوان ہے۔ ہمارا دین آسمان سے آیا ہے اور وہی اسکو سمجھتا ہے جو وہ بھی آسمان سے ہی آیا ہو۔ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا **لَا یَسْمَعُ إِلَّا الْمُطہَّرُونَ** میں قبول نہیں کروں گا اور ہرگز نہیں مانوں گا کہ آسمانی علوم اور ان کے اندرونی بھید اور ان کے تہ درتہ چھپے ہوئے اسرار زمینی لوگوں کو خود بخود آ سکتے ہیں۔ زمینی لوگ دابۃ الارض ہیں سچ السماء نہیں ہیں۔ **سِیح السماء** آسمان سے اترتا ہے اور اس کا خیال آسمان کو مسح کر کے آتا ہے اور روح القدس اس پر نازل ہوتا ہے اس لئے وہ آسمانی روشنی ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن دابۃ الارض کے ساتھ زمین کی غلاظتیں ہوتی ہیں اور نیز وہ انسان کی پوری شکل نہیں رکھتا۔

بلکہ اُس کے بعض اجزاء مسخ شدہ بھی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ دین کے حقیقی علم سے بے خبر ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ہر ایک حکمت کو توڑ دے گا اور آپ کا چہرہ آپ کو دکھلا دے گا۔ افسوس کہ آپ کی کچی باتیں آپ کو شرمندہ نہیں کرتیں۔ اور باوجود سخت لاجواب ہو جانیکے پھر بھی علم حدیث کا دعویٰ چلا جاتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ الدجال سے مراد خاص مسیح الدجال نہیں۔ بلکہ دوسرے دجالوں کی نسبت بھی صحیح میں الدجال بولا گیا ہے۔ لیکن جب آپ کو کہا گیا کہ یہ میرا آپ کی غلطی ہے آپ کو حدیث رسول اللہ کا حقیقی علم نصیب نہیں۔ اگر آپ بجز دجال معمود کے کسی اور کی نسبت یہ لفظ صحیح بستہ میں اطلاق پاتا ثابت کر دیں تو آپ کو پانچ روپے بطور تاوان ملیں گے تو آپ ایسے چُپ ہوئے کہ کوئی جواب آپ سے بن نہ پڑا۔ یہ غرور اور تکبر کی سزلہ ہے کیا بے علمی اسی کا نام ہے یا کسی اور چیز کا۔ کہ آپ نے الدجال کے متعلق حدیث رسول اللہ کے اُلٹے معنی کئے اور محض افتراء کے طور پر کچھ کا کچھ گھڑ کے سنادیا یہی حدیث الٰہی ہے؟ پھر آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ میں معین کی حدیثوں کا تعارض دُور کر سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں آپ کو کہا گیا کہ اگر آپ قبول کریں تو چند منصف مقرر کر کے چند متعارض حدیثیں آپ کے سامنے بغرض تطبیق و توفیق پیش کی جائیں گی۔ اگر آپ اپنی علمی لیاقت سے تعارض دُور کر کے دکھلا دیں گے تو پچیس روپے آپ کو انعام ملیں گے اور آپ کی علویت مسلم ٹھہرائیگی اور اگر آپ چُپ رہیں تو آپ کی بے علمی ثابت ہوگی۔ لیکن آپ چپ رہے۔ سو میں مکرر کہتا ہوں کہ ہر چند ج مرکب کی وجہ سے آپ کو دعویٰ علم دین بہت ہے مگر آپ خوب یاد رکھیں کہ جب تک ان تمام آزمائشوں میں آپ صادق نہ نکلیں تب تک یہ دعویٰ بے اہل و بے دلیل ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ ان آزمائشوں میں ہرگز آپ عزت کے ساتھ اپنا انجام نہیں دیکھیں گے۔ یہ سزا اس کبر کی ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک حکمت کو تباہ کرے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُجِيبُ كَلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ اور آپ کا وہ جوش جس کی وجہ سے شرعی طور پر

آپ نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دے دی۔ ہر ایک داناکے نظر میں قابل ہنسی ہی کیونکہ آپ کو تلویح کی عبارت کا ایک حصہ سنا دیا گیا تھا جس کے حوالہ سے وہ حدیث بیان کی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ صاحب تلویح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث علی القرآن کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ عند پیش کرنا کہ نسخجات موجود بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں۔ سراسر ناہنجی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے عدم سے کئی عدم شائع نہیں آتا۔ جس حالت میں ایک سرگرم مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخجات بخاری کے قلمی وغیرہ قلمی آپ کو دیکھ چکے ہیں پھر کس قدر فضولی ہے کہ صرف چند نسخوں پر بھروسہ کر کے بے گناہ عورتوں کو طلاق دی جلٹے۔ اگر ثانی الحال کوئی قلمی نسخہ نکل آوے جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مومن کی شہادت عند الشرح قابل پذیرائی ہوتی ہے اور فقط ایک کی شہادت رویت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی صاحب تلویح کی شہادت بالکل ضائع اور ٹکی نہیں ہو سکتی بخاری کے مطبوعہ نسخوں میں بھی بعض الفاظ کا اختلاف موجود ہے۔ پھر سارے ممالک کے قلمی نسخوں کا کون ٹھیکہ لے سکتا ہے۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے حضرت! ثابت کے بیان کو قواعد تحقیق کی رو سے ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ زیادہ علم ہے۔ اب اس شہادت کے مقابل پر جو عند الشرح قلیل قبول ہے جب تک آپ سارے زمانہ کے قلمی نسخے نہ دکھادیں اور صاحب تلویح کا کذب ثابت نہ کر لیں تب تک احتمالی طور پر طلاق واقع ہو گئی ہے۔ علماء کو پوچھ کر دیکھ لیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر صاحب تلویح اپنی رویت میں کاذب ہوتا تو اسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس کی جواب پوچھا جاتا۔ اور جبکہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اسکی

رویت صحیح تھی اور ان سب کا سکوت بطور ثبوت اہل دل کو اس امر کو اور بھی قوت دیتا ہے کہ حقیقت وہ حدیث صاحب تو کج نے بخاری میں دیکھی تھی۔ اور جس حالت میں صاحب بخاری تین لاکھ حدیثیں یاد رکھتے تھے اس صورت میں کیا قرین قیاس نہیں کہ بعض حدیثوں کے لکھنے میں لکھوں کمی بیشی ہو۔ اور اس طلاق کے مقابل پر یہ اشتہار لکھنا محض فضول تھا۔ اس سے اگر کچھ ثابت ہو تو فقط یہ ثابت ہوگا کہ بے وجہ نکتہ چینیاں آپ کی عادت ہے۔ حضرت آپ جانتے ہیں کہ یوں تو ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو نافرمان یا سرکش یا بد زبان یا لٹی نہ ہو اور ناموافق پاکر اس کو طلاق دے دیوے۔ اس طرح تو پیغمبر بھی دیتے رہیں لیکن ایک شخص بحث اور جھگڑا تو لوگوں سے کرے اور ناحق اپنی بے خبری اور بے گناہ بیویوں کو عقد میں لے کر طلاق دیوے یہ امر وحشیانہ اور سرسرخلاف تہذیب ہے۔ کیا مناسب ہے کہ گناہ کسی کا ہو اور مارا جائے کوئی۔ کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا کوئی نمونہ پایا جاتا ہے۔ آپ کا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہ کی تحقیق نہیں کی۔ اگر آپ کو ایک بات میں نادان کہا جائے تو آپ کو کیسا غصہ آتا ہے مگر آپ نے تو امام صاحب کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب قریب محروم مطلق کے ظاہر کیا کیا یہ تحقیق نہیں؟ ہمارے اور آپ کے حنفی علماء منصف رہے۔ پھر آپ اپنے اشتہار میں میرے اس قول کو اکاذیب میں داخل قرار دیتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر صحابہ کا اجماع تھا خدا تعالیٰ آپ کے حل پر رحم کرے۔ کیا خود ابن صیاد کے بیان سے جو بعد شرف باسلام ہونے کے اس نے کیا تھا جو صحیح مسلم میں موجود ہے ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ اس کو دجال معہود کہتے تھے۔ کیا اس حدیث میں کوئی صحابی باہر بھی رکھا ہے جو اس کو دجال معہود نہیں سمجھتا تھا۔ یا کیا اس خبر کے مشہور ہونے کے بعد کسی صحابی کا انکار مروی ہے۔ اس کا ذرہ نام تو لو۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ اصول فقہ کی رو سے اجماع کی قسموں میں سے ایک کوئی اجماع بھی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قسم کھائی

۸۷۵

۸۷۶

جس پر نہ خود انجانب نے انکار کیا اور نہ صحابہ حاضرین میں سے کوئی منکر ہوا۔ کیا یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ غدر کہ الدجال دجال مہود کا خاص نام نہیں ہے، آپ کی عبادت اور کم علمی پر اول درجہ کی شہادت ہے۔ حضرت مولوی صاحب! اگر آپ صحیح بخاری یا مسلم یا کسی اور صحیح سے یہ مجھے ثابت کر کے دکھلاویں کہ الدجال کا لفظ بجز دجال مہود کے کسی اور پر بھی صحابہ کے منہ سے اطلاق پایا ہے تو میں بجائے پانچ روپے کے بچاس روپے آپ کی نذر کر دوں گا۔ آپ کیوں اپنی پردہ دری کرتے ہیں۔ چپکے رہیں حقیقت معلوم مشورہ۔

۸۷۵

پھر ایک جھوٹ^{۸۷۵} اور افتراء میرے پر آپ نے اپنے اشتہار میں یہ کیا ہے کہ گویا میں سچ مجھ اپنے علم یقینی اور قطعی سے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو موضوع سمجھتا ہوں حضرت میرا یہ قول نہیں معلوم نہیں کہ آپ کیوں اور کس وجہ سے اس قدر افتراء میرے پر دہا پ رہے ہیں۔ اور کب سے جلسہ سازی کی مشق آپ کو ہو گئی ہے۔ میں تو صرف اس قدر کہتا ہوں کہ اگر بخاری اور مسلم کی بعض اخباری حدیثوں کے اس طرز پر معنے نہ کئے جاویں جو قرآن کے اخبار سے مطاق و موافق ہوں تو پھر اس صورت میں وہ حدیثیں موضوع ٹھہریں گی۔ کیونکہ اصول فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ انما یرد خبر الواحد من معارضة الكتب میں نے کب اور کس وقت کہا تھا کہ درحقیقت قطعی اور یقینی طور پر فلاں فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی میرے نزدیک موضوع ہے۔ مولوی صاحب حیا اور شرم شعبہ ایمان ہر فائقوا اللہ و کونوا من المؤمنین۔ پھر آپ اپنی ٹانگ خشک ہونے کی خواب سے نیم انکار کر کے لکھتے ہیں کہ یہ نقل کذب اور افتراء سے خالی نہیں۔ آپ کا یہ مقصدانہ فقرہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ کسی قدر اس بیان کی صداقت کا آپ کو اقرار ہے۔ کیونکہ آپ کا چھپا ہوا یہ منشاء ہے کہ اس خواب کو جیسا کہ نقل کیا گیا ہے وہ صورت نقل افتراء سے خالی نہیں کیونکہ آپ نے یہ بیان^{۸۷۶} نہیں کیا کہ یہ نقل سراسر افتراء ہے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ نقل افتراء سے

۸۷۶

خالی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ دال میں کالا ہے۔ اور ضرور آپ نے اس قسم کی خواب دیکھی ہے گو اس میں ٹانگ خشک ہو یا ہاتھ خشک ہو یا اور امور زائد ساتھ لگے ہوئے ہوں حضرت آپ نے یہ خواب ضرور دیکھی ہے آپ کا یہ پہلو دار فقرہ ہی دلالت کر رہا ہے کہ ضرور آپ نے ایسی خواب دیکھی ہے۔ بھلا ذرہ قسم تو کھاویں کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ آپ کبھی قسم نہ کھاویں گے کیونکہ یہ دعویٰ سراسر دروغ ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو لاہور میں ایک جلسہ مقرر کر کے حاضرین کے سامنے قسم کھالیں کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا اور حاضرین میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کو ایسی روایت سے تعلق ہے۔ جس وقت آپ مجھے قسم کھانے کے لئے اطلاع دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا تاہی ایمان داری اور صداقت شکاری دیکھ لوں کہ کہاں تک آپ کو کذب اور افتراء سے پرہیز ہے۔ تب تسلی رکھیں کہ ماری حقیقت کھل جائے گی اور آپ کی راستگوئی کا آپ کے شاگردوں پر بھی نمونہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور جو آپ نے اس عاجز کی نسبت اپنی چند خواہشیں تحریر کی ہیں اگر وہ صحیح بھی ہیں تب بھی ان کی وہ تعبیر نہیں جو آپ نے سمجھی ہے۔ بلکہ بسا اوقات انسان دوسرے کو دیکھتا ہے اور اس سے مراد اپنا نفس ہی ہوتا ہے۔ معبرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً کسی نبی کو خواب میں نا مینا یا مجذوم یا کسی حیوان کی شکل میں دیکھے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ یہ دیکھنے والا خود ان آفتوں میں مبتلا ہے۔ مثلاً اگر اُس نے کسی مقدس آدمی کو یک چشم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دین میں وہ آپ ہی ناقص ہے۔ اور اگر مجذوم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ آپ ہی فساد میں پڑا ہوا ہے۔ اور اگر اُس نے نبی کی سخی صورت دیکھی ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ آپ ہی اپنے دین میں سخی صورت رکھتا ہے کیونکہ مقدس لوگ آئینہ کی طرح ہوتے ہیں۔ انسان جو کچھ ان کی شکل اور وضع میں اپنی رویا میں فرق دیکھتا ہے۔ درحقیقت وہ عیب اُس کے اپنے وجود میں ہی ہوتا ہے۔ اور جس بد عملی میں اُس کو مشاہدہ کرتا ہے درحقیقت اس کا آپ ہی مرتکب ہوتا ہے۔ تعبیر رویت ابراہیم یہ اصول محکم ہے اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک مدت کی

بات ہے کہ ایک نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ نفوذِ اللہ
 نابینا تھے۔ میں نے کہا کہ تو ابراہیم کی سنت کا منکر اور اس کے دیکھنے سے نابینا ہے۔ ایسا ہی
 ایک ہندو بڑھے نے بیان کیا کہ نفوذِ اللہ حضرت مسیح کو میں نے مجذوم دیکھا ہے۔ میں نے
 اس کی تعبیر کی کہ تیری بددینی ناقابلِ علاج ہے تو کسی عیسیٰ دم سے اچھا نہیں ہوگا۔ ایک نے
 میرے پاس بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نیلا تہ بند باندھا ہوا
 ہے اور باقی بدن سے ننگے ہیں اور دال روٹی کھا رہے ہیں۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ دیکھنے
 والے کو غم اور فقر و فاقہ آئے گا۔ اور اُس کا کوئی دستگیر نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک
 دفعہ میرے استاد مرحوم مولوی فضل احمد صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ ایک شخص
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کوٹھڑی
 میں ایسروں کی طرح بیٹھے ہیں جس میں آگ اور بہت سا دھواں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ
 گمراہ اگر اس کو ٹھٹھی کے پیرہ داروں کی طرح عیسائی کھڑے ہیں۔ اور مولوی صاحب بہت
 متوحش تھے کہ اس کی کیا تعبیر ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فی الفور میرے دل پر القاء کیا کہ یہ
 سب دیکھنے والے کا حال ہے جو اس بد نظاہر کیا گیا۔ وہ بے ایمان ہو کر مرے گا اور
 آخر جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اور عیسائیوں میں مل جائے گا۔ مولوی صاحب اس تعبیر کو
 سنتے ہی باغ بارغ ہو گئے اور مارے خوشی کے چہرہ روشن ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ یہ خواب
 پوری ہو گئی اور تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ شخص اس خواب کے دیکھنے کے بعد عیسائی ہو گیا۔
 غرض اس بات میں صاحب تجربہ ہوں۔ مولوی صاحب کو چاہیئے کہ ڈریں اور توبہ کریں کہ اُن
 کے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ یہ اُن کی ساری خوابیں اُن کی پہلی خواب کی مؤید ہیں۔ راہیہ عاجز

۱۔ نوٹ: سالہ کامل التجرید کے صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے کہ اگر کہے ہیں کہ اندامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کم بوداں نقصان نقصان دین بینندہ باشد ان میں سے روایتِ احمد علیہ گوید کہ اگر کہے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم را ناقص بیند آن نقصان بینندہ باز گردد۔ دیکھو سالہ کامل التجرید ص ۶۶ منہ

تو میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے۔ صرف بے ہودہ خوابوں سے میرے پر کوئی الزام نہیں آ سکتا اگر فرض کے طور پر مولوی صاحب کی خوابیں میری طرف منسوب کی جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دشمن اپنی دشمنی کے جوش میں اپنے مخالف کو خواب کی حالت میں کبھی سانپ کی شکل میں دیکھتا ہے اور کبھی کسی اور درندہ کی شکل میں۔ اور یہ قانون قدرت ہے جو اس پر طاری ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایک اُس کا دشمن اس کو سانپ کی شکل میں نظر آوے یا کسی درندہ وغیرہ کی شکل میں۔ کیونکہ عداوت کی حالت میں ایسی تمثیلات خود طبیعت عداوت اپنے جوش سے پیدا کر لیتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس مقدس کی اصل شکل یہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات حیوانی شکل قابل اعتناء بھی نہیں ہوتے۔ بعض کج بعض پہلے نبیوں کو برہمن کی شکل پر نظر آئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو گائیوں کی شکل پر دیکھا اور یہ بات یعنی یہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے اس کی زیادہ تفصیل یہ ہے کہ میرا تو خدا تعالیٰ کے اعلام و افہام سے یہ دعویٰ ہے کہ اگر دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہوں اور ایک طرف یہ عاجز ہوا اور آسمانی امور کے انکشاف کے لئے ایک دوسرے کے قرب اور وجاہت عند اللہ کا امتحان کریں تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میں ہی غالب آؤں گا۔ خداوند عظیم و حکیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج تک صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی میرے پر ظاہر ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ان نشاۃں کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ میں نے اس پر جولائی ۱۸۹۷ء کے خاتمہ مضمون میں عام طور پر سنا دیا تھا کہ میرے نشاۃں کے دیکھنے والے اسی مجلس میں موجود ہیں۔ اگرچہ وہ تو حلفاً ان سے تصدیق کر لو مگر آپ نے دم نہ مارا۔ پھر میں نے آواز بلند سے تین سو آدمی کی مجلس میں جن میں بعض عیسائی صاحبان اور ایڈیٹر صاحب پرچہ نور افشاں بھی موجود تھے یہ بھی سنا دیا تھا کہ مولوی صاحب کو اگر اپنے اہل باطن ہونے کا گمان ہے تو چالیس دن تک میرے ساتھ مقابلہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی جناب میں توجہ کریں اگر میں آسمانی امور کے انکشاف اور نشاۃں کے ظہور میں مولوی صاحب غالب نہ آیا تو جس ہتھیار

سے چاہیں مجھے فک کر دیں۔ لیکن آپ نے اس کجواب میں بھی دم نہ مارا۔ اگر آپ کو بھی سچی باتیں آتی ہیں اسفناٹ احلام نہیں اور اعتماد کے لائق ہیں تو میرے مقابل پر آپ کیوں چپ ہے کیا آپ کے دروغ بے فروغ پر اس سے زیادہ کوئی اور دلیل ہوگی۔ اور میں تو اب بھی حاضر ہوں۔ میدان میں کھڑا ہوں۔ یقیناً یاد رکھیں کہ وہ نور جو آسمان سے اتر رہا ہے آپ کی منہ کی پھونکیوں سے بجھ نہیں سکتا۔ آپ اپنے منہ کی فک کر کریں۔ ایسا نہ ہو کہ پھونکیں مارتے مارتے ایک شعلہ اُٹھے اور آپ کے منہ کی مسخ صورت بنا دے۔ من عادی کی حدیث آپ کو یاد نہیں جس کو ارادت کی راہ سے میری طرف لکھا کرتے تھے۔ ^{۱۷۸} آپ نے مجھے مفتری بنایا۔ کاؤب قرار دیا۔ مکار نام رکھا۔ و جہل کے اسم سے موسوم کیا۔ مگر اپنے ہی ریویو کی وہ عبارتیں آپ کو یاد نہ رہیں جو آپ براہین احمدیہ کے ریویو نمبر جلد ۷ میں لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ آپ بغرض تعریف و توصیف کتاب موصوف کے صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں۔

مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن بلکہ اوائل عمر کے ہمارے ہم مکتب ہیں اس زمانہ سے آج تک خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری ہے (صفحہ ۲۸)

مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربہ اور مشاہدہ کی رو سے واللہ حسیب شریعت محمدیہ پرست اور پرہیزگار و صداقت شعار ہیں ^{۱۷۹} طلاق کتابیں احمدیہ (یعنی تالیفات علامہ جنکی) ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور اس کا مؤلف اسلام کی مالی و جانی و فہمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلی کتابوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما ان پر ان کی ذات سے ان کے مال باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم کر اور اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور اسکی بڑھاپا مال کر دے اور اس خاکسار شرمگاہ کو بھی اپنے فیوض و انعامات اور اس کتاب کی انھیں بکرت فی غنیاب کر۔ آمین واللہ اعلم

اب حضرت سمجھ کر اور سوچ کر جواب دیں کہ یہ عبارتیں میرے حق میں آپ ہی کی ہیں یا کسی اور کی۔ اور یقیناً سمجھیں کہ آپ کی دعا کے موافق سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کا میرے پر رحم ہے اور یاد رکھیں کہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہ کرے گا۔ آپ کی قسمت میں لغزش تھی سو وہ وقوع میں آگئی اور جو پیالہ ابتداء سے آپ کے لئے مقصد تھا آپ کو وہ پینا پڑا۔ کیا آپ کو میں نے ان سب باتوں سے پہلے خبر نہیں دی تھی کہ آپ کے لئے مقدر ہے کہ آپ مخالفت پر کھڑے ہو جائیں گے اور صدق اور راستی کو چھوڑ دیں گے۔ سخت بد قسمت وہ انسان ہے جو راستباز کو مکار سمجھے۔ نہایت بد نصیب وہ شخص ہے جو صدیق کو کذاب خیال کرے۔

آپ اپنے اشتہار کے اخیر میں پھر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گویا میں بخاری مسلم سر منکر ہوں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اشاعت السنۃ میں بخاری ظاہر کیا جائے گا۔ سو میری طرف سے گزارش ہے کہ یوں تو مجھے اور ہر یک سمجھدار کو یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح دفع وقت کے لئے زائد اور بے تعلق باتوں میں اپنے پرچہ اشاعت السنۃ کو سیاہ کرتے رہیں گے اور اصل بحث کی طرف ہرگز نہ آئیں گے۔ لیکن میرے پر یہ ہمتان کھڑا کرنا کہ گویا میں صحیحین کا منکر ہوں آپ کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو گا۔ آپ ذرہ غور کریں کہ کیا کوئی عقلمند ایسی کتابوں کو منکر ہو سکتا ہے جو اس کے دعویٰ کے اول درجہ پر مؤید اور حامی ہیں۔ ایسا تو کوئی نادان بھی نہیں کر سکتا۔ اگر میں بخاری و مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا۔ چنانچہ اسی رسالہ ازالہ اوہام میں بہت سی حدیثیں صحیح مسلم کی اپنے تائید دعویٰ میں پیش کر چکا ہوں۔ ہاں بخاری میں سے میں نے کم لکھا ہے۔ سو اس جگہ آپ کی خاطر کچھ اور بھی لکھ دیتا ہوں تا آپ پر واضح ہو کہ بخاری بھی اس عاجز کی حامی اور ناصر ہے۔ اور اگر آپ ہزار جان کنی کریں۔ بخاری کو بھی مؤید مطلب ہرگز نہ پائیں گے۔ بلکہ قرآن کریم کی طرح وہ بھی اس عاجز کے مدعا اور اور دعویٰ پر کمال پیش کرتی ہے حضرت یہی تو میرے گواہ ہیں جن سے ^{میں} مشہور دعویٰ ثابت ہوتا ہے اگر انکار کروں تو کہاں جساؤں۔

اب یہی نمونہ کے طور پر کسی قدیم بخاری کے دلائل پیش کرتا ہوں اگر کچھ منکرانہ جوش ہے تو رد کر کے دکھلا دیں۔ اور اگر کچھ سعادت ہے تو قبول کر لیں۔ وَطُوبَىٰ لِلشَّحَدَاءِ

افادات البخاری

یہ عاجز پہلے اس سے اسی رسالہ میں بیان کر چکا ہے کہ عموماً محاورہ قرآن شریف کا توفیٰ کے لفظ کے استعمال میں یہی واقعہ ہوا ہے کہ وہ تمام مقامات میں اول سے آخر تک ہر ایک جگہ جو توفیٰ کا لفظ آیا ہے اس کو موت اور قبض روح کے معنی میں لاتا ہے اور جب عرب کے قدیم و جدید اشعار و قصائد و نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبع کیا گیا اور عتیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں توفیٰ کے لفظ کا ذوی الروح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جل شانہ کو ٹھہرایا گیا ہے ان تمام مقامات میں توفیٰ کے معنی موت و قبض روح کے لئے گئے ہیں۔ اور اشعار قدیمہ و جدیدہ عرب میں اور ایسا ہی ان کی نثر میں بھی ایک لفظ توفیٰ کا ایسا نہیں ملے گا جو ذوی الروح میں مستعمل ہو اور جس کا فاعل لفظاً یا معنیاً خدا تعالیٰ ٹھہرایا گیا ہو۔ یعنی فعل عبد کا قرار نہ دیا گیا ہو اور محض خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو اور پھر اس کے معنی بجز قبض روح کے اور مراد رکھے گئے ہوں۔ لغات کی کتابیں قاموس صحاح۔ ترمذی وغیرہ پر نظر ڈالتے والے بھی اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ ضرب المثل کے طور پر بھی کوئی فقرہ عرب کے محاورات کا ایسا نہیں ملا جس میں توفیٰ کے لفظ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور ذوی الروح کے بارے استعمال میں لا کر پھر اس کے اور بھی معنی لئے ہوں۔ بلکہ برابر ہر جگہ یہی معنی موت اور قبض روح کے لئے گئے ہیں اور کسی دوسرے احتمال کا ایک ذرہ راہ کھلا نہیں رکھا۔ پھر بعد اس کے اس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ توفیٰ کو

ذوی الروح کی طرف منسوب کر کے کن کن معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ آیا یہ لفظ اس وقت
 اُن کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر استعمال ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنی قبض روح
 اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ یہاں تحقیقات کے لئے مجھے بڑی محنت کرنی پڑی اور ان تمام
 کتابوں میں تصحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، دارمی، موطا شیعہ اکنہ
 وغیرہ کا صفحہ صفحہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان تمام کتابوں میں جو دخل مشکوٰۃ میں تین مویحیا لیس
 مرتبہ مختلف مقامات میں توفی کا لفظ آیا ہے اور ممکن ہے کہ میرے شمار کرنے میں بعض توفی کے
 لفظ وہ بھی گئے ہوں لیکن پڑھنے اور زیر نظر آ جانے سے ایک بھی لفظ باہر نہیں رہا۔ اور
 جس قدر وہ الفاظ توفی کے ان کتابوں میں آئے ہیں۔ خواہ وہ ایسا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے یا ایسا ہے جو کسی صحابی نے منہ سے نکالا ہے۔ تمام جگہ وہ الفاظ
 موت اور قبض روح کے معنی میں ہی آئے ہیں اور چونکہ میں نے ان کتابوں کو بڑی کوشش
 اور جانکاہی سے سطر سطر پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے۔ اس لئے میں دعویٰ سے اور شرط کے ساتھ
 کتابوں کے ہر ایک جگہ جو توفی کا لفظ ان کتابوں کی احادیث میں آیا ہے اس کے بجز موت اور
 قبض روح کے اور کوئی معنی نہیں۔ اور ان کتابوں سے بطور استقراء کے ثابت ہوتا ہے
 کہ بعد بعثت اخیر عمر تک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے توفی کا لفظ بغیر معنی موت اور قبض روح کے کسی دوسرے معنی کے لئے ہرگز استعمال نہیں
 کیا اور نہ کبھی دوسرے معنی کا لفظ زبان مبارک پر جاری ہوا۔ اور کچھ شک نہیں کہ استقراء بھی
 ادا کہ یقینیہ میں سے ہے۔ بلکہ جس قدر حقائق کے ثابت کرنے کے لئے استقراء سے مدد لی
 ہے اور کسی طریق سے مدد نہیں لی۔ مثلاً ہمارے ان یقینیات کی بناء جو عموماً تمام انسانوں کی
 ایک زبان ہوتی ہے اور دو آنکھ اور عمر انسان کی عموماً اس حد سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور اناج کی
 قسموں میں سے چنانچہ اس انداز کا ہونا ہے اور گیہوں کا دانہ اس انداز کا۔ یہ سب یقینیات استقراء
 سے معلوم ہوئے ہیں۔ پس جو شخص اس استقراء کا انکار کرے تو ایسا کوئی لفظ توفی کا پیش کرنا

اس کے ذمہ ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہو۔ اور بجز موت اور قبض روح کے اس کے کوئی اور معنی ہوں۔ اور امام محمد اسماعیل بخاری نے اس جگہ اپنی صحیح میں ایک لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم سات ہزار مرتبہ توفی کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت کے بعد اخیر عمر تک نکلا ہے۔ اور ہر ایک لفظ توفی کے معنی قبض روح اور موت تھی۔ سو یہ نکتہ بخاری کا بمجملہ ان نکات کے ہے جن سے حق کے طالبوں کو امام بخاری کی مشکور و ممنون ہونا چاہیے۔

اور بمجملہ افادات امام بخاری کے جس کا ہمیں شکر کرنا چاہیے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ابن حریم کی وفات کے بارے میں ایک قطعی فیصلہ ایسا دے دیا ہے جس پر بڑھ کر مستور نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کے کئی حصوں میں سے جن کا نام اُس نے خاص خاص غرضوں کی طرف منسوب کر کے کتاب رکھا ہے۔ ایک حصہ کو کتاب التفسیر کے نام سے نامزد کیا ہے۔ کیونکہ اس حصہ کے لکھنے سے اصل غرض یہ ہے کہ جن آیات قرآن کریم کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ تفسیر و تشریح کی ہے یا اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان آیات کی بحوالہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تفسیر کر دی جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی غرض سے آیت کریمہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ اور اس ایما دے اُس کا مشاویہ ہے کہ تا لوگوں پر ظاہر کرے کہ توفی تخی کے لفظ کی صحیح تفسیر وہی ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں یعنی مار دیا اور وفات دے دی۔ اور حدیث یہ ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ فِي مَنَامِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصْبَحْتَ فَيَقُولُ لَا تَذَرْنِي مَا أَخَذْتُوَا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الْقَصَارُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۖ ۶۹۳ بخاری بخاری ۶۹۳ بخاری یعنی قیامت کے دن میں بعض لوگ میری امت میں سے آگ کی طرف

لائے جائیں گے جب میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تب کہا جائے گا کہ تجھے اُن کاموں کی خبر نہیں جو تیرے پیچھے ان لوگوں نے کئے۔ سو اُس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک نیک بندہ نے کہی تھی یعنی مسیح ابن مریم نے۔ جب کہ اُس کو پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ تو نے تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے ماننا۔ اور وہ بات (جو میں ابن مریم کی طرح کہوں گا) یہ ہے کہ میں جب اُن میں تھا اُن پر گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اُس وقت تو ہی اُن کا نگہبان اور محافظ اور نگران تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قصہ اور مسیح ابن مریم کے قصہ کو ایک ہی رنگ کا قصہ قرار دیکر وہی لفظ فلتا تو قیستی کا اپنے حق میں استعمال کیا ہے جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلتا تو قیستی سے وفات ہی مراد لی ہے۔ کیونکہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار اشریف موجود ہے۔ پس جبکہ فلتا تو قیستی کی شرح اور تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وفات پانا ہے ثابت ہوا۔ اور وہی لفظ حضرت مسیح کے منہ سے نکلا تھا اور کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جن الفاظ کو مسیح ابن مریم نے استعمال کیا تھا وہی الفاظ میں استعمال کروں گا پس اس سے بجلی منکشف ہو گیا کہ مسیح ابن مریم بھی وفات پا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے اور دونوں برابر طور پر اثر آیت فلتا تو قیستی سے متاثر ہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری اس آیت فلتا تو قیستی کو قصداً کتاب التفسیر میں لایا۔ تا وہ مسیح ابن مریم کی نسبت اپنے مذہب کو ظاہر کرے کہ حقیقت میں وہ اس کے نزدیک فوت ہو گیا ہے۔ یہ مقام سوچنے اور غور کرنے کا ہے کہ امام بخاری آیت فلتا تو قیستی کو کتاب التفسیر میں کیوں لایا۔ پس ادنی سوچ سے صاف ظاہر ہو گا کہ جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے اس کا منشاء یہ تھا کہ آیت فلتا تو قیستی کے حقیقی اور واقعی معنی وہی ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ سو اس کا مدعا اس بات کا

ظاہر کرنا ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے آپ فرمائی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس طبرز کو امام بخاری نے اختیار کر کے صرف اپنا ہی مذہب ظاہر نہیں کیا بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت فلما توفیتنی کے یہی معنی سمجھتے تھے تب ہی تو انہیں الفاظ فلما توفیتنی کو بغیر کسی تبدیل و تغیر کے اپنی نسبت استعمال کر لیا۔ پھر امام صاحب نے اسی مقام میں ایک اور کمال کیا ہے کہ اس معنی کے زیادہ پختہ کرنے کے لئے اسی صفحہ ۶۶۵ میں آیت یعیسیٰ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ کے بحوالہ ابن عباس کے اسی کے مطابق تفسیر کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں وقال ابن عباس مُتَوَفِّیْکَ عُمَیْمَتُکَ (دیکھو وہی صفحہ ۶۶۵ بخاری) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ ہوا آیت قرآن کریم ہے کہ یعیسیٰ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ سو امام بخاری صاحب ابن عباس کا قول بطور تائید لائے ہیں اسطرح ہو کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور پھر امام بخاری نے ایک اور کمال کیا ہے کہ اپنی صحیح کے صفحہ ۵۳۱ میں مناقب ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ خود ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی کیا آئی اسکو حکمت بخش اسکو علم قرآن بخش چونکہ دعائی کویم کی مستجاب ہے اسطرح ابن عباس کا یہ بیان کہ توفی عیسیٰ جو قرآن کریم میں آیا ہے امانت عیسیٰ اس سے مراد ہے یعنی عیسیٰ کی وفات دینا۔ یہ معنی آیت کریمہ کے جو ابن عباس نے کئے ہیں اس وجہ سے بھی قابل قبول ہیں کہ ابن عباس کے حق میں علم قرآن کی دعا مستجاب ہو چکی ہے۔

پھر امام بخاری نے اسی آیت فلما توفیتنی کو کتاب الانبیاء صفحہ ۷۳ م اور پھر صفحہ ۲۹۰ میں انہیں معنوں کے ظاہر کر کے فرض فرما دیا اور ظاہر کیا ہے کہ اس قصہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم سے ایک مشابہت ہے چنانچہ صفحہ ۲۸۹ میں یہ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْکَ﴾ اس آیت کا ماشیہ صفحہ ۹۲۲ پر لکھا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

حدیث بھی بروایت ابو ہریرہ لکھ دی ہے انا اول الناس بابن مریم والابلیاء اولاد
علات اور اسی کی تائید میں امام بخاری نے کتاب المغازی میں بذیل کتاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث لکھی ہے۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے جن کا ہمیں شکر کرنا چاہیے یہ ہے کہ انہوں نے صرف
اسی قدر ثابت نہیں کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کی رو سے
یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں آ نہیں سکتا۔ چنانچہ بخاری کے

صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فوت ہو گئے تو بعض آدمی یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے اور بعض کہتے تھے کہ
فوت ہو گئے مگر پھر دنیا میں آئیں گے۔ اس حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ

کے گھر گئے اور دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف جھکے اور چھا اور کہا کہ میرے ماں باپ تیرے پر
قربان مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر لوگوں میں آئے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانے کا ہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فوت ہونے اور پھر دنیا میں نہ آنے کی تائید میں یہ آیت پڑھی مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد اس سے زیادہ ^{۴۹۹} نہیں کہ وہ رسول اللہ ہے اور

اس سے پہلے تمام رسول اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے گزر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ کا الف لام استغراق کا ہے جو رسولوں کی جمع افراد گذشتہ پر محیط ہے اور اگر ایسا
نہ ہو تو پھر دلیل ناقص رہ جاتی ہے کیونکہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو وہ پھر وہ استثناء ہو

معا قرآن کریم کا ہے اس آیت سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کے پیش کرنے سے
حضرت ابو بکر صدیق نے اس بات کا ثبوت دیا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جو فوت نہ ہو اور
اور نیز اس بات کا ثبوت دیا کہ جو فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آتا کیونکہ لغت عرب

اور محاورہ اہل عرب میں خَلَا یا خلعت ایسے لوگوں کے گزرنے کو کہتے ہیں جو پھر آئے نوالے نہ ہوں۔ پس تمام رسولوں کی نسبت جو آیت موصوفہ بالا میں خلعت کا لفظ استعمال کیا گیا وہ اسی لحاظ سے استعمال کیا گیا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ لوگ ایسے گئے ہیں کہ پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال یافتہ ہونے کی حالت میں آپ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دے کر کہا تھا کہ تو حیات اور موت میں پاک ہے تیرے پر دو موتیں ہرگز وارد نہیں ہوں گی یعنی دوسری مرتبہ دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کی تائید میں آیت قرآن کریم کی پیش کش کی جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سب رسول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے گزر چکے ہیں اور جو رسول اس دنیا سے گزر گئے ہیں پھر اس دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ جیسا کہ قرآن شریف میں اور فوت شدہ لوگوں کی نسبت خَلَوْا یا خَلَّتْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی یہی لفظ نبیوں کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لفظ موت کے لفظ سے انحصار ہے کیونکہ اس کے مفہوم میں یہ شرط ہے کہ اس عالم سے گزر کر پھر اس عالم میں نہ آوے۔ غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فوت شدہ نبیوں کے دوبارہ نہ آنے کے بارے میں اول قول ابوبکر صدیق کا پیش کیا جس میں یہ بیان ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوبارہ آنا دو موتوں کو مستلزم ہے۔ اور پھر اس بارے میں قرآن کریم کی آیت پیش کی اور یہ ثبوت دیا کہ خَلَا اس گزرنے کو کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد عود نہ ہو۔ اس تحقیق و تدقیق سے کمالات امام بخاری ظاہر ہیں۔ جزاۃ اللہ خیر الجزاء وادخلہ اللہ فی جنات العلیا۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں پانچ حدیثیں ذکر کر کے متفرق طرق اور متفرق راویوں کے ذریعہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ابن مریم اپنی موت کے بعد اموات میں جا ملا اور خدا تعالیٰ کے بزرگ نبی جو اس دنیا کو گزر چکے ہیں۔

اُن میں داخل ہو گیا اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں فوت شدہ جماعت میں اُس کو پایا۔ دیکھو بخاری صفحہ ۵۰ اور صفحہ ۳۵۵ و صفحہ ۴۸ و صفحہ ۴۸ و ۱۱۲۰۔ اور ان احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ سب نبی اگرچہ دنیوی زندگی کی رو سے مر گئے اور اس جسم کثیف اور اس کے حیات کے لوازم کو چھوڑ گئے۔ لیکن اس عالم میں ایک نئی زندگی جس کو روحانی کہنا چاہیے رکھتے ہیں۔ اور کیا سچ اور غیر سچ برابر اور مساوی طور پر اس نئی زندگی کے لوازم اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ یہی منشاء انجیل میں پطرس کے پہلے خط کا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ یعنی مسیح جسم کے حق میں تو مارا گیا لیکن روح میں زندہ کیا گیا۔ یعنی موت کے بعد مسیح کو روحانی زندگی ملی ہے نہ جسمانی۔ دیکھو پطرس کا پہلا خط باب اُنیس آیت۔ اور عبرانیوں کے خط نو باب نائیس آیت میں لکھا ہے کہ آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا ہے۔ ایسا ہی بائبل کے بت سہ مقامات میں موجود ہے کہ راستبازوں کے لئے ایک موت کے بعد پھر حیات الہی ہے۔ اب اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ مسیح مر گیا اور روح اس کی فوت شدہ روحوں میں داخل ہے۔ اگر فرض محال کے طور پر پھر اس کا زندہ ہو کر دنیا میں آنا قیبل کر لیں تو آسمان سے اترنا اس کا بہر حال غیر مسلم ہو گا۔ کیونکہ ثابت ہو چکا کہ آسمان پھر نہ آنے کے بعد صرف اس کی روح گئی جو دوسری روح میں شامل ہو گئی۔ ہاں اس فرض کے بنا پر یہ کہنا پڑے گا کہ کئی وقت اس کی قبر پھٹ جائے گی اور اس میں سے باہر آجائے گا اور یہ کسی کا اعتقاد نہیں۔ ماسوا اس کے ایک موت کے بعد پھر دوسری موت ایک عظیم الشان نبی کے لئے تجویز کرنا خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کے برخلاف ہے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ مسیح کو مار کر پھر قیامت کے قریب اسی دنیا میں لاتا ہے اُس کی یہ مرضی ہے کہ سب کے لئے ایک موت اور مسیح کے لئے دو موتیں ہوں جس نے دنیا میں کسی جسم اور صورت میں جہنم لیا وہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ دیکھو خط دوم پطرس ۳ باب ۱۰ آیت۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ دیکر

کہ سح ابن مریم فوت ہو گیا اور فوت شدہ بندوں میں جا ملا۔ پھر اس پیشگوئی کی نسبت جو ان کی صحیح میں درج ہے کہ امین مریم نازل ہو گا تیرہ قوی قرینے قائم کر کے یہ ثابت کیا ہو کہ آنے والا ابن مریم ہرگز وہ سح ابن مریم نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی چنانچہ اول تفسیر یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا تَنْتَبِہْ بَعْدَیْ - صفحہ ۴۳۲ - دوم قرینہ یہ ہے کہ آنے والے سح کی نسبت اِمَامٌ مَّکْمُومٌ کَفَّ ذَا قَوْلِ اسْتِعْمَال کیا گیا ہے جس سے صاف طور پر جتلا دیا ہے کہ وہ سح آنے والا اصل سح نہیں ہے بلکہ وہ تمنا ایک امام ہو گا اور تم میں سے ہو گا۔ اور کسی اور امام کا سح کے ساتھ ہونا ہرگز ذکر نہیں کیا۔ بلکہ امامت کی وجہ سے ہی سح موعود کا نام حکم رکھا عدل رکھا مقسط رکھا۔ اگر وہ امام نہیں تو یہ صفات جو امامت سے ہی تعلق رکھتے ہیں کیونکر اس کے حق میں بولے جاسکتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ امامت سے مراد نماز خوانی کی امامت ہے جیسا کہ ہر ایک مسجد میں تلاں ہوا کرتے ہیں۔ تو یہ عجیب عقل کی بات ہے۔ کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن نہیں کہ بیس کروڑ مسلمانوں کے جو مختلف بلاد میں جا بجا سکونت رکھتے ہیں پنجوقت نماز ادا کرنے کے لئے ایک ہی امام کافی ہو۔ بلکہ بڑے بڑے لشکروں کے لئے بھی جو جلد بجا حسب مصلح جمعگی متفرق ہوں ایک امام کافی نہیں ہو سکتا۔ سو نماز پڑھنے کی امامت جیسا کہ آج کل لاکھوں آدمی کر رہے ہیں۔ یہی تعداد ہر ایک نفاذ کے لئے لابدی اور لازمی ہو جو صرف ایک سے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ امام سے مراد رہنما اور پیشوا اور خلیفہ ہے جس کی صفات میں سے حکم اور عدل اور مقسط ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ یہ صفات بخاریت کے سیاق سباق دیکھنے سے سح موعود کتنی میل ملاق پائے ہیں یا کسی اور کے حق میں۔ اے بندگان خدا کچھ تو ڈرو۔ دیکھو تمہارا دل ہی تمہیں لازم کرے گا کہ تم حق پر پردہ ڈال رہے ہو۔ ڈرو۔ اے لوگو ڈرو اور خدا اور رسول کے فرمودہ سے عموماً انحراف مت کرو اور الحاد اور تحریف سے باز آ جاؤ۔ اللہ اور رسول کے کلمات کو

اُن کے مواضع سے کیوں پھیرتے ہو۔

سوم قرینہ جو امام بخاری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ آنے والے مسیح اور اصل مسیح ابن مریم کے حلیہ میں جا بجا التزام کامل کے ساتھ فرق ڈال دیا ہے۔ ہر ایک جگہ جو اصل مسیح ابن مریم کا حلیہ لکھا ہے اس کے چہرہ کو احمر بیان کیا ہے اور ہر ایک جگہ جو آنے والے مسیح کا حلیہ بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا ہے اس کے چہرہ کو گندم گون ظاہر کیا ہے اور کسی جگہ اس التزام کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ چنانچہ صفحہ ۴۸۹ میں دو حدیثیں امام بخاری لایا ہے۔ ایک ابو ہریرہ سے اور ایک ابن عمر سے۔ اور اُن دونوں میں یہ بیان ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو جو اصل عیسیٰ ہے دیکھا اور اس کو سرخ رنگ پایا۔ اور پھر اس کے آگے ابی سالم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو خواب میں دیکھا اور اس کا گندم گون حلیہ بیان کیا۔ پھر صفحہ ۵۵۰ میں ابن عمر سے روایت ہے کہ آنے والے مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہ گندم گون ہے اور دو جال کو سرخ رنگ دیکھا (جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ سرخ رنگ قوم سے پیدا ہو گا) اور صفحہ ۸۹ میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کو گندم گون دیکھا۔ اسی طرح امام بخاری نے اپنی کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ وہ اصل مسیح کے حلیہ کو بروایت ثقات صحابہ سرخ بیان کرتے ہیں اور آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گون ظاہر کرتے ہیں جس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ آنے والا اور ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب اللباس میں بھی آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گون لکھا ہے دیکھو صفحہ ۸۷۶ کتاب اللباس :

اور منجملہ افادات امام بخاری کے یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو جو صحیح بخاری کے

۶۵۲ اور ۴۶۴ میں ہے یعنی حدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یستک

۹۲

حین یولد الا مریم و ابنہا اور حدیث با صبیحۃ ... غیر عیسیٰ کو متعارض حدیثوں کے ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابن مریم سے مراد ہر ایک وہ شخص ہے جو اس کی صفت اور رنگ میں ہو۔ اور متعارض حدیثیں یہ ہیں دیکھو صفحہ ۴۶ اور حدیث صفحہ ۷۶ جس کے اخیر سے لے کر یضراء شیطان۔ اما اس کے آیت ان عبادی لیس لك علیہم سلطان اور آیت سلام علیہ یوم ولد صاف دلالت کر رہی ہے کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا ابن مریم سے مخصوص نہیں۔ اور زنجشری کا یہ طعن کہ حدیث خصوصیت ابن مریم دربارہ محفوظیت از مس شیطان جو امام بخاری اپنی صحیح میں لایا ہے نقص سے خالی نہیں۔ اور اس کی صحت میں کلام ہے جیسا کہ خود اُس نے بیان کیا ہے فنقول ہے کیونکہ غیثی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بزرگ بخاری نے خود اشارہ کر دیا ہے کہ ابن مریم اور اس کی والدہ سے مراد ہر ایک ایسا شخص ہے جو ان دونوں کی صفتیں اپنے اندر جمع رکھتا ہو۔ فلان نقص ولا تعارض۔ اور جبکہ یہ ثابت ہو کہ کلام نبوی میں غیثی پر عیسیٰ یا ابن مریم ہوا گیا ہے تجزیہ محاورہ اور بھی مؤید ہمارے مطلب کا ہو گا۔ احادیث نبویہ میں یہ بھی ایک محاورہ مشہور متعارف ہے کہ بعض کا بعض صفات کے لحاظ سے ایک ایسا نام رکھا جاتا ہے جو بظاہر وہ کسی دوسرے کا نام ہے جیسا کہ صفحہ ۵۲۱ میں یہ حدیث ہے لقد کان فیما کان قبلکم من الامم ناس محدثون فان یلک فی امتی احد فانه عمر دیکھو صفحہ ۵۳۱ بخاری۔ اب ظاہر ہے کہ محدثیت حضرت عمر میں محدود نہیں۔ سو حدیث گایہ مطلب ہے کہ جو محدث ہو گا وہ اپنے روحانی صفات کے رو سے عمر ہی ہو گا۔ ایسا ہی احادیث ذاب الارض کو بھی ایک خاص نام رکھ کر بیان کیا ہے لیکن احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی استعمال کی رو سے عام ہے اور ذاب الارض کو صحیح مسلم میں ایسے سیرا سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک طرف تو اس کو دجال کی جسامت ٹھہرا دیا گیا ہے اور اسی کی رفیق اور اسی جسنیرہ میں رہنے والی جہاں وہ ہے۔ اور ایک طرف حرم مکہ معظمہ میں صفا کے نیچے اس کو جگہ دے رکھی ہے

۹۳

گویا وہ اس ارض مقدس کے نیچے ہے نہ وصال کے پاس۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ اسی میں سے اس کا خروج ہو گا۔ اس استعارہ سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وادی الارض و حقیقت ہم جسم ایسے علماء کیلئے ہے جو ذوق جنتیں واقع ہیں۔ ایک تعلق ان کا دین اور حق سے ہو اور ایک تعلق ان کا دنیا اور دجالیت سے۔ اور آخری زمانہ میں ایسے مولویوں اور ملاؤں کا پیدا ہونا کئی جگہ بخاری میں لکھا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حدیث خیر البریہ پڑھیں گے۔ اور قرآن کی بھی تلاوت کرتے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ سو یہ وہی زمانہ ہے انیس لوگوں کی ملاقات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتى يدبرك الموت وانت على ذالك مثله بخاری۔ یہی لوگ ہیں کہ باوجودیکہ اللہ جل شانہ اور اس کا مقدس رسول سر اسر سراج ابن مریم کی وفات ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کو فرمودہ خدا اور رسول پر اعتقاد نہیں۔ حالانکہ حکم یہ تھا فان تنازعتم فی شئ فمرؤہ اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخرۃ لک خیر و احسن تلویلاً ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل قضاء اللہ احق بخاری ص ۲۷۷ ما عندنا شیء الا کتب اللہ بخاری ص ۲۷۷ حسبکم القول بخاری ص ۱۷۱۔

اب ہم بطور نمونہ امام بخاری کے افادہ کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے اور بیانات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ امام بخاری صاحب اول درجہ پر ہمارے دغلوں کے شاہد اور حامی ہیں اور ہمارے مخالفوں کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی اپنے خیالات کی تائید میں کوئی حدیث صحیح بخاری کی پیش کر سکیں۔ سو حقیقت صحیح بخاری کو وہ منکر ہیں نہ ہم۔

بالآخر میں یہ بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے یہ درخواست کی تھی کہ اگر آپ مجھے مکار اور غیبرم خیال کرتے ہیں تو اس طریق سے بھی مقابلہ کرو کہ ہم دونوں نشان قبولیت کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں

تاجس کے شامل حلال نصرت الہی ہو جائے اور قبولیت کے آسمانی نشان اس کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوں وہ اس علامت سے لوگوں کی نظر میں اپنی قبولیت کے ساتھ شناخت کیا جاوے۔ اور جھوٹے کی ہر روزہ کشش سے لوگوں کو فراغت اور راحت حاصل ہو۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب مولوی اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں کہ یہ درخواست اُس وقت مسموع ہوگی کہ جب تم اول اپنے عقائد کا عقائد اسلام ہونا ثابت کرو گے غیر مسلم یعنی جو مسلمان نہیں خواہ کتنا ہی آسمانی نشان دکھاوے اہل اسلام اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اب ناظرین انصافاً فرمایاں کہ جس حالت میں اسی ثبوت کے لئے درخواست کی گئی تھی کہ تا ظاہر ہو جاوے کہ فریقین میں حقیقتی اور واقعی طور پر مسلمان کون ہے پھر قبل از ثبوت ایک مسلمان کو چولا الہ الا اللہ حمید رسول اللہ کا قائل اور متفق ہو غیر مسلم کتنا اور لست مسلماً کر کے پکارنا کس قسم کی مسلمانی اور ایمان داری ہے۔ ماسوا اس کے اگر یہ عاجز بزم مولوی محمد حسین صاحب کافر ہے تو خیر وہ یہ خیال کر لیں کہ میری طرف سے جو ظاہر ہو گا وہ استدراج ہے۔ پس اس صورت میں بمقابل اس استدراج سے ان کی طرف سے کوئی کرامت ظاہر ہونی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ کرامت ہمیشہ استدراج پر غالب آتی ہے۔ آخر مقبولوں کو ہی آسمانی مدد ملتی ہے۔ اگر میں بقول ان کے مردود ہوں اور وہ مقبول ہیں تو پھر ایک مردود کے مقابل پر اتنا کیوں ڈرتے ہیں اگر میں بقول ان کے کافر ہونے کی حالت میں کچھ دکھاؤں گا تو وہ بوجہ اولیٰ دکھلا سکتے ہیں مقبول جو ہوئے۔ کہ مقبول رار و نباشد سخن و من عادالی ولیاً فقد اذنتہ للحراب۔ ابن صیاد نے اگر کچھ دکھایا تھا تو کیا اس کے مقابل پر معجزات نبوی ظاہر نہیں ہوئے تھے اور کیا وہاں کے ساحرانہ کاموں کے مقابل پر عیسیٰ کے نشان مروی نہیں۔ ففسووا این تفرون !

سید احمد خان صاحب کے سنی۔ لیس آئی کا الہام کی نسبت خیال اور ہماری طرف سے جیسا کہ واقعی امر ہوا اس کا بیان

فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والی الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ
والیوم الآخر فامک خیر واحسن تاویل۔ الحجۃ۔ آیت موصوفہ بالا کا ترجمہ
یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر کسی بات میں تم میں باہم نزاع واقع ہو تو اس امر کو فیصلہ کے لئے
اللہ اور رسول کے حوالہ کرو اگر تم اللہ اور آخری ولی پر ایمان لاتے ہو تو یہی کرو کہ یہی بہتر اور
احسن تاویل ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ سید صاحب نے الہام کے بارہ میں اپنے پرچہ علی گڑھ گزٹ میں
قرآن اور حدیث کے برخلاف رائے ظاہر کی ہے چنانچہ ان کی تحریک کا خلاصہ ذیل میں لکھا جاتا
ہے اور وہ یہ ہے۔ جو بات یکایک دل میں آ جاوے گو کسی امر سے متعلق ہو وہ الہام ہے۔
بشرطیکہ کوئی تعلیم یا تعریف یا بیان اس طرف کو لے جانے والا نہ ہو۔ اس قسم کے الہامات کوئی
عجیب شے نہیں ہیں بلکہ اکثر لوگ ہوتے ہیں۔ منطقی کو منطق میں فلسفی کو فلسفہ میں طبیب کو
علم طب اور تشخیص امراض میں۔ اہل حرفہ کو اپنے حرفہ میں وغیرہ ذالک۔ یہاں تک کہ وہ اسلام
اور غیر اسلام پر بھی منحصر نہیں۔ بلکہ اس قسم کے الہامات ایک امر طبیعی انسان کا ہر جس میں
اسلام کی ضرورت نہیں۔ اس ایسی خلقت کی ضرورت ہے کہ الہام ہونے کی قابلیت رکھتی
ہو۔ الہام سے شاید بعض حالتوں میں اس شخص کو جس کو الہام ہوا ہو کوئی طہانیت قلبی حاصل
ہوتی ہو مگر اس سے کوئی ایسا نتیجہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا۔ یقین دلانے والا
تسکین بخشنے والا یا اس واقعہ کی واقعیت اور اصلیت کو ثابت کرنے والا ہو پیدا نہیں
ہو سکتا۔ سلسلہ الہامات کا زیادہ تر عرفانیات سے علاوہ رکھتا ہے جو محض تخیلات ہیں۔

اور کوئی ثبوت اس کے محققہ اور واقعہ ہونے کا نہیں۔ صوفیاء کے تمام الہامات سحر و خیالات نفسی کے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے اور محض بیچ بونج اور بیکار ہیں۔ بد اُن بے خلق الشد کو کچھ نفع ہے اور نہ ضرر۔ دین اسلام تو بموجب الیوم اکملت لکم دینکم کہل ہو چکا اب الہام اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کر سکتا۔ جو لوگ کسی ملہم کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کا بھی تصدیق نہیں کر سکتے کہ درحقیقت اس کا دعویٰ الہام صحیح ہے یا دماغ میں خدا خواستہ کچھ دخل ہے۔ اور ملہم جو اپنے تمیں بوجود الہام مطمئن سمجھتا ہے یہ اطمینان اس کے بھی اعتقاد کے لائق نہیں۔ کیا معلوم کہ وہ درحقیقت مطمئن ہے یا یونہی خیال باطل میں مبتلا ہے۔ اس سوزیاں ملہموں اور اُن لوگوں میں جو صوفی اور اہل الشد کہلاتے ہیں اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے ہی امور خیالیہ پر جو بے اصل محض ہیں جم جلتے ہیں اور اُن کو صحیح خیال کرنے لگتے ہیں اور ان کی ترقیات سلوک صرف اوام کی ترقی ہے۔ الہام اور ملہم کی طرف نہ دین کے لئے اور نہ معلو کے لئے اور نہ تقرب الی الشد کے لئے اور نہ تیسرے حق اور باطل کے لئے ہمیں کچھ حاجت ہے گو لوگ کسی ملہم کے گردیے جمع ہو جائیں جیسے بت پرست کسی بت کے گرد۔ خلاصہ مطلب یہ کہ الہام بالکل بے سود ہے اور اس کی صحت پر کوئی حجت نہیں۔ فافهم هذا ما اللہمنی بلی تم کلامہ۔ یہ عاجز مسید صاحب کے دساوس کے دور کرنے کے لئے سب سے اول اس بات کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ جو کچھ سید صاحب نے الہام کے بارے میں سمجھا ہے یعنی یہ کہ وہ صرف امور خیالیہ ہیں کہ فقط ملہمین کا دل ہی انکا موجد ہو تا ہے۔ یہ سید صاحب کی رائے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اب تک اس تعلیم سے بے خبر ہیں۔ جو الہام یعنی وحی کے بارے میں الشد جل شانہ اور اس کے رسول نے فرمائی ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اس کیفیت کے بیان کرنے کے لئے جو مکالمہ الہی سے تعبیر کی جاتی ہے الہام کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا محض لغوی طور پر ایک جگہ الہام کا لفظ آیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے فافهمها فجوہاد تقوٰیٰ لها۔ سو اس کو مانع فیہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس کے

تو صرف اسی قدر مضمے ہیں کہ خدا تعالیٰ بوجہ علت العلل ہونے کے بدول کو اُن کے مناسب حال اور نیکوں کو اُن کے مناسب حال اُن کے جذبات نفسانی یا متقیانہ بوشوں کے موافق اپنے فتاویٰ قدرت کے حکم سے خیالات و تدابیر و حیل مطلوبہ کے ساتھ تائید و ترہائے یعنی نئے نئے خیالات و حیل مطلوبہ کو کسو جھاد و تلبہ یا یہ کہ اُن کے بوشوں اور جذبول کو بڑھاتا ہے اور یا یہ کہ اُن کے تخنم مخفی کو ظہور میں لاتا ہے۔ مثلاً ایک چور اس خیال میں لگا رہتا ہے کہ کوئی عمدہ طریقہ نقب زنی کا اس کو معلوم ہو جائے تو اُس کو سو جھایا جاتا ہے۔ یا ایک متقی چاہتا ہے کہ وہ جہ حلال کی قوت کے لئے کوئی سبیل مجھے حاصل ہو تو اس بارے میں اس کو بھی کوئی طریق بتلایا جاتا ہے۔ سو عام طور پر اس کا نام الہام ہے جو کسی نیک بخت یا بد بخت سے خاص نہیں۔ بلکہ تمام نوع انسان اور جمیع افراد بشر اس علیہ العلل سے مناسب حال اپنے اس الہام سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

لیکن اس سے بہت اوپر چڑھ کر ایک اور الہام بھی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں وحی کے لفظ سے یاد کیا ہے نہ الہام سے۔ اور اس کی تعریف یہ ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو بکثرت انہیں پر ہوتی ہے جو خاص اور مقرب ہوں۔ اور اس کی علت غائی یہ ہے کہ شبہات اور شکوک سے نکالنے کے لئے یا ایک نئی یا مخفی بات کے بتانے کے لئے یا خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کے ارادہ پر مطلع کرنے کے لئے یا کسی محفل خوف سے مامون اور مطمئن کرنے کے لئے یا کسی بشارت کے دینے کے لئے منجانب اللہ پیسائیہ مکالمہ مخاطبہ اور کلام لذیذ کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ وہ ایک غیبی القاء لفظوں کے ساتھ ہے جس کا ادراک غالباً غیبت جس کی حالت میں سماع کے طور پر یا جریان علی اللسان کے طور پر یا رویت کے طور پر ہوتا ہے اور اپنے نفس اور امور خیالیہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض الہی تحریک اور ربانی نفخ سے ایک قدرتی آواز ہے جس کو مورد وحی کی قوت حاسہ دریافت کر لیتی ہے۔

۹۹

۹۹

جب انسان کی روح نفسانی آلائشوں سے پاک ہو کر اور اسلام کی واقعی حقیقت سے کامل رنگ پکڑ کر خدا تعالیٰ کی بے نیاز جناب میں رضا اور تسلیم کے ساتھ پوری پوری غلوار سے کوٹ لے کر اپنا سر رکھ دیتی ہے اور ایک سچی قربانی کے بعد جو فدائے نفس و مال و عزت و دیگر لوازم محسوبہ نفس سے مراد ہے محبت اور عشق مولیٰ کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اور تمام تجب نفسانی جو اس میں اور اس کجیب میں دوری ڈال رہے تھے معدوم اور زائل ہو جاتے ہیں اور ایک انقلاب عظیم اور سخت تبدیلی اس انسان کی صفات اور اس کی اخلاقی حالت اور اس کی زندگی کے تمام جذبات میں پیدا ہو کر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ظہور میں آ جاتی ہے اور اس کی نظر شہود میں وجود غیر ہٹتی معدوم ہو جاتا ہے۔ تب ایسا انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ مکالمہ الہی سے بکثرت مشرف ہو۔ اور مکالمہ الہی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ محدود اور مشتبہ معرفت سے انسان ترقی کر کے اس درجہ شہود پر پہنچتا کہ گویا خدا تعالیٰ کو اس نے دیکھ لیا ہے۔ سو یہ وہ مقام ہے جس پر تمام مقامات معرفت و خدا شناسی کے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وہ آخری نقطہ کمالات بشریہ کا ہے جس سے بڑھ کر عرفان کے پیاسوں کے لئے اس دنیا میں ہرگز میسر نہیں ^{۱۱۳} اسکتا اور نبیوں اور محدثوں کے لئے اس کے حصول کا اکثر طور پر قدرتی طریق یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی برائے میں سے اپنا کلام نازل کرے تو روحانی طور پر بغیر توسط جسمانی اسباب کے اس پر مدد دے اور یہ ہموشی طاری کی جاتی ہے۔ تب وہ شخص اپنے وجود سے کچلے گم ہو کر بلا اختیار جناب الہی کی ایک خاص کشش سے گہرے غوطہ میں چلا جاتا ہے اور ہوش آنے کے وقت اپنے ساتھ ایک کلام لفیذ لے آتا ہے وہی وحی الہی ہے۔

یہ کلام جو خدا تعالیٰ کے پیاروں اور مقدسوں پر نازل ہوتا ہے یہ کوئی دہی اور خیالی بات نہیں ہوتی۔ جس کو انسان کا نفس آپ ہی پیدا کر سکے بلکہ یہ واقعی اور حقیقی طور پر اس ذات لایدرک کا کلام ہوتا ہے جس کی ہستی کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ کا ثبوت عارفوں کی

نگاہ میں یہی کلام ہے اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اپنا کلام اپنے بندوں پر نازل کرے۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کافی ہیں خدا تعالیٰ کا اپنے نبیوں سے ہم کلام ہونا اور اولیاء میں سے حضرت موسیٰ کی والدہ پر اپنا کلام نازل کرنا۔ حضرت خضر کو اپنے کلام سے مشرف کرنا۔ مریم صدیقہ سے اپنے فرشتہ کی معرفت ہم کلام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر قرآن کریم میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حاجت بیان نہیں۔ اور صحیح بخاری میں صفحہ ۵۲۱ مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ حدیث بھی ہو قد کان فی من قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکتلمون من غیر ان یکنوا انبیاء فان یاک فی امتی منهم احد فعمرو یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ گذرے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں سو اگر ایسے لوگ اس امت میں ہیں تو وہ عمر ہے۔

۹۱۵

ایسا ہی جمیع مشاہیر اولیاء کرام اپنے ذاتی تجارب سے اس بات کی گواہی دیتے آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات و مخاطبات واقع ہوتے ہیں اور کلام لذین رب عزیزی بوقت دعا اور دوسرے اوقات میں بھی اکثر وہ سنتے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ فتح الغیب میں سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کس قدر جا بجا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کلام الہی اس کے مقرب اولیاء پر ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ کلام ہوتا ہو نہ فقط الہام اور حضرت مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی صفحہ ۹۹ میں ایک مکتوب بنام محمد صدیق لکھتے ہیں جس کی عبارت یہ ہے۔

۹۱۶

اعلم ایہا الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاہا و ذالک لافراد من الانبیاء وقد یکون ذالک لبعض الکمل من متابعیہم و اذا کثر هذا القسم من الکلام مع واحد منهم می حدثنا وهذا غیر الالہام و غیر الالبقاء فی الروح و غیر الکلام الذی مع المملک

انما مخاطب بهذا الكلام الانسان الكامل والله يختص برحمته من يشاء
یعنی اسے دوست نہیں معلوم ہو کہ اللہ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی رو بہ رو
اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدا تعالیٰ کے ہمکلام ہوتے
ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ اور کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو
ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے منہج ہیں اور جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی کا پاتا
ہے اس کو محدث بولتے ہیں۔ اور یہ مکالمہ الہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے
اور یہ القاء فی الردع بھی نہیں ہے اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا
ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو اور خدا تعالیٰ جس کو
چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت الہام اور چیز ہے اور مکالمہ الہی
اور چیز ہے۔ اور سید صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام کے صفحہ ۷ میں اس بیان
مذکورہ بالا کا صاف اصرار کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیے کہ صفحہ ۷ تبیین الکلام کا ضرور
پڑھیں تا معلوم ہو کہ سید صاحب آپ ہی پہلے ان تمام باتوں کا اقرار کر چکے ہیں اور اب
بعد اقرار کسی مصلحت سے انکاری ہو بیٹھے ہیں۔

اور سید صاحب کا یہ فرمانا کہ الہام بے سود ہے خود بے سود ہے۔ کیونکہ اگر وہ الہام
بے سود ہے جس کی سید صاحب نے تعریف اپنے مضمون میں کی ہے تو ہوا کرے۔ لیکن
کلام الہی تو بے سود نہیں۔ اور نعوذ باللہ کیونکہ بے سود ہو۔ وہی تو ایک فی حد کمال معرفت
کا ہے جس کی وجہ سے انسان اس پر غبار دنیا میں صرف خود تراشیدہ خیالات سے
خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اس حقیقی وجود کے منہ سے انا الموجد کی آواز بھی
سن لیتا ہے اور صد مافوق العادت پیشگوئیوں اور اسرار عالیہ کی وجہ سے جو اس کلام کے
ذریعہ سے منکشف ہوتے ہیں متکلم پر ایمان لانے کے لئے حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے

اور ایسے شخص کا جلس بھی ان روحانی منافع و فوائد سے محروم نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ یہاں تک اس کو قوت یقین مل جاتی ہے گویا عدلے غور و جل کو دیکھ لیتا ہے اگر سید صاحب اس بات کا کسی اخبار میں اعلان دیں کہ ہمیں اس بات پر ایمان نہیں کہ یہ مرتبہ خدا تعالیٰ کی ہر کامی کا انسان کو مل سکتا ہے اور ان تمام شہاد توں سے انکار ظاہر کریں کہ پور روحانی تجربہ کاروں رسولوں اور نبیوں اور ولیوں نے پیش کی ہیں تو اس عاجز پر فرض ہوگا کہ اسی فوق العادہ طریقی سے جس کی بنیاد خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں نے ڈالی ہے۔ آزمائش کیلئے سید صاحب کو ہندو کسی اخبار کے کھلے کھلے طور پر دعوت کرے۔ اور اگر سید صاحب طالب حق ہوں گے تو اس روحانی دعوت کو بسر و چشم قبول کر لیں گے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

توفی کے لفظ کی نسبت نیز الدجال کے بارے میں مزار روپے کا اشتہار

تمام مسلمانوں پر واضح ہو کہ کمال صفائی سے قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گیا ہے کہ در حقیقت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام بطریق آیت فیہا ت حیون و فیہا ت مموتون زمین پر ہی اپنی جسمانی زندگی کے دن بسر کر کے فوت ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کریم کی سولہ آیتوں اور بہت سی حدیثوں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح سے ثابت ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر آباد ہونے اور بسنے کے لئے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے اور نہ تحقیقی اور واقعی طور پر دو موتیں کسی پر واقع ہوتی ہیں اور نہ قرآن کریم میں واپس آنے والوں کے لئے کوئی قانون وراثت موجود ہے۔ باریہ نہ بعض علماء وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیات جسمانی و نبوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ توفی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی وفات دینا نہیں ہے بلکہ

پورا لینا ہے یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لیتا۔ مگر ایسے معنے کرنا ان کا سراسر افتراء ہے قرآن کریم کا محمولہ التئرام کے ساتھ اس لفظ کے بارے میں یہ محاورہ ہے کہ وہ لفظ قبض روح اور وفات دے دینے کے معنوں پر ہر ایک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے جب سے دنیا میں عرب کا جرمہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ توفی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لغت کی اس کے مخالف نہیں۔ کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مضائقہ نہیں۔ غرض ایک کذبہ احتمال مخالف کے گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پایا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالات حدیث وانی اور قرآن وانی کا اقرار کروں گا۔ ایسا ہی اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا ان کا کوئی بھتیجا یہ ثابت کر دیوے کہ الدہ احتمال کا لفظ جو بخاری اور مسلم میں آیا ہے جسند و حال معمود کے کسی اور دہال کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ایسے شخص کو بھی جس طرح ممکن ہو ہزار روپیہ نقد بطور تاوان دوں گا۔ چاہیں تو چھ سو چوبیس کرائیں یا تمسک لکھا لیں۔ اس اشتہار کے مخاطب خاص طور ہوا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔

جنہوں نے غرور اور مجتبر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ توفی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی پورے لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہریت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا۔ اور وجود مرکب جسم اور روح میں سے کوئی حصہ مشرک نہ چھوڑنا۔ بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا۔ سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرعی اشتہار ہے۔ ایسا ہی محض نفسانیت اور عدم واقفیت کی راہ سے مولوی محمد حسین صاحب نے الدجال کے لفظ کی نسبت جو بخاری اور مسلم میں جلد جاد جلال محمود کا ایک نام ٹھہرایا گیا ہے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ الدجال دجال محمود کا خاص طور پر نام نہیں۔ بلکہ ان کتابوں میں یہ لفظ دوسرے دجالوں کے لئے بھی مستعمل ہے اور اس دعویٰ کے وقت اپنی حدیث دانی کا بھی ایک لمبا چوڑا دعویٰ کیا جو اس کھج معنی الدجال سوا انکار کر کے اور یہ دعویٰ کر کے کہ یہ لفظ الدجال کا صرف دجال محمود کے لئے آیا ہے اور بطور علم کے اس کے لئے مقرر ہو گیا ہے۔ یہ شرعی اشتہار جاری کیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اور ان کے ہم خیال علماء نے لفظ توفی اور الدجال کی نسبت اپنے دعویٰ متذکرہ بالا کو پیایہ ثبوت پہنچا دیا تو وہ ہزار روپیہ لینے کے مستحق ٹھہریں گے اور نیز عام طور پر یہ عاجز یہ اقتدار بھی چند اخباروں میں شائع کر دے گا کہ درحقیقت مولوی محمد حسین صاحب اور ان کے ہم خیال فاضل اور واقعی طور پر محدث اور مفسر اور رموز اور دقائق قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے سمجھنے والے ہیں۔ اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ لوگ دقائق و حقائق بلکہ سطحی معنوں قرآن اور حدیث کے سمجھنے سے بھی قاصر اور سر اسرغبی اور بلیہ میں ادد و پردہ اللہ اور رسول کے دشمن ہیں کہ محض الحاد کی راہ سے واقعی اور حقیقی معنوں کو ترک کر کے اپنے گھر کے ایک نئے معنی گھڑتے ہیں ایسا ہی اگر کوئی یہ ثابت کر کے دکھاوے کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں اور احادیث جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کوئی مردہ دنیا میں واپس نہیں آئے گا قطعیت الدلالت نہیں اور نیز بجائے

لفظ موت^{۹۲} اور امات کے جو متعدد المعنی ہے اور نیت اور بے ہوشی اور کفر اور ضلالت اور قریب الموت ہونے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ قوی کا لفظ کہیں دکھاوے مثلاً یہ کہ توفاء اللہ مائتہ عام ثم بعثہ۔ تو ایسے شخص کو بھی بلا توقف ہزار روپیہ نقد دیا جاوے گا۔ ✽

المشترکاکار غلام احمد از لودھیانہ محلہ اقبال گنج

نوٹ۔ فوت کے بعد زندہ کرنے کے متعلق جس قدر قرآن کریم میں آیتیں ہیں کوئی ان میں سے حقیقی موت پر محمول نہیں ہے۔ اور حقیقی موت کے ماننے سے نہ صرف اس جگہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ آیتیں قرآن کریم کی ان سولہ آیتوں اور ان تمام حدیثوں سے مخالف ٹھہرتی ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد پھر دنیا میں نہیں بھیجا جاتا۔ بلکہ علاوہ اس کے یہ فلو بھی لازم آتا ہے کہ جان کنڈن اور حساب قبر اور دفع الی السماء جو صرف ایک دفعہ ہونا چاہیئے تھا دو دفعہ ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اب شخص فوت شدہ حساب قبر کے بعد قیامت میں اٹھیا گا کہ یہ صحیح ٹھہرتا ہے۔ اور اگر ان آیتوں میں حقیقی موت مراد نہ لیں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ موت کے مشابہ ایک مدت تک کسی پر کوئی حالت بے ہوشی وارد کر کے پھر اس کو زندہ کر دیوے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو۔ اور صحیح تو یہ ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی جاندار پر حقیقی موت وارد نہ کرے وہ مرنے نہ سکتا۔ اگرچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جاوے۔ **الموت علم ان اللہ علی کل شیء قدیر** و ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ منہ

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۸۹۲

۹۲۲

یہ آیت پوری پوری یہ ہے یعیسیٰ اقی متوفیک ورا فعلک الی ومطہرک
 من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک قوق الذین کفروا الی یم
 القیامۃ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ترتیب وار اپنے تئیں فاعل ٹھہرا کر چار فعل
 اپنے یکے بعد دیگرے بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے
 وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار کے الزاموں سے پاک
 کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں
 اور ظاہر ہے کہ یہ ہر چار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس میں
 شک نہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف بلایا جاوے اور ارجحی الی ربک کی خبر
 اس کو پہنچ جائے پہلے اس کا وفات پانا ضروری ہے۔ پھر بموجب آیت کریمہ اس جحی الی
 ربک اور حدیث صحیح کے اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ اور وفات کے بعد مومن کی
 روح کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع لازمی ہے جس پر تشران کریم اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں
 پھر بعد اس کے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو فرمایا جو میں تجھے کفار کے الزاموں سے
 پاک کرنے والا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کو
 مصلوب کر کے اس الزام کے نیچے داخل کریں جو توریت باب استثناء میں لکھا ہے جو
 مصلوب لعنتی اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہے۔ جو عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ
 کی طرف اٹھایا نہیں جاتا۔ سو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اس آیت میں بشارت دی کہ تو اپنی
 موت طبعی سے فوت ہوگا اور پھر عزت کے ساتھ میسری طرف اٹھایا جائے گا اور جو تیرے
 مصلوب کرنے کے لئے تیرے دشمن کو شش کر رہے ہیں ان کو ششوں میں وہ کام پہنچے
 اور جی الزاموں کے قائم کرنے کے لئے وہ فکر میں ہیں اُن تمام الزاموں سے میں تجھے

۹۲۳

پاک اور منصفہ رکھوں گا یعنی مصلوبیت اور اس کے بدنتائج سے جو لعنتی ہونا اور نبوت سے محروم ہونا اور رفع سے بے نصیب ہونا ہے۔ اور اس جگہ توفی کے لفظ میں بھی مصلوبیت سے بچانے کے لئے ایک ہاریک اشارہ ہے۔ کیونکہ توفی کے معنے پر غالب یہی بات ہے کہ موت طبعی سے وفات دی جائے یعنی ایسی موت سے جو شخص بیماری کی وجہ سے ہو نہ کسی مزہر سقطہ سے۔ اسی وجہ سے مفسرین صاحب کشاف وغیرہ انی متوفیک کی یہ تفسیر لکھتے ہیں کہ انی ممیتک حتف انفک۔ ہاں یہ اشارہ آیت کے تیسرے فقرے میں کہ مطہرک من الذین کفروا ہے اور بھی زیادہ ہے۔ غرض فقرہ مطہرک من الذین کفروا ایسا کہ تیسرے مرتبہ پر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی ترتیب طبعی کے لحاظ سے بھی تیسری مرتبہ پر ہے۔ کیونکہ جبکہ حضرت عیسیٰ کا موت طبعی کے بعد نبیوں اور مقدسوں کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو گیا۔ تو بلاشبہ وہ کفار کے منصوبوں اور الزاموں سے بچائے گئے اور چوتھا فقرہ وجاعل الذین اتبعوہ جیسا کہ ترتیباً چوتھی جگہ قرآن کریم میں واقع ہے ایسا ہی طبعاً بھی چوتھی جگہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کے قبضین کا غلبہ ان سب امور کے بعد ہوا ہے۔ سو یہ چار فقرے آیت موصوفہ بالا میں ترتیب طبعی سے واقع ہیں اور یہی تشریح قرآن کریم کی شان بلاغت سے مناسب حال ہے۔ کیونکہ امور قابل بیان کا ترتیب طبعی سے بیان کرنا کمال بلاغت میں داخل اور عین حکمت ہے۔ اسی وجہ سے ترتیب طبعی کا استنزام تمام قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ سورہ فاتحہ میں ہی دیکھو کہ کیونکہ پہلے رب العالمین کا ذکر کیا پھر رحمن پھر رحیم پھر ملک یوم الدین اور کیونکہ فیض کے سلسلہ کو ترتیب وار عام فیض سے لے کر خاص فیض تک پہنچایا۔ غرض موافق عام طریق کامل البلاغۃ قرآن کریم کی آیت موصوفہ بالا میں ہر چار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں لیکن حلال کے متعصب ملا جن کو یہودیوں کی طرز پر بحر فون الکلم عن مواضع کی عادت ہے اور یوحنا بن مریم کی حیات ثابت کرنے کے لئے

ہے طرح ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور کلام الہی کی تحریف و تبدیل پر کمر باندھ لی ہے وہ نہایت
 تکلف سے خدا تعالیٰ کی ان چار ترتیب و ارفقروں میں سے دو فقروں کی ترتیب طبعی
 سے منکر ہو بیٹھے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ اگرچہ فقرہ مطہرک من الذین کفر و اللہ
 فقرہ وجاعل الذین اتبعواک بترتیب طبعی واقع ہیں لیکن فقرہ انی متوفیک
 اور فقرہ ورا فحک الی ترتیب طبعی ہر واقع نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل فقرہ انی متوفیک
 مؤخر اور فقرہ ورا فحک الی مقدم ہے۔ شکوک کہ ان لوگوں نے باوجود اس کے کہ کلام
 بلاغت نظام حضرت ذات احسن ^{الکلیں} جلالہ کو اپنی اصل وضع اور صورت اور ترتیب سے
 بدلا کر مسخ کر دیا۔ اور چار فقرہ میں سے دو فقروں کی ترتیب طبعی کو مسلم رکھا اور دو فقروں
 کو دائرہ بلاغت و فصاحت سے خارج سمجھ کر اپنی طرف سے اُن کی اصلاح کی یعنی مقدم کو
 مؤخر کیا اور مؤخر کو مقدم کیا۔ مگر باوجود اس قدر یہودیانہ تحریف کے پھر بھی کامیاب
 نہ ہو سکے۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ فقرہ انی ورا فحک الی فقرہ انی متوفیک پر مقدم
 سمجھنا چاہیے تو پھر بھی اس سے محرفین کا مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے چوتھیں
 ہوں گے کہ اے عیسیٰ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور وفات دینے والا ہوں اور یہ
 معنی سراسر غلط ہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آسمان پر رہی وفات ہو
 وہ یہ کہ جب رفع کے بعد وفات دینے کا ذکر ہے اور نزول کا درمیان کمین ذکر نہیں۔ اس
 سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آسمان پر رہی حضرت عیسیٰ وفات پائیں گے۔ ہاں اگر ایک تیسرے فقرہ
 اپنی طرف سے گھڑا جائے اور ان دونوں فقروں کے بیچ میں رکھا جائے اور یوں کہا جائے
 یعیسیٰ انی ورا فحک و مسزک و متوفیک تو پھر معنی درست ہو جائیں گے۔ مگر
 ان تمام تحریفات کے بعد فقرات مذکورہ بالا خدا تعالیٰ کا کلام نہیں رہیں گے۔ بلکہ باعث
 دغل انسان اور صریح تغیر و تبدیل و تحریف کے اسی حرف کا کلام متفقہ ہوں گے۔ جس نے
 بے حیائی اور شوفی کی راہ سے ایسی تحریف کی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسی کارروائی سراسر

فمعناه كل من كان في صفتهم لقوله تعالى الا عبادك منهم المخلصين
یعنی عساکر منغشری نے بخاری کی اس حدیث میں طعن کیا ہے اور اس کی صحت میں اسکو شک
ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث معارض تشریح ہے اور فقط اس صورت میں صحیح تصور ہو سکتی ہے
کہ اس کے یہ معنی کے جاویں کہ مریم اور ابن مریم سے مراد تمام ایسے لوگ ہیں جو ان کی صفت
پر ہوں۔ ماسوا اس کے حسب آیت کریمہ فبأی حدیث بعدہ یؤمنون اور بحسب
آیت کریمہ فبأی حدیث بعدہ الله وایا تم یؤمنون ہر ایک حدیث جو صریح آیت
کے معارض پڑے رو کرنے کے لائق ہے۔ اور آخری نصیحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
تھی کہ تم نے تمسک بکتاب اللہ کرنا۔ جیسا کہ بخاری کے صفحہ ۷۵۱ میں یہ حدیث درج ہے
کہ اوصی بکتاب اللہ۔ اسی وصیت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے پھر
اسی بخاری کے صفحہ ۱۰۸۰ میں یہ حدیث ہے وهذا الکتاب الذی ھدی اللہ بہ
رسولکم فخذوا بہ تھتدوا یعنی اسی قرآن سے تمہارے رسول نے ہدایت پائی ہے
سو تم بھی اسی کو اپنا رہنما پکڑو۔ تا تم ہدایت پاؤ۔ پھر بخاری کے صفحہ ۲۵۰ میں یہ حدیث
ہے ما عندنا شیء الا کتاب اللہ یعنی کتاب اللہ کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز
نہیں جس سے باستقلال تمسک ہو سکیں۔ پھر بخاری کے صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث ہے
حسبکم القرآن یعنی تمہیں قرآن کافی ہے۔ پھر بخاری میں یہ بھی حدیث ہے
حسبنا عتب اللہ ما کان من شوط لبس فی عتب اللہ فهو باطل قضاء
اللہ الحق دیکھو صفحہ ۲۹۰ و ۳۴۷ و ۳۴۸۔ اور یہی اصول محکم ائمہ کبار کا ہے۔ چنانچہ تاج
میں لکھا ہے انما یرد خیر الو احد من معارضۃ الکتاب۔ پس جس صورت میں خبر واحد
جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی داخل ہیں بحالت معارضۃ کتاب اللہ رو کرنے کے لائق
ہے۔ تو پھر کیا یہ ایمان داری ہے کہ اگر کسی آیت کا کسی حدیث سے تعارض معلوم ہو تو آیت
کے زیر و زبر کرنے کی فکر میں ہو جائیں اور حدیث کی تاویل کی طرف رخ بھی نہ کریں۔

ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح کی یہی عادت تھی کہ جب کہیں آیت اور حدیث میں تعارض و متخالف پاتے تو حدیث کی تاویل کی طرف مشغول ہوتے۔ مگر اب یہ ایسا زمانہ آیا ہے کہ تفسرانِ کیم سے حدیثیں زیادہ پساری ہو گئیں ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآنِ کیم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں جب کسی حدیث کا قرآنِ کیم سے تعارض دیکھتے ہیں تو حدیث کی طرف ذرہ شاک نہیں گذرتا یہودیوں کی طرح قرآنِ کیم کا بدلانا شروع کر دیتے ہیں اور کلمات اللہ کو ان کے اصل مواضع سے پھیر کر کہیں کا کہیں لگا دیتے ہیں اور بعض فقرے اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے تئیں یحیٰ فون الکلم عن مواضعہ کا مصدق بنا کر اس لعنت اللہ سے حصہ لے لیتے ہیں جو پہلے اس سے یہودیوں پر انہیں کاموں کی وجہ سے وارد و نازل ہوئی تھی۔ بعض تحریف کی یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ فقرہ متوفیک کو مقدم ہی رکھتے ہیں مگر بعد اس کے انی عجیبک کا فقرہ اپنی طرف سے لاپتے ہیں۔ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے آخر میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی تحریف یہی تھی کہ وہ پڑھنے میں کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے مواضع سے پھیرتے تھے (اور حق بات یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کی تحریف تحریری و تقریری کرتے تھے) مسلمانوں نے ایک قسم میں (جو تقریری تحریف ہے) ان سے مشابہت پیدا کر لی اور اگر وعدہ صادق انا نحن نزلنا الذکر وانا لعلک علیہ تعزف تحریری سے مانع نہ ہوتا تو کیا تعجب کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ تحریر میں بھی ایسی تحریفیں شروع کر دیتے کہ فقرہ واخضک کو مقدم اور انی متوفیک کو مؤخر لکھ دیتے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم پر ایسی مصیبت کیا آپڑی ہے کہ تم کتاب اللہ کے زیر و زبر اور محرف کرنے کی فکر میں لگ گئے تو اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تا کسی طرح تفسرانِ کیم انی حدیثوں کے مطابق ہو جاوے جن سے بغیر معارض و مخالف معلوم ہوتا ہے۔ ان بے چاروں کو اس بات کی طرف خیال نہیں آتا

کہ اگر درحقیقت کوئی حدیث قرآن کریم سے معارض و مخالف ہے تو حدیث قابل تاویل ہے نہ کہ قرآن۔ کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ جو اہرٹ مرصع کی طرح اپنے اپنے محل پر چسپان ہیں اور نیز قرآن کریم کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک نقطہ تصرف اور دخل انسان سے محفوظ ہے برخلاف حدیث میں کہ وہ محفوظ الفاظ بکلی نہیں اور ان کے الفاظ کی یادداشت اور محصلہ پر رکھنے میں وہ اہتمام نہیں بخدا جو قرآن کریم میں اتوا۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقامات متعارضہ میں راویوں کے حافظہ نے وفا نہیں کی اس جگہ ہم چند مقامات متعارضہ صحیح بخاری کے جو بعد کتاب الشہادۃ الکتب خلیل کی گئی ہے اور درحقیقت اصح ہے لکھتے ہیں۔ از انجملہ وہی حدیث صفحہ ۶۵۶ بخاری ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ میں شیطان سے محفوظ صرف ابن مریم اور اس کی والدہ ہے لیکن حدیث صفحہ ۶۷۷ بخاری میں اس کے برخلاف درج ہے جس میں لکھا ہے کہ جو شخص محبت کے وقت ۱۰۰۰ اللہم الخ پڑھے اس کی اولاد میں شیطان سے محفوظ رہتی ہے۔ ایسا ہی بخاری کے صفحہ ۶۶۴ اور صفحہ ۶۶۶ کی حدیثیں بھی اس کے معارض پڑی ہیں۔ اور ایسا ہی بخاری کی وہ حدیث بھی جو صفحہ ۶۷۷ میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے ایام بناء میں کس قدر فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ چالیس برس کا۔ حالانکہ روایت صحیح سے ثابت ہے کہ بانی کعبہ ابراہیم اور بانی بیت المقدس حضرت سلیمانؑ ہے اور ان دونوں کے زمانہ میں ہزار برس سے بھی زیادہ فاصلہ ہو۔ اسی وجہ سے ابن جوزی نے بھی اس حدیث پر لکھا کہ فیہ اشکال لان ابراہیم بنی الکعبۃ و سلیمان بنی بیت المقدس و بینہما اکثر من الف سنۃ۔ دیکھو صفحہ ۶۷۷ بخاری ایسا ہی معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض واقع ہے۔ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۵۰ بخاری میں جو حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں مکہ میں تھا کہ چھت کو کھول کر حضرت جب ریل میرے پاس آئے اور میرے سینہ کو کھولا اور آب زمزم سے اس کو دھویا۔ پھر ایک ہونے کا طشت

لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینہ میں ڈالا گیا پھر جبریل میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا۔ مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلعتی جو عین بیماری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا۔ بہر حال آسمان پر پہنچے اور ابراہیم کو چمٹے آسمان پر دیکھا اور سب سے اول آدم کو دیکھا پھر ادریس کو دیکھا۔ پھر موسیٰ کو اور پھر ان سب کے بعد عیسیٰ کو دیکھا۔ بعد اس کے ابراہیم کو دیکھا اور سب کے بعد بنشت کا مشاہدہ کیا اور پھر واپس آئے۔ اور کتاب پر الخلق صفحہ ۴۵۵ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیماری کے درمیان تھا کہ تین فرشتے آدمیوں کی صورت پر آئے اور ایک جانور بھی حاضر کیا گیا جس کا قنچر سے کچھ کم مگر گدھے سے کچھ زیادہ تھا۔ پھر میں آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر یحییٰ اور عیسیٰ کو دیکھا۔ پھر تیسرے میں یوسف کو دیکھا اور چوتھے میں ادریس کو دیکھا اور پانچویں آسمان میں ہارون کی طاقات ہوئی اور چمٹے آسمان میں موسیٰ کو ملا۔ اور جب میں موسیٰ کے مقام سے اُگے نکل گیا تو وہ رویا۔ پھر جب میں ساتویں آسمان میں گیا تو ابراہیم کو وہاں دیکھا۔

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۷۴ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ کی ذات ابراہیم کو میں نے چمٹے آسمان میں دیکھا اور اس حدیث میں براق کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان پر لے گیا اور اس حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے آدم کو دیکھا اور پھر ادریس کو پھر موسیٰ کو پھر عیسیٰ کو پھر ابراہیم کو۔ پھر بخاری کی کتاب المناقب صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جہنم میں تھا یا جحیم میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا دل نکالا۔ اسی اثناء میں ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں ایمان بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میرا دل دھویا گیا اور پھر میں براق پر سوار ہو کر آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر یحییٰ اور عیسیٰ کو دیکھا اور تیسرے آسمان پر یوسف کو پایا اور چمٹے آسمان پر ادریس کو دیکھا اور پانچویں آسمان پر ہارون کو اور چمٹے پر

۹۳۴
موسیٰ کو اور ساتویں پراسیم کو دیکھا۔

۹۳۵

پھر بخاری کی کتاب التوحید والروایۃ الحمید میں صفحہ ۱۱۲۰ میں لکھا ہے کہ مسجد کعبہ میں تین شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہنوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر مامور نہیں ہوئے تھے یعنی وحی نازل ہونے اور مبعوث ہونے سے پہلے کا زمانہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے جو معراج ہوا۔ لیکن اسی حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت مبعوث ہو چکے تھے جب یہ معراج ہوا۔ پھر بغیر براق کے آسمان پر گئے اور اریس کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور بارہن کو چوتھے میں اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں اور موسیٰ کو ساتویں میں اور جب موسیٰ سے آگے ہو گئے اور ساتویں آسمان سے عبور کرنے لگے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ مجھ سے بھی زیادہ کسی کا رفع ہوگا۔ عربی عبارت یہ ہے فقال موسیٰ رب لم اظن ان یرفع علیّ احدٌ (یہ وہی رفع ہے جس کی طرف آیت ورافعلیٰ فی میں اشارہ ہے) پھر اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ اس قدر واقعہ دیکھ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور جاگ اٹھے۔ اور ان پانچوں حدیثوں میں بالالتزام لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سے تخفیف کر کے پانچ منظور کر لیں۔ ۹۳۵
ابن دیکھنا چاہئے کہ ان پانچ حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے کسی حدیث میں براق کا ذکر ہے اور کسی میں یہ ہے کہ جب سیریل ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور کسی میں بیداری اور کسی میں خواب لکھی اور کسی میں لکھا ہے کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ میں مسجد کعبہ میں تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ صرف جب سیریل آیا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ تین آدمی آئے تھے۔ اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد عیسیٰ اور یحییٰ کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد اریس کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور موسیٰ کو چھٹے آسمان میں اور کسی میں لکھا ہے کہ پہلے موسیٰ کو دیکھا پھر عیسیٰ کو۔ اور کسی میں یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کو

۹۳۵

ساقوں آسمان میں دیکھا۔ اور کسی میں اکھا ہے کہ موسیٰ کو ساقوں آسمان میں دیکھا اور لبرائیم کو چھٹے میں۔ غرض اس قدر اختلاف ہیں کہ جن کے مفصل لکھنے کے لئے بہت سے اوراق چاہیئے۔ اب کیونکو ممکن ہے کہ اگر ہر ایک راوی ان تمام الفاظ کو پیمت تمام یاد رکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے تھے تو اس قدر اختلاف اور تعارض ان کے بیانات میں پایا جاتا۔ بلاشبہ بعض راوی بوجہ کمزوری حافظہ بعض الفاظ کو بھول گئے یا محل بے محل کا فرق یاد نہ رہا۔ اسی وجہ سے یہ صریح اختلافات پیدا ہو گئے۔ پس جبکہ احادیث کے ضبط الفاظ کا یہ نمونہ ہے جو اس کتاب سے ملتا ہے تو بعد کتاب الشراح المکتب ہے تو اس صورت میں اگر کوئی حدیث صریح کتاب اللہ کے معارض ہو یا لہی باتوں کو بیان کرے جو اشارات انفس کے مخالف ہوں تو کیونکو ایسی حدیث کے وہ معنی مسلم رکھے جائیں جو قرآن کریم سے صریح تعارض رکھتے ہیں۔ جب کسی تعارض کے وقت حدیث کا بیان بمقابلہ بیان قرآن کریم کے چھوڑنا نفس پر شاق معلوم ہو تو حدیثوں کے باہمی تعارض پر غفلت کر دو انصاف کر لینا چاہیئے کہ علاوہ اس کمال خاص قرآن کے کہ وہ وحی متلو ہے محفوظیت کی رو سے بھی حدیثوں کو قرآن کریم سے کیا نسبت ہے۔ قرآن کریم کی میسا کہ اس کی بلاغت و فصاحت و حقائق و معارف کی رو سے کوئی چیز مثل نہیں ٹھہر سکتی۔ ایسا ہی اس کی صحت کا ملہ اور محفوظیت اور لاریب فیہ ہونے میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں کیونکہ اس کے الفاظ اور ترتیب الفاظ اور محفوظیت تمامہ کا اہتمام خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور ماسوا اس کے حدیث ہو یا قول کسی صحابی کا جو ان سب کا اہتمام انسانوں نے کیا ہے جو سہو اور نسیان سے بری نہیں رہ سکتے۔ اور ہرگز وہ لوگ محفوظیت تمامہ اور صحت کاملہ میں احادیث اور اقوال کو مثل قرآن نہیں بنا سکتے تھے۔ اور یہ مجذبان کا اس آیت کریمہ کے اعجازات پریشکر وہ میں داخل ہے۔ قل لئن اجمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لایأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً جب ہر ایک بات

۹۳۵

میں خلل قرین متنب ہے تو کیونکر وہ لوگ احادیث کو محض اور محفوظیت میں مثل قرین بنا سکتے ہیں۔
بعض نے احادیث معراج کا جو صحیح بخاری میں ہیں تعارض دور کرنے کے لئے یہ جواب دیا
ہے کہ حقیقت میں وہ صرف ایک ہی معراج نہیں بلکہ پانچ معراج ہوئے تھے۔ کوئی بیداری میں
اور کوئی خواب میں اور کوئی بعد از زمانہ وحی اور کوئی قبل از زمانہ وحی۔ اور کوئی بیت اللہ
میں اور کوئی اپنے گھر کے محراب میں۔ اسی وجہ سے انبیاء کی روایت میں بھی اختلاف پڑا۔
کبھی کسی کو کسی آسمان میں دیکھا اور کبھی کسی آسمان میں۔

۹۳۶

لیکن واضح ہو کہ تعارض دور کرنے کیلئے یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر پانچ معراج ہی تسلیم کئے جائیں تو
پھر بھی وہ اختلاف جو انبیاء کی روایت کی نسبت پایا جاتا ہے کسی طرح دو نہیں ہو سکتا کیونکہ خود انہیں احادیث کی
ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کیلئے خاص خاص مقامات آسمانوں میں مقرر ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ حدیث صحیح
جو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التوحید میں لکھی ہے جو بخاری طبعہ کے صفحہ ۱۱۲۰ میں موجود ہے باآواز
بلند پکار رہی ہے کہ ہر ایک نبی آسمانوں پر اپنے اپنے مقام پر قرار پا جائے جس کی بڑھاپا میں لکھا کہ اس حدیث
میں یہ فسرہ بھی درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ کو ساتویں آسمان میں
دیکھا اور جب ساتویں آسمان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے گئے تو موسیٰ نے کہا
اے میرے رب مجھے یہ گمان نہ تھا کہ مجھ سے بھی زیادہ کسی کا رافع ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ
اگر موسیٰ کے اختیار میں تھا کہ کبھی پانچویں آسمان پر آجائے اور کبھی چھٹے پر اور کبھی ساتویں
پر تو یہ گریہ و بکا کیسا تھا۔ جیسے پانچویں سے یا چھٹے سے ساتویں پر چلے گئے ایسا ہی آگے
بھی جاسکتے تھے اور قرآن کریم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص عروج میں اپنے نفسی
نقطہ سے آگے گذر نہیں سکتا۔ ماسوا اس کے پانچ معراجوں کے ماننے سے ایک اور مصیبت
یہ پیش آتی ہے کہ قرآن کریم اور خدا تعالیٰ کے احکام میں محض بے ہما اور لغو طور پر
منسوختیت ماننی پڑتی ہے اور اوپر ناقابل تبدیل اور سترہ کو فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا
ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تمنیح کا مرتکب قرار دے کر پھر ایمانی کے طور پر

پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والا اعتقاد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر قصہ معراج پانچ مرتبہ واقع ہوتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ پانچ ہی دفعہ اول نماز کی پچاس مقصد کی گئیں اور پھر پانچ منظور کی گئیں۔ مثلاً پہلی دفعہ کے معراج کے وقت میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کے لئے جیسا کہ بخاری کی یہ پانچ حدیثیں ہی ظاہر کر رہی ہیں کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمد و رفت کی یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کر کے پانچ نمازیں منظور کر لیں اور خدا تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کے لئے غیر مبتدل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوں اور قرآن بھی پانچ کے لئے نازل ہو گیا۔ اور حسب آیات مکرر قرآن کریم کے پانچ نماز پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اور سب قصہ لوگوں کو بھی سنا دیا گیا کہ اب ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر ہو گئیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو دوسرا معراج ہوا تو تمام پہلا سنت پر رفتہ اس میں کالعدم کیا گیا اور وہی پُرانا جھگڑا الاسرہ فویش آگیا کہ خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کر دیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا بھی کچھ لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا۔ مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کی طرح تخفیف کرنے کی غرض سے کئی دفعہ اپنے رب میں اور موسیٰ میں آمد و رفت کر کے نمازیں پانچ مقرر کر لیں اور جب الہی سے ہمیشہ کے لئے یہ منظوری ہو گئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں۔ اور قرآن میں یہ حکم غیر مبتدل قرار پایا۔ لیکن پھر تیسری دفعہ کے معراج میں وہی نصیبت پیش آگئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی غیر متبتدل آیتیں منسوخ کی گئیں۔ پھر بمشکل تمام بدستور مذکورہ بالا پچاس سے پانچ کر لیں۔ مگر جو تھی دفعہ کے معراج میں پھر پچاس مقصد کی گئیں۔ پھر جیسا کہ بار بار لکھا گیا ہے نہایت التجا اور کئی دفعہ کی آمد و رفت سے پانچ مقرر کر لیں اور خدا تعالیٰ نے پختہ عہد کر لیا کہ اب پانچ رہیں گی۔ لیکن پھر پانچویں دفعہ کے معراج میں پھر پچاس مقرر کی گئیں۔ پھر سب سے آمد و رفت کے بعد پانچ نمازیں

منظور کرائیں۔ مگر نسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی۔ اب کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام اس قدر کچے اور بے ثبات اور تعارض سر بھرے ہوئے ہیں کہ اول پچاس نمازیں مقرر ہو کر پھر پختہ طور پر ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر کی جائیں۔ پھر مختلف وعدہ کر کے پانچ کی پچاس بنائی جائیں۔ پھر کچھ رحم فرما کر ہمیشہ کے لئے پانچ کر دی جائیں۔ پھر بار بار وعدہ توڑ دیا جائے اور بار بار تہران کریم کی تین سوخ کی جائیں اور حسب نشاء آیت کریمہ ناسخ بخیر منہا او مثلاً اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو۔ و حقیقت ایسا خیال کرنا وحی الہی کے ساتھ ایک بازی ہو جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا ان کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح تعارض دُور ہو۔ لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دُور نہیں ہو سکتا بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا رہے اور کتاب التوحید کی حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲۰ میں ہے جس میں قبل ان یوحنا الیہ لکھا ہے یخود اپنے اندر تعارض رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ لکھا یا کہ بعثت کے پہلے یہ معراج ہوا تھا اور پھر اسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ نمازیں پانچ مقرر کر کے پھر آخر کار ہمیشہ کیلئے پانچ مقرر ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ معراج نبوت سے پہلے تھا تو اس کو نمازوں کی فرضیت سے کیا تعلق تھا اور قبل از وحی جب سبیل کیونکر نازل ہو گیا اور جو احکام رسالت سے متعلق تھے وہ قبل از رسالت کیونکر صادر کئے گئے۔ غرض ان احادیث میں بہت سے تعارض ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں بلکہ قدر مشترک ان کا بشرطیکہ قرآن سے معارض نہ ہو قابل تسلیم اور واجب العمل ہے۔ ان یہ بھی ضروری ہے کہ انھوں میں نہ قطعاً تہران کریم کو ان پر مقدم رکھا جائے۔ اور اگر ایک محدث جس کو خدا تعالیٰ سے بذریعہ متواتر تعلیمات ایک علم قطعی نقیضی ملا ہے۔ قرآن سے اپنی وحی تحدیث کو موافق و مطابق پا کر ان احادیث کو جو اخبار قصص سے متعلق ہیں اور تعامل کے سلسلہ سے باہر ہیں مقدم سمجھے اور ان ظنی امور کو اس یقین کے تابع کرے جو اسکو ایسے

چشمہ فیض سے حاصل ہوا ہے جس سے وحی نبوت ہے تو یہ اس کو حق پہنچتا ہے کیونکہ
 ظن کو یقین کے تابع کرنا عین معرفت اور سرسیرت ایمان ہے۔
 اور اگر یہ کہا جائے بعض جگہ قرآن میں بھی تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم
 کی سولہ آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آسکتا
 اور دو موتیں کبھی کسی پر نہیں ہو سکتیں۔ لیکن بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی فلاں
 قوم کو ہم نے مارا اور پھر زندہ کیا۔ اور ایک نبی عنبرؑ یا کسی اور کو سو برس تک مارا اور پھر
 زندہ کیا۔ اور ابراہیمؑ کی معرفت چار جانور زندہ کئے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے
 کہ قرآن کریم میں ہرگز تعارض نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ شبہ صرف قلت فہم اور جہالت سے
 پیدا ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم کی سولہ آیتوں سے کھلے کھلے طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے

وہ آیات جن میں لکھا ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر دنیا میں نہیں آتے از اجماع یہ آیت ہے وحرام
 علی قریۃ اھلکئھا انھم لایرجعون۔ الجزء ۱۱ سورۃ الانبیاء حضرت ابن عباسؓ
 سے حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے یہ سننے ہیں کہ جن لوگوں پر واقعی عورہ موت وارد ہو باقی ہو
 اور حقیقت فوت ہو جاتے ہیں پھر وہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے۔ یہی روایت تفسیر
 معالم میں بھی زیر تفسیر آیت موصوفہ بالا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ پھر دوسری آیت
 جو صریح منطوق قرآن کریم ظاہر کر رہا ہے یہ ہے حتی اذا جاء احدھم الموت
 قال رب ارجعون لعل اعمل صالحا فیدھا ترک، کلا انھا کلامۃ ہو قائلھا و
 من ورائھم بئریخ الی یوم یبعثون الجزء ۱۵ سورۃ مومن۔ یعنی بکفروں میں سے
 ایک کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو پھر دنیا میں بھیج تا کہ میں نیک عمل کروں
 اور تدارک نافات مجھ سے ہو سکے۔ تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہو گا۔ یہ صرف اس کا قول
 ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتداء سے کوئی بھی وعدہ نہیں کہ مردہ کو پھر دنیا میں بھیجے اور

کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر ہرگز دنیا میں نہیں آتا اور ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ ہرگز سچ نہیں ہے کہ ان تمام مقامات میں جہاں مردہ زندہ ہونا لکھا ہو واقعی اور حقیقی موت کے بعد زندہ ہونا لکھا گیا ہے بلکہ لغت کی رو سے موت کے معنی نیستی اور ہر قسم کی بے ہوشی بھی ہے پس کیوں آیات کو خواہ مخواہ کسی تفسیر میں ڈالا جائے اور اگر فرض کے طور پر چاہا تو مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہوں تو وہ اعادہ روح میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ بہشت انسان کے اور کسی حیوان اور کیڑے مکوڑے کی روح کو بقا نہیں ہے۔ اگر زندہ ہو جائے تو وہ ایک نئی مخلوق ہوگی۔ چنانچہ بعض رسائل عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ اگر دست سے پتھر کو ٹکڑا کر ایک ترکیب خاص سے کسی برتن میں بند کئے جائیں تو اس خمیسے جس قدر جانور پیدا ہوں گے وہ سب پتھر ہی ہوں گے۔ تو اب کیا کوئی دانا

۱۲۵

پھر آگے فرمایا کہ جو لوگ مرچے ہیں ان میں اور دنیا میں ایک پرہ ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت تک دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری آیت جو اسی امر کو وضاحت دیتی ہے کہ یہی وہ ہے فی مسك التي قضی علیہا الموت یعنی جس پر موت وارد ہو گئی خدا تعالیٰ نے دنیا میں آنے کو اسے روک دیتا ہے۔ پھر چوتھی آیت اسی مضمون کی یہ ہے وقال الذین اتبعوا الوان لنا کثرة لنتبئرا منهم کما قبریوا متا کذا لا یشیرہم اللہ اعمالہم حسراتہ علیہم وما ہم بخارجین من النار یعنی وہ زنی لوگ درخواست کریں گے جو ایک دفعہ ہم دنیا میں جائیں۔ تاہم اپنی پہل معبودوں سے ایسے ہی پسند نہ ہو جائیں جیسے وہ ہم سے پسند نہ رہیں لیکن وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔ پھر پانچویں آیت اس مضمون کی ہے ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون۔ پھر چھٹی آیت یہ ہے لا یغون عنہا حولا پھر ساتویں آیت یہ ہے وما ہم منها بمنزجین۔ پھر آٹھویں آیت یہ ہے پریدون ان ینزعوا من النار وما ہم بخارجین منها ولہم عذاب مقیم پھر نوں آیت

(ب)

خیال کر سکتا ہے کہ وہی پیکر دوبارہ زندہ ہو کر گئے جو مر گئے تھے بلکہ جس طرح جو قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے وہی ہے کہ مخلوقات ارضی میں سے بھجوتن وانس کے اور کسی چیز کو ابدی روح نہیں دیا گیا۔ پھر اگر خلق اللہ کے طور پر کسی ملوہ سے خدا تعالیٰ کوئی پرندہ پیدا کر دے تو کیا بعید ہے مگر ایسی روح کا اعادہ جو حقیقی موت کے طور پر قالب سے نکل گیا تھا و عدہ النبیہ کے برخلاف ہے تمام مقامات قرآن کریم میں جو احیاء موتی کے متعلق ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں حرفات کا لفظ ہے تو فی کا لفظ نہیں۔ اس میں یہی بعید ہے کہ تو فی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں۔ لیکن امانت کے حقیقی معنی حرف ماننا اور موت دینا نہیں بلکہ سنانا اور یہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ ہاں یہ بھی بالکل ممکن اور جائز ہے کہ خدا تعالیٰ

یہ ہے فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی ماہلہم یرجھون پھر وہی آیت یہ ہے
اولئک اصحاب الجنة ہم فیہا خالدون۔ ایسا ہی وہ تمام آیتیں جن کے بعد خالدون
یا خالدین آتا ہے اسی امر کو ظاہر کر رہی ہیں کہ کوئی انسان ارحم الراحمین عالم معاد کے کچھ کر
پھر دنیا میں ہرگز نہیں آتا۔ اگرچہ ہم نے ارداد میں ایسی آیتیں سولہ قرآن کریم میں سے نکالی
تھیں مگر دراصل ایسی آیتوں سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ نہ صرف قرآن کریم بلکہ بہت سی حدیثیں
بھی یہی شہادت دے رہی ہیں چنانچہ ہم بطور نمونہ مشکوٰۃ شریف سے حدیث جابر بن عبد اللہ
کی اس جگہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ وعن جابر قال لقینی رسول اللہ صلعم
فقال یا جابر ما لی اذاک منكسرًا قلت استشهد ابی وتوکل عیالاً و دیناراً
قال افلا ابشرک لما لقی اللہ بہہ باک قلت بلی یا رسول اللہ قال ما کلم
اللہ احدًا قط الا من وراء حجاب واحیی اباک فکلمہ کفاحاً قال یا عبد اللہ
تمن علی اعطاک قال تحیی فی فاقول فیک ثانیۃ قال الرب تبارک وتعالیٰ

کسی حیوان یا انسان یا پرند کو ایسی حالت میں بھی کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے حقیقی موت سے بچاؤ اور اس کی روح کا اس کے پاش پاش جسم سے وہی تعلق قائم رکھے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے اور پھر اس کے جسم کو درست کر دیوے اور اس کو نیند کی حالت سے جگا دیوے۔ کیونکہ وہ ہر ایک بات پر تادیر ہے۔ اپنی صفات قدیمہ اور اپنے عہد اور وعدہ کے برخلاف کوئی بات نہیں کرتا اور سب کچھ کرتا ہے۔ فتدبر فی هذا المقام ولا تکن من الغفلین۔ منہ :

انہ قد سبق متی انہم لایرجعون رواہ الترمذی یعنی جائز سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے اور سہا یا کہ اے جابر کیا سب سے کہ میں تجھ کو غناک دیکھتا ہوں میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ شہید ہو گیا اور میرے سرور علی اور قرنی کا بوجھ چھوڑ گیا۔ اپنے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس بات کی خوشخبری دوں جس طور سے اللہ جل شانہ تیرے باپ کو ملا میں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کسی کے ساتھ بغیر حجاب کے کلام نہیں کرتا مگر تیرے باپ کو اس نے زندہ کیا اور ہاں میرا کلام کی اور کوئی درمیان حجاب نہ تھا۔ اور پھر اس نے تیرے باپ کو کما کے میرے بندے کچھ مجھ سے مانگا کہ میں تجھے دوں گا۔ جب تیرے باپ نے عرض کی کہ اے میرے رب مجھ کو زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج تا میری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میں (قرآن کریم) میں امداد کر چکا ہوں کہ چلوگ فوت ہو جائیں پھر وہ دنیا میں بھیجے نہیں جائیں گے (انہم لایرجعون قرآن کریم کی آیت ہے) یہ وہ حدیث ہے جو ترمذی میں لکھی ہے اور اسی کے ہم مضمون ایک صحیح بخاری میں حدیث ہے مگر خوف طول سے چھوڑ دی گئی۔ اب ان تمام آیات و احادیث سے ظاہر ہے کہ جس حقیقی موت و دمر ہو جائے وہ مہرگز دوبارہ دنیا میں بھیجا نہیں جاتا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے مگر ایسا ہونا خدا تعالیٰ کے وعدہ کے برخلاف ہے۔ اسی جگہ سوانحیات ہوتا ہے کہ وہ تمام مقامات قرآن کریم جن میں مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے ان سے حقیقی موت مراد نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ممکن اور صحیح ہے کہ ایک حالت انسان پر باطل موت کی طرح وارد ہو جائے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو۔ اور اگر زندہ فور کے دیکھیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ سچ ان مریم کی نسبت یہ خبر

عالی ہمت دوستوں کی خدمت میں گزارش

جو نیک طبع کتاب ازالہ اوہام میں معمول سے زیادہ مصارف ہو گئے ہیں اور مالک مطبع اور کتاب کا حساب بے باقی کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے لہذا بخدمت جمیع مخلص دوستوں کے التماس ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی خریداری سے بہت جلد مدد دیں۔ جو صاحب چند نسخے خرید سکتے ہیں وہ بجائے ایک کے اس قدر نسخے خرید لیں جس قدر انکو خریدنے کی خداداد مقدرت حاصل ہے اور اس جگہ انویم مکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب محلہ ریاست جموں کی نئی امداد جو انہوں نے کئی نوٹ اس وقت بھیجے قابل اظہار ہے خدا تعالیٰ ان کو جزائے شریعہ بخشے ایسا ہی انویم مکرم حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے عطا کردہ اس تین سو روپے کے جو پہلے بھیجا تھا اب ایک سو روپیہ اور بھیج دینا نیت خوشی کی بات ہے کہ حکیم فضل دین صاحب اپنے مخدوم مولوی حکیم نور الدین صاحب کے رنگ میں ایسے رنگین ہو گئے ہیں کہ نہایت اولوالعزمی سے ایثار کے طور پر ان سے اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ سو روپیہ بعض زیورات کے فروخت سے محض ابتغاء لمرضاات اللہ بھیجا ہے۔ جزا ہم اللہ خیر الجزاء۔

پیش کرنا کہ اگر وہ فوت ہو گیا ہے تب بھی خدا تعالیٰ قلوبہ ہے کہ اس کو زندہ کر کے بھیج دے یہ عذر نہ فقط اس وجہ سے باطل ہے کہ فوت شدہ لوگ دنیا میں دوبارہ آیا نہیں کرتے بلکہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ جس طور سے مسیح ابن مریم کا دنیا میں دوبارہ آنا دلوں میں باثبات ہے ایسے عذر کو اس طور سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ وجہ یہ کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت نوٹ خیال دلوں میں جمائو ہے کہ وہ آسمان سے بحمدہ العنصری اترے گا۔ لیکن وہ فوت شدہ ہونے کی حالت میں آسمان سے تو کسی طرح بحمدہ العنصری اتر نہیں سکتا بلکہ قبر سے نکلا جائیگا۔ کیونکہ فوت شدہ لوگوں کی لاشیں قبروں میں رکھی جاتی ہیں نہ کہ سماؤں پر اٹھائی جاتی ہیں۔ اور ہم

اس جگہ انور مولوی مروان علی صاحب محاسب و خراسیہ کا رنظام حیدر آباد دکن
 بھی ذکر کے لائق ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے درخواست کی ہے کہ میرا نام سلسلہ
 بیعت کس سند میں داخل کیا جاوے۔ چنانچہ داخل کیا گیا۔ ان کی تحریرات سے حمایت
 محبت و اخلاص پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے پانچ برس اپنی عمریں کو
 آپ کے نام لگاوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ میری عمر میں سے کاٹ کر آپ کی عمر میں شامل
 کر دے سو خدا تعالیٰ اس ایثار کی جزا ان کو یہ بخشے کہ ان کی عمر دوا کرے۔ انھوں نے
 اور انور مولوی ظہور علی صاحب اور مولوی غضنفر علی صاحب نے نہایت اخلاص سے
 دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے اور بہتر روپیہ اخلاص کے لئے بھیجے ہیں۔
 جو اہم ائمہ خیر البراء۔ والعلوۃ والسلام علی نبینا وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع عباد اللہ الصالحین

راق
 خاکسار غلام احمد درود پیاد محلہ اقبال گنج

ثابت کرچکے ہیں کہ توفی کا لفظ عموماً علویہ کی طرف سے رکھا ہوا ہے کہ بعض مکرنا لیکن جسم قبض کرنا قرآنی کریم
 کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس جبکہ توفی کا لفظ صوفیاء کی قبض کرنے میں محدود ہوا تو
 کس ابن عربی کا جسم آسمانی کی طرف اٹھایا جانا قرآن کریم کے کسی لفظ سے ثابت نہ ہو سکا ظاہر
 ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ قبض کر رہے اٹھاتا ہے اسی کو ہے اور یہ وعدہ بھی قرآن کریم میں ہو چکا
 ہے کہ لا شیئ قبروں میں سے بروز حشر نہیں گی۔ اس صورت میں اگر فرض محال کے طور پر کس چیز کو
 قبضہ سے اٹھے تو پھر نزول غلط ٹھہرے گا۔

بعض کہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ کس سوئے کی حالت میں اٹھایا گیا ہو اور پھر آخری زمانہ میں آسمانی
 پر جاگ اٹھے اور زمیں پر نازل ہو مگر یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جسم کا اٹھایا جانا قرآن کریم سے ہرگز ثابت
 نہیں ہوتا۔ توفی صرف روح کے قبض کرنے کو کہتے ہیں خواہ بحالت نوم قبض ہو یہ بحالت موت
 پس جو چیز قبض کی جائے وہی اٹھائی جائے گی۔ اور یہ ہم ثابت کرنے میں کہ کس کی توفی

یعنی مسیح کی روح کا قبض کرنا بطور موت کے تھا نہ بطور خواب کے۔ اور مسیح بخاری میں پوجید
 کتاب اشراج الکتب ہے تفسیر کے محل میں انی متوفیک کے معنی انی ممیتک
 لکھے ہیں پس جبکہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے من حضرت مسیح کی روح کا اٹھایا
 جانا ثابت ہوتا ہے تو حال کے اکثر علماء کی حالت پر رونا آتا ہے کہ وہ کیوں اشد اور رسول کے
 فرمودہ سے تجلوز کر کے اپنی طرف سے بلا دلیل مسیح کے جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا تجویز
 کرتے ہیں کیا قرآن اور حدیث کا بالاتفاق مسیح ابن مریم کی موت پر گواہی دینا تسلی بخش نہیں
 ہے۔ انہوں نے کہ یہ لوگ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ وہ حدیث میں جو نزول مسیح کے بارہ میں آئی
 ہیں اگر ان کے یہی معنی کئے جائیں کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے اور درحقیقت وہی آسمان سے
 اتر آئے گا۔ تو اس صورت میں ان حدیثوں کا تسمان کریم اور انی دوسری حدیثوں کو تسمان کریم
 ہو گا جن کی رو سے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا فیسی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ آخر کتاب اللہ کی
 مخالفت کی وجہ سے وہ حدیثیں رد کے لائق ٹھہریں گی۔ پھر کیوں نزول کے ایسے معنی نہیں کرتے
 جو کتاب اللہ کے مخالف و مغائر نہ ہوں اور نہ دوسری صحیح حدیثوں سے مغائر رکھیں حضرت
 مسیح علیہ السلام نے آیت فلما توفیتنی میں صاف صاف اپنا اظہار دے دیا کہ میں ہمیشہ
 کے لئے دنیا سے اٹھایا گیا۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ جب مجھے وفات دی گئی تو پھر میرے رب
 میرے بعد تو میری امت کا نگہبان تھا۔ صاف شہادت دے رہا ہے کہ وہ دنیا سے
 ہمیشہ کے لئے وفات پا گئے کیونکہ اگر ان کا دنیا میں پھر آنا مقدر ہوتا تو وہ منور و این
 دونوں واقعات کا ذکر کرتے اور نزول کے بعد کی تبلیغ کا بھی بیان فرماتے نہ یہ کہ
 صرف اپنی وفات کا ذکر کر کے پھر بعد اپنے خدا تعالیٰ کو قیامت تک نگہبان ٹھہرتے۔ قتال ہوا

استہار

نوالا بصارت اہمار عیسائی صاحبوں کی ہدایت کے لئے

یا ایہا المنتصرون ما کان عیسیٰ الاعبد من عباد اللہ قد مات و دخل فی العوٹی فلا
تخسبواہ حیثا۔ بل ہومیت ولا تعبدوا میتا و انتم تعلمون۔ اے حضرات عیسائی صاحبان !
آپ لوگ اگر غور سے اس کتاب ازالہ اوہام کو پڑھیں گے تو آپ پر نہایت واضح دلائل کے ساتھ کھل جائیگا
کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب زندہ موجود نہیں ہیں بلکہ وہ فوت ہو چکے اور اپنے فوت شدہ جزرگیل
میں جلے۔ ہاں وہ روحانی زندگی پر جا رہے ہیں۔ اسی حق کو ملی۔ یعقوب کو ملی۔ اسحیل کو ملی اور بطاویغ سب سر
پرچہ کر رہے ہیں۔ سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کو ملی۔ وہی زندگی ملا تفاوت حضرت عیسیٰ کو بھی ملی۔ اس
بات پر بائبل سے کوئی دلیل نہیں ملتی کہ مسیح ابن مریم کو کوئی اور بھی زندگی ملی۔ بلکہ اس زندگی کے لازم میں تمام
انبیاء شریک مساوی ہیں۔ ہاں باعتبار رفیع کے اقرب الی اللہ مقام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سو
اے حضرات عیسائی صاحبان ! آپ لوگ اب ناحق کی فتنہ نہ کریں مسیح ایک عاجز زندہ تاجو فوت ہو گیا۔ اور
فوت شدہ لوگوں میں جا ملا۔ آپ لوگوں کیلئے یہی بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور ایک عاجز مخلوق کو خدا کہہ کر
اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ آپ لوگ ذرہ سوچیں کہ مسیح اس دور سے عالم میں آدھل ہو کس بات میں زیادہ ہو گیا۔ یہی
اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ ابراہیم زندہ ہے؟ بلکہ عاقر بھی؟ پھر مسیح عاقر سے بڑی زندگی میں کس بات میں
زیادہ ہے۔ اگر آپ لوگ تحقیق کو نوشتوں کو دیکھیں تو آپکو اقرار کرنا پڑے گا کہ کسی بات میں زیادہ نہیں۔ اگر آپ لوگ
اس بات میں میرے ساتھ بحث کرنا چاہیں تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہو کہ میں
اس بحث میں غلوب ہونے کی حالت میں حتی الامکان اپنے ہر ایک تالیق کو جو آپ لوگ تحریر کریں دیکھ کر طیار ہوں بلکہ
اپنی جان بھی اس راہ میں خدا کرنے کو حاضر ہوں۔ خداوند کریم نے میرے پر محول دیا ہو کہ وہ حقیقت عیسیٰ ابن مریم
فوت ہو گیا اور اب فوت شدہ بیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ سو آؤ دین اسلام اختیار کرو۔ وہ دین
اختیار کرو جس میں حتی الامکان موت کی پرستش ہو رہی ہے نہ کسی مردہ کی۔ جس پر کامل طور پر چلنے پر ہر ایک
مسیحی خود مسیح ابن مریم پر مکتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ المشتہر غلام احمد قادیانی صاحب مدظلہ العالی

جس فی اللہ انور مولوی حکیم نور الدین صاحب کا خط ایک سال جواب میں

عزیز میں حنفیہ اللہ وسلم۔ ثم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مرزا جی کے دعاوی پر آپ نے مجھے ایک بہت بڑا المباحثہ لکھا ہے۔ بحکاب اس کے گزارش ہے فلا تستعجلون (جلد باز نہ بنو) ایک انبی ارشاد ہے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو تسلی طور پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کے نام جاری ہوا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو تسلی طور پر محمد والوقت مرزا جی کے مخالفوں کو سناتے ہیں۔ مخالفت والو! جو سراسر انتظار کرو جلد باز نہ بنو۔

مرزا جی نے اپنے بعض احباب کو اس خاکسار کے سامنے فرمایا ہے کہ اگر لوگ تم کو مباحثہ پیش آویں تو یہ الہی حکم ان کو سننا دو و ان یتلوا کاذباً فاعلموا کذبہ و ان یتلوا صادقاً یصیبکم بقضی اللہ الی یعد کفر اِنَّ اللہَ لَا یَہْدِیْ مَنْ هُوَ مُشْرِفٌ کَذَّابٌ ہے عزیز میں سنو اور اس پر غور کرو۔ دنیا میں ایک جماعت گندی اور اب بھی ہے جنہوں نے اَنَا اللہ کہا۔ اور کہتے ہیں۔ ایسے قائلین کی تکفیر و تفسیق سے بھی محتاط کف لسان پسند کرتے ہیں اور اس جماعت کو صلحاء و اولیاء کی جماعت کہتے ہیں۔ پس عزیز میں! اَنَا الْمَسِیْحُ اَنَا عِیْسٰی ابْن مَرْیَمَ کہنے والے پر یہ شور و غل کیوں؟ انصاف! انصاف! انصاف!!!

میرے پیارے ولی اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے الدرا الثمین میں فرمایا ہے بلخنی عن سید العلم انہ قال رايت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم فلم یزل یدنی عنی منہ حتی صرنا نفسہ۔ ایسا ہی ابن حزم ظاہری کی نسبت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ نے ارقام فرمایا ہے یہ نظارہ انا محمد کہنے کا ہے۔ آہ پھر انا المسیح وانا ابن مریم الموعود پر یہ طیش و غضب کیوں!!!

عزیز من! ایمانی امور میں کسی تشدد اخفا کا ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر کوئی معاملہ بالکل عیاں ہو جاوے تو پھر اخفا کہاں۔ عیاں و خفا میں مقابلہ ہو۔ اسی واسطے شرعیہ احکام و امور میں جسمانی شمس و قمر کا ماننا ایمانی امور میں داخل نہیں۔ اور اسی واسطے قیامت کے روز شرعیہ تکالیف علی العموم اٹھ جائیں گی پس تم پیشگوئیوں میں ایمان سے کام لو۔ ان کے فہم میں عرفان کے مدعی نہ ہو۔ ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا وہ ایک واقعہ قابل غور ہے جو قرآن کریم کے پندرہ سپارہ کے آخر اور سورہ سپارہ کے ابتداء میں مندرج ہے۔ اس واقعہ کے بیان میں ایک طرف سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کا اولوالعزم صاحب شریعت رسولی ہوا یہود عیسائیوں اور محمدیوں میں مسلم ہے۔ اس مقدس نبی نے جیسے امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ارقام فرمایا ہے کہیں انا اعلم کہہ دیا تب الہیہ غیرت نے اپنے پیارے بگد سیزا خضر علیہ السلام کا انہیں پتہ دیا جب جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عارف سے ملے تو اس کے سچے علوم و اسرار کی تہ تک نہ پہنچے۔ جناب خضر علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا اور فرمایا تھا وکیف تصبر علی ما لہ قطع بہ خبراً۔ پس منجملہ آقاب الہیہ کے یا ادب ضروری تھا کہ ایسے بندوں کے معاملات میں کم سے کم خاموشی اختیار کی جاتی۔ اس وقت تک کہ لوگ مرزا جی کے معاملہ میں مسیح کفر کو دیکھ لیتے۔ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھبری کو خبر درجعت نہ پکڑنا اور ہرگز جنت نہ پکڑنا کیونکہ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لیست موسیٰ سکت حتی یقصد انہ علیہ السلام۔

میسری اس بات پر کسی بدظنی سے کام نہ لینا۔ میں محمدی ہوں اور محمدیوں کو محمد اللہ کچھ ایسے انعامات عطا ہوئے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی سرور میں اگر اللہ کی پاک جناب میں انت عبدی وانا ذلیل کہہ دے تو انشاء اللہ تعالیٰ جہنمی نہ ہو اگرچہ صحیح ہی ہے

کہ آئی انت ربی وانا عبدک :

مجھے اس وقت ایک قصیدہ یاد آگیا جس کو قلائد الجواہر میں محمد بن یحییٰ مادی نے از قلم
نصریایا ہے اس پر غور کرو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں جاعون ابو

العباس الخضر علیہ السلام یختفی ما امتحن بہ الاولیاء من قبلی نکشفنی عن
سریرتہ ففتح علی بما خاطبتہ بہ تم قلت له وهو مطرق ان یا خضر ان کنت

قلت لموسیٰ انک لن تستطیع معی صبراً فانک لن تستطیع معی صبراً یا خضر
ان کنت اسرائیلیاً فانک اسرائیلی وانا محمدی۔ فہا انا وانت ہذا الکثرۃ

وہذا السیلان ہذا محمد وہذا الرحمن وہذا افرسی مسرج ملجم و
قوسی موقر و سیفی شاہر رضی اللہ عنہ۔ سبحان اللہ کیا خوب ٹول ہے سنو!

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوبارہ تشریف آوری کا ذکر قرآن مجید میں تو بالکل
نہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا بحمدہ العنصری زندہ رہ کر آسمان کی طرف عروج

کرنا قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ پھر اگر یہ پوچھو کہ یہ مسئلہ کہاں ہے شاید یہ جواب
ہو کہ احادیث میں۔ مگر وہاں تو نہیں۔ پھر کیا اناجیل میں۔ مگر وہاں نہیں۔ پھر کہاں تو جواب

یہی ہوگا۔ کہ عیسائیوں کے بھولے بھالے خیالات میں۔ کیونکہ متی اور یوحنا تو سائنت ہیں اور
لوک اور مرک تابعی نہ صحابی۔ یہ دیکھے انگلیں دوڑاتے ہیں۔ پھر کیا اسلامیوں کی اسرائیلی

مرویات و حکایات وغیرہ میں جن کی تائید قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہیں ہو سکتی؟
کیونکہ قرآن کریم تو اسرائیلی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی وفات کو مختلف جگہوں میں ذکر

فرما چکا ہے اور احادیث صحیحہ میں نزول مسیح عیسیٰ ابن مریم میں اسرائیلی نبی کا ذکر نہیں۔
اگر ہو بھی تو تثلیث میں مسیح عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ اسرائیلی کا جو شخص شیل ہو گا۔ اس پر

مجازاً مسیح ابن مریم اسرائیلی کہنا بھی جائز ہوگا۔ ہاں یسنزل ابن مریم فیکم و
اما کم مشککہ بخاری کی حدیث ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ اور اس کی حقیقت

نے تشبیہ پڑھا جائے۔ شمس

مرزا جی نے اپنے رسائل میں بیان فرمائی ہے۔ اس ترجمہ و حقیقت پر اگر کسی کو طالب علمانہ بحث ہو تو اُسے یاد رہے کہ واو کا حرف تفسیر کے واسطے بھی ہوا کرتا ہے۔ دیکھو کلمات طیبات قرآنی جو ذیل میں درج ہیں۔ تلك آیات الكتب وقرآن میں سورۃ بقرہ
تلك آیت الكتب والذی انزل الیک من ربک الحق سورۃ رعد:

عزیز من! بیرونی تحریکات کے سوا اندرونی تحریکوں کا ہونا ایک نادور امر ہے یہ معاملہ جس پر یہ ضعیف اور خاکسار خط لکھ رہا ہے اب پسلیک میں آگیا ہے شخصی خطوط میں اس کا تذکرہ اب چند ماں ضروری نہیں۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اب مرزا جی کے معاملہ میں مجھ سے خط و کتابت نہ فرماویں گے مگر جب خلاف وعدہ مولوی جی نے خاکسار کو لکھا تو خاکسار نے اُن کو یہی جواب دیا کہ کہ اب یہ معاملہ شخصی اور پرائیویٹ خطوط کے قابل نہیں رہا۔ سو تم بھی عام فیصلہ کا انتظار کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ اس وقت تین آدمیوں کو پنجاب میں مرزا جی کی مخالفت پر بڑا جوش ہے۔ یاد رکھو قرآن راستبازوں کی فتنہ دہی پر تاکید سے خبر دے رہا ہے۔
والعاقبة للمتقين۔ پس ممبر و متانت سلامت رہی ہو چمد روز کام لو۔

عزیز من! یاد رکھو مجھ پر پھر زکوٰۃ گاہ کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ بدول کسی قسم کی تاویل اور کسی قسم کے استعارہ و مجاز کے کسی قوم نے تسلیم نہیں فرمایا۔ یہ میری بات سرسری نہ سمجھو۔ نمونہ کے طور پر دیکھ لو۔ ہمارے اکثر مفتہریں حضرت مسیح کے قصہ میں انی متوفیک ورافعتک میں کیا کچھ الٹ پچھہ نہیں کرتے۔ میاں عبدالحق صاحب غزنوی اپنے دوسرے اشتہار میں پہلے ہی صفحہ کے آخری سطر میں لکھتے ہیں۔ اللہ اکبر خیرت خیر۔ اب غور کا مقام ہے کہ میاں عبدالحق کا خیر حقیقی خیر توہم گرد نہیں ہو سکتا اب قادیان کو دمشق ماننے میں وہ کیوں گھبراتے اور اس پر شور و غل مچاتے ہیں !!!

مولوی عبد الرحمن لکھو کے ولے عزیز القدر عبد الواحد حفظہ اللہ کو ارقام فرماتے ہیں

کہ ”در تفسیر قرآن عظیم خلافت راہ صحابہ رضی اللہ عنہم نمودن الحلو و ضلالت است و فاسد کیا
رب العالمین و راتباع ایشان است“ اور اسی خط میں و قولہ تعالیٰ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا
فِي الْمِلَّةِ الْأَخْوَةِ لَا سِوَا الْمِلَّةِ الْحَمْدِ (۱) ان ہذا اختلاف میں الملتہ الاخرۃ کی تفسیر خلافت
صحابہ و تابعین و جمیع مفسرین املتہ الحمد یقہ سے فرماتے ہیں ! اعاذیث
میں مسیح علیہ السلام کا علیہ کہیں احمر رجل الشعر اور کہیں اسمر سبط
الشعر آیا ہے۔ اس کی تطبیق میں تاویل کی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور پور میں بھی
الہی کلام میں تمثیلات و استعارات و کنایات کا ہونا مسلمانوں میں تسلیم ہے مگر ہر جگہ
تاویلات و تمثیلات سے استعارات و کنایات سے اگر کام لیا جاوے تو ہر یک محدود
منافق بدعتی اپنی آراء ناقصہ اور خیالات باطلہ کے موافق الہی کلمات طہیات کو لا سکتا
ہے اس لئے ظاہر معافی کے علاوہ اور معافی لینے کے واسطے اسباب قویہ اور
موجبات حقہ کا ہونا ضرور ہے۔

الہی کلمات طہیات میں استعارات بکثرت ہوتے ہیں مگر اس امر کے باعث کیا ہم
ہر جگہ استعارہ و مجاز لینے پر دلہر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ کیا عبادات میں معاملات
میں تمدن و معاشرت کے مسائل میں اخلاق و سیاست کے احکام میں بھی ہم
استعارات سے کام لیں گے ؟ ہرگز نہیں ! ان باتوں کو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صحابہ نے عملی طور پر کر کے ہمیں دکھا دیا۔ امت کے تعامل و رواج نے وہ تصویر
ہم تک پہنچادی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

مگر جو کچھ پیش گوئیوں میں مذکور ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے مکاشفات اور
رویاء صالحہ میں نظر آتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ عالم مثال میں ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی اُن
کے بعض اخبار ماضیہ اور حقائق کونیہ اور عالم مثال کے اشکال و الوان عالم جسمانی کے
الوان و اشکال سے بالکل نرالے ہوا کرتے ہیں۔ پس ایسے موقعہ پر علوم ضروریہ قیسیہ

منہ

الہامات صادقہ مشاہدات و حقائق نفس الامریہ قواعد شریعہ ان نصوص کو لامحالہ ظاہر ہے اور معنی کی طرف لے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج اور چاند اور ستاروں کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔ مگر جسمانی عالم میں وہ سورج و چاند و سیارے اُن کے ماں باپ اور بھائی تھے۔ قرآن کریم میں ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے جس نے فریبہ گائیں اور سبز بایاں دیکھیں۔ جسمانی عالم میں وہ قحط اور زانی تھے ہمارے سید و مولیٰ نے رویہ صالحہ میں دیکھا کہ آپ کے کف دست مبارک میں سونے کے کنگن ہیں اور آپ نے اُن کو پھونک سے اڑا دیا۔ وہ جسمانی عالم میں سیلمہ اور اسود غنسی اور ان کی تباہی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی بیبیوں سے فرمایا اسر عنک لحوقابی اطولکن یداً۔ لگی بیبیاں ہاتھوں کو ناپنے۔ مگر واقعات نفس الامریہ نے بتلادیا اور مشاہدات نے دکھادیا کہ صحابیات کا فہم پیشینگوئی کے سمجھنے میں اس پہلو پر غلط تھا جس پر انہوں نے سمجھا تھا۔ پس و جبال اور سج علیہ السلام کی پیشینگوئی میں کیوں ایسا فی حد سے بڑھ کر لوگ عرفان کے مدعی ہو گئے ہیں اور سحراف کے خلاف پر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بڑا تعجب آتا ہے جب یہ کہتے سنتے ہیں کہ مرزا اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

منہ

حالانکہ وہی لوگ جن کو مرزا جی سے بہت بڑا انکار ہے امام احمد حنبل کے اس قول کو ہمیشہ سناتے رہے کہ اجماع کا دعویٰ کذب ہے۔ اور عقل و دنیا کا نظارہ اور علماء کی حالت بھی کہ وہ مشرق و غرب و جبال و بحار میں پھیلے ہوئے ہیں گواہی دیتی ہے کہ اجماع کا دعویٰ ایک خیال سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔

غریب مزمن! جیسے مرزا جی نے اپنے آپ کو ابن مریم کہا ہے ایک جگہ موسیٰ بھی فرمایا ہے اور اپنے بیٹے مثیل مسیح کا نام عموماً نوٹیل بتایا ہے۔ خود خاکسار نے مرزا جی کی حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک پیغام پڑھا یا تو آپ نے

فرمایا میں نے تو شیل سچ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ شیل سچ بہت آدمیوں اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشینگوئیوں اور نشانات کا ہوجن کوہیں نے روحانی طور پر الہام اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔

۵۷۰ الہی فیضان کی کوئی حد نہیں اور نہ وہاں کوئی کسی ہے قب میں نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں احادیث کے باعث لوگ کیوں اشکال میں پھنسے ہوئے ہیں؟ تعجب ہے۔ مگر عزیز من! احسب الناس ان یستو کو ان یقولوا امنا و ہم لا یفتنون پرمہیمان کرو۔

سنو اور غور سے سنو! پیشینگوئیوں کے پورا ہونے کے واسطے اوقاف مقدرہ بنوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے تین سوالوں کے جواب میں مفصل لکھا ہے اور وہ جواب انجمن حمایت اسلام لاہور نے طبع کرایا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو مکہ کے کفار کہتے ہیں لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الکاحرض ینبوعاً۔ آپ کے منکرین نے یہ طلب کیوں کی تھی۔ صرف اسی بنا پر کہ حضور سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشینگوئی کے سمجھنے میں بالکل ظاہری الفاظ کے معنوں پر موٹی نظر کی تھی۔ وہ پیشینگوئی یسعیاہ نبی کے ۴۳ باب ۱۹ کی ہے یسعیاہ نبی نے حضرت خاتم الانبیاء کے زمانہ کی نسبت فرمایا کہ صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔ ظاہر ہے کہ سید و مولے کے وقت زبیدہ والی ندی مکہ میں اور نہر بنی زرقادینہ میں جاری نہیں ہوتی تھی۔ جس پر بعض نے ناواقفیت اندیشی سے ٹھوکر کھائی۔

۵۷۱ عزیز من! ترہیب اور ترغیب میں دلوں کے بڑھانے بہمت و توجہ کی ترقی دینے کو ایسے الہامات بھی ہوتے ہیں جن کا بیان آیت ذیل میں ہے اذ یریکہم اللہ فی منامک قلیلاً (حالانکہ بدر کی جنگ میں مکہ کے کفار مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے) مگر ایسا الہام کیوں ہوا اللہ تعالیٰ اسکی وجہ فرمانا ہر و انکم اللہ مسلم یسویو ر غور کرو۔

عزیز من! مولوی محمد حسین صاحب پر اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ان کو اپنے علم و فضل پر بڑا گھنٹہ ہے اور اللہ کریم کو گھنٹہ پسند نہیں۔ الہامی جامعہ کی مخالفت بھی نہیں شکر کا باعث نہ ہو۔ اذلال و فساد میں اس کا عجیب و غریب جواب موجود ہے اور نصیحا کتنا ہوں کلا تمہد طولا و طولا و طولا و طولا عطاء ربناک اور تقی پر آیت اذا تمسنى النقى الشيطان فى امنيتہ۔ آپ فکر کرتے رہیں۔

بھائی صاحب! مرزا جی اس صدی کے بھٹکے ہیں اور مجدد اپنے زمانہ کا مہدی اور اپنے زمانہ کے شدت مرض میں بستلام فیضوں کا مسیح مٹوا کر تا ہے اور یہ مرزا جی تمثیل ہے جیسے مرزا جی اپنی الہامی رباعی میں ارقام نہر ماچکے ہیں۔

رباعی

گیا فلک ہے ماننے میں نہیں اس سچ کے	جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
عاذق طیب ہاتے ہیں تم سب ہی اقب	خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

میں اب اس غلط کو غم کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب کی اشاعت پر اللہ تعالیٰ جو فیضان کرے گا اس کا اظہار پھر ہو رہے گا۔ یا باقی صحبت باقی۔
آئیں خیر نہیں سناںک اور ایک تحریک کر کے بس کرتا ہوں۔

عزیز۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
-----------------------------	--------------------------

ہمارے مخالف رائے مولوی صاحبوں کا حوصلہ

خدا تبارک تعالیٰ نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھانے کیلئے ایک ایسے نامی مولوی صاحب کو ہمیں نکھار دیا جسکی بیعت علمی و حقیقی طاقت نہیں جسکی طلاق لسانی جسکی فصاحت، بیان، شہرہ پنجاب، ہندوستان ہے اور خدا نے حکیم و عظیم کی مصلحت سے اس کا کارہ کے مقابل پر لایا انہیں جوش و نشاط اور اس دور جسکی ہڈی میں انہیں ڈال دیا کہ کوئی دقیقہ بدگمانی اور مخالفانہ حملہ کا انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔ تا اس کا

وہ امر خارقِ عادت ظاہر ہو جو اس نے ارادہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نور اللہؒ کے بچانے کے لئے بہت زور سے پھونکیں مار رہے ہیں سو کہتے اب سچ کچ وہ لود بخجہ جاتا ہی پاکچہ اور کرشمہ قدرتِ ظاہر میں آتا ہی ۱۹ اپریل ۱۹۷۸ء کے خط میں جو انہوں نے میرے ایک دوست مولوی عتیق اللہ احسن صاحب کے نام بھجوا دیا ہے مجھے اچھا لگا ہے۔ آپ سید صاحب موصوف کو لکھتے ہیں کہ آپ اس شخص پر جلدی سے کیوں ایمان لے آئے اس کو ایک دفعہ دیکھ تو لیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے اس فقرو اہلِ مذاہبِ عربی کے فقرو سے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ شخص محض نالائق اور علی اور علی لیاقتوں سے بکلی اپنے بے بہرہ ہے اور کچھ بھی چیز نہیں ساگر تم دیکھو تو اس سے نفرت کرو۔ مگر بخدا یہ سچ اور بالکل سچ ہے اور قسم جو مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ حقیقت مجھ میں کئی علمی اور عملی خوبی یاد آت اور دانشمندی کی لیاقت نہیں اور میں کچھ بھی نہیں۔ ایک غیب میں ہاتھ ہی جو مجھے تمام رہا ہے اور ایک پوشیدہ روشنی جو مجھے منور کر رہی ہے اہل ایک آسمانی روح ہی جو مجھے طاقت دے رہی ہے پس جس نے نفرت کرنا ہے کہے۔ تا مولوی صاحب خوش ہو جائیں بخدا میری نظر ایک ہی پر ہے جو میرے ساتھ ہے۔ اور غیر اللہ ایک مری ہوئی کیڑی کے برابر بھی میری نظر میں نہیں۔ کیا میرے لئے وہ کافی نہیں جس نے مجھے بھیجا ہے۔ میں یقیناً جاننا ہوں کہ وہ اس تبلیغ کو ضائع نہیں کرے گا جس کو لیکر میں آیا ہوں۔ مولوی صاحب جہاں تک ممکن ہے لوگوں کو نفرت دلانے کے لئے زور لگالیں اور کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھیں اور میرا کہ وہ اپنے خطوط میں اور اپنے رسالہ میں اور اپنی تقریر و دل میں بار بار ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ شخص نادان ہے جاہل ہے گمراہ ہے مفتری ہے وہ کاٹا رہے بے دین ہے کافر ہے ایسا ہی کرتے رہیں اور مجھے ذرہ حمت نہ دیں مجھے بھی اس نوات کی عجیب قدر تول کے دیکھنے کا شوق ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ لیکن اگر کچھ تعجب ہے تو اس بات پر ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ عاجز مولوی صاحب کی نظر میں جاہل ہے بلکہ خط مذکورہ بالا میں یقینی طور پر مولوی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ یہ شخص ملہم نہیں یعنی مفتری ہے اور یہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے مولوی صاحب کی نظر میں بدیہی البطلان ہی

جس کا قرآن و حدیث میں کوئی اثر و نشان نہیں پایا جاتا۔ پھر مولوی صاحب پرورد اس قدر غالب ہو کر آپ ہی بحث کے لئے بلائے اور آپ ہی کنارہ کر جاتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ مولوی صاحب نے ایک بڑے کٹر و فرسے ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء کو تاریخ بھکر اس عاجز کو بحث کے لئے بلایا کہ جلد آؤ اور آکر بحث کرو ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ اس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب نے اس طرف رخ تو کیا اور شوق ہوا کہ اب کھیں کہ مولوی صاحب ہنر کیج، ابن مریم کے زندہ مع الحمد اٹھائے جانے کا کوئی ثبوت پیش کرتے ہیں یا بعد موت کے پھر زندہ ہو جانے کا کوئی ثبوت قرآن و کلم یا صحیح حدیث سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ لدھیانہ میں ایک عام پیر چاہو گیا کہ مولوی صاحب نے بحث کے لئے بلایا ہے اور سیالکوٹ میں بھی مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے خط بھیج کر ہم نے تار کے ذریعہ سے بلایا ہے۔ لیکن جب اس عاجز کی طرف سے بحث کے لئے طیاری ہوئی اور مولوی صاحب کو پیغام بھیجا گیا تو آپ نے بحث کرنے سے کنارہ کیا اور یہ عذر پیش کر دیا کہ جب تک ازالہ اوہام چھپ نہ جائے ہم بحث نہیں کریں گے۔ آپ کو اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ ہم نے تو بلانے کے لئے تاریخ بھی تھی۔ اور یہ بھی ایک خط میں لکھا تھا کہ ہمیں ازالہ اوہام کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی بار بار ظاہر کر دیا تھا کہ یہ شخص باطل پر ہے۔ اب ازالہ اوہام کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔ تار کے ذریعہ سے یہ پیغام پہنچا نا کہ آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے اور حتیٰ فی اللہ انویم حکیم نور الدین صاحب پر تاحی یہ الزام لگانا کہ وہ ہمارے مقابل سے بھاگ گئے اور پھر درخواست بحث پر ازالہ اوہام یاد آ جانا عجیب انصاف ہو مولوی صاحب دعویٰ اس عاجز کا سن چکے تھے فسح اسلام اور توضیح مرام کو دیکھ چکے تھے اب مروت قرآن اور حدیث کے رو سے بحث تھی جس کو مولوی صاحب نے وعدہ کر کے پھر ٹال دیا۔

مفت